هُدًى لِّلنَّاسِ وَالۡفُرۡقَانِ

انوار الفرقان

تفسیر فی اسرار القران

جلد دوم

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد محفوظ ہیں۔ کسی ادارہ یا فرد کو مصنف سے تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے یا الیکٹرانک طریقہ سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں۔

کتاب: انوار الفرقان، تفسیر اسرار القران۔
(دور حاضر کے انسانی مسائل کا حل قران مجید کے ذریعے) جلد دوم۔

مصنف: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔

پبلشر وزیر انتظام: الحفیظ ویلفئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔

پہلا ایڈیشن: اپریل ۲۰۲۰۔

پرنٹر:

ایڈریس: ہاؤس نمبر ۲، لین نمبر ۱۷، سیکٹر ایچ۔ڈی۔ایچ۔اے، فیز ۲، اسلام آباد۔

ای میل: drmharshad@gmail.com

ویب سائٹ: www.alhafeeztrust.org

ISBN: 978-969-8478-6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین ۔ رحمت اللعالمین

صاحب کتاب ۔ سرور کائنات

کے نام

جن پر کروڑوں اربوں درود اور سلام

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہْ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہْ

اے اللہ مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور اس کی اتباع عطا فرما

اے اللہ مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور اس سے مجھے بچنا عطا فرما

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	**سورۃ المائدہ**		11
.2	تعارف		11
.3	وعدہ کی پابندی و اہمیت	1	12
.4	عدل کی اہمیت	2	13
.5	حلال وحرام کی مصلحت	4	14
.6	پانسہ اور فال	4	17
.7	استخارہ	4	18
.8	بروقت فیصلہ	4	18
.9	شکار کے احکام	4	19
.10	بین المذاہب تعلقات	5	20
.11	وضو	6	22
.12	طریقہ وضو	6	23
.13	آداب وضو	6	24
.14	وضو کی دعائیں	6	24
.15	وضو کے فوائد	6	25
.16	عہد اور عدل کی اہمیت	8	26
.17	سیدھا راستہ	12	30
.18	احکام سے انکار پر سزا	26	34
.19	جرم کے اسباب	27	36
.20	جرم عظیم	32	38
.21	امن کا احترام	34	39
.22	چوری کی سزا	38	41
.23	عزت نفس	39	43
.24	قانون کی تنفیذ میں مساوات	42	44
.25	احکام کا بدلنا اور رشوت	41	45
.26	دوسرے مذاہب کے احکام	41	46
.27	خدائی احکام کی تنفیذ	44	48
.28	قانون قصاص	45	48
.29	معاف کرنا	45	49
.30	انسانی قوانین بمقابلہ الہامی قوانین	49	51
.31	عدل کی اہمیت	49	52
.32	تفاہم بین المذاہب	49	52
.33	حق کا اظہار و تلقین	63	60
.34	فساد کی وجہ اور عذاب	64	61

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
35.	معاملات اور نیک اعمال	68	64
36.	خلاف ورزی کی وجہ	70	65
37.	غلو	77	68
38.	غلو کیوں؟	77	68
39.	عذاب خدا کی وجہ	80	70
40.	**ساتواں پارہ**		**73**
41.	اسلام میں رہبانیت	87	74
42.	انسانی فلاح	89	76
43.	برے اعمال	91	78
44.	احکام پہنچانا فرض ہے	99	83
45.	اچھے اور برے کا فرق	100	83
46.	اندھی تقلید کیوں	104	87
47.	اپنی ذمہ داری، نیکی کی دعوت	105	87
48.	وصیت اور گواہی	109	89
49.	تائید خداوندی کس طرح	110	91
50.	دسترخوان کی طلب	113	92
51.	تبلیغ احکام کے مطابق ہو	117	94
52.	غلط آراء واقوال کی پیروی ممنوع ہے	117	94
53.	صحیح پیروی نہ کرنے والا بخشش کا مستحق نہیں	117	95
54.	معلومات کی تصدیق	117	95
55.	طلب کا انداز	118	95
56.	معاشرہ کی کامیابی	119	96
57.	**سورۃ الانعام**		**98**
58.	تعارف		98
59.	باہمی الفت	8	102
60.	نافرمانی اور ظلم کا نتیجہ	11	103
61.	اصلی لیڈرشپ کا معیار	14	105
62.	دعوت کی اہمیت اور علمی معافی	19	106
63.	اعضاء کی گواہی	24	108
64.	منفی انداز فکر اثر	26	109
65.	دنیاوی زندگی کی حقیقت	32	112

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
66.	کامیاب زندگی	32	112
67.	مخلوق سے خالق کا علم	38	115
68.	تخیل کا دھوکہ	44	117
69.	اخلاص کی اہمیت و مقام	52	121
70.	آدھی موت	60	125
71.	اعمال کاریکارڈ	61	125
72.	غلو	93	136
73.	خالق اور تخلیق	96	137
74.	تبلیغ میں تشدد منع ہے	107	143
75.	**آٹھواں پارہ**		**146**
76.	گمراہی اور انسانی نفسیات	112	146
77.	قدرت کے اصول	117	149
78.	ترجیحات اور ضد کا نتیجہ	119	150
79.	ظاہری اور باطنی گناہ	120	151
80.	شیطان کا طریقہ کار	129	154
81.	فریضہ تبلیغ	130	156
82.	جزا و سزا کا اصول	132	157

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
83.	برے رواج کیسے بنتے ہیں؟	137	159
84.	عقائد فاسدہ کی بنیاد	139	160
85.	والدین کی ذمہ داری	140	161
86.	معاشی مساوات	141	162
87.	اصول زکوٰۃ	141	162
88.	انسانی اختیار اور اسباب	150	167
89.	اسلامی معاشرے کی بنیاد	151	168
90.	اچھی تربیت	152	169
91.	فحاشی سے بچنے کے لئے تربیت	152	170
92.	قتل ناحق	152	171
93.	یتیم کا مال	152	171
94.	ناپ تول کی ذمہ داری	152	172
95.	عدل وانصاف کرو	152	172
96.	عہد شکنی	152	173
97.	وصیت نبوی اور امت مسلمہ	157	173

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
98.	سورج کا مغرب سے نکلنا	158	176
99.	فرقہ بازی کا نقصان اور بچاؤ	159	177
100.	نیکی کی ترغیب	160	178
101.	معیار اجر	160	178
102.	اعمال میں انفرادی ذمہ داری	164	180
103.	**سورۃ الاعراف**		**182**
104.	تعارف		182
105.	اتباع کس کی کریں؟	3	184
106.	پوچھ گچھ (جوابدہی)	6	184
107.	حساب وکتاب	8	185
108.	شکر اور اسکی اہمیت	10	186
109.	تکبر اور اسکے نقصانات	13	188
110.	شیطان کا طریقہ واردات	17	189
111.	مسلمان کا لباس	20	192
112.	کونسا لباس	26	191
113.	شیطان کا وجود اور اس کا حملہ	27	193
114.	سدباب	27	194
115.	اقتصاد اور ماحول کا اہتمام	31	197
116.	لباس کے احکام	31	197
117.	جواز کا حکم	31	198
118.	اسراف کے نقصانات	31	198
119.	کیا اچھا لباس، غذا ممنوع ہے؟	32	199
120.	حضور ﷺ اور صحابہ کی غذا اور لباس	32	200
121.	جنت کا ماحول	43	205
122.	مدت تخلیق کائنات	54	209
123.	اعتدال عبادت	55	210
124.	ماحول کا اہتمام، فساد واصلاح	56	210
125.	زرعی علوم	57	211
126.	دوبارہ زندگی کیسے؟	57	212
127.	حضرت نوح علیہ السلام	64	214
128.	قوم عاد	65	217
129.	قوم ثمود (حضرت صالحؑ)	73	219

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.130	قوم لوط	80	221
.131	غیر فطری جنسی عمل	81	222
.132	حضرت شعیبؑ	85	224
.133	ناپ تول اور حقوق کی ادائیگی	86	224
.134	**نواں پارہ**		**225**
.135	اسباب فساد	88	226
.136	صداقت گفتار	106	229
.137	مفادات بمقابلہ عدل	106	230
.138	صبر و استقامت	126	234
.139	ہوس اقتدار اور ظلم	127	235
.140	اسلام اور بد شگونی	131	236
.141	احکام الٰہی	144	242
.142	عمل کی اہمیت	145	243
.143	تکبر و گمراہی	146	243
.144	ٹریننگ / تیاری	146	242
.145	تنقید کے لئے قوت	150	245
.146	غصہ اور اس کا علاج	150	247
.147	نیکی کی اہمیت اور پھیلانا	165	253
.148	مکافات عمل	170	256
.149	پڑھنا یا عمل	157	256
.150	انسانی عمل کی اہمیت	176	258
.151	علماء سوء	178	259
.152	سمجھ اور عمل	178	259
.153	اللہ کے نام اور پکارنا	180	260
.154	قیامت	187	264
.155	تلاوت کیسی اور کس طرح	204	270
.156	ذکر کے آداب	205	272
.157	**سورۃ انفال**		**274**
.158	تعارف		274
.159	قانون کی حکمرانی	1	276
.160	اعلیٰ لیڈر شپ	1	276
.161	مومن کی صفات	2	277
.162	لیڈرشپ کا معیار	5	280
.163	لیڈرشپ اور دفاع	6	281
.164	فرشتوں کی مدد	12	282
.165	اطاعت نبی	21	287
.166	انسانی جان کی حفاظت	21	287
.167	دل کا پھرنا	22	287

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.168	قوانین کی بنیاد وحی الٰہی کیوں؟	25	288
.169	اچھائی پھیلانا، برائی کو روکنا	25	289
.170	خیانت	27	291
.171	اسباب خیانت / علاج	28	291
.172	**دسواں پارہ**		**297**
.173	فلاحی ریاست	41	297
.174	اسباب فتح اور جنگی نفسیات	42	299
.175	کامیابی کے اصول	46	300
.176	اتحاد کیوں کر؟	46	300
.177	اسلام میں جنگ، طریقہ و مقصد	47	302
.178	جنگ کیوں؟	47	303
.179	تقدیر امم	54/53	304
.180	عہد کی اہمیت	56	306
.181	رئیس حکومت کی عہد شکنی	58	307
.182	دفاع کی اہمیت اور طریقہ	60	308
.183	مخالفت کے اسباب	60	309
.184	مخالفت یا صلح جوئی	61	309
.185	جنگی قیدی	61	309
.186	معاہدے اور امن	72	317
.187	بڑا مرتبہ۔ بڑی قربانی	75	316
.188	ہجرت	75	317
.189	مذہب کے نام پر جنگ	75	317
.190	**سورۃ توبہ**		**319**
.191	تعارف		319
.192	غیر مسلموں سے معاملات کے اصول	4	322
.193	طعن و تشنیع اور علمی تنقید	12	326
.194	غزوہ حنین	25	332
.195	لیڈر شپ اور شجاعت	26	331
.196	انسانی عظمت اور لیڈرشپ	26	334
.197	اسلامی فراخدلی	28	335
.198	انسانی عظمت اور لیڈرشپ	29	333

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
199.	عبادت گاہوں اور مساجد کا احترام	28	335
200.	جزیہ	28	336
201.	اندھی تنقید اور تشدد	31	337
202.	علماء اور امراء کا اثر	31	338
203.	خیالات کا سراب	37	342
204.	دفاعی منصوبہ بندی	38	342
205.	اسلام کی حفاظت کیسے؟	38	343
206.	تبلیغ و عمل	41	345
207.	منافقت اور اسکے اثرات	56	349
208.	زکوۃ کے مصارف	60	351
209.	زکوۃ کس طرح ادا کی جائے	60	351
210.	احترام نبی	65	353
211.	عفوودرگزر	66	354
212.	اختلاف اور تشدد	66	354
213.	**گیارھواں پارہ**		**363**
214.	صحابہ کا اخلاص اور مقام	106	366

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
215.	مومنوں کی صفات	112	373
216.	صدقہ بطور کفارہ	118	377
217.	توبہ اور اخلاص	118	377
218.	برکات غزوہ تبوک	117	377
219.	سچ اور سچائی	119	379
220.	علم کی اہمیت اور ضرورت	122	380
221.	ریاستی ذمہ داری	122	380
222.	تعلیم و اختلافات	122	380
223.	بچاؤ کی پالیسی	122	381
224.	**سورۃ یونس**		**386**
225.	تعارف		386
226.	نبی کی صفات	2	387
227.	وجود مخلوق سے خالق کی دلیل	3	389
228.	نظام کائنات اور دوسری زندگی	3	390
229.	اعمال کا سراب اور سزا میں مہلت	14	392
230.	بتوں کی سفارش	18	395
231.	تبلیغ اور تشدد	40	405
232.	قرآن موعظہ / شفا	57	409

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
233.	قرآن رحمت و ہدایت	57	411
234.	شکر گزاری	60	412
235.	مذہبی اختلاف کا فیصلہ	93	424
236.	حضرت یونس علیہ السلام	98	425
237.	دین میں جبر نہیں	99	426
238.	عقل کا استعمال اور دین	100	426
239.	**سورۃ ھود**		**430**
240.	تعارف		430
241.	آیات کی خصوصیات	1	431
242.	زندگی میں آرام	3	432
243.	شانِ نزول	5	433
244.	ظاہر اور چھپا ہوا	5	434
245.	ظاہر کا خوف اور محبت کی کشش	5	434
246.	**بارھواں پارہ**		**435**
247.	معلومات کا ذخیرہ	6	435
248.	رزق اور ٹھکانہ	6	436
249.	آزمائش اور صبر	11	439
250.	عمل سے زندگی بنتی ہے	15	442
251.	دنیا کی زندگی اور انعام	48	457
252.	دعوت حق اور معاوضہ	51	458
253.	دفاعی یا مقامی قوت	80	469
254.	عذاب کا سبب	81	470
255.	طریقہ دعوت	88	473
256.	انسانی معاشروں کی تباہی	100	476
257.	تقدیر اور عمل	101	476
258.	اچھے اعمال	101	477
259.	انسانی معاشرہ میں انحطاط اور تباہی	116	483
260.	ظلم اور کفر	117	484
261.	اختلاف کیوں اور اس کا نتیجہ	118	485
262.	**سورۃ یوسف**		**488**
263.	تعارف		488
264.	طریقہ تبلیغ	2	490
265.	خواب	4	491

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
266.	خواب کے اسباب	4	492
267.	خارجی امور	4	492
268.	خواب کا بیان	5	493
269.	خواب کی تعبیر	5	494
270.	شیطانی حملہ اور اس کا علاج	8	497
271.	حسد	15	501
272.	رشک	15	501
273.	حسد کا علاج	15	501
274.	صبر جمیل	15	500
275.	گمشدہ اشیاء	15	503
276.	فریب گناہ	26	506
277.	دنیا اور آخرت	33	511
278.	**تیرھواں پارہ**		**519**
279.	گناہ/برائی کے اسباب	53	520
280.	عہدہ اور معاہدات	55	524
281.	دنیا کے نیک اعمال	55	524
282.	نقصان سے بچاؤ	67	529
283.	نظر لگنا	67	529
284.	امید کی برکت	87	535
285.	صبر	87	536
286.	معجزہ یا کرامات	96	540
287.	شیطان کے اعمال	97	542
288.	شکر و انداز شکر	107	543
289.	اعتراف گناہ اور معافی	110	544
290.	مصنف کا تعارف		550

سورۃ المائدہ

تعارف:۔

سورۃ المائدہ قرآن مجید میں ترتیب کے لحاظ سے پانچویں سورۃ ہے اور یہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی، اس لئے مدنی سورۃ کہلاتی ہے۔ اسکے 16 رکوع اور 120 آیات ہیں۔ اس سورۃ میں کل 12464 حروف ہیں۔ اس کا نام المائدہ ہے۔ سورۃ میں دو آیتوں میں المائدہ یعنی کھانے کا خوان کا ذکر ہے جو کہ آیت نمبر 112 اور 114 میں مذکور ہے۔ اس سورۃ کے اور بھی نام ہیں۔ اس کا زمانہ نزول ہجرت نبوی کے بعد کا ہے۔ بعض آیات صلح حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئیں جو 6 ہجری میں ہوئی۔ سورۃ میں آیت " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ " عرفات کے مقام پر نازل ہوئی۔ یہ ان سورتوں میں سے ایک ہے جو کہ آخری وقت تک نازل ہوئیں۔

سورۃ المائدہ میں اسلامی معاشرت کے اہم احکامات ہیں۔ مثلاً عقود، عہد کو پورا کرنا۔ اس میں خمر یعنی شراب کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔ وضو اور تیمم کے احکامات بھی ہیں۔ کھانے پینے، حلال و حرام جانور اور ذبیحہ و شکار کے احکام کا ذکر ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر، ان کا اور حضرت مریم علیہا السلام کے مرتبہ کا بیان ہے اور نصاریٰ کے عقیدہ حلول اور عقیدہ تثلیث کو باطل کہا گیا ہے۔ حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور خود سے حلال و حرام کا فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

یہود اور منافقین کو دوست بنانے کے نقصانات، گواہی کے آداب اور وصیت میں گواہ کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا نزول مائدہ (کھانے کے خوان) اور اس کے نازل ہونے کے بارے میں ذکر ہے۔

اللہ تعالی انسانیت کے لئے صالح معاشرہ پسند فرماتے ہیں اور اسلام اس کے لئے ایک عملی پروگرام پیش کر رہا ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً اٹھارہ کے قریب مختلف معاشرتی احکامات کا ذکر ہے۔

سورۃ المائدہ معاشرتی اور عقائد کے نقطہ نظر سے ایک اہم سورت ہے۔ ایک روایت (حدیث) کے مطابق ملکوت میں اس کا نام المنقذہ ہے کیونکہ یہ سورت اپنے

پڑھنے والوں کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں نجات دیتی ہے (الانقاذ نجات دلانا) اسی طرح اس میں عقود کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام العقود بھی کہیں کہا گیا ہے۔ اس کا پڑھنا بڑا ثواب ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿١﴾

اے ایمان والو! اپنے معاہدے (عہد) کو پورے کرو۔ تمہارے لئے ہر قسم کے چوپائے (مویشی) حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جن کے حکم تمہیں پڑھ کر سنائے جائیں گے۔ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْىَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ط وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللهَ ط اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ حرم میں قربان ہونے والے اور نہ ان جانوروں کی جن کو پٹے پہنائے ہوں اور نہ ان لوگوں کو جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لئے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قوم کی دشمنی صرف اس لئے ان پر زیادتی کرنے پر نہ آمادہ کرے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں مدد کرو اور گناہ اور عداوت (زیادتی) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

وعدہ کی اہمیت وپابندی:۔

سورۃ کی ابتداء اہم آیت سے ہے کہ عقود کی پاسداری اہل ایمان کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے اوفو (حکم ہے) عقد کے معنی کسی چیز کے ساتھ گرہ باندھنا، عہد کے معنی لازم اور عقد کے معنی پختگی کے ساتھ لازم کرنا۔ اس سے مراد ہر قسم کے عقود و عہود ہیں خواہ وہ تجارتی ہو جیسے خرید و فروخت یا سماجی و معاشرتی، جیسے نکاح یا دوسرے مختلف باہمی انسانوں یا ملکوں کے

درمیان باہمی مدد و تعاون قرار پائیں۔ ان کی پابندی مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ بعض نے ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ حقوق اللہ بھی ایک اللہ اور اس کے بندے کے درمیان عقد ہے جس کی بنیاد شرع / احکام الٰہی اور عقل انسانی ہے جو خالق کو مخلوق کے ذریعہ سے پہچان کر اس کو مانتی ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا یقین و عہد کرتی ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو انسان خود اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے جیسے کوئی قسم اُٹھا کر یا کوئی نذر مان کر کام کرنے کا وعدہ کرے۔ اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہے اور اگر وہ کام شریعت اسلامی یا انسانی عمومی اصولوں کے خلاف ہے تو اس کو چھوڑ کر قسم یا نذر کا کفارہ (جرمانہ) دینا چاہیے اور اس کام کو نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح مختلف افراد کے درمیان بھی معاہدے یا عقود ہوتے ہیں ان کو بھی پورا کرنا ضروری ہے ان کے بارے بھی قانونی نوعیت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابوں میں متعلقہ ابواب کے ذریعے تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے۔

اگلا حکم جانوروں کے گوشت کھانے کے بارے ہے کیونکہ ایام جاہلیت میں لوگوں کے جانوروں کے گوشت کھانے کے طریقے تھے۔ پھر یہود کے ہاں بھی ذبح کا طریقہ تھا۔ صحابہ کرام کو مدینہ شریف اسلامی مملکت میں احکام کا انتظار تھا۔ ایام جاہلیت میں بھی لوگ قربانی کے جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ کفار مکہ کے رویہ اور پھر اللہ نے مسلمانوں کو طاقت دی تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مشرکین قبائل کے جانور کو کیوں نہ روکا جائے اور ان کو استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے حکم فرمایا کہ چونکہ یہ جانور الگ قربانی کے مقصد کے لئے جا رہے ہوتے ہیں لہٰذا ان کو نہ پکڑا جائے نہ مارا جائے۔ اس حکم سے واضح ہے کہ چونکہ جانور ایک بھلائی کے لئے تھے اگرچہ ان کے مالک غیر مسلم تھے پھر بھی اسلام نے ان کو ان کی اسلام دشمنی کے باوجود ان کے جانوروں کو چھیننے یا شکار کرنے سے منع کر دیا تاکہ جس مقصد (یعنی قربانی) کے لئے جا رہے ہیں پورا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی احرام کی حالت میں ہو تو اسے بھی خشکی پر شکار کرنا منع ہے یعنی اس حالت میں وہ جانور کو نہیں مار سکتا اگرچہ اسے اپنی غذا کی بھی ضرورت ہو۔ اسلام کا یہ امن سے محبت کا پیغام ہے کہ سفر امن و سلامتی اور احرام کی حالت میں ہے۔ لہٰذا حیوانات کو بھی امن و سلامتی دینی چاہیے۔ پھر یہ حکم دیا کہ جن چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو اس کا بھی احترام کرنا چاہیے۔

شعیرہ کے معنی علامت کے ہیں اور شعائر اللہ سے مراد اللہ کی علامتیں یعنی کچھ علماء نے اس سے مراد مناسک حج لیا ہے۔ کچھ نے مکہ شریف میں مقامات جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے متعلق ہیں، صفاو مروہ و زمزم۔ کچھ نے اس اللہ کے احکام اوامر اور نہی مراد لیا ہے کہ ان کا احترام و اہتمام کیا جائے اور اسی طرح حرمت کے مہینے ہیں کہ ان میں لڑائی سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ سفر حج اور واپسی کے مہینے ہیں۔

عدل کی اہمیت:۔

انسانیت اور عدل پسندی اسلام میں اس قدر اہم ہے کہ حکم دیا تمہیں کفار یا مشرکین کی دشمنی انہیں مکہ جانے سے روکنے کے لئے نہ اکسائے۔ اگرچہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ شریف عمرہ کرنے یا عبادت کرنے سے روکا تھا لیکن جب مسلمانوں کو طاقت ملی تو حکم ہوا کہ نیکی کے کاموں میں مددگار بنو اور برائی کے روکنے میں مدد کرو اور اللہ کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ آیت مبارکہ بہت اہم ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان اپنے وعدوں کو پورا، نیکی اور سچائی، عدل و انصاف کے نافذ کرنے اور معاشرے میں برائیوں کو ختم کرنے میں کس قدر اپنی کوششیں صرف کر رہے ہیں؟ بدقسمتی سے مسلمان معاشرے ان بنیادی اقدار و احکام کے نفاذ میں کمزور ہیں۔

آیات مبارکہ کا تعلق پہلی آیت کے احکام کی تفصیل سے ہے جہاں چوپاؤں کے کھانے کے سلسلہ میں حلال کا حکم دیا گیا تھا اور تفصیل کے لئے نشاندہی کی گئی تھی۔ جانوروں کو بطور انسانی خوراک کے استعمال پر کچھ لوگ اور مذاہب اعتراض کرتے ہیں مثلاً ہندو اور بدھ مت کہ وہ جاندار ہیں ان کو ہلاک کرنا زیادتی اور ظلم ہے۔ اس کی جو حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ حیوانات اللہ کی مخلوق ہیں اور چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اسے اپنی غذا اور استعمال کے لئے ان کو استعمال کرنا اللہ کی نعمتوں کا استعمال ہے۔ ان کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے۔ اس لئے کھیتی باڑی، اون، کھال، ہڈیاں، غذا، نقل و حمل کے لئے ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے اور پالتو جانوروں کے علاوہ دوسرے جانورون کو بھی کھانے کے اجازت ہے۔ اس میں پرندے بھی شامل ہیں۔ ایک اہم چیز جو ہر انسان اور بالخصوص مسلمان کو یاد رکھنی چاہیے وہ یہ حکمت ہے کہ ان کو ذبح کرنے سے

پہلے اللہ کی ذات کا نام لینا یعنی یاد کرنا ضروری ہے اور اسی کے نام کے ساتھ ان کو زندگی سے محروم کرنا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو زندگی سے محروم کرنا ہے تو آسان طریقے سے ان کو زندگی سے محروم کیا جائے جو ان کے لئے کم سے کم درد کا باعث ہو۔ مثلاً حدیث مبارک میں فرمایا گیا ہے کہ جانور کو تیز دھار آلہ کے ساتھ ذبح کیا جائے تاکہ اسے کم سے کم تکلیف اور فوری طور پر اس کی جان نکل جائے۔اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے قطعاً ذبح نہ کیا جائے۔ذبح سے پہلے جانور کو پانی پلانا چاہیے۔

حلال وحرام کی مصلحت:۔

ذبح کے احکام میں اور حلال وحرام کے احکام بھی انسانی زندگی اور صحت کے لوازمات کے بالکل مطابق ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ انسانی صحت وسلامتی کو مدنظر رکھ کر یہ احکام دیئے گئے ہیں کہ صرف وہی جانور کھایا جائے جس کی اجازت ہے اور پھر جس کی اجازت دی گئی اس میں سے بھی وہی کھایا جائے جو ایک خاص طریقہ سے مرا ہے یعنی اس کا خون اس کے جسم سے نکلا ہے (نکل گیا ہے)۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جب سائنس اور علم صحت وابدان میں تحقیق وعلم نہیں تھا اس وقت اس کو ایک مذہبی حکم سے نافذ کر کے انسانوں کی سلامتی کو یقینی بنایا گیا۔ آج علم طب میں یہ بتایا جاتا ہے کہ خون ہر جاندار کی زندگی کے لئے ضروری ہے اور اس میں اس جاندار کے ہارمون اچھے ہوں یا خراب، موجود رہتے ہیں۔ اگر خون نکل جاتا ہے تو یہ گوشت میں جذب نہیں ہوتے بلکہ جسم سے باہر نکل جاتے ہیں۔ اس صورت میں جب گوشت بطور غذا استعمال ہوتا ہے تو جہاں مواد غذائیت (پروٹین، معدنیات (منرل) دھنیات (فیٹس) مہیا کرتا ہے وہاں نقصان دہ ہارمون غذا کا حصہ نہیں بنتے۔ اس کے برعکس اگر خون گوشت کے اندر جذب ہو جائے، تو انسانی غذا میں اس کے نقصان دہ اجزاء شامل ہو جائیں گے۔ اسی لئے شریعت کا حکم ہے کہ خون والی تین اہم رگوں کو کاٹا جائے تاکہ خون زور سے دھار کی شکل میں نکلے اور مکمل نکلنے تک اس کا انتظار کیا جائے۔ یہ تو جانور کو مارنے کے احکام کی مصلحتیں انسانی مفاد کے پیش نظر رکھی گئیں اور دوسری طرف جب ہم حلال اور حرام یعنی وہ جانور جن کا گوشت کھانے یا نہ کھانے کا حکم دیا گیا ہے ان پر غور کرتے ہیں تو پھر ہمیں انسانی صحت، مزاج میں اچھے خصائل اور اچھی صحت کو برقرار رکھنے کی اہمیت واضح ہوتی

ہے۔ مادہ غذا، کسی بھی انسان یا حیوان کے لئے اہم ہے۔ اسی غذا سے اس حیوان کے جسم میں نشو نما (گروتھ) ہوتی ہے۔ یہ مادہ غذا اس کے خون اور اس کے گوشت کا بنیادی حصہ بنتا ہے اور پھر گوشت میں اس کے اجزاء وخواص شامل ہوجاتے ہیں، جب انسان اس گوشت کو بطور غذا استعمال کرتا ہے اس کے جسم میں بھی یہ اجزاء شامل ہوکر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جن جانوروں کو حلال قرار دیا گیا ہے وہ جانور گوشت خور نہیں بلکہ پودے کھانے والے ہیں، مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، بھینس وغیرہ۔ اسی لئے جو جانور چیر پھاڑ یا پرندے جو چیر پھاڑ کر گوشت کھاتے ہیں ان کو حرام یا مکروہ قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کے گوشت کے اثرات سے انسانی جسم کو محفوظ رکھا جائے یا کم سے کم ہوں اور حیوانی عادات یا جبلت کم سے کم رہے۔

جو جانور حرام ہیں ان کا ذکر فرما کر انسانوں کے لئے اجازت یا حلال کی وسعت ظاہر کردی حرام کو مقید کرکے حلال کی حدود آزاد چھوڑ دی تاکہ انسان زیادہ سے زیادہ جانوروں سے فائدہ اُٹھا سکے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳

تمہارے لئے حرام کئے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سور (خنزیر) کا گوشت اور وہ جانور جس کے ذبح پر اللہ کے سوا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مر جانے والا، چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مرنے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا، جس کو درندے نے کھایا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو (زندہ پاکر) اور وہ جانور جو بتوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو یہ سارے کام فسق (گناہ) ہیں۔ آج وہ لوگ جنہوں نے تمہارے دین کا انکار کیا وہ نا امید (مایوس) ہوگئے تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ پس جو

شخص بھوک سے بے بس ہو جائے (حرام چیز کھالے) جب کہ وہ
گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا
نہایت رحم کرنے والا ہے۔

جن جانوروں کے کھانے سے مکمل طور پر منع فرمایا گیا یعنی حرام ہیں ان کی آیت کے مطابق تفصیل یوں ہے:

ا۔ طبعی طور پر مرنے والا جانور: کم علمی کی وجہ سے مشرکین و کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ جس جانور کو خود مارا جائے وہ کھانا ٹھیک ہے اور جس جانور کو قدرت مار دے اس کا کھانا حرام ہے یہ چیز ان کو باعث اعتراض تھی کہ انسان ایک زندہ جانور کو ختم کر دیتا ہے اس کو کھالے اور جو جانور خود مر جاتا ہے اس کو نہ کھائے۔ یہ ان کی علم طب وصحت سے لاعلمی کا سبب تھا۔ اب علوم بالخصوص علم طب کی ترقی نے مصلحت واضح کر دی ہے چونکہ اس میں خون اندر رہ جاتا ہے اس لئے حرام قرار دیا۔ ان مردار میں دو جانور جو طبعی موت مرتے اور حلال ہیں (ا) ٹڈی (۲) مچھلی۔ ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں جو جانور سمندر سے باہر خشکی پر نہیں رہ سکتے وہ بھی مچھلی کے حکم میں آتے ہیں اور اب علم طب جراحت و کیمیاء نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہ سفید خون والے جانور ہیں جن کے گوشت کی خصوصیات سرخ خون والے جانوروں سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں خون کی مقدار بھی برائے نام ہوتی ہے۔

۲۔ جو خون جسم سے نکل رہا ہو وہ بھی حرام ہے البتہ جو خون نکلنے کے بعد گوشت کے ساتھ لگ جاتا ہے وہ جائز ہے یعنی صاف کر کے اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کے مطابق دو خونِ (منجمد) حلال ہیں ایک کلیجہ اور دوسرا تلی (سنن ابن ماجہ)۔

۳۔ سور (خنزیر) کا گوشت بھی حرام ہے اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں بیان ہو چکی ہے۔

۴۔ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو یعنی بوقت ذبح اللہ کے بجائے غیر اللہ کا نام سے ذبح کیا جائے یعنی پکارا جائے۔ جس طرح مشرکین مکہ لات و عزیٰ کے نام سے ذبح

کرتے تھے۔ بحوالہ المختصر المعانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی؛ "وآنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود"۔ (جس کو ذبح کرتے وقت خدا کے علاوہ اس کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔)

۵۔ جس کا گلا گھٹ جائے اور اس سے مر جائے، خواہ قصداً ہو یا کسی حادثہ کے نتیجہ میں۔ چونکہ خون اس میں رہ جاتا ہے اس لئے حرام ہے۔

۶۔ جس کو ضرب مار کر ہلاک کیا گیا ہو یعنی ایسی چوٹ جس سے زخم نہ ہو اور خون باہر نہ نکلے چونکہ یہ ذبح نہیں ہوتا اور خون نہیں نکلتا، حرام ہے۔

۷۔ جو کسی بلند جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے مثلاً کسی غار سے یا کنویں میں گر کر یا چھت سے گر کر اور زخم اور خون نہ نکلے، حرام ہے۔

۸۔ کسی جانور کو کسی دوسرے جانور نے مارا ہو اور وہ اس کے مارنے کے سبب مرا ہو۔ اسی طرح درندوں کا کھایا ہوا جانور بھی حرام ہے کیونکہ ان کے کھانے سے ان کے اثرات اور جراثیم اس کے جسم میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان کا اثر بھی انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ کسی جانور کو اگر کسی درندے نے زخمی کر دیا ہو اور وہ مرا نہ ہو تو اسے تکبیر کے ذریعہ (کسی تیز دھار آلے سے) ذبح کر کے جس کے بعد اس کی جان نکل جائے اور مزید خون نکلے وہ بھی کھانے کی اجازت ہے۔

۹۔ خون، مردار اور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کے نام کے جانوروں کے علاوہ دوسرے جانور جو آیت میں مذکور ہیں اگر وہ زندہ ہوں اور ان کو تیز دھار آلے کے ساتھ تکبیر پڑھ کا مارا جائے اور ان کا خون نکلے (یعنی خون نکلے اور جسم ہلے) تو وہ حلال ہے ان حیوانات پر بھی ایسا ہی حکم ہوگا جس طرح ایک صحت مند جانور کو حلال کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ وہ جانور جو بتوں کے نصب شدہ پتھروں پر (علی النصب) ذبح کئے جاتے تھے جو کہ خانہ کعبہ کے ارد گرد تھے ان سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ان نصب شدہ پتھروں کے پاس ذبح کرتے اور خون ان پر مل دیتے اور گوشت رکھ دیتے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے۔ نصب عربی میں نصیب کی جمع ہے اور نصیب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی شئ پر نصب کیا جاتا ہے (المفردات)۔ عمومی طور پر یہ

پتھر غیر منقوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرما دیا ان جانوروں کو جو نصب پر ذبح کئے جاتے ہیں ان کا کھانا حرام کر دیا خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تا کہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے (تبیان القرآن جلد سوم از علامہ غلام رسول سعیدی)

فال:۔

اسی طرح وہ امور جو ذات خداوندی پر ایمان اور یقین کو متزلزل کرتے ہیں ان کو بھی منع (حرام) فرمایا گیا ہے۔ فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرنا اور فیصلہ کرنا۔ ازلام، زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا ایک ٹکڑا ہوتا تھا جس پر لوہے کی نوک نہیں ہوتی تھی اور زمانہ جاہلیت میں لوگ کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے مثلاً شادی، سفر، کاروبار، معاہدہ کرنے کے لئے ان کاہنوں (تیر رکھنے والوں) کے پاس جاتے۔ تیر کی ایک طرف کام کرنے کا حکم ہوتا کہ "اس کو کرو" اور دوسری طرف ہوتا کہ "اس کو نہ کرو" پھر جس طرح تیر گرتا اور جو عبارت تحریر ہوتی (حکم یا منع) اس پر عمل کیا جاتا۔ یہ اعمال اس لئے حرام ہیں کہ اس میں انسان کی جستجو، کوشش، غور و فکر اور تجزیہ کو کوئی دخل نہیں بلکہ محض وہم و اختراع کی بناء پر ایک فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو تقدیر سمجھ لیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ اس کی مصلحت یہ ہے کہ آدمی میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔ انسان تحقیق تجزیہ اور معاملہ فہمی نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے پر بغیر سمجھ بوجھ کے پورا یقین کر لیتا ہے جس طرح کہ تیر ہے۔ اس معاملہ کو قرعہ اندازی سے مشابہت یا کنفیوژن نہیں کرنی چاہیے کیونکہ قرعہ اندازی میں دونوں اطراف کے حقوق و مطالبات، شرائط اور کیفیات کا جائزہ لیا جاتا اور جب دونوں برابر ہوں تو پھر فیصلہ قرعہ اندازی پر کر دیا جاتا ہے۔ اسلام سوچ سمجھ غور و فکر کی تلقین کرتا ہے۔ وسائل اللہ کے انعام ہیں اور وسائل کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح سائنسی تحقیقات جو کہ مستند اور آزمودہ شواہد پر مبنی ہیں، ان کے مطابق کام کرنا، ان سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ کائنات کا نظام، ایک معین خدائی نظام پر چل رہا ہے اور سائنسی معلومات اس نظام کا حصہ ہیں۔ یہ اللہ پر یقین کو مزید مضبوط اور اس کے وجود

کی ایک دلیل ہیں۔ یہ اسباب اور نتائج اللہ کی تقدیر کا حصہ ہیں۔

استخارہ:۔

استخارہ کا عمل پانسہ کے عمل سے مختلف ہے۔ استخارہ اس وقت کرنا چاہیے جب دونوں اطراف برابر ہوں اور انسانی تذبذب کو دور کرنے کے لئے قرعہ اندازی کے بجائے ایک مخصوص طریقہ سے راہنمائی لی جائے جس میں روحانیت کو دخل ہے۔اس کا طریقہ اگر آپ غور کریں تو انتہائی منظم ہے کہ آپ نماز پڑھتے اور پھر دعائے استخارہ پڑھتے ہیں۔ دعائے استخارہ : ”اے اللہ میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم اور میں عالم نہیں ہوں اور تو عالم الغیوب ہے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام، میرے دین اور میری زندگی میں (یا فرمایا میری دنیا اور آخرت میں) میرے لئے خیر (بہتر) ہو تو اس کام کو میرے لئے مقدر کر دے اور میرے لئے آسان کر دے پھر اس کام میں میرے لئے برکت ڈال۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں (یا فرمایا میری دنیا اور آخرت میں) میرے لئے شر ہو تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس کام سے دور کر دے اور میرے لئے خیر کو مقدر کر جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ“۔ (صحیح البخاری، سنن الترمذی)

بروقت فیصلہ:۔

دعائے استخارہ کا مطلب ہی خیر طلب کرنا ہے اور خیر طلب کرنے سے پہلے غور و فکر، سارے اموروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جب فوائد و نقائص برابر ہیں تو اس تذبذب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے راہنمائی اس دعا کے ذریعہ کی گئی ہے۔ ساری دعا کوشش پر دلیل ہے پھر حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز اور دعا کے بعد جس طرف دل مائل ہو اسی پر قائم رہا جائے اور تذبذب کو ختم کر دیا جائے۔ نفسیاتی طور پر تذبذب کا اس سے بہتر علاج نہیں ہو سکتا۔ تذبذب کی وجہ سے بہت نقصان ہوتا ہے اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔ اچھی مینجمنٹ کا ایک خاصہ صحیح اور بروقت بغیر کسی تذبذب کے فیصلہ کرنا ہے اور استخارہ اسی عمل کا ایک حصہ ہے جس میں مادی عوامل (علمی و

عملی معلومات) کے ساتھ روحانیت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۴)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں (اے نبی) کہ ان کے لئے (کھانے کی) کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجئے: تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار) جنہیں تم سدھا لیتے ہو اللہ نے جو تمہیں سکھایا ہے اسی طرح تم ان کو سکھاتے ہو۔ پس وہ شکار، جس کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اس پر اللہ کا نام پڑھو (اس میں سے کھاؤ)۔ اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۵)

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال اور تمہارے لئے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔ جب کہ تم انہیں ان کے مہر دے دو نیز انہیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپ کر آشنائی رکھنے والے اور جو ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل یقیناً برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

شکار کے احکام:۔

آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں ان جانوروں کا ذکر ہے جن کو انسان حلال (ذبح) کرنے کی قوت یا کنٹرول نہیں رکھتا اور ان کا گوشت کھانا چاہتا ہے تو اس کام کے لئے

تیر، بندوق، نیزہ، یا شکاری جانوروں (کتوں) یا پرندوں (عقاب، باز) کو استعمال کرتا ہے۔ اسکا حکم بھی دوسرے احکام کی طرح ہے۔ ان کے جسم سے خون نکلنا چاہیے۔ اگر بندوق یا نیزہ یا تیر سے مارا ہے تو یقیناً خون نکلے گا اور اس طرح اگر جانور یا پرندہ شکاری کے پہنچنے سے پہلے مر گیا تو بھی حلال ہے۔ چونکہ اللہ کے نام سے پاکیزہ کرنا ضروری ہے اس لئے تیر (آلہ) چلاتے یا شکاری کتا یا پرندہ چھوڑتے وقت تکبیر پڑھے۔ دوسری طرف شکاری جانوروں سے شکار کی شرط ہے کہ وہ سدھائے ہوئے ہوں۔ اس کا معیار احادیث کے مطابق یہ ہے کہ جانور شکار کو پکڑنے کے بعد نہ کھائے بلکہ اس پر کنٹرول کرے اور پکڑے رکھے۔ اگر اس نے کھانا شروع کر دیا تو وہ سدھایا ہوا نہیں ہے اور وہ گوشت کھانا حلال نہیں، کیونکہ اس میں اس کے لعاب کا اثر شامل ہو گیا ہے۔ اگر جانور زندہ ہے تو اس کو حلال (ذبح) کر کے کھایا جا سکتا ہے۔

آیت میں جانوروں کو سکھانے کا ذکر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح تمہیں اللہ تعالیٰ نے علم و عقل دیا ہے اس طرح تم ان شکاری جانوروں کو سکھاتے ہو۔ جس سے حیوانات کے غذا کے علاوہ تفتیش و شکار کے بارے بھی انسانی استعداد اور حیوانات کی قابلیت کی طرف اشارہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی ان حیوانات کے ذریعہ بہت سارے امور سرانجام دیتا ہے۔ ذبح اور شکار کے ذبح و حلال ہونے کے بارے تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع بہتر رہے گا۔ یقیناً تشریح و توضیح میں اختلاف قدرتی بات ہے۔ اس سے انسانی استعمال میں وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ جہاں کھانے، جانوروں کے حلال و حرام کی وضاحت فرمائی وہاں انسانی ضرورت غذا کو مقدم رکھا ہے کہ جہاں مجبوری ہو وہاں ممنوعہ جانوروں کا گوشت بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ صرف اس قدر ہو کہ زندگی بچ جائے اسے ایک بہانہ بنا کر استعمال کرنا سخت گناہ ہے۔ انسانوں سے تو شاید آدمی چھپ جائے لیکن قیامت میں اللہ سے کیسے بچے گا جو العلیم اور الخبیر ہے اور اس کی رحمت کی وجہ سے یہ سہولت دی گئی ہے۔

بین المذاہب تعلقات:۔

اگلی آیت مبارکہ بڑی اہم ہے کہ تم کفار یعنی انکار کرنے والے مشرکین سے نہ ڈرو، وہ اب تمہارے خلاف اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام ہو چکے ہیں اور اسلام (مسلمانوں) کو

کامیابی ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ آج میں نے تمہارے لئے دین (اسلام) مکمل کر دیا ہے۔ اس کے سارے اجمالی واصولی احکام ، انسانی زندگی کے لئے قیامت تک راہنمائی کرتے رہیں گے۔ لہٰذا مشرکین اور کفار مکہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس دنیا سے دل لگانا اور کفار سے ڈرنا مومن کے لئے بالکل نہیں اس کے ساتھ خوشخبری بھی دی کہ اس کے مکمل ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کامیابی دے کر تم پر اپنی نعمتیں بھی پوری کر دی ہیں اور اسلام کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، جس میں انسانیت کے لئے کامیابی، امن، خوشحالی، دنیا میں اور آخرت میں بھی ہے۔ اس آیت کا شان نزول حجۃ الوداع کے موقع پر یوم عرفہ کا دن ہے جب اس آیت کا نزول اور تکمیل دین کا پیغام سنا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔ ایک یہودی کو جب اس آیت کا پتا چلا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر ایسی آیت توریت میں یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید مناتے۔ اس سے آیت کی اہمیت مقصود تھی۔ مسلمانوں کے لئے یوم عرفہ بھی ایک انتہائی معتبر اور اہم دن ہے اسی طرح یوم جمعہ بھی ایک خوشی کا اور متبرک دن ہے۔

اگلی آیت مبارکہ میں بھی کھانے وحلال کے بارے احکام ہیں کہ تمام اچھی اور مفید چیزیں (طیبات) حلال ہیں اور اس ضمن میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو بھی مسلمانوں کے لئے حلال کا حکم فرمایا۔ ان کے کھانے کو بھی حلال فرمایا ان کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت فرمائی البتہ یہ شرط ضرور لگائی کہ اس نکاح کا مقصد انسانی ضرورت ہے یعنی ایک خاندان کا قیام لانا، اولاد کا پیدا کرنا اور معاشرہ میں ایک خاندان کی طرح زندگی گزارنا۔ اس سے مقصد آشنائی یا جنسی ہوس پرستی اور وقتی تسکین نہ ہو۔ ان احکام سے کس قدر واضح ہے کہ اسلام انسانیت اور انسانی مساوات پر یقین رکھتا ہے۔ اگر اہل کتاب ہے اور مسلمان نہیں ہے تو اس کو آشنائی یا جنسی تسکین سے تعلقات رکھنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ اس کے حقوق کا تحفظ ہو۔ اسی طرح جو جانور ذبح کیا گیا ہے وہ حلال ہے اگرچہ حلال کرنے والا اہل کتاب ہو۔ اہل کتاب میں یہود اور مسیحی شامل ہیں، کچھ علماء نے صحیفہ ابراہیم اور صحیفہ نوح علیہما السلام کے پیروکاروں (صابیوں) کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی کتاب اور صاحب کتاب پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ قرآن مجید

نے یہود، نصاریٰ (عیسائیوں) اور صابین (ستاروں) کے ماننے والوں کو ان کے غلط عقائد مثلاً نصاریٰ (عیسائی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) مانتے اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان کو اہل کتاب کہا گیا ہے اور بارہا اس کا ذکر اہل کتاب کے طور پر کیا ہے۔ لہذا ان پر شرک کی اصطلاح لگا کر انہیں کافر یعنی وہ لوگ جو کئی خداؤں یا بتوں پر یقین کرتے ہیں اور انبیاء کو نہیں مانتے کے برابر کافر یا مشرک جاننا ایک توجیہ تو ہے لیکن قرآن مجید کے ذکر بطور اہل کتاب اور اہل کتاب کے احکام یا آیت کے مقاصد کے خلاف ہے۔ مسیحی عقیدہ الوہیت میں غلطی کے باوجود اللہ تعالیٰ، قیامت، انبیاء، حساب وکتاب، جنت و دوزخ، اعمال کا حساب اور پھر وحی الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں، ان کے عقائد کے باوجود صراحتاً اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اس کا مقصد ہے کہ اختلاف کے باوجود اگر کچھ معاملات میں اتفاق اور ہم آہنگی ہے تو ان سے دشمنی میں نہ بدلا جائے بلکہ اسے بہتری کی طرف لے جایا جائے۔ شادیاں، خاندان بنانا اور کھانا کس قدر اہم ہے اگر اس میں اشتراک ہو گا تو نفرت جنم نہیں لے گی بلکہ تعاون اور ہم آہنگی جنم لے گی۔ جہاں بھی قتل مشرکین یا اہل کتاب کا حکم ہے اگر اس کے سیاق و سباق اور شان نزول (موقع نزول) کو دیکھا جائے تو ہمیشہ یہ امن اور سلامتی کو قائم کرنے کے لئے حکم دیا ہے تاکہ فتنہ اور جنگ کی آگ کو جلد ختم کیا جائے اور دونوں مذہبوں کے پیروکار ایک دوسرے کے ساتھ ہر وقت جنگ کے بجائے ایک پر امن اور ذمہ دار طریقہ پر معاشرہ قائم کریں جو کہ انصاف پر مبنی ہو۔ اسی لئے ذمیوں کو جنگ یعنی حفاظت وطن (اسلامی مملکت) سے مستثنٰی (معاف) قرار دیا ہے اور انہیں ان کی مذہبی آزادی کی پوری پوری ضمانت دی ہے۔ اس معاملہ میں قرآن مجید کا ایک عمومی اجازت ہے، یہ حکم نہیں ہے بلکہ ایک سہولت میسر فرمائی ہے جس کی اہمیت کو وہ مسلمان جو عیسائی یا یہودی معاشرہ میں بستے ہیں یا عیسائی جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں، سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کسی کو انفرادی طور پر پسند نہیں تو اس کا اپنا فیصلہ ہے۔

چونکہ لفظ مونث والا استعمال ہوا ''المحصنات'' اس لئے یہ حکم مردوں کے لئے ہے

کہ وہ شادی کر سکتے ہیں اور مسلمان عورتوں کو یہ اجازت نہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اولاد پر نسل کا ذمہ والد کا ہوتا ہے، لہٰذا اولاد کی نسل مسلمان ہوگی اگر مسلمان عورت کو کسی عیسائی یا یہودی سے شادی کرنے کی اجازت ہوتی تو وہ اولاد والد کے دین پر ہوتی، اس طرح انسان کے لئے ایک بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلام، یہودیت یا عیسائیت کے خلاف نہیں بلکہ ان ادیان کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ ادیان اپنے وقت میں اسلام تھے اب اسلام وہ ہے جو خاتم النبیین محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس لئے تمام انسانوں بشمول تمام اہل کتاب کے لئے دعوت ہے۔ اگر غور کریں تو ان ادیان (یہودیت اور عیسائیت) کے ساتھ کچھ عقائد واحکام میں اشتراک ہے۔ اہل کتاب اگر اسلام سے انکار کر رہے ہیں تو اپنا نقصان کر رہے ہیں اور اپنا ٹھکانا جہنم بنا رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو اپنے کو پاک (غسل) کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو پھر تمہیں پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی کے ساتھ اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح (مل کر تیمم) کر لو۔ اللہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وضو:۔

آیت مبارکہ میں وضو اور تیمم کے احکامات ہیں۔ شان نزول میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ ایک دفعہ ایک سفر سے واپس مدینہ شریف آرہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا اور اس کی تلاش کے دوران حضور ﷺ کو نیند آ گئی۔

صبح ہوئی اور آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی نہیں مل رہا تھا تو آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں تیمم کی رخصت دی گئی اور ساتھ وضو کے احکامات بھی ملے۔ اس طرح کی آیت سورۃ النساء میں بھی آ چکی ہے اس لئے موضوع میں اتحاد کی وجہ سے شان نزول کے موقع میں اختلاف لگتا ہے لیکن اکثر علماء آیت کو اس سفر کے ساتھ ملحق قرار دیتے ہیں۔ اس آیت میں تیمم کے ساتھ وضو کے احکام بھی ہیں۔ وضو اور تیمم کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں درج ہیں اور علماء کا اختلاف ہے تو وہ تشریح اور توضیح میں ہے جو کہ قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب کی تشریح میں ہیں۔ فرضیت میں نہیں۔ اس لئے ان پر اختلاف میں تشدد کرنا یا دوسروں کو گنہگار کہنا صحیح نہیں بلکہ خود ایک گناہ ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی ان کتابوں جہاں اختلاف یا فقہاء کی آراء کے ساتھ ان کے دلائل کا ذکر ہوتا ہے کا مطالعہ، حقیقت حال کو واضح کر دیتا ہے۔

حضور ﷺ نے ہمیشہ وضو کے ساتھ نماز پڑھی اور اسلام سے پہلے بھی مذاہب ابراہیمی میں جہاں نماز تھی وہاں وضو یا پاکیزگی قبل از عبادت مستعمل تھی البتہ کیفیت مختلف ہو سکتی ہے۔

آیت کے مطابق نماز کے لئے وضو ضروری ہے اس لئے فقہاء نے اسے شرط قرار دیا ہے اور وضو میں ضروری امور ہیں جنہیں وضو کے فرائض کہا جاتا ہے وہ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اور چہرے کا دھونا، چہرے کی تفصیل یا ایریا ماتھے پر بالوں کی ابتداء والی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک ہے اور ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک ہے جبکہ کان اس میں شامل نہیں۔ پھر سر کا مسح کرنا ہے اور مسح سے مراد ہاتھ پھیرنا ہے جس کی کم از کم جگہ تین انگلیوں کے برابر جگہ کو چھونا ہے۔ اس میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔ پھر پاؤں کا دھونا یعنی پاؤں کو ٹخنے تک دھونا ہے۔ مختلف فقہاء میں معمولی اختلاف ہے مثلاً کہنی شامل ہے یا کہنی تک اسی طرح ٹخنے شامل ہیں یا ٹخنوں تک۔ یہ آراء احسن طریقہ سے ادائیگی سے متعلق ہیں اور ہر فقیہہ کے پاس دلائل ہیں۔ حضور ﷺ نے ہر کام مختلف انداز میں فرمایا جس سے عوام (مختلف افراد) کو مختلف مواقع پر سہولت پہنچانا مقصود تھا۔

طریقہ وضو:۔

اسلام نے ہمیشہ انسانی سہولت اور ضرورت کو اپنے احکام میں بہت اہمیت دی ہے

اس لئے سفر کے دوران یا کسی آبادی میں رہتے ہوئے بھی پانی میسر نہیں یا پانی کے استعمال پر قدرت نہیں، کسی بیماری یا کسی خوف کی وجہ سے تو بھی معذوری سمجھی جائے گی اور وضو کے بدلے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ پانی کی موجودگی کے لئے جس فاصلہ یا ایریا کا یقین کیا گیا وہ ایک کلومیٹر یا شرعی میل ہے۔ چونکہ اُس وقت میل یا کلومیٹر یا پیمانہ نہیں تھا اس لئے پیمائش کے تعین میں اختلاف ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو کچھ سہولت دی جائے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ مٹی یا مٹی سے پیدا شدہ چیز پر ہاتھ پھیر کر پھر جھاڑ کر منہ پر پھیرا جائے اور پھر دوسری دفعہ ہاتھ سے لے کر کہنیوں تک پھیرا جائے۔ یہ عمل وضو یا غسل کا بدل ہے۔ ان تمام امور کا مقصد انسانی ضروریات اور حالات کے مطابق احکام الٰہی کی ادائیگی میں سہولت ہے۔ پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے تو تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور وضو لازمی ہو جاتا ہے۔ تیمم سے فرائض اور نوافل ادا کئے جاتے ہیں اور انسانی سہولت کی خاطر اگر عید اور جنازہ کی نماز فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو آدمی بلا عذر نماز عید اور جنازہ میں شمولیت کی خاطر تیمم کر سکتا ہے۔

وضو کی برکات میں متعدد احادیث میں سے ایک حدیث کے مطابق حضور نے درخت کے خشک پتوں والی شاخ کو ہلاتے ہوئے فرمایا، کہ جس طرح ہلانے سے خشک پتے جھڑتے ہیں اس طرح وضو سے انسان کے گناہ جھڑتے ہیں۔ یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ ایک اور حدیث کے مطابق وضو سے دھلنے والے اعضاء قیامت کے روز چمکیں گے۔ فرائض وضو کے علاوہ وضو کی سنتیں اور مستحبات ہیں جس سے وضو کا مکمل ثواب ملتا ہے۔ سنتوں میں ہاتھوں کو پہلے دھونا اور تین بار دھونا۔ منہ میں کلی کرنا۔ مسواک کرنا اور مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی کے ساتھ منہ کو صاف کرنا۔ ناک صاف کرنا، سارے سر کا مسح کرنا، گھنی داڑھی کی صورت میں خلال (انگلیوں کا داڑھی کے اندر پھیرنا) وضو سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا نیز نیت ہر عمل کے لئے ضروری ہے اور نیت دل یعنی دماغ کا فعل زبان سے اعلان ضروری نہیں لیکن بہتر ہے کہ کر دیا جائے۔ اسی طرح کانوں کا مسح کرنا۔ اعضاء کو تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اسی طرح وضو کو ترتیب سے کرنا مستحب ہے۔ دائیں طرف سے ابتداء کرنا بھی افضل ہے۔ تفصیل کے لئے متعلقہ فقہ کی کتب کا مطالعہ بہتر رہے گا یہ فقہ حنفی کے مطابق ہیں جو کہ ہندو پاک میں رائج ہے۔

آداب وضو:۔

وضو کے آداب میں ہے کہ پانی کا اسراف نہ کیا جائے۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر گھر کے سامنے نہر یا ندی بہہ رہی ہو تو بھی پانی کی معین مقدار کو وضو کے لئے خرچ کیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں پھر بھی ضروری ہے کہ پانی کو معین حد تک استعمال کیا جائے کیونکہ اس پانی پر اور لوگوں کا بھی حق ہے تاکہ ان کا حق تلف نہ ہو۔اس کا مقصد ماحول و قدرتی وسائل کی حفاظت ہے۔ اسلام میں حقوق العباد اور مشترکہ اشیاء کے استعمال میں معاشرہ کے دوسرے افراد کے حقوق اور ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اعضاء کو مناسب طریقہ سے دھویا جائے۔ آرام سے وضو کیا جائے۔ وضو کے لئے خود پانی لایا جائے، اگر وضو سے پانی بچ جائے تو اس کو پی لیا جائے (ضائع نہ کیا جائے)۔

وضو کی دعائیں:۔

وضو کرتے وقت مختلف اعضاء کی دعائیں ہیں ان کو پڑھا جائے۔ مختصراً اردو میں ان کا مفہوم تحریر کیا جاتا ہے تاکہ قاری کو وضو کی حکمت اور اس کے روحانی اثرات کا احساس ہو سکے۔ (۱) ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔ (۲) منہ کی کلی کرتے وقت 'اے اللہ! مجھے تلاوت قرآن نصیب فرما'۔ (۳) ناک کی صفائی کے وقت 'اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو عطا فرما اور دوزخ کی گرم ہوا سے محفوظ رکھ'۔ (۴) منہ دھوتے وقت 'اے اللہ! میرے چہرے کو چمکا دے جب تیرے دوستوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور اس کو سیاہ نہ کر کہ جب نافرمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے'۔ (۵) دایاں بازو دھوتے وقت 'اے اللہ! میرے دائیں ہاتھ میں میرا نامہ اعمال عطا فرما'۔ (۶) بایاں بازو دھوتے ہوئے 'اے اللہ! مجھے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے سے محفوظ فرما'۔ (۷) سر کے مسح کے وقت 'اے اللہ! مجھے اپنے عرش کا سایہ عطا فرما جبکہ اس کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا'۔ (۸) کان کا مسح کرتے ہوئے 'اے اللہ! مجھے حق کی آواز سننے کو توفیق عطا فرما'۔ (۹) دائیں پاؤں پر 'اے اللہ! میرے قدموں اور دل کو اسلام پر ثابت قدم رکھ'۔ (۱۰) بائیں پاؤں پر 'اے اللہ! میرے قدموں کو صراط مستقیم سے نہ پھسلا جبکہ منافقین صراط مستقیم سے پھسلیں گے'۔ اور وضو مکمل کرنے کے بعد کلمہ شہادت کو پڑھے اور اس طرح

کی دعائیں ایک خاص مقصد کے لئے اور بامعنی ہیں۔ دعا جس زبان میں آپ مانگیں گے اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے بلکہ تمام زبانیں اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی ہیں۔ عربی زبان چونکہ قرآن اور ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زبان ہے اس لئے افضلیت ہے۔ لیکن اگر نہیں آتی تو دعا کو اپنی زبان میں پڑھ کر اس کی برکات سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ یہ دعائیں وضو کے اہتمام کا حصہ ہیں ان کی وجہ سے جس مقصد کے لئے وضو یا صفائی یا پاکیزگی کی جارہی ہے اس کا اہتمام، اس کا مقصد، اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ وضو کرنے کے ساتھ اور ان دعاؤں کو پڑھنے کے ساتھ ایک خاص کیفیت اور اپنے خالق سے تعلق کا احساس اور اس کی عظمت کا اقرار ہوتا ہے اور پھر نماز کو، اس کے معانی و اداء کو سمجھا جائے تو مزید اس نماز کی قبولیت اس کی برکت اور اس سے روحانی فیض میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ اے اللہ عزوجل! ہمیں صحیح طور پر وضو کرنے اور پھر نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

وضو کے فوائد:۔

صفائی انسانی جسم اور صحت کے لئے بہت ضروری ہے اس کا علم و احساس ہمیں موجودہ طب کی ترقی سے ہوا ہے۔ لیکن اسلام نے ایک مذہبی فریضہ کے طور پر صفائی کو انسانی زندگی کا حصہ بنا دیا ہے۔ وضو میں وہ اعضاء جہاں گندگی ہوتی ہے، جو عام طور پر کھلے اور کام کاج میں استعمال ہوتے ہیں اور ان پر گردوغبار کا اثر زیادہ ہوتا ہے، ان کو دھونے کا حکم ہے، دھونا بھی اس طرح کہ پورے صحیح طور پر پانی ان تک جائے اور تین بار صاف کیا جائے، ساتھ ہی پانی کے استعمال میں زیادتی اور ضائع کرنے کو منع کیا ہے۔ ان اعمال کو جو منظم، تعلیم یافتہ طبقہ اپنی صحت کے لئے کرتا ہے اسے اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے نافذ کر دیا، تاکہ ہر فرد بغیر علم طب کے ان پر مذہبی بنیاد پر عمل کرے اور ان سے جسمانی اور روحانی فوائد حاصل کرے ۔غور کریں اللہ کے رسول کو ان اعمال کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ تو صرف انسانی فلاح اور صحت کو لازم بنانے کے لئے وضو کی شرط لگائی گئی ہے۔ وضو کی نفسیاتی اہمیت بہت ہے۔ جب ہم اعضاء کو دھوتے ہیں تو اعصابی کھچاؤ (ٹینشن) کم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے ماحول میں انسان چلا جاتا ہے پھر کرنے والے فرض کی ادائیگی یا عمل کے بارے سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ بالخصوص غصہ کو دور کرنے کے لئے وضو ایک اہم علاج ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس نے اس زمانہ میں جبکہ علوم ناپید تھے اور معاشرے میں صحت و انسانی

صفائی کا معیار بہت معمولی تھا، وضو کو لازم کرکے انسانیت کو علم صفائی و صحت سے آگاہ کیا۔ وضو جو ظاہری اعضاء کی صفائی اور پاکیزگی مہیا کرتا ہے اسی طرح صوفیاء اور اہل صفا، اس سے روح اور دماغ میں پاکیزگی، اللہ کے لئے محبت اور اس کی یاد کا خصوصی اہتمام مراد لیتے ہیں کہ زبان، ہاتھ، منہ، ناک، پاؤں اور دل و دماغ اس کی طرف محو اور حب الٰہی میں معمور رہیں۔ وضو کن امور کی وجہ سے ٹوٹتا ہے، تیمم اور مسح کے مسائل کی تفصیل بھی فقہ کی کتب میں موجود ہے۔

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾

اور جو تم پر اللہ کی نعمت ہوئی اسے یاد رکھو اور اس عہد / معاہدہ کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

اے ایمان والو! تم اللہ کے لئے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل کرنے سے نہ روکے، تم عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کاموں) کو خوب جانتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بہت انعام فرمائے ہیں۔ ان کا ذکر و شکر ضروری ہے۔ جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں تو اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کریں گے اور یہ عہد پختہ معاہدہ ہوتا ہے اور اس کی بنیاد ایمان کی پختگی اور اللہ کا یقین ہے۔ روایات کے مطابق ان

آیات کا مصداق بیعت عقبہ ثانی ہے یا پھر بیعت رضوان ہے جب صحابہ کرام نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہاتھوں پر بیعت فرمائی تھی۔ ہمارا اپنے کلمہ پڑھنے اور مسلمان کہلانے پر بھی عہد ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت کریں گے اور کیا ہم یہ عہد پورا کر رہے ہیں؟ یہ سوال ہے جس کا جواب ہمیں اپنے اعمال کو دیکھ کر دینا چاہیے۔

عہد اور عدل کی اہمیت:۔

اگلی آیت میں ہمارے عہد کے ذکر کے بعد ایک اور عہد و پیماں کی اہمیت اور حکم دیا ہے۔ وہ انصاف وعدل کو اپنی زندگی اور معاشرے میں نافذ کرنا ہے۔ مسلمان اور مومن، حق اور انصاف یعنی عدل کے لئے ہمیشہ کھڑا ہوتا ہے پھر فرمایا کہ کہیں دشمنی ،ذاتی اغراض اور کسی کا ظلم، انصاف نافذ کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ اس آیت کا مصداق یعنی حکم کا نفاذ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ مسلمانوں نے مشرکین مکہ سے بے حساب شدید تکلیفیں اور صدمے اُٹھائے تھے ،بدلہ کی آگ جو ایک طبعی رد عمل کا خطرہ تھا ،اس کو انسانی قدروں یعنی معافی اور انصاف کے ساتھ منسلک کر دیا اور مسلمانوں نے ان سب مجرموں کو معاف کر دیا۔ پھر فرمایا کہ عدل تقویٰ یعنی اللہ کے خوف اور اس کی رضا مندی کے قریب ترین ہے۔ لہٰذا عدل ہمیشہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے انسانی اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بدلے جنہوں نے اپنے وعدے پورے کئے ،جو اللہ کے ساتھ، حقوق اللہ کی صورت میں تھے اور انسانوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے اپنے وعدے و فرائض پورے کئے جو حقوق العباد کی صورت میں تھے تو اللہ نے ان سے ایک عظیم اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی بخشش جنت میں ٹھکانا ہے اور اس کے خلاف جنہوں نے اللہ کے احکام اور اللہ سے کئے گئے وعدوں کو نظر انداز کیا اور انکار کیا، احکام کو جھٹلایا ان کا ٹھکانہ اور سزا جہنم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے (نقصان) کا ارادہ کیا، تو اللہ نے انہیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والوں کو چاہیے اللہ پر

بھروسہ کریں۔

اگلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام جو انسانوں پر ہیں اور خصوصاً مسلمانوں پر ان ایام میں کئے تھے جبکہ وہ کمزور تھے ان کا ذکر ہے یعنی ان کے دشمن کفار و مشرکین مکہ، یہود جو حضور ﷺ کو ختم کرنا چاہتے تھے ان کی کوششیں ناکام ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی شر انگیزی سے محفوظ رکھا۔ اس کے بارے تین واقعات نزول ہیں۔ ایک صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے ارادہ کیا کہ جب مسلمان نماز اکٹھی پڑھیں گے تو ان پر حملہ کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے صلاۃ الخوف کا طریقہ بیان فرما کر مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کو تنہا سوتا ہوا پایا اور آپ کی تلوار اُٹھا کر کہا کہ کون بچائے گا جب آپ ﷺ نے کہا میرا اللہ تعالیٰ پھر اس کے سوال پر آپ ﷺ نے یہی جواب دیا جس سے وہ خوفزدہ ہو گیا اور تلوار پھینک دی اور بیٹھ گیا۔ ایک دفعہ مدینہ شریف میں یہودیوں کے ہاں دیت کی وجہ سے آپ ﷺ تشریف لے گئے اور انہوں آپ کو دیوار کے ساتھ بٹھایا اور خدمت و مدارت کا بہانہ بنا کر اوپر سے بڑا پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا اور آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ وہاں سے اُٹھ گئے۔

ان واقعات اور آیات کا مقصد، اللہ کی اس کے تابعدار بندوں سے محبت اور ان کی حفاظت ہے کہ اسباب کو پیدا فرماتا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی فرمائی ہے کہ مخالفین کی نیتوں سے آگاہ رہو۔ ان پر کلی بھروسہ کرنا اور انجام کا خیال نہ رکھنا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ انسانی حسد و بغض کی وجہ سے دھوکہ سے نقصان دینے کے ارادے رکھتے ہیں۔ ایمان والے عمل کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور یہ ہمیں آج کے معاشرہ میں بھی نظر آ رہا ہے کہ مخالفین اور اسلام دشمن قومیں ہر دفعہ مکر اور دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے تھے اور اللہ نے کہا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کروگے اور زکوٰۃ ادا کروگے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھا قرض دو گے تو میں ضرور تم سے تمہاری برائیاں دور کروں گا اور ضرور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں پھر اس کے بعد جس نے انکار (کفر) کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

چنانچہ ان کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلمات (اللہ کے کلام) کو ان کے مقام و محل سے بدل ڈالتے ہیں اور جس چیز کی انہیں تاکید کی گئی تھی اس کا ایک حصہ انہوں نے بھلا دیا اور آپ کو ان میں سوائے چند افراد کے دوسروں کی خیانت کی اطلاع ملتی رہتی ہے چنانچہ آپ انہیں معاف کر دیں اور ان سے درگذر کریں۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

آیت مبارکہ پچھلے موضوع کے ساتھ جہاں ایک قوم کا مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کا ذکر تھا اور ان میں یہود مدینہ بھی تھے جو بنی عامر کی دیت کے سلسلے میں حضور پر پتھر گرانا چاہتے تھے۔ ان آیات میں بھی یہود کے کردار کا ذکر ہے اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی اور آپ ان کو جبابرہ علاقہ شام (موجودہ فلسطین) لے جارہے تھے تاکہ وہاں بنی اسرائیل آزادی کے ساتھ رہیں۔ علاقہ اور قوم کی معلومات لینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اہم افراد کو بھیجیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے بارہ سردار چنے (نقیب کے معنی نگران ہیں) اور ان کو اس مہم کے لئے بھیجا۔ روایات میں ہے کہ جب وہ وہاں گئے تو وہاں کے لوگ انتہائی عظیم الجثہ اور طاقتور تھے جن سے یہ

خوف زدہ ہو کر واپس آ گئے۔ ان بارہ سرداروں کا ذکر بائیبل میں بھی موجود ہے۔ ممکن ہے ان کا مقصد ان بارہ قبائل کی نگرانی ہو، بارہ کے تعداد کے بارے میں یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ سال کے بارہ مہینے اور آسمان پر بارہ برج ہیں، جن کی بناء ماہرین فلکیات ستاروں کی چال سے اندازے لگاتے تھے اور اب جدید خلائی معلومات (Space Technology) کی وجہ سے بہت سارے موسمی اندازے اور چاند و سورج کی گردش کا حال کافی حد تک صحیح معلوم ہو جاتا ہے۔

جب یہ سردار اس مہم سے واپس آئے تو بہت گھبرائے ہوئے تھے، روایات کے مطابق ان کو کہا گیا کہ تفصیلی حالات عامۃ الناس تک نہ پہنچائیں تاکہ خواہ مخواہ خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔ لیکن انہوں نے عہد کا پاس نہیں کیا اور معلومات کو بتا کر ایک مایوسی اور انکار کی کیفیت پیدا کر دی۔ اللہ تعالیٰ جب یہود کو علاقہ شام (فلسطین) کی طرف علاقہ جبابرہ کو فتح کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی اپنی نصرت و مدد کی بھی یقین دہانی کرائی لیکن یہ نصرت و مدد، چند اعمال کے ساتھ مشروط تھی جن کا ذکر بڑا اہم ہے کہ وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، رسولوں پر ایمان لائیں گے اور جب ایمان لائیں گے تو یقیناً ان کے احکام و تعلیمات پر عمل کریں پھر ان کی مدد کا حکم فرمایا (لفظ عزرت کا معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا یعنی نیک اعمال کے لئے خرچ کرنا، اس کے بدلے اللہ کی نصرت، گناہوں اور خطاؤں کا معاف اور جنت میں داخل ہونا فرمایا۔ لیکن یہود نے ان وعدوں یا احکام کی پرواہ نہ کی اور ان پر عمل کرنے کے بجائے اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کی، عہد توڑے، انبیاء کی مدد کے بجائے مخالفت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم (لڑائی) کرنے سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدوں (میثاق مدینہ) کی خلاف ورزی کی اور مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جو توریت میں تھے ان میں بھی تشریح و تفسیر میں تحریف کی (توریت کا نسخہ بخت نصر نے یروشلم کی تباہی پر ضائع کر دیا ہے بعد میں حضرت عذیر نے تحریر کیا)۔ الفاظ کو بھی بدلا، اکثریت اس طرح احکام خداوندی سے انکاری رہی، سوائے کچھ لوگوں کے جنھوں نے توریت کے احکامات پر عمل کیا اور اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ کو ان آیات کے ذریعہ یہود کی تاریخ اور ان کے کردار کا بتا کر آپ ﷺ کی

تسلی کروائی کہ اس فکر کی ضرورت نہیں۔ آپ ان کو معاف کر دیں یہی وجہ ہے ہر معاہدہ کی خلاف ورزی پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہودیوں کو ان کے مذہب کے مطابق سزا دی۔ کبھی اپنی مرضی نافذ نہیں کی یا ان کے مقرر کردہ، جج / منصف کے احکام کو نافذ کیا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ خداوند پاک معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیدھا رستہ:۔

یہ آیت اس لحاظ سے اہم ہے کہ نصرت خداوندی کا معیار واضح بیان کیا گیا ہے اور امت محمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ کیا وہ، ایمان، صلوٰۃ، زکوٰۃ، رسولوں کی تابعداری (اعمال میں نہ کہ صرف لباس و شکل میں) اور پھر مخلوق خدا کی بھلائی کیونکہ مخلوق خدا کو اللہ کے نبی نے عیال اللہ فرمایا ہے اور اس پر خرچ ہی اللہ کو قرض دینا ہے، کرتے ہیں؟ اگر ان اعمال سے مسلمان محروم ہیں تو وہ نصرت خداوندی سے بھی محروم ہوں گے کہ اللہ کے اصول اور نظام نہیں بدلتا (وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبۡدِيلاً)۔ پھر ایک اور اہم اعلان فرمایا جس نے ہدایت کے باوجود ان سے منہ موڑا اس نے راہ ہدایت گنوا دی اور سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ انسان صاحب شعور ہے یقیناً اس کا شعور اہم قوت ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح و غلط کا اندازہ لگا سکتا یا اس کے بارے فیصلہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی حواس، جذبات، خواہشاتِ نفسانی و حیوانی، اس کے شعور پر بڑی قوت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہیں اور ان اثرات کی وجہ سے اس کے فیصلے حقیقی طور پر صحیح نہیں ہوتے، جس کا اثر بہت بعد میں محسوس ہوتا ہے اور اس وقت اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ ان فیصلوں کے مضر اثرات سے بچاؤ نہیں ہو سکتا اور اس طرح کی زندگی جو کہ ”کرو اور آزماؤ“ کا شکار رہتا ہے اور ساری زندگی بھٹکتا رہتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ Capitalism (سرمایہ داری) نظام کا شور ہوا، پھر اس کے مخالف رد عمل میں Communism (کمیونزم) کا شور ہوا اور دونوں نظاموں میں پھر انسانیت کا نقصان ہوا۔ اسی طرح جمہوریت اور سلطانیت دونوں کا چرچا ہوا، دونوں میں ڈکٹیٹر شپ سے لوگوں کو واسطہ پڑا اس لئے سواء السبیل، صراط مستقیم کا فیصلہ کرنا انسان کے بس میں نہیں، اس کے لئے الہامی راہنمائی اصولی طور پر ضروری ہے اور وہی راہنمائی اپنے وقت میں یہودیت، عیسائیت تھی اور

اب اسلام کی صورت میں تمام انسانیت کے لئے ہے۔

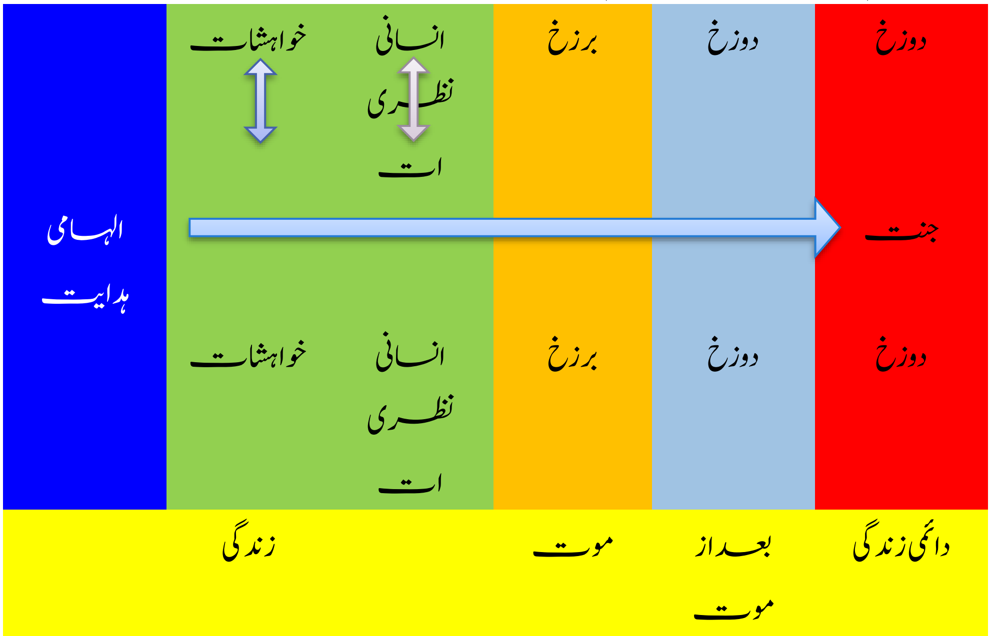

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی انہیں تاکید کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا۔ چنانچہ ہم نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا اور وہ جو کچھ کرتے رہے اللہ جلد ان کو اس کی جزا دے گا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اے اہل کتاب: تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے وہ تمہارے لئے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی (نور) اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی۔

يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

جس (کتاب اور روشنی) کے ذریعے سے اللہ اس شخص کو سلامتی کا

راستہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

یہودیوں کے بعد عیسائیوں (نصاریٰ) کے کردار کا ذکر ہے کہ ان سے بھی اللہ کی عبودیت، اس کے احکام کی پابندی اور آنے والے نبی کی بھی اطاعت کا عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی یہود کی طرح اس عہد کا لحاظ نہ رکھا اور احکامات کو بھلا دیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو عذاب میں ڈال دیا اور اس کی صورت یہ تھی کہ وہ بہت سے فرقے بن گئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ بجائے اس کے کہ وہ ایک مذہب کا حصہ ہیں اور متحد ہوتے، آپس میں لڑ کر نقصان کرتے رہے پھر اس قدر قتل و غارت ہوئی کہ لوگ کلیسا کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ وہ اختلاف جو دشمنی اور تشدد پر ختم ہوتا ہے، وہ اللہ کا عذاب ہے جو کسی احکام کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس قوم پر مسلط فرما دیتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ کہیں آج بھی مسلمان اسی عذاب (تشدد و دشمنی) کا نشانہ تو نہیں بن رہے اور اپنے اندر خود فساد و تباہی پھیلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے (آمین)۔ نصاریٰ کا معنی مددگار کے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جب تبلیغ دین کے لئے پکارا، تو عرض کی کہ ہم آپ کی مدد و نصرت کریں گے اس لئے نصاریٰ کے لقب سے جانے گئے اور پھر ان کے پیروکار بھی اسی لقب و نام سے مشہور ہوئے۔ آیت مبارکہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں اور یہودیوں اور دوسرے مشرکین سے اپنے انعام یعنی ہدایت جو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کی صورت میں روشنی اور حق کی راہ دکھانے کے لئے بھیجی، اس کا ذکر فرمایا کہ ان کے نور کے ذریعہ انسانیت حق کی راہ پر چل سکتی ہے جس میں انسانیت کی کامیابی اور آرام ہے۔ یہ ذات اور کتاب لوگوں کو کامیابی کی طرف لاتی ہے اور نجاعت کا ذریعہ ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ کہہ دیجئے (اے نبی)! پس اگر اللہ، مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو اللہ کے آگے اختیار رکھتا ہو؟ (یعنی کوئی ذات اللہ کے آگے اختیار نہیں رکھتی، سب بے بس ہیں) اور اللہ ہی کے لئے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کی بادشاہی ہے، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

پچھلی آیت کا مضمون جس میں عیسائیوں (نصاریٰ) کے اعمال و فساد کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ جل شانہُ اور اس کے نبی کے احکام، کے خلاف کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے معجزات اور پیدائش کی وجہ سے خدا کا درجہ دے دیا حالانکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اگر ساری کائنات جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور سارے زمین پر بسنے والوں کو ہلاک وفنا کر دے تو وہ اس پر قادر ہے اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بھی شامل ہوں لہٰذا اس کی شانِ الوہیت اور واحدانیت میں شرک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اتنی بڑی کائنات کی تخلیق اور اس کے عجائب کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معمولی عمل ہے۔

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ز وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ کہہ دیجئے (اے نبی) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم بھی انسان ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ کے لئے ہی زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا

مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ١ٞ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ١ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۠ (۱۹)

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو رسولوں میں ایک وقفے کے بعد تمہارے لئے باتیں (احکام) کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ پس تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات مبارکہ یہود اور نصاریٰ کے اعمال و کردار کا ذکر بیان کر رہی ہیں کیونکہ جب ہجرت کی گئی تو مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ اور بعد میں عیسائیوں سے واسطہ پڑا۔ ان کے کردار کا ذکر ہے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اہل کتاب ہیں اس لئے اللہ کے لاڈلے ہیں۔ یعنی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹوں کی طرح تصور کرتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کا ہے وہ بھی لاڈلے تصور کرتے ہیں۔ آیت کا موقع نزول یہ ہے کہ دو یہودی سردار حضور ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور انکار کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا ہمیں اللہ کے عذاب سے نہ ڈرائیں، ہم تو اللہ کے پیارے ہیں وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا۔ یہ آیت ان کی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے جو آج بھی قائم ہے۔

لیکن درحقیقت تاریخ میں ان کو جن پریشانیوں اور مصیبتوں سے گذرنا پڑا وہ اللہ کے عذاب کی وجہ سے ہیں اور ان کا یہ اندازہ یا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ پھر قرآن مجید اور حضور ﷺ کا ذکر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طویل عرصہ بعد آپ ﷺ تشریف لائے تاکہ جو لوگ گمراہی کی وجہ سے حق سے دور جا چکے تھے ان کو حق اور سچے دین کی طرف راہنمائی کریں اور اللہ کے احکام پر نہ عمل کرنے کے عذاب سے آگاہ کریں۔ اب اہل کتاب پر آپ ﷺ کی پیروی لازمی ہے۔ اگلی آیت مبارکہ میں یہود کی بد عہدی اور کمزوری کردار کا ذکر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا١ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (۲۰)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ نے جو تم پر نعمتیں

کی ہیں ان کو یاد کرو، جب اس نے تم میں سے نبی بنائے، تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو ساری دنیا میں کسی کو نہیں دیا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ﴿۲۱﴾

اے قوم! مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور پیٹھ نہ پھیرو (واپس نہ پلٹو) ورنہ تم خسارہ اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴿۲۲﴾

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ان میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم وہاں بالکل نہیں جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم وہاں داخل ہو جائیں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴿۲۳﴾

ان ڈرنے والوں میں دو آدمیوں، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا، کہا تم دروازے سے اندر گھس (داخل) ہو جاؤ جب تم اندر چلے جاؤ گے تو تم بے شک غالب ہو گے اور اللہ پر یقین رکھو اگر تم مومن ہو۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴿۲۴﴾

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی بھی نہ جائیں گے جب تک وہ (قوی الجثہ لوگ) وہاں ہیں۔ پس آپ اور آپ کا رب دونوں جاؤ اور لڑو، بے شک ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴿۲۵﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اپنا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں (اختیار رکھتا ہوں) آپ ہمارے اور نافرمان (فاسق) لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے (الگ کر دے)۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴿۲۶﴾

اللہ نے کہا یہ (ارض مقدس) ان پر چالیس سال تک حرام ہے، یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے، پس آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔

احکام سے انکار پر سزا:۔

یہ آیات مبارکہ پچھلی آیات کی طرح یہود کے واقعات پر مبنی ہیں اور ان کے کردار کا ذکر ہے یہ واقعات عہدنامہ قدیم (Old testament) توریت اور عہدنامہ جدید (New testament) انجیل میں موجود ہیں البتہ تفاصیل میں اختلاف ہوتا ہے کیونکہ توریت اور انجیل کی تدوین بعد میں ہوئی اور مدون کرنے اور اس وقت کتابت کرنے والوں سے انحراف ہوتا رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ کو فتح کرنے کے لئے جانے سے پہلے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اور ان کو اس حکم کی تعمیل، جس میں ان کی اپنی شان و عظمت تھی، اُبھارا۔ اللہ کے انعامات کا ذکر، حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ ان کی حکومت کی عظمت کی کہانی بیان کی، جو اس وقت بنی اسرائیل قوم مصر سے نقل کر کے ارض فلسطین کی طرف جا رہے تھے اور صحراء سینا کے علاقے میں تھے جسے دشت فاران بھی کہتے ہیں۔ چند سردار جس طرح گذشتہ آیت میں ذکر تھا، گئے تا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور پھر اس کے مطابق حملہ کی تیاری کریں جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ان لوگوں کا عظیم الجثہ اور قوی الاعضاء (زبردست طاقتور) ہونے کا ذکر کیا جس کو سن کر وہ ڈر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کی، لڑنے اور پیش قدمی سے انکار کیا۔ مخلص ایمانداروں میں سے دو افراد نے جن کا نام یوشع اور کالب کہا جاتا ہے، انہیں اُبھارا کہ اگر وہ فصیل کے اندر دروازے سے گھس کر داخل ہو گئے تو وہ ان (عظیم الجثہ۔ اہل جبابرہ) کو شکست دیں گے لیکن ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب اور ان افراد کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے انکار پر ڈٹے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے اس رویے سے دل برداشتہ ہوئے اور اپنے آپ کو ان کے اعمال سے علیحدہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صحراء میں چالیس سال تک بھٹکنے کی سزا سنا دی اور ساتھ ہی ان پر افسوس نہ کرنے کی تلقین کر دی۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک اس

صحراء میں بھٹکتے رہے اور ان کی پرانی نسل جس نے مصر سے ہجرت کی تھی ساری ختم ہو گئی۔ صرف چند صاحب ایمان لوگ رہ گئے اور اسی دوران حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا (حضرت موسیٰ کی قبر آج یروشلم سے دور علاقہ فلسطین میں موجود ہے) جب راقم ان آیات کے سلسلہ میں وہاں گیا تو تحریر تھا (ھٰذا قبر نبی موسیٰ) اس کے بعد حضرت یوشع بن نون نے خلافت سنبھالی۔ یہ آیات مقدسہ ایک طرف انسانی نفسیات، اس کی کمزوری اور شیطان کے ورغلانے (یعنی وسوسے) کے طریقے سے آگاہ کرتی ہیں دوسری طرف احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی سزا کے بارے آگاہ کرتی ہیں کہ نبی کی موجودگی میں اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنے پر سزا انسان کا مقدر ہے اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ میں من الحیث القوم اللہ کے احکام اور تعلیمات نافذ ہونی چاہئیں۔ پھر حضور ﷺ کی تشفی ہے کہ اگر یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نافرمانی کرتے تھے تو آپ ان کی مخالفت پر اور ان کے اسلام کو قبول نہ کرنے پر پریشان نہ ہوں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

آپ (اے نبی) انہیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اس (دوسرے) نے کہا میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اس (پہلے) نے جواب دیا اللہ صرف پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے، تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے۔

اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں

میں ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۳۰)

پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کا قتل کرنے پر اکسایا۔

چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ پانے والوں میں ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۛۚ (۳۱)

پھر اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے۔ وہ کہنے لگا! افسوس میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔

پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

جرم کے اسباب:۔

پچھلی آیات میں یہود اور عیسائیوں کے کردار کی کمزوری اور اللہ کی نافرمانی کا ذکر تھا۔ اسی سلسلہ میں پہلے انسان کے اپنے انسان بھائی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کا واقعہ بیان فرمایا کہ محض حسد اور بغض کے نتیجہ میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو زندگی سے محروم کر دیا۔ یہی حسد و بغض بھی یہود اور نصاریٰ کی اسلام مخالفت کی جڑ تھی۔ واقعہ کی تفصیل مختلف تفسیر کی کتب میں موجود ہے۔ جس کا سبب شادی تھی اور وہ بھی طریقہ کے خلاف نفسانی خواہش کی تکمیل کی وجہ سے تھی۔ آج بھی جرائم کی، نفسیات میں، جنسی اور نفسانی خواہشات ایک بہت بڑا محرک بنتی ہیں اور قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک اور اہم نکتہ مثبت انداز فکر اور برائی کا مقابلہ نیکی یا مخالفت کے بجائے خاموشی ہے۔ ہابیل (مقتول) نے کہا کہ وہ قتل کرنے میں پہل نہیں کرے گا اور دفاع بھی نہیں کرے گا اگرچہ دفاع کی اجازت ہے چونکہ قاتل (قابیل) اس کا بھائی تھا، اس لئے اس نے اس پر ہاتھ اُٹھانے سے گریز کیا۔ اس سے جہاں ایک طرف حسد اور بغض کی مذموم صفات کا پتہ چلتا ہے اسی طرح انسان میں احترام انسانیت کا بھی پتہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اچھی صفات احترام، امن کو مخلوق کے لئے پسند فرماتا ہے۔ اس طرح ظلم کرنے والا زیادہ عذاب اور

گناہ کا مستحق بن جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت خلیفہ، ان پر حملہ کرنے والوں کو روکوا سکتے تھے۔ اور اپنا دفاع کرنے کے لئے حکومتی پولیس یا فوج استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے بھی فساد کو کم کرنے کے لئے کسی کو بھی اپنے دفاع کرنے سے روک دیا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (۳۲)

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے (حکم) لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے وہ سوائے اس کے وہ کسی کا قاتل ہو، یا زمین میں فساد کرنے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی اور ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے پھر بے شک اس کے بعد ان میں بہت سے لوگ زمین پر حد سے زیادہ نکل جانے والے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ اس دنیا میں ان کے لئے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۴)

سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں۔ بے شک جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

جرم عظیم:۔

پچھلی آیت میں انسان کے انسان کو قتل کرنے (ہابیل / قابیل کے جھگڑے) کا ذکر تھا۔ اسی ضمن میں انسانی حقوق بالخصوص انسانی جان کی عظمت اور قدر کے بارے آیات مبارکہ ہیں۔ بنو اسرائیل کے لئے توریت میں قتل کی سزا واضح طور پر قصاص (قتل کرنا) یعنی جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا اور یہی سزا اب اسلام میں بھی ہے۔ کسی انسان کو اس کی زندگی کے حق سے محروم کرنا گویا تمام انسانیت کے حقوقِ زندگی سے انکار اور محروم کر دینا قرار پایا، اسی طرح کسی انسان کی جان بچانے کو ایک بہت اہم کام یا کارنامہ قرار دیا گویا اس نے تمام انسانیت کو بچایا۔ ان آیات سے انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود کو کس قدر اہمیت دی ہے یہ انسان کے لئے اعزاز ہے اور اس سے اس کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اسلام نے اس لئے قاتل عمد (ارادہ سے قتل) کی سزا موت رکھی ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ معاشرے میں فساد پیدا کرتے ہیں، امن خراب کرتے ہیں ان کی سزا اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ ایک فرد کے مقابلہ میں بہت سارے افراد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ ڈاکہ ڈالنے والے، لوٹنے اور قتل کرنے والے ہیں۔ ڈاکہ میں اگر چوری بھی شامل ہو اور اس کے ساتھ قتل بھی ہو تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو موت کی سزا دی جائے۔

آیت کے شان نزول کے بارے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ مدینہ آئے، اسلام قبول کیا اور پھر بیمار پڑ گئے اور حضور ﷺ نے ان کے علاج کے طور پر ان کو کہا کہ مدینہ سے دور، جہاں ریاست کے صدقہ کے اونٹ چرا کرتے ہیں وہاں جائیں اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پییں۔ اس طرح وہ وہاں گئے اور بیماری سے صحتیاب ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے نگہبانوں کی آنکھیں نکال دیں اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ جب حضور ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو ان کو پکڑنے اور سزا کا حکم دیا۔ سزا کے بارے یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو موت کی سزا دی جائے۔ چونکہ انہوں نے چرواہوں کو اندھا کیا تھا اس لئے ان کو بھی اندھا کیا گیا اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا گیا اور مر گئے۔

قرآن مجید میں سزا کا تصور حقیقی ہے یعنی جس قدر کسی کو نقصان دیا ہے اسی قدر

اس کو نقصان دینا چاہیے۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ، آنکھ کے بدلے آنکھ اور چونکہ ڈاکہ مارنا چوری سے بڑھ کر جرم ہے اس لئے اس میں ایک ہاتھ اور دوسری طرف والا پاؤں بھی کاٹا جاتا ہے۔ کیونکہ ڈاکو جس طرح دیدہ دلیری سے لوٹتا ہے وہ اس کا چور کے مقابلہ میں ثبوت ہے کہ وہ احساس جرم، حرمت مال و جان اور احترام معاشرہ کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اسلام میں ایک معین مقدار اور کچھ شرائط کے لاگو ہونے پر سزا دی جاتی ہے۔ ان کی تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پر امن معاشرہ ہو اور یہ نفسیاتی طور پر ایک حقیقت ہے کہ خوف کسی کام میں رکاوٹ کا بہت بڑا محرک ہو جاتا ہے ۔ جہاں سزائیں نہیں ملتی وہاں سخت قانون ہونے کے باوجود جرائم بڑھتے ہیں اور جہاں سزا دی جاتی ہے وہاں جرائم کی رفتار و مقدار کم رہتی ہے۔ ڈاکو چونکہ کسی خاص فرد کا نقصان کرنے کے علاوہ معاشرہ میں فساد اور جرائم پر لوگوں کو اکساتا ہے، اس لئے اس کو فسادیوں میں شامل کیا گیا ہے اور اس کی سزا سخت ہے۔ اسی طرح جو لوگ معاشرہ میں فساد اور فتنہ پھیلاتے ہیں ان کی بھی سزا قتل ہے اور اگر فتنہ نہ پھیلائیں تو ان کو شہر یا ملک بدر کر دیا جائے تاکہ مزید نقصان نہ ہو۔ اسی طرح جو مذہب، حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کریں گے ان کو بھی قتل اور دوسروں کو ملک بدر کیا جائے تاکہ مزید فساد نہ پھیلے۔ فقہ کی کتب میں ان قوانین کی تفصیل موجود ہے، چونکہ فسادی اور ڈاکو بہت نقصان کرتے ہیں اس لئے ان کی یہاں پر سزا (حد) کے علاوہ لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور جرم پر برانگیختہ کرنے کا گناہ باقی رہتا ہے، آخرت میں بھی عذاب ہے ان سب سزاؤں کا مقصد پر امن انسانی معاشرہ ہے۔ اس میں یہ واضح رہے کہ اختلاف رائے، اختلاف مذہب کا ہر کسی کو مکمل حق ہے، یہ سزائیں صرف امن کو تباہ کرنے اور فساد پھیلانے والوں کے لئے ہیں۔

امن کا احترام:۔

آخری آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو لوگ برضا و رغبت اپنے فساد سے توبہ کر لیں اور اپنے ارادے تبدیل کر دیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اللہ غفور رحیم ہے اور مہربان ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ "اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ" یعنی وہ امن کو دل سے چاہیں نہ کہ شکست خوردہ ہو کر اور مجبور ہو کر امن کا اقرار کریں یا ہتھیار ڈال دیں۔ کس قدر امن کا احترام

اور امن پسندی کا پیغام دیا ہے۔ داخلی جھگڑوں میں یہ اصول بہت اہم ہے اگر کوئی علاقہ یا لوگ اپنے سیاسی اور بنیادی حقوق کے لئے حکومت سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کے حقوق ان کو ملنے چاہئیں اور خواہ مخواہ فساد اور امن کو خراب کرنے کے بجائے افہام و تفہیم پر زور دیا گیا ہے تاکہ عمومی طور پر معاشرہ میں مسائل نہ بڑھیں بلکہ کم ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کے لئے وسیلہ (ذریعہ) تلاش کرو اور اس کے راستے میں جدوجہد (کوشش) کرو تاکہ تم کامیاب ہو (فلاح پاؤ)۔

پچھلی آیات میں یہود کے جرائم کا ذکر تھا اور دوسرے لوگ جو معاشرہ میں قتل و فساد اور ڈاکے ڈالتے ہیں، ان کا ذکر تھا۔ پھر توبہ اور بخشش کی خوشخبری دی کہ وہ مخلوق کے لئے غفور و رحیم ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس کی رحمت اور بخشش کے لئے طریقہ بتایا۔ اس کے قرب، اس کی رضا، اور بخشش کے لئے وسیلہ یا ذریعہ تلاش کرو۔ تاکہ تمہارا مقصود آسانی سے حاصل ہو۔ وسیلہ کی تعریف عربی لغت میں "کسی شئے کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے (المفردات) کسی چیز سے غیر (کسی اور) کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے (لسان العرب)۔ یہ وسیلے یا ذریعے کیا ہیں؟ قرآن و حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ یہ نیک اعمال، اللہ کے احکام پر عمل، اللہ کے منع کردہ اعمال سے بچنا اور نیک لوگوں کی صحبت و رہنمائی، جن پر اللہ نے انعام کیا، اس کی طرف جانے کے لئے اور اس ذات کی محبت کی نعمت کی طرف، وسیلے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خشک سالی یا بارش نہ ہونے کی صورت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا کے لئے کہتے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی استدعا کرتے (بحوالہ حدیث بخاری شریف)۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جبہ عطا فرمایا اور ان سے امت کے لئے دعا کرنے کے لئے بھی فرمایا، جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں عمل ہو سکا۔ اس آیت

مبارکہ کے لفظ وسیلہ کا یہی مفہوم ہے۔ اس آیت میں ایک اہم پیغام ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے انسانی جدوجہد ایک انتہائی اہم عنصر ہے۔ جس کے بغیر اس کا قرب ناممکن ہے اور جدوجہد میں پہلا عمل ان ذرائع کا تعین یعنی ان نیک اعمال کا جاننا جو کہ قرآن و حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ واضح طور عملی جدوجہد کی تاکید کی ہے "اس کے راہ میں کوشش کرو" بھی فرما دیا ہے۔ وسیلہ ایک جنت میں اعلیٰ مقام بھی ہے جس کا ذکر اذان کی دعا میں ہے۔ اسی طرح اس میں مقام محمود کا بھی ذکر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

بے شک جن لوگوں نے انکار (کفر) کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ جو ساری زمین پر ہے، وہ بھی ہو اور اس کے برابر اور بھی (دوگنا) ہو جائے تاکہ وہ قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے دیں تو بھی وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

وہ چاہیں گے کہ اس آگ سے نکل جائیں مگر نہیں نکل سکیں گے۔ اور ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

جو لوگ عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کا بیان پچھلی آیت میں گزر چکا ہے۔ انسانوں کو قتل، ڈاکہ اور ظلم کرنے والے جب یہ لوگ جہنم میں جائیں گے اور عذاب دیکھیں گے، تو وہ وہاں سے نکلنے کے لئے منت وزاری کریں گے اور جس قدر ان کی مال و دولت ہو گی وہ سب دے کر جہنم سے نکلنے کی راہ نکالیں گے۔ اگر ساری دنیا یا زمین ان کی ملکیت ہوتی اور انہیں یہ کفارہ یا جرمانہ کے طور پر ادا کرنا پڑتا، بلکہ اس کے علاوہ اتنی ہی اور مالیت کی چیز ساتھ دینی پڑتیں، تو بھی دے کر جہنم سے نکلنے کی پوری کوشش کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قدر مالیت کی اشیاء بھی ہوں تو بھی وہ اپنے جرم کی سزا پائیں اور اس میں رہیں گے۔ یہ ایک مثال اہل کتاب اور انسانوں کو بالخصوص مسلمانوں کو بتائی گئی

ہے کہ گناہ، جرائم، قتل، معاشرہ میں فساد اللہ کے احکام کی نافرمانی کا عذاب اس قدر شدید ہوگا اور اس سے کوئی چھٹکارا ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس دنیا میں ہی اس کا بچاؤ نیک اعمال کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اللہ کی طرف سے ان کے کسب (عمل) کی عبرت ناک سزا ہے جو انہوں نے کیا اور اللہ غالب نہایت حکمت والا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾

پھر جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کرے، بے شک اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔

چوری کی سزا:۔

جرائم کے ذکر میں پہلے ڈکیتی کا ذکر تھا اب چوری کا ذکر ہے کہ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اس کی سزا اس کا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ یہ سزا بظاہر سخت نظر آتی ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ چوری کرنے والا چھپ کر کام کرتا ہے اس کے خلاف عدالت میں گواہی نہیں بنائی جا سکتی پھر ایک شخص کو اس کے مال سے محروم کر دیتا ہے اور خود قانون یا سزا سے چھپنا چاہتا ہے۔ ہر شخص کا چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا بلکہ شریعت اسلامی نے جہاں سخت سزا رکھی ہے وہاں ضروری شرائط بھی ہیں جن کی تفصیل کتب فقہ (قانون) میں موجود ہے۔

مثلاً (ا) مال کی مقدار کم از کم ایک دینار / دس درھم تک ہو جو کہ 2.625 گرام 24 قیراط سونے کے وزن کے برابر ہے۔ یہ زمانہ نبوت و خلفائے راشدین میں، جس قدر قوت خرید رکھتا تھا، اس کے مساوی اب کسی بھی کرنسی کی مالیت کو معین کیا جائے گا اور اجماع کے ذریعہ حکومت مقدارِ مالیت میں کمی و بیشی حالات کے مطابق کر سکتی ہے، جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے کیا تھا لیکن سزا ختم

نہیں کی جاسکتی۔

(۲) مال محفوظ حالت میں ہو جہاں چوری کرنے کی ترغیب نہ ہو۔

(۳) مال ضائع ہونے والا نہ ہو مثلاً دودھ یا غذا، پھل، گوشت اور کھانا وغیرہ۔

(۴) مال لینے والے کا اس میں کوئی حصہ یا تعلق نہ ہو۔ شراکت، اُجرت وغیرہ کا حصہ یا بقایا نہ ہو۔

(۶) اگر چیز کھلے عام پڑی ہوئی ہے یا آنے جانے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں وہاں سے لینے پر حد نہیں۔

(۷) جو جو مال مشترکہ لوگوں میں ہے (مثلاً سرکاری / مساجد / مشترکہ چراگاہیں) ان سے چوری کی صورت میں حد نافذ نہیں ہوگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاف کر دیا جائے گا بلکہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور دوسری سزائیں دی جائیں گی۔

(۸) وہ افراد جو زیر کفالت ہوں یعنی ماں باپ، اولاد پر حد نہیں۔ (اسکی تفصیل اسلامی قانون کی جدید کتب میں مجلہ الاحکام العدلیہ جو کہ ترکی کے بادشاہوں اور ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کروایا تھا۔ حکومت کویت نے بھی قانون شریعہ پر کتاب الموسوعۃ مرتب کروائی ہے، میں موجود ہیں)۔

سزا کے سخت ہونے کے بارے محض پروپیگنڈہ ہے اگر ہم نفسیاتی تجزیہ کریں تو چور کا محرک اس کی آمدنی میں اضافہ کی خواہش اور دوسری طرف آسانی سے دولت کا حصول اور اس کو پھر دکھانا اور اس کا معاشرتی مفاد یا عزت حاصل کرنا ہے دوسری طرف دوسرے لوگوں کو ان کے حقوق یا اموال سے محروم کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور موجودہ اپنی کمائی سے وہ مطمئن نہیں (ہاں اگر مجبور ہے تو اس کا قانونی معاملہ مختلف ہوگا)۔ اب اگر ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اس کی دولت کمانے کی استعداد میں کمی آجائے گی اور پھر مزید دولت حاصل کرنے کے لئے نہ چوری کر سکے گا اور نہ ہی اس قدر طاقت ہوگی کہ مزید مشقت کر کے مزید دولت حاصل کرے۔ اس طرح اس کی زندگی میں کامیابی نہیں ہوگی۔ ان امور کا خوف اس کو چوری کرنے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر صرف قید کی سزا دی گئی تو اسے رہنے کے لئے کمانے کی ضرورت نہیں اور پھر جب قید کاٹ کر نکلے گا، تو پھر اس کو دوبارہ وہی

طریقہ اپنانے میں بدنی مشکل نہیں۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کی علامت باقی رہ جاتی ہے اور اسے بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے انسانی نفسیات اور علوم جرائم (کرمنالوجی) کی رو سے ہاتھ کاٹنا ایک صحیح سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے پہلے چالیس سال میں صرف چند افراد کے ابتداء میں ہاتھ کاٹنے کے بعد چوری کی وارداتیں ختم ہو گئیں۔

ایک طرف اگرچہ سزا شدید ہے جس مقصد معاشرے کے تمام افراد کے لئے سکون ہے تو دوسری طرف اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی بنیادی سہولیات فراہم کرے۔ ان کے حق عمل کے لئے روزگار فراہم کرے۔ روزگار کے لئے علم و آلات فراہم کرے تاکہ لوگ ڈاکے اور چوری پر مجبور نہ ہوں۔ اپنی پالیسیوں کے ذریعے دولت کی تفریق کو کم کرے اگرچہ ہر فرد کو مال جمع کرنے اور عمل کرنے، کاروبار کرنے اور اپنے لئے آرام کی زندگی کا حق حاصل ہے۔ اسلامی حکومت ہر شہری کی ایک طرح کی وارث (خیال کرنے والی) ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط کے ایام میں سزا وقتی طور پر معطل کر دی تھی کیونکہ حالات شدید خراب تھے اور آپ خود بھوکے رہتے تھے حتیٰ کہ بیمار ہو گئے۔

دوسری طرف اسلامی اصول قانون ہے کہ اگر شک وشبہہ (ایک خاص درجہ تک) پیدا ہو جائے تو حد یعنی (سزا قطع ید / یا قتل (قصاص) / رجم) ساقط ہو جاتی ہے (بحوالہ حدیث ''ادرؤوا الحدود بالشبہات'' حدود کی سزاؤں کو شبہات کی وجہ سے ساقط کر دو)۔

اگر ہم اسلام کے معاشرتی اقتصادی نظام کے اصولوں کو دیکھیں اور ان سزاؤں اور ان کے محرکات پر غور کریں تو واضح ہو گا کہ یہ سزا ہی ان مسائل اور معاشرتی مشکلات و جرائم کا حل ہے اور یہ سارا عمل ایک اجتماعی بھلائی اور فلاح کے قیام کے لئے ہے، جہاں طاقتور اور کمزور، امیر اور غریب، سب عزت نفس اور امن کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس کی جدید زمانہ کی مثالیں موجود ہیں۔ سعودی عرب (حجاز) میں جب شریفِ مکہ کی حکومت تھی تو بہت زیادہ جرائم تھے اس کے بعد عبدالعزیز السعود کی حکومت آئی، اس نے اسلامی سزائیں نافذ کیں تو جرائم ختم ہو

گئے۔ اسی طرح چین میں جرائم بہت زیادہ تھے۔ جب حکومت نے کو چوری اور رشوت کے لئے سخت مقرر کر دی تو جرائم بہت کم ہو گئے اور چین خوشحال اور کم جرائم والا ملک بن گیا۔

عزت نفس:۔

اگر انسان سے جرم ہو گیا اور وہ اس پر نادم ہے تو معاشرہ میں اس کا مقام حکومتی سطح پر یا افراد میں عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے کیونکہ جب اصلاح کر لی ہے اور اللہ سے توبہ کر لی ہے اور اللہ غفور ورحیم ہے اور معاف کرنے والا ہے لہٰذا ان کا سرکاری سطح پر ان کے حقوق کا خیال اور احترام ضروری ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی توبہ قبول کرنے کے بعد اس کی عظمت وطاقت کا بیان ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

کیا تم جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

جرم اور سزا کے بعد اصلاح اور توبہ کا ذکر فرمایا اور پھر کئی ایسے انسان بھی ہیں جو جرم کرتے ہیں لیکن ان کو کوئی نہیں دیکھتا اور قانون وعدل کے حساب سے بچ جاتے ہیں یا چھپ جاتے ہیں۔ ان تمام امور کے بارے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس کو جانتا ہے لہٰذا اس کی ذات سے نہ کوئی چھپ سکتا ہے اور نہ چھپا سکتا ہے اور اس کی قوت سے کوئی باہر نہیں اور جسے وہ چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اس کی قدرت کا اعلان ہے ساتھ اس کا عدل اور انصاف بھی ہے جس کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ یہ تمام ہدایات انسان کو نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے بچنے کے لئے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۖۚ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں کا غم نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لاتے اور کچھ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور دوسری قوم کی باتیں زیادہ سننے والے ہیں جو (ابھی اطاعت کے لئے) آپ کے پاس نہیں آئی۔ وہ کلمات (احکام) کا موقع محل ثابت ہونے کے بعد بدل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کر لو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ان سے الگ تھلگ ہو جاؤ۔ اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو آپ (مخاطب) اللہ کی طرف سے اس کے بارے میں کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے بارے اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾

وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی اور خوب حرام کھانے والے ہیں پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تو بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر ان کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَ كَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور کیسے آپ سے فیصلے کرواتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ پھر وہ اس (حکم) سے منہ موڑتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قانون کے نفاذ میں مساوات:۔

یہ آیات مبارکہ یہود کے طریقہ زندگی اور دین کے امور میں ذاتی مفادات اور تحریف کے بارے ہیں۔ قوم یہود کی اسلام سے مخالفت اور اپنے مقاصد کے لئے بہانے بنانے کا ذکر ہے۔ واقعہ نزول کے بارے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہودیوں میں زنا کی سزا رجم تھی مگر جب کوئی طاقتور یہ جرم کرتا تو وہ اسے رجم کے بجائے رسوا کرنا کی تاویل کرتے اور منہ کالا کرکے رسوا کرتے۔ اسی طرح ایک یہودی سے یہ جرم سرزد ہوا تو انہوں نے اس کے فیصلہ کے لئے حضور ﷺ سے رجوع کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کی شریعت "توریت" کے احکام کے بارے پوچھا تو انہوں نے اسے جھوٹ بول کر چھپا دیا کہ اس میں حکم رجم نہیں رسوا کرنا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے توریت کو منگوا کر پڑھنے کو کہا، جس میں وہ دھوکہ کرتے کہ جب آیت رجم پر پہنچتے تو اسے چھوڑ دیتے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو توریت کے عالم تھے انہوں نے ان کے اس جرم کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اقرار کروایا کہ توریت میں سزا رجم ہے اور اسی کے مطابق ان کو سزا دی گئی۔ ان کے علماء نے ان کو یہ مقدمہ حضور ﷺ کے پاس لے جانے سے قبل کہا کہ اگر وہ تمہارے مطابق فیصلہ کریں (یعنی منہ کالا کرنا) تو ان کی بات ماننا ورنہ نہیں ماننا۔ ان کا مقصد مجرموں کی مدد یا ان کو سزا سے بچانا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے توریت کے احکامات کے مطابق صحیح فیصلہ کیا۔

یہود کی توریت میں تحریف (معانی کی تبدیلی) اور مسلمانوں کی کفار کے لئے جاسوسی کا بھی ذکر ہے اور حضور ﷺ کی تسلی کی گئی کہ آپ فکر مند نہ ہوں اور قبائل کے اسلام نہ لانے پر پریشان نہ ہوں بلکہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ جو جرائم کے عادی ہیں یا حق سے منہ موڑ رہے ہیں ان کے لئے قیامت میں عذاب شدید ہے۔ یہود کے کردار کا ذکر ہے کہ یہ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لے کر احکام بدل دیتے ہیں۔ اس دوسری آیت کا موقع نزول بھی بڑا اہم ہے اور اسلام کی انسانی مساوات کے اصول کی حکومتی سطح پر تنفیذ کی دلیل ہے۔ یہود کے دو قبائل تھے۔ ایک طاقتور تھا اور دوسرا کمزور۔ ایک ہی مذہب، ایک ہی قوم، ایک ہی زبان، ایک ہی جگہ رہنے والوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل سے جو قوی قبیلہ تھا اس نے زبردستی کمزور قبیلہ سے یہ منوایا کہ اگر وہ (کمزور) قوی قبیلے کے کسی شخص کو قتل کریں گے

تو اس کی دیت پوری ہو گی جو انہوں نے متعین کی اور اگر قوی قبیلے نے کمزور قبیلے کے کسی شخص کو مارا تو اس کی دیت اس کے نصف ہو گی۔ یہ نظام حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے تک چلتا رہا پھر انہی دنوں (دورانِ نزول سورۃ المائدہ) کمزور قبیلہ کے ایک فرد نے طاقتور قبیلہ کا فرد مار دیا جس کے نتیجے میں ان سے مکمل دیت (خون بہا) کا مطالبہ کیا گیا لیکن انہوں نے نصف دیت ادا کرنی منظور کی اور پرانے ریٹ سے انکار کیا۔ ان کا تقاضا تھا کہ ہم سب یہودی برابر ہیں لہٰذا یہ معاہدہ ظلم کی بنیاد پر تھا۔ دونوں طرف سے حالات بہت شدید ہو گئے۔ قریب تھا کہ پھر لڑائی شروع ہو جاتی لیکن میثاق مدینہ کے مطابق تنازع کی صورت میں فریقین کو حضور ﷺ کے پاس صلح یا فیصلہ کے لئے جانا ضروری تھا۔ لہٰذا یہ معاملہ بھی آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ منافقین کا خیال تھا کہ آپ ﷺ یہودیوں کی طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ نہیں فرمائیں گے بلکہ ان کے علماء یا لیڈروں پر چھوڑ دیں گے۔ لیکن آپ ﷺ نے حق کے مطابق (انسانی مساوات، برابر سزا) کی بنیاد پر فیصلہ فرمادیا اور انسانیت کے لئے مثال قائم کر دی۔

احکام کا بدلنا اور رشوت:۔

یہودیوں کے کردار میں جہاں احکام کے بدلنے اور مختلف لوگوں کے لئے قانون کی عملداری اور تنفیذ میں اختلاف تھا، وہاں ان امور کے لئے رشوت بھی ان کے کردار کا حصہ تھی اور ایک بڑا محرک تھی۔ ''اکلون للسحت'' وہ رشوت / حرام کھاتے تھے کا لفظ فرمایا۔ سحت کے معنی کسی چیز کو جڑ سے اُکھاڑنا ہے۔ عربی میں 'اَسۡحَتَ' سر منڈوانے کو بھی کہتے ہیں کہ بال جڑ سے اُکھاڑ دیئے۔ مال حرام کو بھی سحت کہتے ہیں کیونکہ عبادات کو وہ جڑ سے اُکھاڑ دیتا ہے۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا 'سحت' رشوت ہے۔ (۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حاکم کو رشوت دینا 'سحت' ہے۔ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی قول ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لئے سفارش کرے یا کسی ظلم کو دور کرنے کے لئے سفارش کرے، پھر اس کو ہدیہ دیا جائے، جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ (۴) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ فیصلہ پر کچھ لینا کفر ہے (یعنی سحت سے بڑھ کر ہے)۔ (۵) حدیث مبارک جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (۶) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا "ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! سحت کیا چیز ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا حکم (حکم یا فیصلہ) میں رشوت دینا۔

اگر انسان کو اپنے حق حاصل کرنے کے لئے، کسی ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینا پڑے تو علماء نے کہا ہے کہ اس کی رخصت ہے، کچھ نے کہا ہے نہیں ہے۔ انسان کو اصولی طور پر عزیمت کرکے رشوت نہیں دینی چاہیے بلکہ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانی چاہیے۔

یہ آیت مبارکہ امت محمدیہ کے موجودہ حالات میں لمحہ فکریہ ہے کہ اسلام نے اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جس چیز کو حرام اور دوزخ کے لائق قرار دیا گیا وہ ہمارے معاشرہ میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ہم کب سچے مسلمان ہیں۔ اور اس گناہ سے جس کا ذکر یہود کے لئے کیا گیا ہے اگر وہ ہمارے معاشرہ میں ہے تو ہم کہاں اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں۔

غیر مذاہب کے احکام:۔

دوسرا نکتہ ہے کہ غیر مسلموں کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق کئے جائیں اور اگر وہ اسلامی قانون کے تحت کرانا چاہیں تو بھی ہر حال میں انصاف کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا قول بھی ہے کہ ان کے قانون کے مطابق ان کا فیصلہ ہو یا ان کی درخواست پر فیصلہ کیا جائے۔ دوسرے فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے لیکن النفس بالنفس اور خطبہ حجۃ الوداع میں جو میثاق انسانیت اور انسانی مساوات کا درس حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیا تھا اس کی روشنی میں یہی افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ جب اہل کتاب (یہود) کے پاس اللہ کے احکام یعنی ان کے مذہب کے احکام توریت میں موجود ہیں تو وہ کیوں اس کو چھوڑ کر دوسرے ذریعہ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور اپنے مذہب کی خلاف ورزی کرتے ہیں یہ ان کی اپنے مذہب سے دوری کی دلیل ہے۔ وہ اپنے مذہب کے ساتھ بھی سچے نہیں ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ بھی سچے نہیں اور اس پر مسلمانوں کو کوئی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ نقصان نہیں دے سکیں گے۔ قرآن مجید

کی یہ صداقت کی دلیل ہے کہ جو آیات نازل ہوئیں وہ توریت کے احکامات کے بالکل مطابق تھیں جن کا حضور ﷺ یا مسلمانوں کو علم نہیں تھا اور یہودی ان کو چھپاتے اور اگلی آیت بھی اہل کتاب کے اعمال کے بارے ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی (نور) ہے جو اللہ کی اطاعت کرنے والے انبیاء تھے وہ یہودیوں کے لئے اس (توریت) کے ذریعے فیصلے کرتے تھے اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنے والے بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو لوگ اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی انکار کرنے والے (کافر) ہیں۔

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے (تورات میں) ان پر فرض (حکم) کیا کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں میں بدلہ (قصاص) ہے پھر جو شخص معاف کر دے تو اس کے (گناہ کے) لئے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

آیت مبارک پچھلی آیت کے موضوع کے ساتھ منسلک ہے۔ توریت کے احکام اور ان کی تنفیذ جو اس وقت کے معاشروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تک تھی، ان کے بارے ذکر ہے کہ تمام انبیاء کرام، ان کے علماء اور اللہ پر یقین کرنے والے مومنین تمام فیصلے اس کتاب حق کے مطابق کرتے تھے کیونکہ ان انبیاء اور علماء کا فرض تھا

کہ اس الہامی کتاب کی حفاظت، احکام پر اعمال کے ذریعہ کریں۔ اسی طرح اب علماء اور مسلمانوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے فیصلے قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق کریں چونکہ علماء اور ارباب اختیار کے ذمہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی حفاظت و تنفیذ کریں۔ کیونکہ یہ احکام، حاکم وقت کی خواہش پر نہیں بلکہ خالق انسان کے بنائے ہوئے ہیں جہاں احکام نہیں یا وضاحت نہیں وہاں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور جو اس مذہب کا اقرار یا اعلان کرے گا لیکن ان احکام پر عمل نہیں کرے گا تو وہ ظالم اور انکاری (کافر) ہے۔

چونکہ یہ احکام اللہ کی طرف سے ہیں اس لئے یہ تورات میں آئے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کچھ تبدیلی کے ساتھ انجیل کے مطابق نافذ کرنے کی تلقین کی۔ احکام اور تعزیرات کا ذکر ہے، سزا کے بارے احکام بتائے کہ قصاص میں، اگر کوئی کسی کا عضو ختم کرے گا تو اس کا عضو بھی ختم کر دیا جائے گا۔ یہ احکام توریت کے تھے اور پھر اسلام میں بھی قانون قصاص موجود ہے۔

توریت کی آیات یوں ہیں "اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسائے کو عیب دار بنا دے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا، ویسا اس میں بھی کر دیا جائے (عہد نامہ قدیم - احبار باب 24 آیات 18/21/22- کتاب مقدس)۔

اسلام نے بھی ان کا احترام رکھا اور ان کو کچھ تبدیلی کے ساتھ نافذ کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید، عیسائیت، یہودیت، دین ابراہیمی کا حصہ ہیں اور ایک مذہب کا تسلسل ہے۔ ایک ہی خدا کے احکام کی بنیاد پر یہ مذہب اور سب سے آخری مذہب ہی واجب الاطاعت ہے کیونکہ اسی اللہ وحدہ لاشریک کے حکم سے ہے یہ اختلافات و تشدد علماء مذاہب کی حسد و بغض، ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہیں جو انسانی فطرت میں ان کی عادات کی وجہ سے پیدا ہوتی اور قرآن مجید نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے اختلاف میں تشدد بہت بڑا جرم ہے، ہاں فساد کی صورت میں فسادیوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے تا کہ معاشرے میں امن رہے۔ کفر

ہمیشہ رہے گا یہ اللہ کا نظام ہے البتہ تبلیغ حق بھی فرائض میں سے ہے لیکن حکمت اور دلپذیر (موعظہ حسنۃ) انداز ضروری ہے۔

خدائی احکام کی تنفیذ:۔

چونکہ انسان کے اندر اس کی قوت نفسانی، جس میں خوف و لالچ، خود نمائی، خود پسندی اقتدار کی ہوس، دولت کی محبت کے عوامل، اس کو راہ حق پر چلنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس لئے آیت میں بڑا واضح فرمایا "اللہ کے احکام کے بدلے دنیا کے فائدے اور آخرت کو نظر انداز کرنا بہت معمولی اور تھوڑی قیمت ہے اس کو ایسا نہ کرو اور اللہ کے احکام کے خلاف اللہ کو ماننے والے، اگر فیصلے کریں گے تو وہ انکار کرنے والے (کافر) اور ظالم ہوں گے۔

قانونِ قصاص:۔

اسلام میں قصاص میں انسانی مساوات ہے اس لئے اس میں مذہب کی تفریق نہیں۔

۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (جس کافر / غیر مسلم سے معاہدہ ہوا تھا) کے بدلے قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں (سنن دار قطنی و سنن کبریٰ البیھقی)۔

۲) عبد الرحمان بن السلیمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ راوی نے کہا مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں (سنن دار قطنی)۔

۳) عبد الرحمان بن السلمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذمی کے بدلے میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا "جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں (سنن دار قطنی)۔

یہ احادیث اس ایک حدیث جو کہ امام بخاری نے حضرت علی سے روایت کی ہے جس میں کہ "مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا" کا ذکر ہے کے مقابل بطور ثبوت موجود ہیں۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کا فتویٰ دوسرے آئمہ کے

خلاف ہے کہ ”اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قتل کر دیا تو ان کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے“ یہ فتویٰ درج ذیل امور کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے۔

۱) قرآن مجید میں حکم ان النفس بالنفس میں عموم اور اطلاق واضح ہے۔

۲) حدیث روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مذکورہ صحیح بخاری) سے مراد کافر حربی ہے اور اس کے لئے امام ابو حنیفہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جب حالت حرب (جنگ) ہے تو پھر اس کا اطلاق ہو گا۔ اس طرح حدیث کی تطبیق ہو گی اور قرآن مجید کی بھی، نیز حدیث کی تنفیذ قرآن کے مطابق ضروری ہے۔

۳) احادیث مذکورہ دار قطنی اور سنن کبریٰ اگرچہ سند میں حدیث امام بخاری کی طرح قوی نہیں لیکن تعداد اسانید میں کثرت کی وجہ سے حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں (بطور دلیل صحیح ہیں)۔

۴) اسلام بالخصوص حضور ﷺ نے ہمیشہ انسانیت کو مساوات کا درس و احکام دیئے ہیں اور حجۃ الوداع کے موقع پر جو انسانیت کو مساوات اور انسانی حقوق کا چارٹر دیا گیا ”تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں اور برابر ہیں“ اسے دنیا، چودہ سو سال بعد اقوام متحدہ کے ذریعے اب حاصل کیا ہے۔ در اصل اسلام سے بہتر کوئی انسانیت پسند اور روشن خیال مذہب نہیں۔

معاف کرنا:۔

سزا میں مساوات کے بعد انسانی فلاح کا بھی ذکر ہے کہ جس نے حد کو قبول کیا اس کا گناہ اس کی سزا کی وجہ سے معاف ہو جائے گا لیکن اگر متاثرہ شخص نے اللہ کی خاطر مجرم کو معاف کر دیا تو اس کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے اور اس کا یہ معافی کا عمل اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں امن بھی رہے اور نفرت پیدا نہ ہو بلکہ محبت کی فضا قائم رہے۔ اس کا ذکر حدیث شریف میں بھی آیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا (مسند احمد)۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا

فرمائے۔ آمین

وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۶﴾

ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور (روشنی) تھی اور وہ اپنے سے پہلے کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

وَ لْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں نازل کیا اس کے مطابق فیصلے کریں اور جو لوگ اللہ کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی نافرمان (فاسق) ہیں۔

یہود اور عیسائیوں کے مذہب اور قوانین کا ذکر جاری ہے کہ یہودیوں اور ان کے علماء نے توریت کے احکام میں ذاتی مفادات کے لئے تحریف کی (قانون رجم اور قانون قصاص میں) اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے توریت کے احکام کو جاری رکھا اور کچھ احکام میں تبدیلی کی۔ توریت کی طرح انجیل بھی الہامی کتاب ہے اس لئے نور و ہدایت کا ذریعہ ہے اور جو ان پر عمل کرتا ہے وہ متقی ہے۔ عیسائیوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے احکام جو انجیل میں دیئے گئے ہیں اور توریت میں تھے ان کے مطابق اپنے معاشروں میں فیصلے کریں یعنی ان کو نافذ کریں۔ اگر نافذ نہیں کریں گے اور اپنی خواہشات کے مطابق قانون بنائیں گے تو وہ اللہ کے احکام کے انکار کرنے والے (فاسق) قرار پائیں گے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہودیت اور عیسائیت ایک ہی مذہب ابراہیمی کا تسلسل ہے۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اے نبی! ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی جو تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس کی محافظ ہے تو آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اسے نظر انداز کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور (شریعت) اور طریقہ بنایا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت ضرور بنا دیتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس (کتاب) کے بارے آزمائے جو تمہیں دی ہے۔ پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں (اصل حقیقت) بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴿۴۹﴾

اور (اے نبی)! آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے۔ پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ ان کو ان بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک ان لوگوں سے اکثر نافرمان ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴿۵۰﴾

کیا وہ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟

قوانین انسانی بمقابلہ الہامی قوانین:۔

پچھلی آیات کی طرح اللہ کے احکام کی تنفیذ کا ذکر ہے۔ چونکہ تمام قوانین الٰہی کا مصدر یا ماخذ ایک ہے خواہ وہ توریت کی صورت میں یا انجیل کی صورت میں نازل ہوئے اور اب

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی صورت میں نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل فرمائے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ یہ دستور اور شریعہ ہر ایک کے لئے اس کے وقت کی ضرورت اور مناسبت سے تھی پھر دوسرے نبی نے اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم و اضافہ کیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کے ذریعہ کیا اور اب جو حق اللہ کی طرف سے قرآن مجید کی صورت میں ہے۔ اسلام میں صحیفہ ابراہیم، توریت، انجیل کے احکام موجود ہیں (حج، وضو، ختنہ، قصاص، رجم وغیرہ)۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے قوانین کو نافذ کرنا ہر دور میں ضروری رہا ہے خواہ وہ یہودیت (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا زمانہ ہے اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ حق اور انصاف پر فیصلہ کیا جائے اور حق و انصاف کا سب سے اعلیٰ ذریعہ و مأخذ احکام الٰہی ہیں جو انسانی عیوب (کمی وبیشی) سے پاک ہیں۔

عدل کی اہمیت:۔

آیت شان نزول بہت خوبصورت ہے۔ یہود کے چند سردار کعب بن اسلمہ، ابن صلوبا، عبداللہ بن صوریا اور شاش بن قیس نے مشورہ کیا کہ چلو محمد ﷺ کے پاس جائیں اور ان کو ان کے دین سے ورغلائیں کیونکہ وہ انسان ہیں۔ وہ گئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے معزز علماء اور سردار ہیں اگر ہم آپکی پیروی کریں گے تو تمام یہود آپ کی پیروی کریں گے ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے۔ ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں (بحوالہ السیرہ النبویہ ابن ہشام، اسباب النزول للواحدی)۔

آپ ﷺ نے عدل سے فیصلہ کیا اور وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اس لئے فرمایا کہ وہ جاہلیت کے فیصلے پسند کرتے ہیں اور حق کے فیصلے پسند نہیں کرتے غیر مسلموں کے درمیان کیا حکم / فیصلہ ہوگا۔ اس کے بارے علماء کا اختلاف رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر وہ درخواست کریں تو ان کے مقدموں میں فیصلہ کیا جائے اور وہ بھی انصاف کے ساتھ ورنہ وہ اپنے فیصلے اپنے مذہب کے مطابق کریں۔ آیات مبارکہ میں بھی ان کے

فیصلہ کو حق پر کرنے کا ذکر ہے اور ان کی کتابوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کی طرف سے نور وہدایت قرار دیا ہے اس طرح ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ بھی اللہ کے احکام کے مطابق ہوگا اور شریعت اسلامی کے مطابق وہ فیصلہ چاہیں تو کر دیا جائے گا یعنی ان پر ٹھونسنا لازم نہیں اور نہ ہی شریعت کا حکم ہے۔(لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ کی یہی روح ہے)۔اسلامی معاشرہ میں ہر فیصلہ انصاف وعدل کے تقاضوں کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اسلامی معاشرہ میں عدل ایک بہت اہم اور بنیادی خصوصیت وشرط ہے۔

تفاہم بین المذاہب:۔

اختلاف کی حکمت بھی ان آیات میں واضح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو آزمانا چاہتا ہے کہ کہاں تک وہ اس کے احکام پر اپنی مرضی کو قربان کرتے ہیں۔ اس لئے ہر رسول کو نئی شریعت کچھ اضافوں وترمیم کے ساتھ دی تاکہ اس وقت کے معاشرے میں رہنے والوں کو اللہ کے احکام پر یقین آئے اور ساتھ عمل کا امتحان ہو سکے۔ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت میں اللہ خود فرمائے گا۔ اس کا مقصد ہے کہ اختلاف پر تشدد نہ اپنایا جائے بلکہ نیکیوں میں مقابلہ کیا جائے تاکہ معاشروں میں فساد نہ ہو بلکہ امن وسلامتی ہو۔یہی وجہ ہے کہ اختلاف میں تشدد ذاتی پسند پر ضد کی وجہ سے آتا ہے۔اگر نرمی اور دوسرے کی رائے کا لحاظ رکھا جائے تو فساد وتشدد نہیں ہوتا اور اللہ پر فیصلہ چھوڑا جائے کہ کون حق پر ہے جو قیامت میں ہوگا۔ جس طرح پچھلی آیت میں ذکر ہے۔ہاں معاشرہ میں فساد کو روکنے کے لئے برائیوں کے خلاف قانون کا استعمال ضروری ہے اور انسانی حقوق (جان ومال ومذہب) کا تحفظ ضروری ہے ''أَفَحُكْمَ ٱلْجَاهِلِيَّةِ ''جاہلیت کے قانون کو پسند کرتے ہیں کا مقصد یہ ہے کہ انصاف کے اصولوں کو انفرادی مفادات پر قربان کرنا حق کے خلاف ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ،وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو ذمہ دار (والی) بنائے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

پس آپ (اے نبی) ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ ہے، وہ دوڑ کر ان میں جاتے ہیں (یہودیوں کی طرف) اور کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت نہ پہنچے، پھر قریب ہے کہ اللہ (تمہیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ لوگ (اپنی منافقت) جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، پر پچھتائیں گے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور ایمان والے کہیں گے: کیا یہی وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی پُر زور قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے عمل برباد ہو گئے اور وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں ہو گئے۔

یہودیوں کے ساتھ معاملات اور عدل و انصاف کے بارے پچھلی آیات تھیں۔ یہ آیات بھی یہود و نصاریٰ (عیسائیوں) کے ساتھ تعلقات کے بارے ہیں۔

جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں یہودی اور غیر یہودی بت پرست عرب تھے اور آپس میں ساتھ ساتھ چھوٹے دیہاتوں میں مل کر رہتے ان کے آپس میں تعاون کے معاہدے تھے۔ جب اسلام پھیلا تو تیسرا گروہ مسلمانوں کا تھا جو کہ یہودیوں میں سے بھی مسلمان ہوئے، عربوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے یعنی انصار مدینہ اور مکہ سے آنے والے مہاجرین پر مشتمل تھا۔ پہلے چند سالوں کے بعد مدینہ کے مشرکین عرب زیادہ مسلمان ہو گئے لیکن یہودی زیادہ اپنے مذہب پر قائم رہے اور یہود کے قبیلے بنو قینقاع کا مسلمانوں سے جھگڑا ہوا جس کی وجہ سے جو قبیلہ بنو قینقاع کے ساتھ معاہدہ میں حلیف تھا ان کا مسئلہ پیدا ہوا کہ معاہدے کی پابندی کی وجہ سے ان کو یا تو مسلمانوں کو یا یہود بنو قینقاع کو چننا تھا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے حضور ﷺ کے مقابل بنو قینقاع کو نہ چھوڑا اور دوسری طرف حضرت عبادہ بن الصامت اور ان کے ساتھیوں نے یہود کے ساتھ حلیف

ہونے کے باوجود حلف سے علیحدگی کا اعلان کر دیا کہ ہم حضور ﷺ کے احکام پر عمل کریں گے اور مومنوں کے ساتھ حلیف اور دوستی رکھیں گے۔ یہ اس آیت کا موقع نزول ہے۔ اس وقت کئی صحابہ جن کے گھر بالکل یہودیوں کے گھروں کے پاس تھے اور وہ ان کے ساتھ تھے ان کے لئے ان سے رابطہ زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ان کے لئے حکم ہوا کہ ان کو دوست نہ بناؤ اور ان کے ساتھ گہرے تعلق نہ رکھو۔ منافقین (عبداللہ بن ابی وغیرہ) محض اس خوف سے کہ یہود کے قبائل متحد ہو کر ان پر کہیں غالب نہ آجائیں۔ ان سے کھل کر مخالفت نہیں کرتے تھے اور مومنین (عبداللہ بن الصامت وغیرہ) نے کھل کر یہود کے حلیف ہونے سے برأت کا اعلان کر دیا اور بنو قینقاع کو مدینہ چھوڑنا پڑا۔ یہ بحیثیت قوم بڑا ضروری ہے کہ ان کے ساتھ گہرا تعلق یا دوستی نہ رکھی جائے۔ دوستی اور گہرا تعلق صرف مسلمانوں یا مومنین کے ساتھ ہو اور اس بارے جتنی بھی مخالفت یا دوری کی احادیث آئی ہیں، ان کا یہی مقصد ہے کہ ان کے پروپیگنڈے، سماجی اور معاشرتی اثر سے پاک ہو کر اسلام پر یقین ہونا ضروری ہے۔ ان سے خوف زدہ یا مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے عقیدہ، قوانین کا اعلان اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت اور کامیابی عطا فرمائی۔ عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین ہمیشہ اپنے عمل (منافقت) کی وجہ سے ناکام اور شرمندہ ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بہت علم والا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴿۵۶﴾

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور جو ایمان لائے ان سے دوستی رکھتا ہے (تو وہ اللہ کا گروہ میں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ دین کی حفاظت صرف چند افراد پر ہی منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ افراد صرف ایک ذریعہ ہیں، اگر اس وقت کے لوگ اپنے ایمان کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کمزوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے متبادل دوسری قیادت پید افرما دیتا ہے جو اللہ کے احکام کو نافذ کر دیتی ہے اور مخلوق خدا کے لئے راحت و امن کا سبب بن جاتی ہے۔ مفسرین کرام نے ان آیات کی تشریح کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے تعبیر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے آخری ایام میں یمن میں لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ دو تین منکرین اسلام تھے جنہیں آپ ﷺ نے اپنے صحیح اور بر وقت فیصلوں کے ذریعے ختم کر کے مکمل طور پر اسلام نافذ کیا اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تمام فتنے ختم ہو چکے تھے اور اسلامی مملکت نہ صرف پرامن تھی بلکہ ایران و شام کی طرف بھی پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔

تاریخ نے بھی ثابت کیا ہے کہ جب کسی معاشرہ میں ایک فساد شروع ہو جاتا ہے اور وہ اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور گروہ کے ذریعے اس فساد کو ختم کر دیتا ہے اور ایک بہتر تبدیلی معاشرہ میں آجاتی ہے، جو مخلوق کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوق سے پیار کی نشانی ہے۔ پھر فرمایا کہ کامیاب اللہ کا گروہ ہے۔ وہ عام افراد نہیں ہیں بلکہ وہ جو نماز کے نظام کو قائم کرتے ہیں اللہ کا خوف اور اس کی تابعداری ان کی زندگی میں نظر آتی ہے اور حقوق العباد اور سماجی اور معاشی انصاف کے نظام کو بھی قائم کرتے ہیں۔ اس لئے صلواۃ اور زکوٰۃ اور پھر جھکنے والوں کی صفت بیان کر کے ان امور کی اہمیت واضح کر دی ایسا ہی معاشرہ اور ان خصوصیات کے حامل افراد ہی دنیا کی رہبری اور قیادت کرتے ہیں۔

افراد کا جو امتیاز آیت مبارکہ میں ہے کہ "وہ اللہ کے محبوب ہوں گے اور

اللہ ان کا محبوب ہو گا" یعنی ان کے اور ان کے رب کے درمیان رابطہ و تعلق محبت کا ہو گا۔ محبت کیا ہے؟ ایک لطیف جذبہ، احساس اور تعلق جو نہایت ہی لطیف، روشن اور پر رونق ہے۔ سدا بہار جس پر خزاں نہیں۔ یہ مومن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رابطہ کا کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا ادراک اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو معرفت ربانی حاصل ہو اور انہی صفات سے متصف ہو جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں اور وہی شخص اس کا تصور کر سکتا ہے جس کے حِس شعور اور نفس پر ان صفات کا پر تو پڑا ہو۔ یہ فضل و کرم اسی شخص کے ادراک میں آسکتا ہے جو، اس داتا اور کریم کے مقام سے واقف ہو اور جانتا ہو کہ اللہ کون ہے؟ اس عظیم کائنات کا خالق کون ہے؟ اس کا رازق کون ہے؟ اور کس کی بادشاہی اس کائنات پر ہے؟ اور یہ انسان کیا ہے جس پر وہ ذاتِ عظیم فضل و کرم کر رہی ہے۔ اس سے محبت کر رہی ہے جبکہ انسان اس کا خود بنایا ہوا ہے۔ وہ ذات پاک ہے، عظیم ہے، الحي، القائم، الاول، الاٰخر اور الظاہر و الباطن ہے۔ کسی بندے کا اللہ سے محبت کرنا اس بندے کے لئے ایک نعمت ہے اور اس کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اس کا ذوق ہو اور اللہ کی جانب سے کسی بندے کے ساتھ محبت کرنا ایک عظیم انعام و فضل جزیل ہے۔ اسی طرح اللہ کا بندوں کو ہدایت دینا اور تعریف کرنا بڑا اعزاز ہے۔ ان کے اندر ذوق جمیل کا پیدا ہونا اور ایسا ذوق محبت پیدا ہونا جس کی دنیا کی محبتوں میں کوئی مثال نہ ہو۔ یہ بھی ایک عظیم انعام اور فضل ہے۔

جس طرح اللہ کی جانب سے بندے کے ساتھ محبت ناقابل بیان ہے اسی طرح بندے کی جانب سے اللہ کے ساتھ محبت بھی ناقابل بیان ہے۔ دنیا کے محبت کرنے والوں کے کلام میں اور عبادات میں اس کا اظہار ممکن نہیں اور یہ وہ علاقہ ہے جس میں صوفیاء اور اہل دل میں واصل باللہ لوگ ہی برتری کے حامل ہیں۔ لیکن صوفیوں میں نام نہاد صوفیوں کے نقالوں کی فوج جو ہمیں آج نظر آتی ہے ان میں ایسے واصل باللہ بہت کم تعداد میں ہوں گے۔ آیات مبارکہ میں ہے کہ اللہ کے بندے نظام صلوٰۃ (حقوق اللہ و مخلوق) اور نظام زکوٰۃ (حقوق معاشرت و العباد) کو نافذ اور قائم کرتے ہیں۔ معاشرے کو عدل مساوات اور امن سے بھر دیتے ہیں۔ ظلم اور ناانصافی کو ختم کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین اسلام دنیا میں انسانی کردار

کو بہت اہمیت دیتا ہے اور دین پر عمل کی زندگی ہمارے معاشی، معاشرتی اور سماجی ترقی و تعاون میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کی ترغیب دیتی ہے۔

روایات میں ہے کہ ایسی آیات کا مصداق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ رکوع کی حالت میں ایک سائل کو انگوٹھی صدقہ کر دی۔ دوسری طرف علماء کہتے ہیں کہ آپ کی نماز میں اس قدر استغراق (یعنی مشغول ہونا) ہوتا کہ آپ دنیا ومافیھا یعنی ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہوجاتے بلکہ تاریخ میں ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاؤں کے اندر کوئی چیز پھنسی جس کو آپ کی نماز کے دوران نکالا گیا اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اور فقیری میں آپ کا رتبہ بہت عظیم ہے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق آپ 'باب العلم' یعنی علم کا دروازہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی شان میں فرمایا کہ اگر آپ (حضرت علیؓ) نہ ہوتے تو حضرت عمر مشکلات میں پھنس جاتے۔ (لو لا علی لھلک العمر)۔ آپ کے عدالتی فیصلہ اور نہج البلاغہ آپ کی فقہی علمی اور رفعت کی دلیل ہیں۔ یہ آیت اللہ کے مقرب بندوں کی عظمت کی دلیل ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب تم نماز کے لئے آواز دیتے ہو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ (اے نبی) کہہ دیجئے! اے اہل کتاب تم ناراض ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے

شک تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (۶۰)

آپ (اے نبی) کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب نازل کیا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر بنا دیا اور انہوں نے شیطان (طاغوت) کی بندگی کی، ان کا ٹھکانہ بدترین ہے اور سیدھی راہ سے بھٹکے (گمراہ) ہوئے ہیں۔

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ (۶۱)

اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کا حال یہ ہے کہ کفر کے ساتھ ہی وہ داخل ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ نکل گئے اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔

اہل کتاب و مشرکین کے کردار کا ذکر جاری ہے۔ درمیان میں مومنین کے کرادار کا ذکر فرمایا اور پھر اب انکار کرنے والوں کا کردار ذکر ہے۔

مسلمانوں نے جب جماعت کے ذریعہ عبادت شروع کی تو یہ ایک طرح سے نیا عمل تھا۔ جماعت کی ابتداء مدینہ شریف میں ہوئی اور جماعت کرانے کے لئے اور اکٹھا کرنے کے لئے مختلف طریقے تجویز کئے گئے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ جھنڈا لگا کر جماعت کی اطلاع دی جائے۔ کسی نے کہا کہ بگل بجا کر کسی نے تجویز دی کہ گھڑیال بجا کر۔ یہ آراء حضور ﷺ کو پسند نہیں آئیں کیونکہ یہ طریقے پہلے سے یہود، عیسائیوں یا مشرکین کے ہاں رائج تھے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا جو انہوں نے نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک شخص نے آکر ان کے پاس اذان دکھائی۔ یعنی کلمات اذان کہے۔ اس طرح کا خواب کچھ دن پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دیکھا تھا لیکن انہوں نے حضور ﷺ سے ابھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کے کلمات بھی ایسے ہی تھے اور اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب و کلمات کی تصدیق کی۔ حضور ﷺ کو یہ کلمات بہت پسند آئے چونکہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے اس لئے انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ وہ اذان دیں۔ ان واقعات سے ایک یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نبی ہونے کے باوجود بھی اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے تھے۔"وَ شَاوِرْ هُمْ فِیْ الْاَمْرِ (آل عمران:109) کہ ان سے کام میں مشورہ کرو۔ جب اذان شروع ہوئی تو اس کے کلمات بڑے بامعنی اور پر اثر تھے۔ جو مشرکین اور یہود کو عجیب لگے اور انہوں نے حسد کی بناء پر اس کا مذاق اُڑایا۔ اذان کے الفاظ پر غور کریں تو اسلام کے نظریہ حیات کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و واحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت، نماز کی دعوت، پھر معاشرہ میں بھلائی و فلاح کی دعوت اور آخر میں اللہ کی عظمت و عبادت۔

احادیث میں اذان کے الفاظ کو سننے کے بعد اس کے ساتھ دعائیہ الفاظ کا بھی ذکر ہے۔ جس کا مقصد انسان کے اس کام کرنے کے ارادہ اور تعاون کا اظہار ہے۔ عمومی طور پر انہی الفاظ کو تاکیداً دہرایا جاتا ہے مگر آؤ نماز کی طرف اور آؤ نیکی اور فلاح کی طرف ،دعوت کے لئے جب سنا جاتا ہے تو نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق و مدد اللہ سے مانگی جاتی ہے (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ)۔ اذان کے بعد اذان کی دعا بھی احادیث میں مذکور ہے کہ کلمہ شہادت پڑھا جائے اور ایک حدیث میں دعا ہے جس کا ترجمہ ہے "اے اللہ! اس کامل نداء (بلاوا) اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں بلند مقام اور فضیلت عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے"۔ ان تمام امور کا مقصد انسان کو ذہنی طور پر اللہ کی بندگی کی طرف راغب کرنا اور نماز کی طرف عملی طور پر لے جانا ہے۔

کسی بھی عمل کی اہمیت اس کے اہتمام سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے اذان، اس کے بعد دعا جماعت کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ مسلمانوں کے اعمال اور عقائد کا احترام نہیں کرتے بلکہ ان کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے دل میں نہ اسلام اور نہ ہی مسلمانوں کا احترام اور اخلاص ہے۔ اس لئے ان کو دوست نہ بنایا جائے۔ ہاں معاشرت میں برتاؤ زندگی کے معمولات کا حصہ ہے۔ لیکن حقیقی دوستی اور بھروسے

کے قابل نہیں۔ ایک روز چند یہودی علماء نے حضور ﷺ سے اسلام میں گذشتہ انبیاء کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم سب سابقہ انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں جن کا توریت میں ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہم ان کو نہیں مانتے، لہٰذا آپ کے دین کو بھی نہیں مانتے اور وہ چلے گئے۔

قرآن مجید نے ان کے اس رویہ اور اخلاق کا ذکر کیا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے ماننے والے اور اس کی کتاب پر چلنے والے کہتے ہیں حالانکہ وہ انبیاء کا انکار کر رہے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کی نبوت کا۔ لہٰذا وہ اپنے ایمان اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہیں اور ان کا کردار نافرمان رہا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کئی قوموں کو سزا دی اور ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں۔ چونکہ وہ حق کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان کا مسلمانوں کی مجلس میں آنا سراسر جھوٹ ہے۔ وہ نہ ایمان کے لئے آتے ہیں اور نہ ایمان چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ وہ لوگ کفر کی حالت میں ہی رہیں گے۔

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶۲)

اور آپ ان میں اکثر کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ بہت ہی برا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں۔

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۳)

ان کے راہب اور پادری (علماء) انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بہت برا ہے جو کچھ وہ (اپنے لئے) تیار کر رہے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (۶۴)

اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ بلکہ خود ان کے ہاتھ بندھے

ہوئے ہیں اور ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ بہت کھلے ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور آپ پر جو (کلام) آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کرے گا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔ وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہود کے کردار کا ذکر ہے چونکہ مدینہ شریف میں یہودی دوسری بڑی کمیونٹی تھے۔ دولت و علم کے لحاظ سے بااثر تھے۔ ان کے اعمال، رویہ، کردار بڑا اہم تھا۔ اس لئے ان کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ اہل کتاب ہونے کے باوجود وہ کردار میں اپنی کتاب (تورات) کی تشریح اور تنفیذ میں مخلص نہیں تھے۔ ان کے علماء (احبار) دولت کی لالچ یا اقتدار کی قربت کے ہوس میں احکام کی تشریح اپنی مرضی سے مفاد کے مطابق کرلیتے۔

حق کا اظہار و تلقین:۔

اسی طرح وہ حرام کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ان کے علماء (احبار) ان کو برے اعمال اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے جبکہ علماء کا کام حق کو بیان اور اس کی تائید کرنا ہے اور ان اعمال کی وجہ سے وہ اپنی آخرت خراب کررہے ہیں۔ آیت مبارکہ میں حق بات کو کہنا اور عمل کرنا ہمارے افراد کے لئے ضروری ہے لیکن خصوصی طور پر اہل علم کے فرائض میں شامل ہے۔ یہ حکم نہ صرف یہود یا عیسائیوں کے لئے تھا بلکہ تمام امت مسلمہ پر لاگو ہے اور غور طلب ہے کہ ہم کیا کررہے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور اللہ کو قرض دینے کے بارے آیات نازل کیں اور اکثر مسلمان معاشی طور پر غریب تھے تو انہوں (یہود) نے کہا کہ مسلمانوں کا خدا فقیر ہے۔ اس لئے ان کو نہیں دیتا یا بخیل ہے۔ اللہ نے اس کو رد فرمادیا کہ اللہ کی ذات بڑی قدرت والی ہے اور بڑی کریم ہے۔ اس کے ہاتھ کھلے ہیں، یہاں قرآن مجید میں ہاتھوں کا کھلا ہونا اور ہاتھوں کا بند ہونا بطور تمثیل یا محاورہ ہے جس سے مراد سخاوت یا بخل ہے۔ یہود کی ذہنیت

کا نقشہ کھینچا ہے کہ جس ذات کو وہ خدا کہتے ہیں اس پر محض اپنے فاسد خیال کی وجہ سے بے ادبی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں اس طرح کی آیات انسانوں کی سمجھ یا وضاحت کے لئے جو اس وقت کی زبان میں بطور محاورہ استعمال ہوتے تھے بطور استعارہ یا تشبیہ استعمال کیا گیا ہے۔ علماء جو فقہ الظواہری (جناب امام داؤد الظاہری) کی پیروی کرتے ہیں جنہیں عمومی طور پر سلفیہ یا اہل حدیث کہا جاتا ہے ان کے مطابق وہ ان الفاظ کے ظاہری معانی میں ہی تعبیر و تفسیر کرتے ہیں اور دوسری تشریح کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے دوسری طرف اکثر علماء کے خیال میں چونکہ ان کی لفظی تعبیر سے جسامت اور جسم لازم آتا ہے جیسے ہاتھ، کرسی، چہرہ، آنکھ اور اللہ کی ذات جسامت، حدود سے پاک ہے اس لئے ان کی تشبیہ اور اطلاق مجازی ہے۔ بہر حال مقصود تو یہ ہے کہ انسان محض حسد، کینہ انا پرستی کی وجہ سے اتنی بڑی ذات کی نافرمانی کر دیتا ہے۔

فساد کی وجہ اور عذاب:۔

ایک اور کردار جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت برا قرار دیا ہے وہ فساد پھیلانا، لوگوں کو لڑانا ہے۔ جو یہود کے کردار میں بہت عام تھا اور فرمایا کہ اللہ کا کلام توریت بھی ان کے پاس تھا اور اب اللہ کا کلام انجیل اور قرآن کی صورت میں بھی موجود ہے۔ لیکن انسان شیطان کے بہکاوے میں آکر حسد اور کینہ، انا پرستی میں گرفتار ہو کر حق سے دور چلا جاتا ہے۔ اختلافات کو ہوا دے کر غلط تشریحات کر کے شدت پیدا کرتا ہے اور پھر امن کو تباہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر ان اعمال کی وجہ سے اللہ قوم کے دلوں میں بغض اور عداوت ڈال دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے فسادات پیدا ہو کر معاشرے کا امن تباہ کر دیتے ہیں اور عذاب کے طور پر ان کے درمیان بغض و عداوت ڈال کر ان کو فرقوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ یہ ان کے اپنے اعمال اور احکام خداوندی پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ بڑا اہم ہے کہ اب قرآن مجید پڑھنے والے (مسلمان) ان آیات پر غور کریں اور دیکھیں کہیں وہ وہی کام تو نہیں کر رہے جو یہود کرتے تھے اور عذاب خداوندی کے مستحق بن گئے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴿۶۵﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں اور پرہیزگاری اختیار کریں تو یقیناً ہم ان سے

ان کی برائیاں دور کر دیں گے اور نعمت والی جنتوں میں ضرور داخل کریں گے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اگر یہ تورات اور انجیل اور جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے اس پر پورا عمل کرتے تو ان پر اوپر سے (آسمان سے) رزق برستا اور زمین (نیچے) سے بھی نکلتا۔ ان میں ایک گروہ درمیانی راہ پر چلنے والا ہے اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں۔

پچھلی آیات میں یہود و اہل کتاب کے برے اعمال و فساد اور اس کے نتیجہ میں ان پر عذاب کا ذکر تھا اب اس عذاب کے علاج کا ذکر فرمایا۔ یہ اس لئے بھی اہم ہے کہ جو امت اللہ اور اس کے نظام پر یقین رکھتی ہے، جس طرح اہل کتاب کے دعوے تھے تو ان کے لئے بھی یہی قانون نافذ ہوگا۔ فرمایا کہ اگر اہل کتاب صحیح ایمان لاتے، اللہ کا تقویٰ (پرہیزگاری) اختیار کرتے، یعنی توریت انجیل کی ہدایت کے مطابق معاشرت قائم کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے معمولی گناہوں کو معاف فرما دیتا اور ان کو اس دنیا میں بھی آسانی جو رزق کی فراوانی کی صورت میں ملتی اور آخرت میں بھی جنت کی نعمتیں میسر آتیں۔ یعنی ان کے معاشرے پر قانون خداوندی نافذ کرنے سے معاشرہ عدل سے بھر جاتا۔ ظلم ختم ہو جاتا انسان کی عظمت اور حقوق کی حفاظت ہوتی، فساد ختم ہو جاتا، افراد اور سارا معاشرہ اللہ کے قوانین کے نفاذ کی وجہ سے معاشی فراوانی اور امن کا گہوارہ بن جاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ معاشی فراوانی بھی اللہ کی نعمت ہے۔ آسمان سے رزق سے مراد بارشیں اور اچھے موسمی حالات اور معاشرے میں اچھی حکمرانی ہے اور زمین سے رزق سے مراد اچھی زراعت و معدنیات اور معاشی خوشحالی ہے لیکن بد قسمتی سے اہل کتاب میں سوائے ایک گروہ کے جس کا اخلاق و کردار بہتر تھا، اکثریت احکام خداوندی سے انکاری اور عمل نہ کرنے والے تھے اس لئے ان نعمتوں سے محروم رہے۔

معاشرہ میں نیکی کا پھیلانا بہت ضروری ہے اور اللہ کے انعام اور رزق میں

فراخی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اس کے بارے کئی احادیث موجود ہیں۔ (۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو "اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی" (المائدہ:105) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور بہت ساری کتب حدیث میں درج ہے۔ یہاں ہدایت کی تفسیر حضور ﷺ نے ظلم کو ختم کرنے کی فرمائی اور ظلم کا تعلق بالعموم معاملات و معاشرت سے ہے۔ عبادات سے اس کا تعلق ایک دور کی تشریح ہے۔ شرک اس لئے ظلم ہے کہ جس نے پیدا کیا اس کے وجود کو نہ ماننا اس کے حقوق کی خلاف ورزی، نعمت سے انکار ہے، اس لئے ظلم ہے۔ دوسرے امور میں ظلم عدل کے متضاد ہے اس لئے اس کا اطلاق معاشرتی و سماجی امور میں زیادہ ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا، پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔

اس موضوع پر احادیث کی کتب میں کئی ابواب ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مسلم معاشرے اپنے لیڈر یعنی حضرت محمد ﷺ کے اقوال و احکام کو کس قدر اپنے معاشروں میں نافذ کر رہے ہیں اور اگر یہ چیزیں (اسلامی احکام) نہیں ہو رہیں تو معاشرے ظلم و ستم سے بھر جائیں گے اور خدا کے عذاب کا مستحق بن جائیں گے جو بدامنی، معاشی مشکلات اور سیاسی مسائل کا شکار بن جائیں گے۔ یہ سب اللہ کے نظام و قوانین کا حصہ جس کا ذکر آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴿۶۷﴾

اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں (کی شر) سے

بچائے گا اور بلاشبہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا

پچھلی آیات میں اہل کتاب کے جرائم اور رویوں کے بارے ذکر فرمایا اور پھر معاشرے میں کامیابی کے لئے زریں اصول بیان فرمائے کہ نیکی کو پھیلایا جائے اور ظلم کو ختم کیا جائے۔ اس آیت مبارکہ کی ابتداء محبت بھرے خطاب سے ہے اے رسول! پھر تلقین فرمائی کہ اللہ کے احکامات کو آپ لوگوں تک پہنچایئے اور اگر آپ نے نہ پہنچایا تو آپ نے اپنے فرائض کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ صرف تاکیداً ہے کہ تبلیغ کس قدر اہم ہے اور پھر اس نیک مقصد میں جو لگ جائے اس کی حفاظت کی بھی تسلی کرا دی اور ساتھ یہ بھی مطلع فرما دیا کہ کفر اور انکار کرنے والے یا احکام نہ ماننے والے دنیا میں رہیں گے لہٰذا تبلیغ میں مایوسی نہیں ہونی چاہیے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات و انجیل اور تمہاری طرف جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس پر پورا عمل نہ کرو اور یہ (قرآن) جو آپ کی طرف آپ کے رب سے نازل ہوا ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا سبب بنے گا اور آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابین (ستارے پرست) اور نصاریٰ (عیسائی) ان میں سے جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

آیات مبارکہ پچھلی آیات کے ساتھ یہود اور دیگر اہل کتاب جو کہ اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے بارے فرمایا کہ وہ حق پر نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء اور الہامی کتب

کی تعلیمات کو چھوڑ دیا اور اپنی من پسند توجیہات کیں اور احکام کو تبدیل کر دیا اس لئے ان کا اصل ایمان ختم ہو گیا۔ چونکہ ان کا ایمان ان کی اپنی کتب پر صحیح نہیں کچھ احکامات مانتے ہیں اور کچھ نہیں لہذا حضور ﷺ کی نبوت جس کا ذکر ان کے انبیاء نے کیا اور کتب میں موجود ہے اس کو بھی وہ نظر انداز کر کے اس قرآن مجید (ہدایت کی الہامی کتاب) کے باوجود گمراہی میں آگے بڑھیں گے اور نہیں مانیں گے۔ لہذا آپ کی کوشش کے باوجود اہل کتاب قرآن مجید اور آپ کی دعوت قبول حق اور ان کی کتب کی حقیقی تنفیذ سے انکار کرتے رہیں گے۔ دنیا میں اسلام اور حق کے ساتھ کفر اور باطل رہے گا۔ آپ اس کے لئے پریشان نہ ہوں اور دعوت جاری رکھیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب میں یہود اور عیسائیوں میں سے جو مدینہ کے قرب وجوار میں لوگ موجود تھے ان میں اکثر قبول حق سے محروم رہے۔

معاملات اور نیک اعمال:۔

آگے حکم بہت اہم ہے کہ جو لوگ اللہ پر خالص ایمان لائیں جو کہ الہامی کتب کے مطابق ہو توریت، انجیل، قرآن اور اس کے ساتھ انہوں نے نیک عمل بھی کئے اس ایمان کا تقاضا ہے کہ تمام انبیاء قدیم اور بعد میں جس کا وعدہ فرمایا جو کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ ہیں ان کو مانا جائے ان کی تصدیق کی جائے اور یہ اس وقت مکمل ہو گا جب انسان یوم آخرت اور قیامت، حساب وکتاب پر یقین کرے گا تو اس کے اعمال (عقائد اور معاملات) اللہ کے احکام کے مطابق ہوں گے۔ اس کے ساتھ نیک اعمال کی شرط لگائی تو ان امور پر عمل اور جدوجہد کے نتیجے میں وہ افراد/قوم یا شخص کامیاب وکامران ہوں گے اور خوف وغم سے محفوظ رہیں گے۔ یہ آیت مبارکہ بہت اہم ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک حکم ہے کہ وہ اپنے اعمال کو اللہ کے احکام جن میں معاملات کی خصوصی اہمیت ہے کا خاص خیال رکھیں تاکہ ان کی زندگی غم وخوف سے محفوظ رہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان

کے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے۔

وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ (ان کی) کوئی آزمائش نہیں ہو گی چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی (مہربان ہوا) مگر ان میں زیادہ تر لوگ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

آیات مبارکہ میں یہود کی تاریخ اور طریقہ کار کا ذکر ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان طویل عرصہ تھا (کچھ نے اندازاً دو ہزار سال تحریر کیا ہے) اس دوران یہودیوں کی ذہنی اور عملی کیفیت اور اس کے نتیجہ میں ان کی جو حالت ہوئی اس کو بیان فرمایا تاکہ دوسری امتیں یا انسان اس سے سبق سیکھیں۔ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے ذریعے ان سے اللہ کے احکام پر عمل کا عہد لیا گیا تھا مگر وہ اس سے ہٹ گئے اور کئی انبیاء جن کی تعلیمات حق پر تھیں لیکن اس وقت کے یہودی حکمرانوں اور ان کے پروردہ علماء (مذہبی رہنماؤں) کے مزاج کے خلاف تھیں ان انبیاء کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے ان اعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو معاشی و معاشرتی مصائب میں گرفتار کیا۔ غلامی اور تباہی سے دوچار ہوئے پھر نئے انبیاء کے آنے کے بعد توبہ کی جسے اللہ نے قبول فرما کر دوبارہ ان کو اقوام میں عزت وطاقت عطا فرمائی لیکن پھر اللہ کے احکام کو بھلا دیا اور اندھے اور بہرے بن گئے یعنی احکام توریت کو پس پشت ڈال دیا اور دین میں اپنے مزاج اور مفادات کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال کو دیکھ رہا ہے اور وہ اس نافرمانی کی سزا پائیں گے۔

خلاف ورزی کی وجہ:۔

آیت مبارکہ میں انسان کی کیفیت بیان کی ہے کہ حق کو قبول کرتا ہے لیکن پھر اس کا نفس اور اعراض حق کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور وہ حق سے منہ

موڑ کر اللہ کے احکام کی محض اپنی انّا اور مفاد پرستی کی وجہ سے نافرمانی کرتا ہے اور اللہ اسے اس آزمائش اور اس کی اس میں ناکامی کی وجہ سے دنیا میں رسوائی کی صورت میں سزا دیتا ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔ یہ قانون قدرت ہے جو تمام الہامی مذاہب اور انسانیت کے لئے ہے۔ اللہ کے احکام میں اس کی ذات کا اقرار، آخرت کا اقرار اور انسانی معاشرے میں عدل وانصاف، مساوات وامن کے لئے خدائی قوانین کا نفاذ بڑا ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات اور اس کے کردار جو کہ اس کے نفس اور ذاتی اغراض وعادات مثلاً تکبر، حسد، دولت وطاقت کی محبت، اولاد کی محبت، جنسی محبت، بغض، کینہ وغیرہ کی وجہ سے حق سے منہ موڑ لیتا ہے اور اس میں حاکم اور مذہبی رہنما بڑا کردار ادا کرتے ہیں وہ تو فائدہ اُٹھا لیتے ہیں لیکن معاشرہ میں جب عدل وانصاف، مساوات ختم ہوجاتی ہے تو فساد شروع ہوجاتا ہے جو اللہ کا انسانوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے عذاب ہے۔ بڑا ضروری ہے کہ ہم مسلمان ان آیات کی روشنی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ آج مسلمانوں کی پریشانی ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا: بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے اور کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ضرور دردناک عذاب ملے گا۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

آیات مبارکہ نصاریٰ (عیسائیوں) کے عقائد کے بارے میں ہیں۔ پچھلی آیات یہود کے بارے تھیں ان کے عقیدہ الوہیت کو باطل کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ عیسائیوں میں ایک فرقہ 'یعقوبیہ' ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق 'اللہ' تین اقانیم (اصلوں) کا مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کرکے اس کے ساتھ متحد ہو گیا اور وہ روح القدس بن گیا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلا جملہ جو کہا تھا کہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں''۔ لیکن عیسائیوں نے اس کے خلاف انہیں ذات خدا بنا دیا۔

اگلی آیت میں ان کے نظریہ تثلیث کہ 'اللہ، مریم اور عیسیٰ' تین خدا ہیں کو غلط فرمایا۔ متاخرین عیسائی تینوں کو ایک خدا مانتے ہیں جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے 'قرص (ٹکی) شعاع اور حرارت' باپ سے مراد ہے ذات اور بیٹے سے مراد کلمہ اور روح سے مراد حیات ہے۔ وہ کہتے ہیں کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں متخلط ہوا (ملا) جیسے پانی شراب میں ملتا ہے ان کا خیال ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے (بحوالہ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی)۔ یہ قول انتہائی باطل ہے کہ ایک تین نہیں ہوتا اور تین ایک نہیں ہوتا اور فرمایا کہ اس کفر سے باز آجائیں ورنہ دردناک عذاب ہوگا البتہ اگر توبہ کریں اور بخشش مانگیں تو اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور بخشنے والا ہے، وہ ضرور بخش دے گا۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی (صدیقہ) تھیں۔ دونوں

کھانا کھاتے تھے۔ دیکھیں ہم ان کے لئے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر دیکھیں وہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔

آیت مبارکہ میں پچھلی آیت کے مضمون کے ساتھ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور عقیدہ الوہیت مسیح کو بڑے صاف انداز میں جھٹلایا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسیح) کے بارے اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ فی الحقیقت وہ کیا تھے تو ان علامات سے واضح اور یقین سے کہہ سکتا ہے کہ وہ انسان تھے اور تمام انسانوں کی طرح ان میں ایک انسان کی مکمل خصوصیات و عادات تھیں۔ (۱)وہ ایک عورت (حضرت مریم علیہ السلام) کے پیٹ سے پیدا ہوئے جن کا شجرہ نسب تک موجود ہے۔ (۲)انسانی جسم رکھتے تھے۔ (۳) تمام انسانی جسم کے حدود و قیود (جسامت، وزن، حرکت) رکھتے تھے۔(۴)تمام انسانی خصوصیات رکھتے تھے۔ بھوک، نیند، کھانا پینا، گرمی سردی محسوس کرنا اور یہی خصوصیات ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام میں تھیں جو ایک نیک اور سچی اور راستباز عورت تھیں۔ لوقا کی انجیل، باب 24 آیات 36 تا 43 میں تحریر ہے "وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو۔ مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو، کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو، کیونکہ روح میں گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا" کس قدر واضح طور پر قرآن مجید کی آیت اس کی تصدیق کر رہی ہے۔ ان تمام خصوصیات کے ساتھ کون معقول شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تصور کر سکتا ہے یا خدائی میں شریک کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ انسانی ذہن کی انتہائی پستی ہے جو محض غلو یا زیادتی جذبات کی وجہ سے ایسا تصور کرتا ہے۔ عیسائیوں کی پہلی تین انجیلوں (بالخصوص متیٰ / مرقس / لوقا) میں بھی واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو ایک انسانی زندگی کی طرح پیش کیا گیا ہے لیکن بعد میں فلسفیانہ اوہام اور مبالغہ آمیز

عقائد کی وجہ سے گمراہی پیدا ہوئی۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

کہہ دیجئے (اے نبی) کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لئے نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتی اور اللہ تو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق زیادتی (غلو) نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔

غلو:۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کو ایک عجیب اور احمقانہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اللہ کی ذات کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو کوئی نفع نقصان بالذات کسی کو نہیں دے سکتے اور انسان ہیں اور یہ خیالات و اعتقادات میں غلو کی وجہ سے ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر غلو یعنی انتہائی حد تک جانے سے منع کیا گیا ہے۔ احادیث میں بھی غلو سے منع کیا گیا ہے۔ غلو کا مطلب ہے کہ کسی بیان میں انتہائی مبالغہ کی حد تک چلے جانا۔ یہ حد کسی چیز کی تعظیم کی انتہا تک بھی ہو سکتی اور اس طرح کسی چیز کے خلاف (نفرت) میں بھی انتہا تک ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک مثال عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت و تعظیم میں ان کو الوہیت کا مقام دے دینا اور دوسری طرف یہودیوں کا نفرت یا مخالفت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا (معاذاللہ) قرار دینا، اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینا بھی غلو کی مثال ہے۔ غلو تمام قسم کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور ہمیں بالخصوص اپنے مذہبی عقائد میں غلو سے بچنا چاہیے۔ اسی طرح دوسرے امور سیاسی یا سماجی (رواج) اور معاشی مفادات میں بھی متوسط طریقہ اپنانا چاہیے۔ جس طرح حدیث

شریف ہے کہ "خَيْرَ الأُمُورِ أَوْسَطُهَا" کہ میانہ روی (درمیانی راہ) سب سے بہترین طریقہ ہے۔

غلو کیوں:۔

غلو کس طرح پیدا ہوتا ہے اس کا تجزیہ بھی قرآن مجید نے بتایا ہے کہ کچھ لوگ ذاتی خواہشات کی بناء پر کسی کام کو جن کو وہ تعظیم کا لبادہ یا محبت کا نام دے کر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح اگر وہ لوگ معاشرہ کے کسی اعلیٰ طبقہ یعنی حکمران یا علماء یا دولتمندوں میں سے ہوں تو ان کو ایک طرف لوگ روکنے سے گھبراتے ہیں اور دوسری طرف اکثر انسان فطری طور پر تجزیہ یا تنقیدی جائزہ کے بجائے تقلید کے آسان راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ اس طرح ایک غلط کام رواج بن کر پھیل جاتا ہے۔ اس کو اگر شروع میں روکا نہ جائے تو پھر سارے معاشرہ یا طبقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر ایک رسم یا طریقہ حیات بن جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ایسی کئی بری رسوم معاشرہ کا حصہ ہیں اور ان کو قانون کے باوجود ختم نہیں کیا جا سکا۔ قرآن مجید نے انسان کی اس نفسیات کو بڑے خوبصورت انداز میں فرمایا کہ وہ خود بھی گمراہی پر چل کر گمراہ ہوتے ہیں اور پھر دوسروں کو بھی اپنی حیثیت اور مقام کی وجہ سے گمراہی میں دھکیل دیتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ بڑے بڑے راہنما جو کہ کبھی سیاسی لیڈر، کبھی کھلاڑی لیڈر، کبھی اداکاری کے لیڈر عوام کو کس قدر متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشتہار بازی کے فن میں ان افراد کی تصویروں یا کردار کو استعمال کیا جاتا ہے اسطرح پھر ایک فیشن اور رواج جنم لے لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں انسان کا نفس امارہ، جو ذاتی خواہشات کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے، اصل محرک ہے اور شیطان کے کارندہ کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے جا بجا اچھی صفات، انسان دوست کردار و عادات کی تبلیغ یا نصیحت کی ہے۔ حدیث شریف نے اس سارے عمل کو بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے جسے امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں تحریر کیا ہے "حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص: اللہ سے ڈر اور جو تو کام کرتا ہے اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ کام تیرے لئے ناجائز ہے۔ پھر

جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسی ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا (المائدہ:79-78)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں!! بخدا تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لئے مجبور کرنا ورنہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا، پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر کی تھی۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴿۷۸﴾

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے گزر جاتے تھے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴿۷۹﴾

وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ انہوں نے خود کیا ہوتا تھا۔ بہت بُرا تھا جو وہ کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴿۸۰﴾

آپ ان میں اکثر لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ بہت بُرا ہے جو انہوں نے اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجا کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔

وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۸۱﴾

اور اگر وہ اللہ اور اس کے نبی پر اور جو اس (نبی) کی طرف نازل کیا گیا، پر ایمان لاتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ فاسق (نافرمان) ہیں۔

عذاب خدا کی وجہ:۔

پچھلی آیات کے ساتھ یہود کے کردار کا موضوع چل رہا ہے کہ ان کے کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی۔ ان کے اندر اللہ کی نافرمانی اور برے کام کرنے والوں پر زبور (جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی) میں لعنت کی گئی۔ اسی طرح نہ ماننے والوں پر ،انجیل میں لعنت کی گئی اور پھر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ اس کا سبب ان کا کردار تھا جس کو قرآن مجید نے ''یَعْتَدُوْنَ'' زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ذکر کیا ہے۔ آگے پھر فرمایا کہ وہ بجائے برائی سے روکتے، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ خود یہ برے کام کرتے تھے اور ان برے کاموں کی وجہ سے وہ جہنم اور خدا کے عذاب کے مستحق ہوئے اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ کئی احادیث اس سلسلہ میں کتب احادیث میں مذکور ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے بلکہ پورے باب موجود ہیں۔ ''حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کرکے یہ کہتا اے شخص اللہ سے ڈر اور جو تو کام کرتا ہے اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ کام تیرے لئے ناجائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا (المائدہ:۷۹۔۷۸)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں!! بخدا تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لئے مجبور کرنا ورنہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا، پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر کی تھی۔

چونکہ برائی کے کام کرتے تھے لہٰذا ان کی برے اور اللہ کے نافرمانوں کے ساتھ دوستی تھی۔ آیت مبارکہ میں فرمایا کہ اکثر لوگوں کو آپ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی

کرتے دیکھیں گے۔ اس آیت سے مراد یہود مدینہ تھے جو باقاعدہ وفد کی صورت میں کفار مکہ کے پاس مسلمانوں کے خلاف مل کر جنگ کرنے کے لئے گئے جبکہ ان کا معائدہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کا دفاع کرنا تھا۔ اس کا ایک مصداق منافقین مدینہ بھی ہیں جو مومنین کے مقابل یہود سے بھی تعلقات رکھتے تھے اس طرح وہ اپنی جانوں کے لئے آخرت میں عذاب کا انتخاب کر رہے ہیں اور یہ بات بڑی واضح ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مخلص ہوتے تو وہ دشمنان اسلام و خدا کے ساتھ دوستی نہ کرتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالف ہیں اور نافرمان ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں گے اور عذاب اُٹھائیں گے اور آج کے زمانہ میں بھی یہ اصول صحیح ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنے والوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کے بجائے اپنے مفاد کو ترجیح دیں گے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

آپ (اے نبی) جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ شدید دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں قریب تر پائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی (نصاریٰ) ہیں کیونکہ ان میں بعض عالم اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے (راہب) ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

پچھلی آیات کے ساتھ جو مختلف مذاہب مدینہ اور اس کے مضافات میں تھے ان کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات اور اسلام کے پھیلنے کے سلسلے میں حالات کے بارے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو ان مذاہب کے پیروکاروں کے رویہ کے بارے اللہ تعالیٰ نے انسانی صفات اور کردار کا تجزیہ فرمایا ہے۔ اس تجزیہ کو تاریخی حقائق نے بھی ثابت کیا ہے۔ مشرکین مکہ اور یہود نے اسلام کی شدید مخالفت کی اور اس وقت مخالفت چھوڑ دی جب وہ کمزور ہو گئے۔ دوسری طرف عیسائیوں نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ مسلمانوں نے جب حبشہ ہجرت کی تو کفار مکہ کی کوشش کے باوجود نجاشی (حبشہ کا بادشاہ) نے مسلمانوں کو امان میں رکھا اور ہر طرح کی سہولت پہنچائی۔ اسی طرح ایک حبشہ

سے وفد مدینہ شریف آیا اور مسلمان ہو گیا۔ نجران کے عیسائی بھی مباہلہ پر جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ ہجرت مدینہ سے پہلے روم اور فارس کی جنگ میں بھی مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ تعلق کو بہتر سمجھا اور کفار نے فارس کی طرفداری کی۔ درحقیقت یہودی اور عیسائی، دونوں دین ابراہیم کا حصہ ہیں۔ لیکن یہود تاریخی طور پر تکبر اور عناد کی وجہ سے سخت دل رہے ہیں۔ کئی انبیاء کو شہید کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے لئے ساری کوششیں کیں۔ اگر انسانی فطرت اور مذاہب کا جائزہ لیں تو عیسائیت انسان کو نرمی، بردباری اور برداشت کی زیادہ تعلیم دیتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی ان کو پیش کرو، یعنی لڑو مت۔ ویسے رہبانیت یعنی ترک دینا، مردوں اور عورتوں دونوں میں عیسائیت میں بہت زیادہ ہے۔ مذہب کی تعلیمات کی وجہ سے عیسائیوں کے علماء زیادہ زُہد اور انکساری رکھتے ہیں۔ اسی چیز کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔ سیاسی یا حکومتی وجہ سے عیسائی مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں اور کریں گے اور اس کا سبب انسان کے جاہ و جلال اور طاقت کے نشہ کی طلب ہے۔ اس لئے موجودہ دور میں عیسائی اور یہودی دونوں مسلمانوں سے خائف ہیں، یہ صرف تقابلی انداز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طویل المدت خارجی پالیسی میں اہل کتاب کو اہل کفر پر ترجیح ہے اور اہل کتاب میں عیسائیوں کو یہودیوں پر ترجیح ہے لیکن اسلام اور غیر مسلم کی تفریق میں برابر ہیں۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ(۸۳)

اور جب وہ اس (قرآن) کو جو رسول پر نازل کیا گیا سنتے ہیں، تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے آپ ان کی آنکھوں سے آنسوں کو بہتا دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ(۸۴)

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم تک پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں داخل کرے گا۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ(۸۵)

پس جو کچھ انہوں نے کہا، اللہ انہیں اس کے بدلے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ(۸۶)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔

آیات مبارکہ میں نصاریٰ (عیسائیوں) کے کردار کا ذکر ہے اور اس کا شان نزول حبشہ کا بادشاہ (اصحمہ) نجاشی ہے۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف حضرت عمر بن امیہ مضری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکتوب دے کر بھیجا۔ جو انہوں نے اسے جا کر سنایا۔ نجاشی نے وہ مکتوب سن کر حبشہ میں موجود مہاجرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ اپنے علماء اور زہاد (قسیسین) کو جمع کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات پڑھیں جسے سن کر وہ بڑے متاثر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ ایک روایت کے مطابق نجاشی نے اپنے کچھ علماء نبی علیہ السلام کے پاس بھیجے اور جب ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا گیا تو بے اختیار ان کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایمان لے

آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والے محسنین کے لئے جنت کے انعام کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی انکار کرنے والوں کے لئے دوزخ یا جہنم کا اعلان بھی کر دیا۔ اب انسان پر چھوڑ دیا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۸۷﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام مت ٹھہراؤ اور تم حد سے نہ گزرو۔ بے شک اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۸۸﴾

اور اللہ نے جو تمہیں حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اسلام میں رہبانیت (دنیا سے نفرت نہیں):۔

پچھلی آیت مبارکہ میں عیسائیوں کے مذہبی راہب اور قسیسن (علماء) کی تعریف ان کے زہد اور انکساری کی وجہ سے کی گئی جس کی وجہ سے کئی صحابہ کرام کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی زہد اور دنیا سے لاتعلقی کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا قرب یا رضا حاصل کریں۔ روایات میں ہے کہ چند صحابہ نے اس کا عہد کر لیا کہ وہ عورت سے تعلقات ختم کریں گے۔ روزے رکھیں گے اور رات کو سونے کے بجائے عبادت کریں گے۔ ان کے اسماء عثمان بن مظعون الجمحی، حضرت علی، حضرت ابو بکر، عبد اللہ بن مسعود، ابو ذر غفاری، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عبد اللہ بن عمر، المقداد بن اسود، سلمان فارسی، معقل بن مقرن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انہوں نے اس کے مطابق جب عبادات شروع کر دیں تو اس کا اثر اور اظہار ان کے گھر کے افراد اور خود ان کی ذات یعنی جسم میں کمزوری اور لباس کی بری حالت میں نظر آنے لگا جس پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خصوصی طور پر ان حضرات کو تنبیہ کی کہ اسلام میں رہبانیت یا دنیا سے نفرت نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر جسم اور خاندان، معاشرہ کے حقوق کے ساتھ عبادات بھی ہیں۔ قیام اللیل بھی، روزے بھی، افطار بھی، اولاد بھی، معاملات روزگار بھی، سب اس کا حصہ ہیں اور آپ نے اپنی مثال دی اور فرمایا کہ میں عبادت کرتا ہوں، روزے

رکھتا ہوں، قیام اللیل کرتا ہوں، اپنی عورتوں کے حقوق کا خیال کرتا ہوں اور جس نے میرے طریقے سے روگردانی کی یعنی اختیار نہ کیا وہ مجھ سے نہیں آپ نے تاکیداً فرمایا کہ نفس یعنی جان کے حقوق ہیں اولاد اور بیوی کے حقوق ہیں ان سب کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں کتب حدیث میں ابواب تحریر ہیں۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں تا کہ اسلام میں جو معاشرہ کے حقوق اور جان کے حقوق ہیں ان کا اندازہ ہو سکے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے خلوت میں آپ کی عبادت کے متعلق سوال کیا، پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا کہ فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس طرح کہتے ہیں لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا بھی ہوں پیتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے (صحیح مسلم و سنن النسائی)۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

(۳) امام ابو جعفر طبری اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں۔ رسول اللہ نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف دین میں سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی۔ ان کے بچے کچے لوگ مندروں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج کرو، عمرہ کرو، تم سیدھے رہو، تمہارے لئے استقامت ہو گی اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام

قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے (المائدہ)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک خاتون نے شکایت پیش کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور تابعی بزرگ کعب بن سور الأزدي رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کیا اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس خاتون کے شوہر کو تین راتوں کے لئے اختیار ہے جتنی چاہیں عبادت کریں مگر چوتھی رات لازماً ان کی بیوی کا حق ہے۔

مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ یہ میلان رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا اپنے نفس کو دنیاوی لذتوں سے محروم کرنا اور دنیا میں انسانی اسباب سے تعلق توڑنا بجائے خود ایک نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت یا رضا اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ یہ عمل بالخصوص عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بودھ بھکشوں اور اشراقی متصوفین نے اپنایا ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا۔ اسلام کو دین فطرت قرار دیا، آسانی اور نرمی کے اصول کو انسان کے لئے مفید قرار دیا۔ البتہ اسراف اور کنجوسی سے منع فرمایا اور تمام امور میں اعتدال کی تعلیم دی۔

اسلام اس کو شدت سے منع کرتا ہے کہ آپ عبادت یا زہد یا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے انسانی حقوق و فرائض کو بلکل نظر انداز کریں۔ آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ تم حلال کو حرام بناؤ۔ پاکیزہ چیزوں سے نفرت کرو اور اس کو حد سے گزر جانے سے تعبیر کیا ہے جو **غلو** ہے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا، لہٰذا اس میں اس کی رضا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس دنیا میں سماجی اور معاشرتی ترقی انسان کی کوششوں کا نتیجہ ہے البتہ ان کے حصول اور استعمال میں کسی انسان کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ اچھے اعمال سے معاشرہ کو خوبصورت بنا کر دنیا بھی جنت بن سکتی ہے اور آخرت میں بھی جنت حاصل ہوتی ہے۔ یہی اسلام کا انسانوں کے لئے مقصود ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر تمہیں نہیں پکڑے گا لیکن تمہاری ارادہ والی (پختہ) قسموں پر ضرور پکڑے گا چنانچہ ان کا کفارہ (اگر پورا نہیں کیا) دس مسکینوں کو درمیانہ درجہ کا کھانا کھلانا جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا کپڑے لینا یا ایک غلام آزاد کرانا پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

پچھلی آیت مبارکہ میں حلال اشیاء کو اپنے اوپر منع کرنے سے روکا گیا ہے۔ عمومی طور پر کسی کام کو تاکیداً کرنے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ اس لئے قسم کا ذکر ہے۔ قسم میں اہم چیز انسان کا ارادہ ہے۔

انسانی فلاح:۔

بعض اوقات لوگ عمومی کام یا گفتگو کو اہم کرنے کے لئے قسم کھا دیتے ہیں جس کا خصوصی ارادہ نہیں ہوتا اسے لغو قسم یا غیر ارادی قسم کہا جاتا ہے۔ اس طرح کا طریقہ کلام جائز تو ہے لیکن اچھا اور مناسب نہیں۔ ایسی قسم پر کوئی پوچھ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ارادہ یا مقصد شامل نہیں تھا۔ جب کوئی مقصد یا ارادہ پر قسم بطور اہمیت، وجوب یا عہد کے طور پر اُٹھائی جائے تو اس کا پورا کرنا لازمی ہو جاتا ہے اور نہ کرنے کی وجہ سے اس پر کفارہ یا اس کا جرمانہ ہوتا ہے۔ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی جس کا نہ کرنا معاشرتی اور اخلاقی طور پر بہتر ہے تو وہ کام نہیں کرنا چاہیے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام انسانی فلاح و ضرورت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

اب قسم کے کفارہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ بھی سراسر انسانی فلاح ہے۔ چونکہ کام کا وعدہ یا ذمہ داری انسان نے خود اپنی مرضی سے اُٹھائی ہے اس لئے اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اب اگر پورا نہیں کر رہا تو اس کو درج ذیل کفارہ دینا ہے:۔

(۱) دس مسکینوں یا غریب آدمیوں کو کھانا کھلائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ

دس مختلف آدمی ہوں یا پھر ایک متوسط کھانا کی قیمت جو وہ خود کھاتے ہیں، مختلف مسکینوں کو دے دیں۔ ایک آدمی کو دس آدمیوں کا کھانا یا رقم دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے دوسرے افراد کی حق تلفی ہوتی ہے اور تقسیم وسیع نہیں ہو گی۔ ایک آدمی کو بھی دس دن تک کھانا کھلایا جا سکتا ہے یا ہر روز اس کے مساوی رقم دی جا سکتی ہے۔ بعض علماء نے کھانے کی قیمت و حقدار کا تعین بھی کیا ہے مثلاً دو کلو گندم یا چار کلو کھجور، لیکن یہ ہر فرد کی معاشی کیفیت پر ہو گی۔ البتہ حکومت ایک مناسب مقدار معین کر سکتی ہے۔ کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ مسکین صرف مسلمان ہوں۔ چونکہ اسلامی قانون کا اطلاق ہے اس لئے دینے والا جس طرح مسلمان ہے اسی طرح لینے والا مسکین بھی مسلمان ہو۔ لیکن فقہ حنفی میں غیر مسلم بھی صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ذکر مسکین کا ہے مسلمان یا غیر مسلم کا نہیں۔

(۲) دس غریب افراد کو پہننے کے کپڑے دیئے جائیں۔ کپڑے کی تعداد شلوار اور قمیض و ٹوپی ہے۔ عورت کے لئے بھی اسی طرح پورا لباس ہے اور اس کو معیار اوسط درجہ ہے۔ اسلام کس قدر انسانی مساوات اور اعتدال پر یقین کرتا ہے۔ یہ کپڑے بھی دس مختلف افراد کو دیئے جانے چاہییں۔

(۳) دوسرا درجہ کا کفارہ کسی غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ غلام صحیح اور صحت مند ہو اور معذور نہ ہو تا کہ انسانی آزادی کا صحیح اور اعلیٰ مقصد حاصل ہو اور اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ صرف مسلمان ہونا چاہیے لیکن فقہ حنفی میں غیر مسلم ہو سکتا ہے کیونکہ آیت میں مذہب کی قید نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں غلامی بڑی جلد ختم ہو گئی۔ اگرچہ یکمشت یہ قانون نافذ نہیں ہوا۔ دوسری طرف یورپ اور امریکہ میں غلامی سولہویں صدی عیسوی تک رہی۔ اب غلام کی آزادی تیسرے نمبر پر درج کی گئی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ غلام کے کھانے، رہنے اور پینے کا بندوبست ہوتا رہے لیکن عام غریب اور مسکین شہری کا بندوبست نہیں ہوتا اس لئے ان کے کھانے اور پہننے (لباس) کا پہلے ذکر ہے اور آزاد کرنے کا بعد میں ہے۔

(۴) اگر پہلی تین صورتوں کی گنجائش نہ ہو یعنی قسم اُٹھانے والا خود مسکین یا مجبور ہو یا غلام

ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ بہتر ہے کہ روزے لگاتار ہوں۔ فقہ حنفی میں لگاتار ضروری ہیں لیکن دوسرے فقہاء متواتر کو ضروری نہیں خیال کرتے۔

ان امور کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے عہد اور وعدہ کی پابندی ضروری کرنی ہے اور کسی کو دھوکہ دینے کے لئے قسم کھائی تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ جس کی سزا بہت زیادہ ہے، یہ کفارہ اس کی سزا نہیں۔ چونکہ گناہ کبیرہ ہے اس لئے اس کی توبہ لازمی ہے۔ اسے یمین غموس کہتے ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کرے گا (بحوالہ صحیح مسلم و ابن ماجہ)۔

قسم کی حفاظت اور وعدہ کی اہمیت کی تاکید کی، تاکہ معاملات معاشرے میں اچھے رہیں اور باہمی اعتماد معاشرے میں قائم رہے جو ایک کامیاب معاشرے کی ضرورت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

اے اہل ایمان! بے شک خمر (شراب) جوا اور استانوں کے پتھر اور فال نکالنے کے تیر سب ناپاک اور شیطان کے عمل سے ہیں۔ تم ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض ڈال دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان سے باز آنے والے ہو؟

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور احتیاط کرو، اگر تم حق سے پھر جاؤ تو جان لو کہ بے شک ہمارے رسول پر تو صرف واضح کر کے پہنچا دینا لازم ہے۔

برے اعمال:۔

آیات مبارکہ میں اسلامی معاشرے کے احکامات بالخصوص شراب اور جوئے یا دوسرے شیطانی اوہام جو انسانی ارادوں کو کمزور کرتے ہیں، سوچ بچار اور تحقیق سے محروم کر دیتے ہیں، سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ پہلے شراب کو پی کر نماز سے منع کیا گیا کیونکہ چند صحابہ نے نشہ کی وجہ سے آیات کی غلط تلاوت کی۔ چونکہ شراب کے نقصانات واضح ہیں اسے اُم الخبائث کہا جاتا ہے اس لئے بعد میں مکمل طور پر اس کی حرمت کا اعلان ہوا اور مسلمانوں نے سارے جمع شدہ ذخیرے کو ضائع کر دیا۔ حدیث کے مطابق ہر نشہ اور چیز جو ہوش و حواس کو ختم کر دے وہ حرام ہے اس کی صورت انگور کی قدیمی شراب، دوسری شرابیں اور اس طرح کے نشہ اور اشیاء اس میں شامل ہیں۔ ان کے سماجی و معاشی نقائص کے بارے تفصیلی بحث سورۃ البقرہ اور المائدہ میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح پانسوں اور جوئے کے بارے بھی منع فرمایا گیا کیونکہ یہ چیزیں انسانی کردار، اقدار اور بلند ہمتی کے خلاف ہیں۔ جُوا معاشی طور پر دولت کو پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کی تقسیم کو خراب کرتا ہے۔ شراب کی سزا پہلے چالیس کوڑے تھی بعد میں بڑھا کر اَسی (80) کوڑے کر دی گئی۔ شراب اور جوئے کے معاشرتی و سماجی نقصانات کا ذکر فرمایا کہ غفلت، کاہلی، اور بغض کا سبب بن کر معاشرہ کو کھلا کر دیتی ہے۔ اس کو موجودہ علم نفسیات نے مختلف تجربات کے نتائج سے ثابت کیا ہے کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال، جوا (Gambling) اور جرائم میں ایک گہرا ربط پایا جاتا ہے اور وہ افراد جو نشہ آور اشیاء (Drugs) یا جوا کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں وہ جرائم کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ نشہ اور جوا، شخصی عدم توازن (Personality disorder) کا بڑا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی دفعہ اس کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے۔ تاکہ اسلامی معاشرہ، ان خرابیوں سے دور رہے۔ جہاں یہ جرائم کا باعث بنتا ہے وہاں یہ کاہلی اور عدم ذمہ داری کی وجہ سے عبادت میں کمی کا سبب بھی بنتا ہے۔

پھر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا کہ یہ امور بعض اوقات نفس انسانی کو پسند آجاتے ہیں لیکن دائمی نقصان کی وجہ سے حرام کر دیا گیا ہے۔ واضح طور پر فرما دیا کہ احکام کا پہنچانا ہی نبی کے فرائض میں ہے اور عمل کی ذمہ داری ہر فرد کی ہے اور

اس کو جزا یا سزا اس کے اعمال کی وجہ سے ہو گی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا اس پر کوئی پوچھ گچھ نہیں بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں۔ پھر وہ پرہیز گار ہی رہیں اور ایمان پر رہیں، وہ تقویٰ (پرہیز گاری) اپنائیں اور نیکی کریں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پچھلی آیات میں شراب اور جوئے اور پانسوں کے حرام ہونے کا ذکر تھا چونکہ یہ چیزیں شروع میں منع نہیں کی گئیں اس لئے کئی صحابہ اس دوران غزوات میں یا بیمار ہو کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اب جبکہ ان کو حرام کر دیا تو کچھ یہودیوں اور منافقوں نے ان کے بارے مختلف سوال کئے جن کا مقصد کنفیوژن پیدا کرنا تھا۔ اگلی آیت مبارکہ سے پرانی زندگی کو معافی کی خوشخبری دی گئی اور آنے والی زندگی میں تقویٰ پرہیز گار اور اعمال صالحہ کی تاکید فرمائی گئی حتیٰ کہ اس کو تین بار دہرایا گیا تاکہ اس کو پورا اہتمام سے کیا جائے۔ کچھ علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگرچہ اسلام زندگی کے آرام و آسائش کو حرام قرار نہیں دیتا بلکہ اس سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن درحقیقت کسی آدمی کی ساری زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی اس لئے انسان کو اتار چڑھاؤ، کمی و بیشی، خوشی اور غمی کے لئے عملی طور پر تیار اور اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کبھی عیش اور نرم و نازک اور کبھی مشکل اور تکلیف کو بھی دیکھنا چاہیے تاکہ جب ایسا موقعہ آئے تو پریشانی کم ہو لیکن یہ امور اسلامی احکام کا حصہ نہیں بلکہ انفرادی انتخاب اور صوفیا کے نزدیک عزیمت (بلند ہمتی) کا حصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اے جو ایمان لائے ہو۔ اللہ تمہیں ضرور کچھ اس شکار جو تمہارے ہاتھ اور نیزے کی پہنچ میں ہیں سے آزمائے گا تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اسے

بغیر دیکھے ڈرتا ہے پھر اس کے بعد جو حد سے گزر گیا اس کے لئے
دردناک عذاب ہے۔

آیت مبارکہ میں حلال و حرام کے سابقہ تذکرے یعنی احکام کے ساتھ دوران احرام جو مسلمانوں پر شرائط ہیں ان کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے جو جانور قربانی کے لئے بھیجے جاتے تھے ان کو بھی مارنا یا ذبح کرنا منع تھا جو کہ ایک احترام کے طور پر تھا۔ اب دوران احرام، سفر میں شکار کے جانوروں کو جو جنگل میں رہتے ہیں ان کو غذا کے لئے مارنے سے بھی منع کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان جو کہ اس کے گھر کی طرف حج اور عمرہ کے لئے جا رہے ہیں ان کے لئے امتحان ہے۔ صحابہ کرام سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو جنگل کے جانور کثیر تعداد میں نکل آتے تھے اور ہمارے ارد گرد چرتے پھرتے تھے۔ یعنی نیل گائے، ہرن، مختلف پرندے وغیرہ۔ ہمارے لئے ان کا شکار کرنا نہایت آسان ہوتا تھا جس کی ہم تمنا کرتے تھے۔ لیکن احکام خداوندی کے تحت تمام صحابہ اس حکم کے کاربند رہے اور آج تک یہ حکم اور اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ یہ ایک طرف سے اللہ کا انسانی نفس اور خواہش کا امتحان ہے دوسری طرف حیوانات کی اہمیت اور ان کے وجود کے احترام کا بھی ایک درس ہے۔ وہ حیوان جو انسان کے وجود کے لئے خطرہ ہو اس کو مارا جا سکتا ہے کیونکہ جان کی حفاظت فرض ہے۔ اسی طرح وہ حیوانات جو انسان کے دشمن ہیں اور ہر وقت ان سے خطرہ ہے مثلاً کاٹنے والا کتا، بھیڑیا، سانپ، بچھو کو حضور ﷺ نے مارنے کی اجازت دی ہے کیونکہ یہ انسان دشمن ہیں۔

حکم کی حکمت بھی آیت مبارکہ میں ذکر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے (مسلمانوں کے) ایمان کی پختگی کا ثبوت چاہتے ہیں۔ ہمارا ایمان بالغیب کس درجہ کا ہے۔ چونکہ لوگ اللہ کو نہیں دیکھتے لیکن جب وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں تو اللہ ان کے نفس کے ساتھ موجود ہوتا ہے (شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے)۔ لیکن انسان کے عقل و فہم کے مطابق اللہ غیب ہوتا ہے۔ ایک مسلمان غائبانہ ایمان لا کر، اللہ سے ڈرتا ہے اور پھر اسے، اس کا ہر وقت ساتھ اور اس کی نگرانی کا تصور ایک حقیقت بن کر اس کے دل و دماغ میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہ عظیم حقیقت اس کے ایمان بالغیب کو پختہ کر دیتی ہے اور انسان اللہ سے ہر وقت ڈرنے لگتا ہے اور حسی مشاہدے کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ جب اس کے

شعور میں یہ حقیقت اور وجود خداوندی سے تعلق بیٹھ جاتا ہے تو یہ کیفیت حسی ادراک یا مشاہدے سے زیادہ اہم بن جاتی ہے اور پھر لا الہٰ کی حقیقت غائب سے حاضر کی کیفیت اختیار کر لیتی ہے اور زندگی کا انداز، کردار، رویہ اور اعمال سب بدل جاتے ہیں۔ جس قدر وہ عالم غیب (جس میں خوف یا محبتِ خدا، بن دیکھے پیدا ہو گئی) میں آگے بڑھتا ہے تو عالم حیوانات سے دور ہوتا جاتا ہے اور پھر اس درجہ تک بلند ہو جاتا ہے جو انسان کے لئے مخصوص ہے جو لوگ اپنے آپ کو دائرہ محسوسات کے اندر بند کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مادی دنیا تک محدود کر لیتے ہیں اور محض حیوانی دائرے میں رہتے ہیں۔ یہ آزمائش ان کے لئے ہے۔ آیت مبارکہ میں آزمائش کا مطلب اس دائرہ حیوانی سے نکلنا ہے اللہ تعالیٰ کا علم تو سب پر حاوی ہے۔

ع "یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!" (اے ہمت والے! اللہ کی ذات تک پہنچو)۔

اگر غلطی سے شکار ہو جائے تو اگلی آیت میں اس کے بارے احکام ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ بَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت احرام میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو، اس کے برابر اسے ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم سے میں دو انصاف والے کریں۔ یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے تا کہ وہ اپنے کام کا مزہ چکھے جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اسے اللہ نے معاف کیا اور جو کوئی دوبارہ یہ کام کرے تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے۔

اگر غلطی ہو جائے تو اس کے ازالہ اور کفارہ کا طریقہ کس قدر انصاف اور امن پسندی سے ہے اور حیوانات کے بھی حقوق کا اظہار کرتا ہے کہ فیصلہ وہاں کے مقامی دو افراد کریں

گے کیونکہ وہ حیوان کی قدر و قیمت و اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ اس کی قیمت کا فیصلہ یا اس کے بدل کا فیصلہ کریں گے۔ اگر تو مناسب ہوا تو اس حیوان کو چھوڑ دیا جائے گا اور کعبۃ اللہ کے پاس ذبح کر کے غریبوں و مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا (یہ مسافت اور ضرورت پر منحصر ہے)۔ ورنہ وہاں مقامی طور پر مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا جو جانور کی قیمت کے مقابل ہو گا۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو شکار کرنے والے کو روزے رکھنا پڑیں گے جو کھانا کھانے والے مساکین کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ ان امور کی تفصیل و ترجیح میں علماء کا اختلاف ہے اور ان سے بھی فائدہ عام انسان کو ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک متبادل نظر آجاتا ہے۔ مقصد اللہ کے احکام کی پابندی اور اس کا کفارہ میں مخلوق کا بھلا ہے۔ جو خالق کی مخلوق سے محبت کا اظہار ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔ یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے ہے اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمہارے لئے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔

خشکی پر سفر کے احکام کا ذکر تھا چونکہ خشکی پر ذرائع اور وسائل غذا کافی ہیں اس لئے شکار کے جانور کا شکار کرنا بطور امتحان اور حفاظت حیوانات منع فرمایا ہے لیکن جب انسان سمندر میں سفر کر رہا ہو تو پھر اس کے خشکی کے ذرائع ختم ہو جاتے ہیں اسے اپنے ساتھ جو زاد راہ (سفر کا سامان) ہوتا ہے اس پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جس میں کافی مشکل پیش آسکتی اور حمل و نقل کے مسائل ہیں اس لئے سمندر کے جانوروں کو شکار کی اجازت دی ہے کہ مسافر اپنی خوراک کا بندوبست کر سکیں۔ سمندر کے جانور وہ جانور ہیں جن کی زندگی اور بقاء (نشونما) پانی میں ہوتی ہے مثلاً مچھلی وغیرہ یہ سارے احکام انسانی سہولت کے لئے ہیں تاکہ سفر کے دوران مشکل نہ پیش آئے۔ احکامات کی تعمیل کے لئے اللہ کی ذات سے ڈرنا اور تقویٰ کا حکم دیا ہے اور قیامت کا منظر جب سب پیش ہوں گے کا ذکر ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ

الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴿۹۷﴾

اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ، کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے اور حرمت والے مہینے اور قربانی (حرم والی) اور پٹوں والے جانوروں کو بھی (حرمت دی ہے) یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بے شک جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔

احکام سفر حج و عمرہ، میں مختلف امور کی اجازت، قربانیوں کی روانگی، کعبہ شریف میں قربانی اور مساکینوں کو کھانا کھلانے کے احکامات کا ذکر فرمایا اور ان احکامات کی مصلحت بھی ظاہر کر دی کہ چونکہ بیت اللہ (کعبہ شریف) مکہ میں ہے اور وہ ایک مرکز ہے اس لئے مکہ کے مکینوں اور وہاں جانے والے اور طواف کرنے والوں کے معاش و قیام کے لئے یہ سامان میسر کیا تاکہ معیشت و معاشرت رواں دواں رہے۔ ساتھ ہی حرمت والے چار مہینے انسانی امن و سکون کا پیغام دیتے ہیں۔ عرب ایام جہالت میں بھی ان کا احترام کرتے اور لڑائی فساد سے بچے رہتے۔ اسلام تو سراسر امن و محبت کا مذہب ہے اور مسلمانوں کے لئے سارے مہینے، احترام و امن کے مہینے ہیں۔ البتہ ذوالحجہ کا مہینہ حج کے لئے مخصوص فرما دیا گیا۔ ان احکام کی تعمیل کی اہمیت کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز جس کا وجود کائنات (آسمان و زمین) میں ہے جانتا ہے اس سے کوئی کیسے چھپے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر اور کنٹرول رکھتا اور اس وجہ سے سخت سزا دینے والا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ انتہائی غفور اور رحیم بھی ہے اس لئے اگر گناہ یا غلطی ہو جائے تو اس کفارہ (جرمانہ) دے کر بخشش حاصل کی جائے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

رسول کے ذمے (اللہ کا پیغام) پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہہ دیجئے (اے نبی)! پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو حیرانی میں ڈال دے۔ پس اے عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

احکام پہنچانا فرض ہے:۔

احکام کے ذکر کے بعد نبی کی ذمہ واری اور نبی کے بعد اس کے جانشینوں یعنی علماء اور حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچا دیں اور آگے لوگوں کو قبول کرنے پر تشدد نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کا اختیار ہے کہ قبول کریں یا نہ کریں۔ احکام کو قبول کرنے کے فوائد ہیں اور نہ کرنے کے نقصانات ہیں اور ان سے آگاہ کرنا فرض ہے، عمل کے لئے ہر فرد خود ذمہ دار ہے۔ البتہ حقوق العباد میں تنفیذ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اچھے اور برے کا فرق (مقدار یا معیار):۔

ناپاک اور پاک، اچھا اور برا، غلط اور صحیح، سچ اور جھوٹ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ان احکامات کے ذریعے اچھے اور برے کی تمیز کا معیار قائم فرمایا گیا کہ تعداد اس قدر اہم نہیں جس قدر معیار اہم ہے۔ انسانی معاشرت و معیشت میں دولت کی کثرت اگر حرام طریقہ سے یعنی رشوت، چوری اور دھوکہ دہی، اعمالِ فاحشہ سے حاصل کی ہے تو اس کے مقابل اچھے اخلاق، اعمال و محنت سے حاصل کیا گیا رزق حلال بہتر ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور کثرت مقدار اگر معیار کی قیمت پر ہے تو اسے نظر انداز کر دینا ضروری ہے۔ یہ ایک مومن یا مسلم کی زندگی کے لئے اہم اصول بیان فرمایا اور ساتھ ہی اس کے سمجھنے والوں کو ایک اعزاز دیا کہ یہ بات عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں بظاہر قیمتی نظر آنے والی شي در حقیقت بہت حقیر ہے۔

وہ معاشرے جہاں برے کردار اور طریقہ سے کمائی کرنے والے عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور محنت اور ایمانداری سے کمانے والے نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں وہ معاشرے جلد کھوکھلے اور ظلم بدامنی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا ظاہری طور پر دولت

مندوں کا جب تک کردار اور طریقہ و ذریعہ آمدن صحیح اور قانونی نہ ہو وہ قابل عزت نہیں ہونے چاہییں۔ حضور ﷺ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقت (جس طرح وہ ہیں) دکھا" اَللّٰهُمَّ اَرِنِی الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ"۔اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقتیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر کچھ معاشرے دولت کی حرص کی وجہ سے سود، شراب و زنا کے باوجود خوشحال ہیں تو اس خوشحالی میں ان کی انسانی محنت، سچائی، وعدہ کی پاسداری، معاملات میں دیانتداری کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ان خرابیوں کے باوجود خوشحال ہیں لیکن یہ خوشحالی وقت کے ساتھ اخلاقی خرابیوں کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ مسلمان معاشرے اگر اپنے اندر، سچائی، محنت، وعدہ کی پابندی، معاملات میں دیانتداری، اسلامی اخلاق کی حدود وقیود پر عمل کریں تو وہ دنیا کی عظیم قوم بن سکتے ہیں جس طرح اسلام کے ابتدائی ایام میں دنیا پر حکمرانی کی گئی۔ اس لئے عقل والوں کا لقب عطا فرما کر اللہ سے ڈرنے اور عقل و سمجھ سے فلاح کے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اگر تم ایسے وقت میں پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اب تک تم نے جو کچھ کیا اللہ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا حلیم ہے۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تم سے پہلے ایک قوم نے اسی قسم کے سوالات کئے تھے پھر وہ لوگ اپنی باتوں (سوالات) کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔

پچھلی آیت میں احکام اور نبی کا احکام کو پہنچا دینے کا ذکر تھا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت نازل ہوئی "بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں" (آل عمران: 97) تو صحابی نے پوچھا یارسول اللہ (ﷺ) کیا ہر سال ہے؟۔ آپ ﷺ

خاموش رہے۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا ہر سال میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی (سنن ترمذی / ابن ماجہ / مسلم / نسائی)۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ سے استزاء سوال کرتے تھے (بالخصوص یہودی) کوئی پوچھتا میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا میری اونٹنی گم گئی ہے کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ آیت مبارکہ بہت اہم ہے اس میں سوال کے بارے گائیڈ لائین دی گئی ہیں کہ سوال کہاں فائدہ مند ہے اور کہاں نامناسب۔ اس کے کیا فوائد ہو سکتے ہیں اور کیا نقصان۔ نبی کا احترام بھی بتایا کہ اس شخصیت سے جس کا قول حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ غیر ضروری سوالات مخلوق کے لئے مشکل کا سبب بن سکتے ہیں۔ جس طرح حج کے فرض ہونے کی حدیث کے بارے میں ہے۔

اسلام میں سوالات سے منع نہیں بلکہ فرمایا کہ اہل ذکر / اہل علم سے پوچھو۔ اور علم کے حصول میں سوالات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ سوال جن کا مقصد علم حاصل کرنا اور کوئی مفید معلومات کا پہنچانا ہو وہ تو ضرور کرنے چاہییں۔ ایک حدیث مبارک حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کو احتلام ہوا تو اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لئے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تم پانی کے استعمال پر قادر ہو۔ تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اُس نے غسل کیا اور فوت ہو گیا۔ جب ہم نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کر دے۔ جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جہالت کی شفا سوال کرنا ہے۔ اس کے لئے تیمم کرنا کافی تھا۔ وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔ (سنن ابو داؤد / ابن ماجہ / مسند احمد)

صحابہ کرام اور اسی طرح صحابیات بھی ہمیشہ شریعت کے مسائل اور معاشرتی امور کے بارے سوال کرتیں جس کا جواب حضور ﷺ دیتے تھے۔ جس سوال سے منع کیا ہے وہ ایسا ہے جس میں کسی کے بارے پریشان کن معلومات ہوں۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے والد کے بارے پوچھا اس طرح کے سوال کا جواب بعض اوقات پوچھنے والے کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ جب اس کا جواب رسمی باپ سے مختلف ہو یا میرے والدین جنت میں یا جہنم میں ہیں؟ وہ سوال بھی اچھے نہیں، جہاں کوئی آدمی اپنا علمی رعب ڈالنے کے لئے ایسے سوال کرے کہ دوسرا جواب نہ دے سکے یا محض ضد، ہٹ دھرمی یا عناد کی وجہ سے سوال کرتا ہے ایسے سوال کرنے سے منع کیا گیا لیکن رائے معلوم کرنے کے لئے آپس میں مباحثہ اور مذاکرہ کی اجازت ہے۔

کثرت سوال کا نقصان یہ بھی تھا کہ جس طرح حج کی حدیث میں حج کی فرضیت اگر ہر سال کے لئے ہو جاتی تو مخلوق کے لئے کس قدر مشکل ہو جاتا۔ سوال نہ کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ شک سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے لیکن کثرت سوال سے چیز مزید واضح ہوتی جاتی ہے اور پھر اس سے نکلنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اصول قانون ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو پہنچتا ہے۔ پھر ذات خداوندی اور عالم غیب کے معاملے میں سوالات صرف انسانی ذہن جو حواس تک محدود ہے، میں پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور خیالی مفروضات کی وجہ سے انسان بھٹک جاتا ہے۔

اگلی آیات میں تاریخی حقائق کا ذکر ہے کہ پرانی امتیں بالخصوص یہود نے ہمیشہ اپنے انبیاء سے سوالات کئے لیکن سوالات کے جوابات ملنے کے بعد وہ ان پر عمل کرنے سے گریز کرتے رہے اور انکار کرنے والے بن گئے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ لہٰذا کثرت سوال اگر طلب علم اور اخلاص پر نہ ہو تو نقصان دہ ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿۱۰۳﴾

اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (وہم کو مان لیتے ہیں)۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس (دین) کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لئے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو۔

پچھلی آیت میں احکام کا ذکر تھا کہ سوالات کی کثرت سے زیادہ تنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں کفار کے اپنے پیدا کردہ حلال و حرام کا ذکر ہے کہ انہوں نے جانوروں کو ان کے بعض واقعات جو کہ ایک عمومی طبعی طور پر تھے کی وجہ سے ان کے فوائد اپنے لئے حرام (ممنوع) کر دیئے اور ان کو بتوں کی نسبت دے کر عبادت کا درجہ دے دیا جو کہ اللہ کے سراسر احکام کے خلاف ہے۔ کفار کچھ اونٹ اور بکری وغیرہ میں کچھ سے فائدہ لینا حرام تصور کرتے تھے۔ البحیرہ، السائبہ، الوصیلہ اور الحامی میں ان کی وضاحت یوں ہے کہ البحیرہ وہ اونٹنی جو دس بچے دیتی ہے اس کے کان چیر کر اس سے فائدہ اُٹھانا (دودھ / سامان کا لادنا / اون کاٹنا) منع کر دیتے تھے۔

السائبہ، جب اونٹنی پانچ بچے جنتی ہے تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا تھا۔ کچھ مصنفین نے لکھا ہے کہ اسے بتوں کی نذر مان کر چھوڑ دیا جاتا۔ الوصیلہ وہ بکری یا اونٹنی ہے جو مسلسل دو دفعہ مادہ بچے دیتی ہے الوصیلہ کہہ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اور الحامی وہ نر اونٹ ہے جس کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہوں اس کو چھوڑ دیتے اور اس سے فائدہ نہ اُٹھاتے۔ ان کی تعریف میں اور بھی آیات ہیں لیکن جو بات اہم ہے وہ وہم پرستی اور جاہلیت کی تاریک خیالی ہے جس کی وجہ سے عجیب قسم کے رواج بن جاتے ہیں اور انسان محض اپنے خیال سے ان کو مذہب یا روحانیت سے منسلک کر دیتا ہے۔

اندھی تقلید کیوں؟:۔

جاہلی نقطہ نظر اور انداز فکر میں انسان کا اپنا نقطہ نظر اور ذاتی آراء بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں، جس کا اگلی آیت میں ذکر فرمایا کہ اگر آپ ان کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کریں گے اور اچھائی یا صحیح طریقہ کی طرف رہنمائی کریں گے تو یہ محض ضد اور انا پھر آپ سے

عناد (بغض) کی وجہ سے انکار کریں گے اور اس کا بہانہ یہ کریں گے کہ جو طریقہ چل رہا ہے وہ صحیح ہے کیونکہ ہمارے بزرگ یہ کرتے تھے اور اس پر سوچ و بچار یا اس کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ نہیں لیں گے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نفسیاتی طور پر تبدیلی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کسی بھی معاشرہ میں اس کا موجود فرسودہ نظام اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے افراد ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی تبدیلی میں داخلی عوامل کے مقابل خارجی عوامل زیادہ کارگر (مفید) ثابت ہوتے ہیں۔ آیت مبارکہ اس حقیقت کو ہمارے لئے آشکار کر رہی ہے اور ہر کام میں فیصلہ کے لئے محض تقلید کے مقابل تحقیق و جستجو کی دعوت دیتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جو شخص گمراہ ہو وہ تمہیں نقصان نہیں دے سکتا اگر تم خود ہدایت پر ہو۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔

کفار کے اعمال اور اندھی تقلید کے بعد انسانی عمل اور کوشش کی وجہ سے جو کیفیت ہوتی ہے اس کا تجزیہ اور رہنمائی فرمائی۔ صحابہ کرام تبلیغ کی جدوجہد کے مقابل یہود و کفار کی اسلام دشمنی سے پریشان ہو جاتے۔ ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر تم خود حق پر ہو، اس کے مطابق زندگی گزار رہے ہو تو دوسروں خواہ تمہارے دوست ہوں یا دشمن، رشتہ دار ہوں یا غیر افراد، کے اعمال پر پریشان نہ ہو، ان کی گمراہی تمہیں حق سے نہیں ہٹائے گی اور نہ تمہیں اس کی سزا دی جائے گی اور پھر جب وہ اللہ کے پاس جائیں گے تو اپنے اعمال کا حساب پائیں گے۔

اپنی ذمہ داری اور نیکی کی دعوت:۔

اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر آدمی بھلائی اور نیکی کی تلقین نہ کرے جب آدمی خود نیکی کرے گا تو اس کا اثر بہت گہرا ہو گا۔ دوسری طرف اضافی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فریضہ ہے لیکن آیت مبارکہ جو اہم نکتہ بتا رہی ہے کہ کسی فرد کو امر بالمعروف اور نہی المنکر کی آڑ میں

تشدد یا ظلم یا زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں خود سزا دے گا اس لئے اسلام میں تبلیغ بالجبر حرام ہے۔ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف فرائض میں سے ہیں۔ اس کا تعلق تمام معاملات سے ہے اور ہر شخص کو اس کے مذہب پر رہنے کا حق ہے لیکن ایک مسلمان دوسرے انسان کی بھلائی اور دنیا اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے جس طرح خود اسلام پر عمل کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اسی طرح اس کو بھی دعوت دیتا ہے اور معاشرے میں برائیوں، ظلم، ناانصافی کے خاتمے کے لئے ہر وقت جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگو! اس آیت کا مطلب یہ نہ سمجھو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اگر برائی دیکھیں اور اس سے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سے نظریں پھیر لیتا ہے۔ پھر فرمایا یہ بہت اہم آیت ہے کہ اپنے کردار و عمل کی تاکید کی ہے کہ تم اپنے نفسوں کے ذمہ دار ہو اور اس کا خیال رکھو (علیکم انفسکم)

ع اوروں کی کیا پڑی ہے، اپنی نبیڑ تو

تم پر لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سے بدتر ہوں گے۔ وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے۔ تمہارے نیک لوگ خدا سے دعا مانگیں گے مگر وہ قبول نہیں ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ﴿۱۰۶﴾

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے درمیان گواہی ہونی چاہیے اور وصیت کے وقت اپنے میں سے دو انصاف والے گواہ ہوں یا اگر تم زمین میں سفر پر نکلے ہو اور راستے میں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر قوم کے دو گواہ بھی کافی ہوں گے پھر اگر تمہیں کوئی شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی قیمت نہیں

لے رہے اور کوئی ہمارا رشتہ دار بھی ہو (تو ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں ہوں گے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۱۰۷)

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ بے شک ان دونوں (گواہوں) نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے پھر ان دونوں کی جگہ دو قریبی رشتہ دار (بطور) گواہ لوگوں میں کھڑے ہوں جو (میت کے ترکہ کے) حقدار ہیں تو وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان (پہلے) دونوں کی گواہی سے سچی ہے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۱۰۸)

یہ (طریقہ) قریب تر ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے یا (کم از کم اس بات ہی کا) خوف کریں گے کہ کہیں ان ورثاء کی قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد نہ کر دی جائیں اور تم اللہ سے ڈرو اور سنو اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ آیات معاملات اور وصیت میں گواہی اور عدل کے معاشرہ میں نفاذ کے احکام کے بارے میں ہیں۔ ان کے شان نزول کا احادیث میں ذکر ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلے) میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے، تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا۔ پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی (سہمی) کا ہے اور انہی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

وصیت اور گواہی:۔

آیات مبارکہ میں وصیت کے لئے تاکید ہے کہ وصیت کی جائے تو دو گواہ بنائے جائیں اگر مسلمان ہوں تو بہتر ہے کیونکہ مسلمان کا سچائی اور ایمانداری کا معیار غیر مسلم افراد سے خوف خدا اور ایمان کی وجہ سے بہت اونچا ہے۔ لیکن اگر مسلمان نہ ہو تو غیر مسلم کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معاملات میں اُلجھاؤ اور پریشانی نہ ہو اور حصول عدل اور تنفیذ عدل میں آسانی ہو۔

یہ انسانی حقوق کا اہتمام اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل کیا ہے اور پھر اگر گواہ اس گواہی میں لالچ یا مفاد کی وجہ سے صحیح اور حق کا ساتھ نہ دیں اور ردوبدل کر دیں تو متاثرہ فریق کے افراد جن کو صحیح معلومات ہوں وہ قاضی / جج کے سامنے قسم اُٹھا کر، کہ ان کی معلومات پہلے والے گواہوں کے مقابل زیادہ صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں۔ اور بغیر لالچ یا مفاد کے ہیں کا بیان دے کر واقعہ پیش کر سکتے ہیں۔ گواہوں کو گواہی دیتے وقت مسجد کا انتخاب کیا گیا ہے تاکہ وہ اس جگہ اور وقت (بعد از نماز اجتماع) سے متاثر ہو کر قسم کی اہمیت کے پیشِ نظر صحیح گواہی دیں۔ عدالت کا مقام خود بھی اہم ہوتا ہے اور ابتدائے اسلام میں مسجد میں عدل کے کام بھی سر انجام ہوتے تھے۔ یہ سارا اہتمام حقدار کو اس کا حق پہنچانے کے لئے ہے۔ غیر مسلم کی گواہی بھی اتنی ہی اہم ہے جس طرح مسلم کی ہے۔ اس کے ساتھ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر اس سارے تصدیق و عدل کے عمل میں جس نے غلطی کی وہ ظالموں میں شمار ہوگا اور اس کا انجام اللہ کے ہاں بدترین ہوگا۔ ابتدائی آیت نمبر 106 میں گواہ کے لئے عادل کا لقب چنا ہے لیکن جب اس نے سچائی کو چھوڑ دیا اور الٹا عمل کیا تو اس کے لئے ظالم کا لقب چنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ظالم ہونے سے بچائے۔ آمین

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

اس دن (کو یاد کرو) جب اللہ رسولوں کو جمع کرے گا پھر ان (سے) کہے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا، وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں۔ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَ الِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ

الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کرو جب میں نے روح القدس کے ساتھ قوت (مدد) دی تو (ماں کی) گود میں اور پختہ عمر میں کلام کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب و حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تو میرے حکم سے گارے کے پرندے کی مورت بناتا تھا تو پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا اور تو پیدائشی اندھے کو اور برص (پھلبہری) والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے (زندہ) نکالتا تھا اور جب میں نے تجھے بنی اسرائیل سے بچایا جب تو ان کے پاس واضح نشانیوں کے ساتھ آیا تھا۔ تب ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا انہوں نے کہا یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تب انہوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں اور تو (اے اللہ) گواہ رہ، بے شک ہم مسلمان (فرمانبردار) ہیں۔

معاملات کے احکام کے بعد قیامت اور انبیاء کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن قیامت کی ہولناکی، حساب وکتاب اور اللہ تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے عام مخلوق کی تو کوئی بات نہیں بلکہ انبیاء کا ذکر کیا کہ وہ بھی سوالات کے جواب میں اپنی امتوں کے بارے لا علمی کا اظہار کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے علم لامتناہی کا اقرار ہوگا اور اپنی عاجزی و انکاری کا اظہار فرمائیں گے۔ دوسری مخلوق نیکوکار، بدکار کی حالت اس سے بھی بہت نیچے اور کمزور ہوگی۔

اگلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کے معجزات کا ذکر

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا معجزہ جب آپ پنگھوڑے میں اور شیر خوار، چند ایام کے بچے تھے تو اپنی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کی پاکدامنی کی شہادت دی اور لوگوں کی بہتان تراشیوں کو ختم کیا پھر نوجوان ہو کر دعویٰ نبوت اور تبلیغ میں بھی جد و جہد کی اور کہولت (بڑھاپے) کے الفاظ سے مراد علماء دوبارہ آپ کی دنیا میں آمد اور پھر تبلیغ کریں گے، لیتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کے معجزات بڑے اہم تھے جن بیماریوں بالخصوص کوڑھ یا برص کے مریض کو صحت مند کر دینا، مٹی سے پرندے کی صورت کا پتلا بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ حکم الٰہی سے پرندہ بن کر اُڑ جاتا اور اسی طرح کسی مردے کی قبر پر جا کر اسے زندہ ہونے کا اللہ کے حکم سے کہتے تو وہ زندہ ہو جاتا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان ضد کی وجہ سے غور و فکر نہیں کرتا اور کوئی بہانہ محض بنا کر اڑ جاتا ہے جس طرح وہ یہود آپ کے معجزات کو جادو کہتے، اسی طرح اہل مکہ بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات کو جادو اور شاعری کہتے تھے اور آج بھی یہی نفسیاتی کیفیت چل رہی ہے۔ یہ معجزات اس وقت علم طب کے مقابلے میں عظیم تھے لیکن پھر بھی یہود ہدایت سے محروم رہے اور حضرت عیسی علیہ السلام کے خلاف حکمرانوں کو بھڑکاتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اُٹھا کر بچا لیا۔

تائید خداوندی کس طرح:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کی مدد کے لئے ان کے ساتھیوں (حواریوں) کے دل میں اللہ پر ایمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و اتباع ڈال دی اور وہ آپ کے ساتھ مخلص ہو کر صاحب ایمان ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا ایک انداز ہے، جب وہ مدد کرنا چاہتا ہے تو اسباب پیدا فرما دیتا ہے لیکن حقیقی مددگار وہی ہوتا ہے۔ اسباب کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ اہم ہے۔ اسی طرح کی تائید دنیا میں کامیابی کا سبب بنتی ہے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (١١٢)

اور جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل کر سکتا ہے۔ کہا (عیسیٰ نے) ڈرو اللہ سے اگر تم

ایمان والے ہو۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۱۱۳﴾

انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس دستر خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں جائیں اور ہم جان جائیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴿۱۱۴﴾

عیسی ابن مریم نے دعا کی (کہا) اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل فرما تاکہ وہ دن ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید (خوشی کا دن) ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۱۵﴾

اللہ نے فرمایا بے شک میں اس دستر خوان کو تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں کسی کو بھی نہ دوں گا۔

دستر خوان کی طلب:۔

یہ آیت مبارکہ مائدہ (کھانے کے دستر خوان) کے بارے میں ہے جس واقعہ کی بناء پر سورۃ کا نام المائدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام سے بطور معجزہ ایک کھانے کے دستر خوان جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے نازل ہو، کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں اس مطالبہ کی شدت اور اہمیت کے بارے آگاہ کیا کہ پرانی امتوں نے اسی طرح کی نشانیاں طلب کیں، لیکن اس کی شرائط اور ضوابط پوری نہ کر سکے۔ جیسے حضرت ھود علیہ السلام کی اونٹنی تھی کیونکہ ایسے واقعات کے بعد انسان اس کا احترام اور اہتمام برقرار نہیں رکھ سکتا اور آزمائش میں ناکام ہو کر سزاوار ہو جاتا ہے۔ مطالبہ کی شدت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوافل شروع کئے۔ اللہ تعالیٰ سے التجاء کی اور دستر خوان بادلوں میں سے

نازل ہوا۔ اس واقعہ کی مختلف روایات ہیں کیونکہ یہ واقعہ قدیم ہے اور قبل از بعث رسول اللہ ﷺ (اسلام) ہے اس لئے اسرائیلیات میں شمار ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے مختلف تفاسیر سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ دستر خوان نازل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تاکید کی کہ اس میں سے کل کے لئے نہ بچایا جائے اور ساتھ نہ لے جایا جائے لیکن بنی اسرائیل کے افراد نے خیانت شروع کر دی۔ روایات میں ہے کہ یہ دستر خوان چالیس دن تک آتا رہا۔ جب خیانت شروع ہو گئی تو جو افراد اس خیانت (چوری) کے مرتکب ہوئے تھے ان کی شکلیں بدل (سور کی طرح ہو) گئیں اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاؤں چاٹنے لگ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور وہ لوگ تین دن کے بعد ختم ہو گئے۔ اس دعا کے بعد دستر خوان کی آسمان سے آمد بھی ختم ہو گئی۔

آیات مبارکہ میں انسان کی نفسیاتی جبلت کہ ہمیشہ وہ فائدے کی تلاش میں رہتا ہے خواہ مخواہ ذاتی فائدہ اور لالچ کی وجہ سے خیانت کا جرم کرتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا اور وہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے انعام و اکرام پر شکر ادا کیا جائے اور اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ ایسے واقعات جو انسانی تاریخ میں خوشی و انبساط کا سبب بنیں ان کو بطور یادر رکھنا بھی شکر کی ادائیگی کا طریقہ ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا (مجھے اور میری ماں) بنا لو تو وہ کہیں گے تو پاک ہے۔ میرے لئے جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہو تو یقیناً تو اسے جانتا ہے۔ تو اسے بھی جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں اسے نہیں جانتا جو کچھ تیرے نفس (علم) میں ہے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا ان پر نگران تھا۔ پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

تبلیغ صرف احکام کے مطابق ہو:۔

پچھلی آیات میں عیسائیوں کے خوان (انعامات) کا ذکر تھا اب ان کے عقائد کا ذکر ہے اور ان کے قیامت کے روز واقعات کا ذکر فرما کر عیسائیوں اور ان افراد کی جو عبادت و الوہیت میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں ان کے انجام کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ پوچھیں گے کہ ان کی پیروی کرنے والے (عیسائیوں) کے عقیدہ کے بارے کہ وہ کیوں ان کو اور حضرت مریم علیہ السلام کو ذات خداوندی کا حصہ بناتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے بریت کا اظہار فرمائیں گے اور آپ کا انداز انتہائی مؤدبانہ ہوگا اور یہ دلیل ہوگی کہ میں نے تو صرف وہی احکام پہنچائے جن کا میرے مولا تو نے حکم دیا تھا۔ اس سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ تبلیغ یا دین کے احکام پہنچانے میں احتیاط کی جائے۔ ذاتی ترجیحات کو دوسروں پر مسلط نہ کیا جائے بلکہ جو احکام جس طرح آئے ہیں ان کو بیان کیا جائے اور ذاتی ترجیح کا اعلان کر کے بتایا جائے اور دوسرے لوگوں کو اس کے ماننے یا ترجیح دینے کا اختیار دیا جائے لیکن بدقسمتی سے آج کل کے مبلغین اور واعظین ذاتی ترجیحات کو مبالغہ یعنی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اس طرح تشدد کی راہ دکھاتے ہیں جو اسلامی روح اور قرآنی احکامات کے خلاف ہے۔

غلط آراء و اقوال کی پیروی ممنوع ہے:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوابی گزارش بڑی خوبصورت ہے کہ میں نے تو ان

کو احکامات پہنچائے اور جب تک تھا ان کو ہدایت کی راہ دکھائی اور اس کے بعد کا معاملہ تیرے سپرد تھا کہ تو ہی عالم الغیوب اور طاقت اور حکمت والا ہے۔ اس کے بارے درج ذیل احادیث نقل ہیں؛

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! عیسائی اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان کے علماء و درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء و درویش حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔ (تفسیر ثعلبی)

اس حدیث کی روشنی میں ضروری ہے کہ علماء یا واعظین کی باتوں کو مکمل طور پر تصدیق شدہ نہ سمجھا جائے بلکہ دوسرے ذرائع جو کہ مستند ہوں ان سے بھی تصدیق کروائی جائے تا کہ غلط اور صحیح معلومات کا فیصلہ کیا جا سکے اور صحیح پر عمل کیا جائے اور غلو یا ذاتی ترجیح کی وجہ سے آدمی غلطی سے بچ جائے بالخصوص وہ افراد جو عربی کا علم نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کا سہارا لیتے ہیں۔

صحیح پیروی نہ کرنے والا بخشش کا مستحق نہیں:۔

ایک اور حدیث جو کہ امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو تم اللہ کی طرف جمع کئے جاؤ گے اس حال میں کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے ہو گے۔ اللہ نے فرمایا ہے "جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا اسی حالت میں لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء:104) اور سنو مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہو گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں سو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ

اِنہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی بات نکالی تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا۔ میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں اس میں رہتا۔ پھر جب تو نے وفات دے دی تو تو ہی ان پر گواہ تھا (المائدہ 118/117) سو مجھ سے کہا جائے گا آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے (یعنی نافرمان ہو گئے)۔

معلومات کی تصدیق:۔

اس اور اس سے پہلے والی حدیث مبارکہ سے بڑا واضح ہے کہ وعظ اور تبلیغ کرنے والے کی بات کی تحقیق بھی کرنی چاہیے اور سوال کرنا چاہیے کہ جس عمل کی مبلغ یا واعظ تاکید کر رہا ہے کیا وہ فقہ اسلام میں فرض ہے یا واجب ہے؟ اگر فرائض یا واجبات سے ہے تو تاکید مناسب ہے لیکن اگر دوسرے درجات پر ہے مثلاً مستحب، مکروہ، سنت وغیرہ تو لوگوں کو اختلاف کا حق ہے اور اس پر تاکید کا وہ درجہ نہیں جو کہ فرض کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اور فقہاء میں آراء مختلف ہیں۔ اس طرح دوسرے اصحاب علم سے اس معاملے پر رائے لینی چاہیے اور اس کے بعد جو دلائل کی بناء پر بہتر نظر آئے اس پر سننے والے (سامع) کو عمل کرنا چاہیے۔

طلب کا انداز:۔

لوگوں کی غلطیوں کی معلومات ملنے پر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے مغفرت طلب کرنے کا ایک بڑا ہی خوبصورت انداز اپنایا اور وہ یہ کہ اللہ کی مخلوق کا اپنے خالق سے رشتہ کا اظہار کیا اور پھر اس کی غفوریت کا اظہار کرتے ہوئے، گزارش کی کہ یہ تیری ہی مخلوق ہے، تو جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ تو ہی بخشنے والا، طاقت والا اور حکمت والا ہے۔ تیرا ہر فیصلہ ہی خوبصورت اور صحیح فیصلہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ ساری رات یہ آیت مبارکہ پڑھتے رہے اور ساری رات روتے رہے اور امت کے لئے مغفرت طلب کرتے رہے کہ قیامت کی کیفیت اور امت کی حالت آپ کے سامنے تھی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ حضور ﷺ کی زندگی کا بغور سے مطالعہ کریں۔ جس طرح آپ ﷺ نے انداز زندگی میں سادگی اور فقیری کو پسند فرمایا حالانکہ آپ ﷺ ریاست مدینہ کی انتظامی، تشریعی اور

روحانی طاقت کا منبع تھے آپ ﷺ کے طرز حیات کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

ساری زندگی، سچ، عدل، انسانی حقوق کی پاسداری، اللہ کی بندگی میں گزار دی۔ کاش ہمارے حکمران، واعظین اور مبلغین بھی اپنی ذاتی زندگی اس طرح گزاریں۔ اے اللہ ہمیں آپ ﷺ کی صحیح اور سچی اتباع اور طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۹)

اللہ فرمائے گا یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

معاشرہ کی کامیابی:۔

قیامت کا منظر جس میں انبیاء کی امتوں کا ذکر ہے اور جزا و سزا کا حقیقی دن ہے کے بعد انسان کی دنیاوی زندگی میں سب سے اہم کامیابی کے راز کا ذکر فرمایا جس کے دو معانی ہیں اور وہ ہے سچ کہ وہ دن (یوم جزا) کو سچے لوگوں کا سچ ان کا نفع دے گا۔ سچ سے کیا مراد ہے؟ ایک سچ تو وہ ہے جو واقعہ پر بیان ہوتا ہے اور دوسرا سچ وہ ہے جو انسان کے ساتھ واقعہ سے منسلک نہیں بلکہ کائنات کا حقیقی سچ ہے اور وہ ذات خداوندی کا وجود اس کی الوہیت اور اس کی شان ربوبیت وخالقیت ہے۔ جس پر ایمان ہر انسان کا فرض ہے۔ اس پر ایمان لانے والے اور اس کے احکام پر عمل کرنے والوں نے اس حقیقی سچ کو قبول کیا، سچ پر عمل کیا۔ یہ سچ ان کو نفع دے گا اور وہ جنت میں جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ سچ بولنا، جس کی

اسلام میں بہت اہمیت ہے اور حضور ﷺ کا اس عمل کی وجہ سے الصادق لقب تھا اور یہ نبوت سے پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ سچ بولنے والوں کو پسند فرماتا اور جھوٹ بولنے والوں پر لعنت برساتا ہے۔ حضور ﷺ نے جھوٹ کو برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے بری عادات و اعمال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ ہم دیکھتے ہیں جس معاشرہ کے افراد سچ بولتے وہاں برکت اور رحمت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے وہاں لوگ معاہدہ کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ دھوکہ نہیں دیتے، خرید و فروخت صحیح معیار و مقدار کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے جرائم کم ہوتے ہیں اور اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً اقرارِ غلطی کر کے اس کی تلافی کرتے ہیں۔ سچی گواہی کی وجہ سے انصاف جلد مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر جھوٹ ہو تو معاشرہ جرائم، بددیانتی، دھوکہ دہی، ظلم اور ناانصافی سے بھر جاتا ہے۔ یہ سچ ہے جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور آخرت میں بھی کام آئے گا۔ اگر کوئی حقوق اللہ میں کمی کرتا ہے تو اللہ کی ذات کا اس کے ساتھ معاملہ ہے لیکن سچ بولنے کی وجہ سے حقوق العباد میں اکثر حقوق پورے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ معاشرے زیادہ پرسکون اور پرامن ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت ایک واضح ابدی حقیقت پیش کرتی ہے۔ حقیقی سچ پر عمل کرنے والے اپنی عالی شان جزا پائیں گے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔

آیت مبارکہ میں جہاں قیامت کی کیفیت کا ذکر اور سچ بولنے والوں اور سچ پر عمل کرنے والوں پر انعام کا ذکر فرمایا کہ جنت میں ان کے محلات کی کیا کیفیت ہو گی۔ وہاں اپنے جلال اور عظمت کا بھی ذکر فرمایا تا کہ پڑھنے اور سننے والے کو یقین ہو کہ اس ذات کے لئے یہ سب چیزیں بہت معمولی ہیں کہ جس ذات کی ملکیت، کنٹرول اور قدرت تمام زمین اور آسمانوں یعنی ساری کائنات پر ہے۔ جس میں کئی نظام شمسی، ہزاروں کہکشائیں اور اربوں ستارے اور سیارے ہیں کروڑوں مخلوقات ہیں سب کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو اس کے احکام اور فیصلوں سے کون سر مو (بال کے سر کے برابر) حکم عدولی کر سکتا

ہے۔ اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں سچ دکھا، سچ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے گناہ معاف فرما۔

بفضل اللہ، سورۃ المائدہ کی تفسیر و تاویل مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

سورة انعام

تعارف:۔

سورۃ کا نام الانعام ہے اس میں ایک سو پینسٹھ (165) آیات اور بیس رکوع ہیں۔ الفاظ تین ہزار ایک سو اور حروف بارہ ہزار نو سو پنتیس ہیں۔ یہ سورت مکی ہے اور مکہ شریف کے آخری دور میں ایک بار ہی نازل ہوئی صرف چند آیات مدینہ شریف میں نازل ہوئیں۔ جنکو سورت میں اپنے مقام پر لکھوا دیا گیا۔ انعام کے معنی مویشی یا چوپائے ہیں۔ مویشیوں کے حلال، حرام کے بارے احکام درج ہیں اسلئے اسکا نام الانعام رکھا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا سورہ انعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اسکے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز میں تسبیح پڑھ رہے تھے۔ سورۃ کی پہلی تین آیات پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت، اسرار کائنات، وجود انسانی کا بلیغ انداز میں ذکر ہے

چونکہ سورۃ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی اور کفار مکہ کے مشرکانہ عقائد کا ذکر اور ان کا رد ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور اسکی صفات پر دلائل ہیں۔ قیامت اور حیات بعد از موت پر دلائل ہیں۔ جزا و سزا کا ذکر ہے۔ انسان کے اعمال کا ذکر ہے انسان کے اختیار کا ذکر ہے اور اسکے ارادے پھر اعمال کی بناء پر اسکو جزا و سزا ہو گی۔ اللہ کے عدل کا ذکر فرمایا۔

حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ (خاتم النبیین) تک حقیقی دین واحد ہے۔ لوگوں نے اپنی اراء سے اختلاف پیدا کر دیے ہیں پھر ان پر چل پڑے۔ حلال و حرام کا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسکے رسول اسکا پیغام پہنچاتے ہیں انسانوں کو اسکے احکام میں تبدیلی کا حق نہیں۔ کائنات میں تاریخ پر غور کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ عبرت پکڑ سکیں۔ زندگی میں نافرمان انسانوں کو ڈھیل ان کی خرابی ہے تاکہ وہ اپنے جرم میں انتہا کی حد تک پہنچ کر انتہا کی سزا کے مستحق بنیں اسلئے ان کی اس ڈھیل سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ مصائب دنیا اور زیب و زینت سے آزمائش میں ڈالتا ہے کہ نیک اور برے کا پتہ چل جائے۔ طیبات اور پاک چیزیں انسان کے لئے ہیں ان سے انکار تقوی نہیں بلکہ تقویٰ نفس کی غلط خواہشات پر عمل سے رکنا ہے، نیک اعمال پر عمل ہے۔

مشرکین کی جہالت اور عقائد باطلہ کا سورۃ میں رد فرمایا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا حمد و عظمت خداوندی اور اختتام رحمت و مغفرت خداوندی پر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر بھی کافر لوگ اوروں کو، اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی (گارے) سے پیدا کیا۔ پھر اس نے موت کا ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک معین وقت (قیامت کے لئے) بھی اسکے پاس مقرر ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو۔

سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام و اکرام جو اسکی مخلوق پر ہیں ان کے بارے ذکر فرما کر کی تا کہ اسکی عبادت و شکر گزاری کی جائے۔ سب سے پہلے جسکا ذکر فرمایا اسکی تخلیق کائنات جو انسانی حیرت کا باعث ہے وہ فضاء اور آسمان ہے اور پھر جس پر وہ زندگی گزارتا ہے زمین ہے، زمین سے انسان کی آگاہی ہر وقت ہے جس پر اسکا وجود قائم ہے اور آسمان کو وہ ہر صبح اور رات کے اندھیرے میں ستاروں کی چمک اور ٹمٹمانے میں دیکھتا ہے اور اس کی وسعت کا اندازہ کرتا ہے۔ پھر جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فریاما وہ روشنی (نور) اور اندھیرا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے روشنی اور اندھیرے کی اہمیت اور طرح کی تھی، کہ صرف وہ انسان کے دیکھنے اور زندگی یعنی دن کو کام کاج کی اسانی ہوتی اور رات کو آرام کرتا اور اس طرح اسکی زندگی کے ایام گزرتے، مگر آج جب روشنی کا حصول سورج اور چاند کے علاوہ بھی ممکن ہو چکا ہے روشنی کی اہمیت اور اندھیرے کا احساس زیادہ اہم ہو چکا ہے سائنس اس جستجو میں ہے کہ روشنی کی تعریف کیسے کرے۔ اندھیرا تو روشنی کے نہ ہونے کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ روشنی کیا ہے؟ نور کیا ہے؟ اسکو محسوس کیا جاتا ہے اسکی تعریف ہر زمانہ میں علم اور تحقیق کی روشنی میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک انرجی کی صورت ہے بہر حال یہ کائنات اور انسانی وجود میں ایک بہت اہم عنصر ہے

اسکا ذکر فرما کر انسان بالخصوص مسلمانوں کو تحقیق اور سائنس کے ذریعہ وجود خدا کو ثابت کرنے اور لوگوں کو بتلانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ روشنی کی صورت میں آواز۔ تصاویر اور پیغامات مختلف صورتوں میں جس طرح بھیجتے ہیں، یہ کائنات کے اسرار اور اللہ کی ایک خوبصورت تخلیق کے وجود کی نہ صرف دلیل ہے بلکہ حق کی طرف بلاتی ہے۔ پھر ان ولائل کے باوجود بھی اللہ کے وجود سے جب انسان انکار کرتا ہے تو اسکے عقل و سمجھ پر افسوس ہونا چاہیے۔ اس آیت میں وجود باری کے لئے خارجی کائنات کے ذریعہ سے دلیل دی ہے۔

اگلی آیت میں انسانی وجود اور انسانی ذات کے ذریعہ وجود خالق کا ذکر فرمایا ہے، انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام عناصر جو انسان کی ذات کا جز ہیں، وہ سارے زمین میں ہیں اور یہیں سے پیدا ہوتے ہیں، اگر یہ زمین میں نہ ہوتے تو شاید انسان بھی نہ ہوتا۔ انسانی تخلیق کا ذکر فرما کر کہ تمام عناصر جن سے انسان کا وجود ہے وہ زمین سے نکلتے ہیں یا اگتے ہیں، پھر وہ غذا جو انسانی جسم کے نشوونما کے لئے ضروری ہے وہ بھی زمین سے ہی نکلتی ہے، اس طرح انسان کا سارا وجود زمین کے عناصر سے مرکب ہے۔ اسکی پیدائش (یعنی وجود) یا اسکی نمو کو زمین سے منسلک فرما دیا، انسان کے وجود کی ایک مدت معین ہے جو وہ گزارتا ہے اسکی قدرت میں نہ اس کی زندگی ہے نہ پیدائش اور نہ موت ہے۔ یہ معین مدت اسکے خالق نے لکھ دی ہے جسکو گزار کے وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ساری محنت، کام، جائیداد اور قوت وسلطنت یہی رہ جاتی ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

یہ سب حقائق کس خالق ومالک کے وجود یا کنٹرول کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو آیت کا مقصود ہے۔ پھر ایک اور انسان کیلئے نامعلوم مدت لیکن متعین قیامت یا برزخ کی زندگی ہے جو اس دنیا سے اسکی موت کے بعد شروع ہوتی ہے اور پھر فرمایا کہ جس انسان کے بس میں اسکا وجود بھی نہیں وہ کن باتوں پر اکڑتا ہے خالق سے انکار کرتا ہے۔

وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا

تَكْسِبُوْنَ ﴿٣﴾

اور وہی اللہ آسمان اور زمین میں ہے (خالق ومالک ہے) تمہارے ظاہر اور تمہارے باطن کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو (اچھے یا برے کام) ان کو جانتا ہے۔

جب ان دلائل کے باوجود انسان، اپنی کس مپرسی کو دیکھنے اور گزارنے کے باوجود خالق کے وجود سے انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کا اظہار فرمایا کہ وہ ذات جسکا تم انکار یا احکام کو نہیں مانتے یہ سب اس کی نظر میں ہے لہذا اس سے بچ کر جانا ناممکن ہے اور اپنے اعمال پر انکار و اقرار، عمل، نافرمانی کی سزا و جزا ضرور ملے گی اور وہی بندگی (عبادت) کے لائق ہے وہ تمام نظام شمسی اور کائنات جو زمین اور آسمانوں پر مشتمل ہے کا کنٹرول کرنے والا۔ پیدا کرنے والا ہے اسکی طاقت وقوت کا اندازہ اس نظام کی وسعت سے نظر آتا ہے اور اسکے ساتھ وہ انسان کی تمام اعمال کو خواہ کتنے ہی پوشیدہ کیوں نہ ہوں جو کام ہم کرتے ہیں کس کے لئے یا کس طرح کرتے ہیں ان کو جانتا ہے۔

وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤﴾

اور ان کے پاس (منکرین / کافروں) ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر یہ اس سے تغافل برتتے ہیں (اس کی پرواہ نہیں کرتے)۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥﴾

پھر بے شک انہوں نے حق (کتاب و پیغمبر) کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا۔ پس جس بات پر ہنسی اڑاتے ہیں اس کی خبریں عنقریب ان کے سامنے آجائیں گی۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾

کیا انہوں (انکار کرنے والوں نے) نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں (قوموں) کو ہلاک کر دیا (جن کو طاقت پر ناز تھا) جن کو ہم نے زمین پر ایسا تسلط دیا کہ جیسا ہم نے تم (منکرین) کو نہیں دیا اور آسمان سے ہم نے ان

کے لئے بارشوں کی فراوانی کی۔ اور ان کے نیچے (زمین پر) نہریں رواں کیں (اس پر وہ سرکش ہوگئے) پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے اور امتوں (قوموں) کو پیدا کیا۔

آیات مبارکہ میں کفار (مشرکین) مکہ کے لئے ایک عبرت کا پیغام تھا اس طرح انسانی کردار اور انسانی تاریخ کی بھی عکاسی فرمائی گئی کہ انسان کو جب معاشی، معاشرتی یا سماجی طاقت ملی اس نے سرکشی اختیار کی اور اپنی سرکشی میں بڑھتا چلا گیا۔ نظام کائنات اور خالق کائنات کو بھلا دیا، نہ اس کے احکام مانے بلکہ اپنی من مانی کی۔ شرک اور ظلم کو پھیلایا جسکے نتیجے میں اسکی معاشی و معاشرتی و سیاسی برتری ختم ہوگئی اور دوسری قوموں نے ان کی جگہ لے لی اور وہ قوم تاریخ کا حصہ بن گئی ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ مختلف قومیں دنیا کے مختلف حصوں میں اٹھیں اور پھر کمال کو پہنچ کر زوال سے دو چار ہوئیں، یونانی، رومی، ایرانی، بدھ، ہندو، یہود، تہذیبیں اس کا شکار ہوئیں، اس عبرتناک انجام سے بچنے کے لئے خالق کائنات کے نظام اور پھر اسکے احکام پر عمل ضروری ہے جسکی تکمیل اسلام اور قرآن کی صورت میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے معاشی ترقی زراعت، صنعت و حرفت اور سماجی ترقی کو اپنا انعام کے طور پر ظاہر فرمایا ہے لہذا اسکے ان انعام پر اسکا شکر، اسکی مخلوق کے حقوق اور انسانیت کے ساتھ محبت ضروری ہے، اگر یہ ختم ہو جائیں تو عذاب الٰہی کا آدمی یا وہ معاشرہ مستحق بن جاتا ہے اور وہ ختم ہو جاتا ہے۔

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٧

اور (اے رسول) اگر ہم آپ پر (کاغذ) پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو پھر بھی یہ کافر (کفر کرنے والے) کہتے کہ یہ صریح جادو ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞٨

اور وہ (کفار) کہتے ہیں اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا (جسے ہم دیکھتے اور تصدیق کرتے) اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو ان کا کام تمام ہو جاتا پھر

انہیں مہلت نہیں ملتی۔

وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (۹)

اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بناتے تو اسے بھی ہم آدمی کی صورت میں بھیجتے اور جس طرح شبہ میں وہ اب پڑے ہیں اس شبہ (التباس) میں پھر پڑ جاتے۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۱۰)

اور آپ (اے رسول) سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جاتا رہا پھر ان تمسخر کرنے والوں کو اس چیز (یعنی عذاب) نے گھیر لیا جسکا یہ مذاق اڑاتے تھے۔

باہمی الفت:۔

آیات مبارکہ کے شان ونزول کے بارے روایات ہیں کہ سورہ مکی ہے اور مکہ شریف میں حضور علیہ السلام کی کوششوں کے باوجود منکرین یعنی کفار مکہ مختلف طریقوں سے مذاق (استھزاء) اڑاتے اور مختلف مطالبے کرتے مثلاً وحی ایک کتاب کی صورت میں آئے اور اسکے ساتھ فرشتے ہوں یا کوئی فرشتہ اس کے سامنے آسمان سے اترے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے دراصل یہ ان کے بہانے تھے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہنی کیفیت کا اظہار فرمایا کہ یہ تمام باتیں ایک غلط حجت برائے اعتراض ہیں کیونکہ فرشتہ انسان نہیں ہوتا، چونکہ فرشتے روشنی سے بنے ہیں لہذا انسان ان سے مانوس نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ان سے ہدایت لے سکتا تھا۔ یہ تمام جانداروں کی خصوصیت ہے کہ ہم جنس سے مانوس ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھی ہے۔ دوسری طرف اگر قرآن مجید کسی کتاب کی صورت میں آتا تو یہ بہانے کرتے کہ یہ جھوٹی کتاب ہے اسی طرح اگر فرشتہ انسان کی صورت بن کر آتا تو اسکا بھی اسی طرح انکار کرتے جس طرح آپ کا کر رہے ہیں اور یہ طریقہ انسانی جہالت کا حصہ ہے کہ انسان محض ضد، حسد، بغض کی خاطر الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے، بہانے بناتا ہے اور یہ طریقہ اس سے پہلے بھی تمام انبیاء اور رسولوں کے ساتھ رہا ہے، اس طرح آپ ﷺ کی تشفی فرمائی گئی اور وہ مذاق کرنے والے خود عبرت کا انجام بنے۔ جیسے قوم نوح۔ قوم لوط، قوم صالح اور قوم ھود وغیرہ۔ ان اقوام کا ذکر الہامی

کتب (تورات / زبور / انجیل) میں بھی ہے۔ ایک داعی کو ان تمام امور سے بے پرواہ ہو کر اپنی دعوت و مشن میں پورے زور وشور سے مشغول رہے اور ان انسانی یا سماجی عارضی رکاوٹوں کو نظر انداز کر دے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴿۱۱﴾

کہہ دیجئے (اے رسول) کہ تم زمین پر چلو پھر دیکھو کہ جھٹلانے کا کیا انجام (عبرتناک) ہوتا ہے۔

نافرمانی و ظلم کا نتیجہ:۔

پچھلی آیات سے اسکا تعلق ہے کہ جو قومیں اللہ کے احکام کی پروا نہیں کرتیں اسکے حقوق اور اسکی مخلوق کے بارے حقوق کو ٹھکرا کر ظلم و ستم کرتے ہیں ان سے ان کی معاشی، سیاسی اور سماجی طاقت چھین لی جاتی ہے اور اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ اصحاب سلطہ (طاقت ور اور سربراہ) لوگ ضد، انا اور تکبر کی خاطر اللہ کے احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور پھر ان کی قوت و دبدبہ کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے اور وہ کھنڈرات کی صورت میں تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور انسانوں سے تاریخ کے ان واقعات سے سبق لینے کا حکم فرما رہا ہے، کہ جب زمین پر چلو اور سفر کرو تو اس نکتہ کو بھی ذہن میں رکھو اور اس سے درس عبرت حاصل کرو، کھنڈرات کہہ رہے ہیں:

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲﴾

آپ (ان سے پوچھئے) کے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے۔ آپ (ہی) کہہ دیجئے اللہ ہی کا ہے۔ اس نے اپنے ذمہ رحمت لازم فرمالی ہے وہ تمہیں روز قیامت جس میں کوئی شک نہیں ضرور جمع (اکٹھا) کرے گا، (یاد رکھو) جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہی ایمان نہیں لاتے۔

وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴿۱۳﴾

اور وہ (ساری مخلوق) جو رات میں اور دن میں رہتی ہے (بستی) ہے

سب اسی کی ہے۔ اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

پچھلی آیات کے مضامین کی تکمیل ہے، کہ دیکھنے اور تاریخ کے جاننے کے بعد انسان کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے ذریعے سے دوسری جو بظاہر معلوم نہیں ہوتیں ان کو جان لینا چاہیے۔ اور انسانوں اور مسلمانوں کو تحقیق، جستجو کی دعوت دی ہے تاکہ مخلوق کے ذریعہ خالق کو پہچانیں اور حضور ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان کو جو نہیں سمجھتے، بتائیں کہ کائنات کا کنٹرول اسکی وسعت ساری ذات خداوندی کے کنٹرول میں ہے، لیکن ایک سوال اٹھتا ہے کہ اتنی بڑی ذات قوت و طاقت والی پھر ان سرکشوں، باغیوں اور نافرمانوں کو سزا کیوں نہیں دیتی تو اسکا جواب دیا کہ اس ذات کی اپنی مخلوق کے لئے، ان کی کوتاہیوں اور سرکشی کے ہوتے ہوئے بھی نرمی اور رحمت کے اصول کو پسند فرما کر ان کی خطاؤں کو وقتی طور پر درگزر کر دیتی ہے اور اسکی سزا قیامت کو یوم عدل کے دن ملے گی۔ اس دن ساری مخلوق جو اس دنیا میں زندگی بسر کر رہی ہے رات اور دن کے سلسلہ کا حصہ ہے اپنا اپنا حساب و کتاب کے ذریعہ سزا و انعام لے گی۔ اور جو اس میں شک کر رہے ہیں اور نافرمانی کر رہے ہیں وہ سزا پائیں گے اسکی ذات تمام پوشیدہ چیزوں کو سننے والی اور ہر کام اور حرکت کو دیکھنے والی ہے۔ لہذا ہر آدمی اس پر یقین رکھے کہ اپنے کاموں کی سزا و جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جائے جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات، انسانوں، جانوروں، حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جسکی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و رحم کرتے ہیں اس کی نعمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ننانوے رحمتیں مؤخر کر رکھی ہیں ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ اسی لئے صلہ رحمی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رکھا ہے اور صلہ رحمی کا بڑا اجر اور قطع رحمی پر بڑا عذاب ہے۔ ایک اچھے معاشرہ میں اور پرسکون زندگی کے لئے صلہ رحمی بہت ضروری اسمیں قطع رحمی سے بچنا بھی بہت ضروری ہے۔ اسلام انسانوں کے علاوہ حیوانات پر بھی رحم کی تاکید کرتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴿۱۴﴾

کہہ دیجیے (اے رسول) میں اس اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا والی بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (سبکو) کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ فرمادیجئے کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں خود فرمانبردار ہو جاؤں اور تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴿۱۵﴾

آپ کہہ دیجئے (اے نبی) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کرو تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈر ہے۔

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ﴿۱۶﴾

اور جس شخص سے اس دن کا عذاب ٹال دیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ نے رحم فرمایا اور یہی بخشش کھلی کامیابی ہے۔

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴿۱۷﴾

اور اگر اللہ تجھے کوئی سختی (ضرر) تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی (نعمت وخیر) دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴿۱۸﴾

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی بڑی حکمت والا بڑا باخبر ہے۔

اصلی لیڈرشپ کا معیار:۔

آیت مبارکہ 13/12/11 اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت، طاقت جو کائنات کے نظام سے ظاہر ہے کے بعد اسکی الوہیت اور اس کی عبودیت کیلئے تعلیم دی کہ جو اتنی بڑی طاقت کا مالک اور پیدا کرنے والا ہے اسکی عبادت کرنی چاہیے اسی کو خالق ومالک ماننا ضروری ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں اس بات کی دعوت دے رہا ہوں تو خود اگر اس پر عمل نہ کروں بلکہ میرا کرنا تو سب سے پہلے ہوگا اور (اول من اسلم) صحیح لیڈرشپ کا معیار ہے کہ ان کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا جو وہ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ نے اپنی زندگی پر سب سے پہلے ان اصولوں کو اپنایا

جن کو انہوں نے اسلامی معاشرہ کا بنیادی حصہ بنایا مثلاً امانت، دیانت، سچ، قانون پر عمل اور اسکی پابندی، اعلیٰ اخلاق، سماجی اور معاشرتی اور معاشی انصاف، دولت کے ہوتے ہوئے بھی ان کا معیار زندگی ریاست مدینہ کے غریب اور معاشی طور پر بدحال افراد کی طرح تھا اور گھر میں کئی دن تک کھانے کا بندوبست نہیں ہوتا تھا جبکہ ریاست کے وسائل اور ذرائع آمدن ان کے زیر کنٹرول تھے۔ آپ نے کبھی اسکا حکم نہ دیا جسکو خود نہ کیا ہو اور کبھی کسی کام سے منع نہ کیا جب کہ خود کیا ہو بلکہ اپنی زندگی کو عملی نمونہ بنایا اور ہر مومن مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ یہ کردار اپنائے, بالخصوص بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار بڑا اہم رول ادا کرتا ہے۔ آپ کی لیڈرشپ کا نتیجہ تھا کہ اسلام چالیس سال میں (ہجرت مدینہ کے بعد) دنیا کی ایک بڑی طاقت بن گیا۔ ان احکام کی تعمیل میں یہ ترغیب دی کہ اتنی طاقت اور قوت والی ہستی کی نافرمانی کرنا انتہائی بڑی غلطی ہوگی اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں جو نبی ہونے کے باوجود نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ سے خوف کا آپ پر یہ عالم ہوتا کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ جبکہ ذات الٰہی اپنے انبیاء کی گناہوں سے حفاظت خود فرماتی ہے اسکے باوجود یہ عملی خوف خدا کا انداز بہت شدید تھا۔ اہل محبت اور صوفیا نے سب سے پہلے 'میں' فرمانبردار سے مراد حضور علیہ السلام کی روح مبارک جو تمام انسانیت میں سب سے پہلے مطیع اور فرمانبردار تھی، جس کی تصدیق ایک حدیث مبارکہ ہے کہ: "کنت بنیا" وادم بین الماء والطین" میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے، یعنی جسم آدم ابھی تخلیق نہیں ہوا تھا، اس سے مراد روح کے وجود سے ہے نہ کہ جسم کے وجود سے اور قیامت کے دن کا ذکر کر کے، مزید عمل کی اہمیت بڑھا دی کہ جس ادمی سے اس دن عذاب دور ہو گا وہ خوش نصیب ہو گا۔ عذاب اسی سے دور ہو گا جو احکام پر عمل کرے گا، اللہ پر یقین اور توکل میں پختگی کیلئے فرمایا، کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور مہربانی ہو گی تو تمام کام آسان ہوں گے اور اگر اس کی ناراضگی ہو گی تو کوئی بچ نہیں سکتا اسکی ذات طاقت والی ہے۔ جاننے والی ہے اور غلبہ والی ہے اس سے ہر وقت ڈرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے اور اسی میں نجاعت ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

أُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

آپ (ان سے) پوچھئے کہ گواہی دینے میں سب سے بڑھ کر کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا ہے (اتارا گیا ہے) کہ اسکے ذریعے تمہیں اور ہر شخص کو جس تک (یہ قرآن) پہنچے (اعمال بد سے) ڈر سناؤں۔ کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود (بھی) ہیں؟ آپ کہہ دیں بس معبود تو وہی ایک ہی ہے اور میں ان (سب) چیزوں سے بے زار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو۔

دعوت کی اہمیت اور لاعلمی پر معافی:۔

آیت مبارکہ پچھلے مضامین میں توحید اور اللہ کی عظمت کے بارے ہے۔ کچھ مکہ کے صاحب ثروت لوگوں نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ وہ کس طرح مانیں کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں جبکہ انہوں نے یہود سے پوچھا تو وہ کہتے ہیں کہ ان کی کتاب میں ان کی نبوت کا ذکر نہیں لہذا آپ کے پاس کیا ثبوت و شہادت ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ آپ کی نبوت افراد کی گواہی پالینے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اپنی گواہی ہے اور اس کی صورت قرآن مجید اور وحی الٰہی ثبوت ہے جسکا مقابلہ سارے عرب کے فصحاء نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں اللہ کے احکام سے آگاہ کروں اور اسکی نافرمانی کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔ اور تبلیغ کے پیغام کا ذکر فرمایا کہ جس تک یہ قرآن پہنچے گویا اسکو میری طرف سے سزا و جزا (احکام) کا پیغام پہنچا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ کہ میرا کلام پہنچاؤ اگرچہ صرف ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو اور دعوت کو عالمگیر بنانا ضروری ہے۔ ساتھ علماء کرام نے اس سے ایک مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی گئی ہے اور اس تک یہ پیغام نہیں پہنچا تو وہ سزاوار نہیں، اس کی ایک دلیل یہ آیت ہے اور دوسری ایک حدیث ہے کہ چند قیدی حضور علیہ السلام کے

سامنے پیش ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا ان کو تم لوگوں نے اسلام پیش کیا یا دعوت دی ہے، تو صحابہ نے عرض کی کہ ہم نے ایسا نہیں کیا، تو آپ نے حکم دیا کہ ان کو رہا کر دو اور ان کو اسلام کی دعوت دو (بحوالہ روح المعانی)۔ اسلام میں دین کے لئے کوئی جبر نہیں، معلومات کا پہچانا یعنی تبلیغ ضروری ہے اور پھر اگر معلومات کے بعد کوئی جرم یا غلطی کرتا ہے تو سزا کا مستحق بنتا ہے یہ وہ اصول جو اسلام نے انسانیت کو آج سے چودہ سو سال قبل دیے تھے۔ جنکی بنیاد انسانی مساوات اور اعمال کی جواب دہی ہے۔ یہ گواہی ایک محبت اور خاص تعلق کا بھی اظہار و اعزاز ہے جو کہ حضور علیہ السلام پر خصوصی عنایت ہے اور اہل دل وصفا کے نزدیک محبت کا اعلیٰ مقام ہے جسکا بیان الفاظ میں ممکن نہیں:

ع عبد دگر عبدہ، چیزے دگر ترجمہ: صرف بندہ اور چیز اور اس کا خاص بندہ اور چیز ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲۰)

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی اس (نبی) کو ویسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی جانوں کو (ہمیشہ کیلئے) خسارے میں ڈال دیا ہے پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

پچھلی آیات میں قریش مکہ نے حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے حوالے اہل کتاب کا حوالہ دیا تھا کہ وہ نہیں مانتے۔ اسکے جواب کے طور پر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہے کہ اہل کتاب اس نبی آخر الزمان کو اس طرح پہنچانتے ہیں جس طرح اپنی اولادوں کو پہچانتے ہیں۔ علامہ الوسی نے یہ حدیث درج کی ہے، کہ ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے کہا، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں بتاؤ یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت عبداللہ بن السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے ہم آپ کو اس صفت و نعت سے پہنچانتے ہیں۔ جب ہم نے آپ کو تمہارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کر دوسرے لڑکوں کے

درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی ،کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اسکی ماں کیا کرتی رہی؟ حضرت عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ لیکن چونکہ کفار اور یہود دونوں ہٹ دھرمی تکبر، انا اور ضد کی وجہ سے اسلام سے انکاری تھے اسلئے وہ اپنے آپ کو خارہ میں ڈال رہے ہیں اور سزا کے مستحق ہو جائیں گے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اہل کتاب سے مراد اہل کتاب علماء تھے جو کہ کتب میں تحریر شدہ ذکر سے آگاہ تھے پھر دوسرے دلائل اور معجزات، سوالات پر جوابات، اور قرآن مجید کی وجہ سے بھی آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا تھا۔ جو علمی بنیاد پر پورا صحیح اور یقین والا تھا۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۱﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جو شرک کرتے تھے تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم (معبود) خیال کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴿۲۳﴾

پھر ان کا کوئی عذر نہیں رہے گا سوائے اس کے کہ وہ کہیں (گے) ہمیں اپنے رب (اللہ) کی قسم ہے ہم مشرک نہ تھے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۲۴﴾

دیکھئے! انہوں نے خود اپنے اوپر کیا جھوٹ بولا اور جو بہتان وہ دنیا میں تراشا کرتے تھے وہ ان سے غائب ہو گیا۔

اہل کتاب (یہود) اور مشرکین مکہ جو کہ حضور کی تبلیغ اور مساعی کے باوجود منکر تھے ان کی ضد اور تکبر کی وجہ سے ذہنی کیفیت کا جائزہ بیان فرمایا اور پھر روز قیامت کا نقشہ کھینچا، تاکہ دوسروں کو اس حقیقت کا پتہ چلے۔ کفار محض ضد کی وجہ سے بتوں کا دفاع کرتے تھے اور انہیں اللہ کے ہاں تقرب کا وسیلہ بیان کرتے تھے۔ کبھی فرشتوں کو اللہ

تعالیٰ کی اولاد بناتے۔ اسی طرح یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا اور اپنے آپ کو صرف چند دن کے لئے دوزخ کا مستحق جانتے اور پھر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ کو خدا کا حصہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر محض اپنے گمانوں سے جھوٹے بہتان بنائے۔ جن کو اسلام نے حضور کی زبانی اور قرآن کے احکام کے ذریعے باطل فرمایا اور حق واضح کیا۔ جب یہ افراد قیامت میں اپنا حال دیکھیں گے اور ان کے اعمال کے بارے پوچھا جائے گا۔ پھر مسلمانوں کو اللہ کی بخشش اور جنت کا مستحق پائیں گے اور جب ان کے بتوں اور عقائد کے بارے سوال کیا جائے گا تو تمام مشرکانہ عقائد سے انکار کریں گے۔

اعضاء کی گواہی:۔

احادیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان کو بند کر دیں گے اور اعضاء کو حکم دیں گے تو وہ ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اب موجودہ طب نے تحقیق و تجربات کے بعد معلوم کر لیا ہے کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں بھی دماغ ہے اور اسی طرح دوسرے اعضاء کے اندر بھی کچھ ذہنی صلاحیت ہے جس کی وجہ سے ان کے اپنے نظام اور اعمال کی ترتیب انسانی بدن میں رہتی ہے اور اسی قوت کو اللہ تعالیٰ قوت گویائی میں بدل دیں گے۔ تصویر کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے، کہ اس دنیا میں اپنے کفریہ اعمال اور باطل پر اڑے رہنے والے جب حقائق دیکھیں گے تو اپنے آپ کو جھٹلائیں گے، اپنے اعمال سے انکاری ہوں گے لیکن یہ انکار ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ یہ اعمال صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فائدہ اور نقصان دے سکتے ہیں۔ کاش وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ کے احکام اور نبی علیہ السلام کے پیغام کو مان لیں۔ اور ضد اور منفی انداز عمل ترک کر دیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان میں کچھ وہ (بھی) ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے رہتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر (ان کی بدنیتی کے باعث) پردے ڈال دیے ہیں (سو اب ان کے لئے ممکن نہیں) کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گمراہی (بوجھل پن) چھا گئی ہے اور اگر وہ تمام نشانیوں کو (کھلا بھی) دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتیٰ کہ جب آپ کے پاس

آتے ہیں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں (اس وقت) کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پہلے لوگوں کے قصوں کے سوا (کچھ) نہیں۔

وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ دوسروں کو اسی (نبی کی اتباع وقرآن) سے روکتے ہیں اور (خود بھی) اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ محض اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس (ہلاکت) شعور (بھی) نہیں رکھتے۔

منفی انداز فکر کا اثر:۔

آیات مبارکہ میں مکہ میں اہل مکہ کی دشمنی کا ذکر ہے۔ انسانی نفسیات اور عمل کی تصویر دکھائی ہے کہ دیکھتا ہے سنتا ہے۔ لیکن اس پر غور نہیں کرتا اور اسکو رد کرنے کے لیے بہانے یا حیلے کرتا ہے یہ کردار انسان کی داخلی منفی اوصاف، حسد، کینہ، تکبر کا نتیجہ ہوتا ہے پھر اس عمل کی وجہ سے مثبت انداز فکر سے محروم ہوجاتا ہے اور ناکامی، غلطی پر ڈٹ کر اصلاح اور بہتری سے محروم ہوجاتا ہے کانوں کا بوجھل ہونا اور پردہ حائل ہونا اس منفی انداز فکر کی تعبیر ہے۔ یہ کردار تاریخ انسانی میں انسان کے ساتھ ہے اور رہے گا۔ آیات کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ کے سردار ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، عتبہ، شیبہ کے بیٹے امیہ اور ابی بن خلف، رسول اللہ ﷺ کی باتیں کان لگا کر سن رہے تھے، تو انہوں نے نضر سے کہا کہ جناب محمد ﷺ کیا کہہ رہے ہیں۔ نضر، بڑا داستان گو تھا اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے میرے اور ان (حضرت محمد ﷺ) کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے میں نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کہتے ہیں صرف ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں، جب کہ میں تمہیں گزرے لوگوں کی داستانیں سناتا ہوں، (بحوالہ روح المعانی)۔ پھر اگلی آیات مبارکہ میں ذکر ہے کہ وہ لوگوں کو عمل کرنے سے روکتے ہیں خود بھی نہیں کرتے اس سے بھاگتے ہیں۔ مکہ کے سردار ایسا کرتے تھے ایک روایت کے مطابق اسکا مصداق جناب ابو طالب بن عبد المطلب ہیں کہ وہ سرداران قریش کو حضور علیہ السلام کو ایذاء دینے سے روکتے تھے، لیکن آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے۔ جناب ابو طالب کے

ایمان کے بارے جمہور اہل سنت کی رائے ہیں انہوں نے اعلاناً اسلام کو قبول نہیں کیا، لیکن اہل تشیع اور علوین کے نزدیک وہ مسلمان تھے۔ بہر حال ان کی حضور علیہ السلام کے دفاع کے لئے خدمات قابل احترام ہیں۔ ان مسائل میں الجھنا دراصل اسلام کے بنیادی مقاصد سے روگردانی ہے۔ آیات میں جس انسانی نفسیات کا تجزیہ کیا گیا ہے وہ بہت اہم ہے اور مثبت انداز فکر کسی بھی تبدیلی کے لئے ضروری ہے، ورنہ انسان اپنے اعمال کی وجہ سے اللہ کی توفیق و کرم سے محروم ہو جاتا ہے۔

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۲۷﴾

اگر آپ (انہیں اس وقت) دیکھیں جب وہ آگ (کے کنارے) پر کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے۔ اے کاش! ہم (دنیا میں) پلٹا دیئے جائیں تو (اب) ہم اپنے رب کی آیتوں کو (کبھی) نہیں جھٹلائیں گے اور ایمان والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴿۲۸﴾

ان کے اس اقرار میں کوئی سچائی نہیں) بلکہ ان پر سب کچھ ظاہر ہو گیا جو وہ پہلے چھپایا کرتے تھے اور اگر وہ دنیا میں (لوٹا) بھی دیے جائیں تو پھر وہی دہرائیں گے جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ (پکے) جھوٹے ہیں۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴿۲۹﴾

اور (کافر تو یہ) کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی (زندگی) ہے ہی نہیں اور ہم مرنے کے بعد ہم نہ اٹھائیں (زندہ کئے) جائیں گے۔

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴿۳۰﴾

اور کاش آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کیا یہ (مرنے کے بعد زندہ کیا جانا) سچ نہیں۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے پروردگار کی (بالکل سچ ہے) وہ (اللہ) فرمائے گا کہ اب کفر کے بدلے میں (اس انکار کے باعث جو تم کرتے تھے) اس عذاب کا مزہ

چکھو۔

پچھلی آیات میں انسانی نفسیات کا ذکر تھا جو انسان کی ضد اور حق سے گمراہی میں اسکو مضبوط کرتی ہیں اور اسکے مثبت پہلو کو ختم کر دیتی ہیں اور اس کا محرک یہ ہے کہ یہی دنیا ہے اسکے بعد کوئی حساب وکتاب نہیں نہ ہی قیامت اور حشر ہے۔ آج بھی علمی و سائنسی ترقی کے باوجود بہت سارے لوگ اسی پر یقین کرتے ہوئے آخرت کے منکر ہیں۔ ان آیات میں قیامت میں سزا کی کیفیت اور مجرم کی اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے کہ جب اللہ کی ذات اور اسکے احکام کا انکار کرنے والے دوزخ کی آگ کی ہولناکی دیکھیں گے تو پناہ مانگیں اور درخواست کریں گے کہ اگر وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جائیں تو کبھی احکام کا انکار نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بیانات کو جھوٹا کہیں گے اور فرمایا کہ اگر وہ دوبارہ دنیا میں لوٹائے جائیں گے تو بھی ایسا یعنی انکار اور حکم عدولی کریں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی لوگ تکلیف کے وقت توبہ اور کام نہ کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور جب وہ تلخ وقت یا تکلیف ختم ہو جاتی ہے تو پھر اسی سلسلہ کو شروع کر دیتے ہیں جس کے نہ کرنے کا دوران تکلیف عہد کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ جب ان کے پاس ہدایت تھی اور اسکو ٹھکرایا تو دوبارہ بھی یہ یہی کریں گے اور اسکے نتیجے میں ان کو سزا دی جائیگی۔ ان ساری آیات کا مقصد اس کیفیت کا تصور کرنا اور پھر غور کرنا ہے کہ کہیں ہم اللہ کے احکام سے نافرمانی تو نہیں کر رہے اور اس صورت میں فوراً اسی دنیا میں اصلاح کرنی چاہیے اور توبہ کی مہلت آخر تک اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَ هُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

پس ایسے لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلا دیا یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی (تو) کہیں گے: ہائے افسوس! ہم پر جو ہم نے اس (قیامت پر ایمان لانے) کے بارے میں کیسی کوتاہی کی اور وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے (گناہوں کے) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سن لو! وہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۳۲﴾

اور دنیا کی زندگی (کی عیش و عشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴿۳۳﴾

(اے رسول) بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ (بات) یقیناً آپ کو رنجیدہ کر رہی ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ پس یہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں (نشانیوں) سے ہی انکار کر رہے ہیں (آپ پریشان نہ ہوں)۔

وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ﴿۳۴﴾

اور بے شک آپ سے پہلے (بہت سے) رسول بھی جھٹلائے گئے مگر انہوں نے جھٹلائے جانے اور اذیت پہنچانے پر صبر کیا حتیٰ کہ انہیں ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں (وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔ (تسلی رکھیں)۔

دنیاوی زندگی کی حقیقت:۔

آیات مبارکہ پچھلے مضامین جس میں کفار مکہ کی اسلام دشمنی کا ذکر ہے اور ان کی قیامت کے دن کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والے اس حالت سے عبرت پکڑیں۔ جب اچانک قیامت آجائے گی حساب وکتاب اور اللہ کی ذات کے سامنے جوابدہی ہوگی۔ اس ذات باری کے سامنے جوابدہی کی تشبیہ ملاقات کے لفظ سے فرمائی ہے اور پھر گناہوں کا بوجھ اور سزا کا خوف سر پر مسلط ہوگا اس وقت اس گزرے زمانے پر پشیمانی اور افسوس ہوگا مگر وقت واپس نہیں آئے گا۔ یہ ساری غفلت اور نافرمانی کا سبب کیا ہے اس کا تجزیہ اور ذکر فرمایا کہ دنیا کی زندگی کو انسان ایک دائمی حقیقت سمجھ لیتا ہے اور اس میں ہمیشہ کیلئے گم ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں زندگی کی ضرورت تو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے رکھ دی ہے۔ چونکہ انسان عقل و سمجھ والا جانور

ہے اسلئے اس سے سمجھ و عقل کی توقع ہے اسلئے فرمایا کہ تم عقل یا سمجھ نہیں رکھتے کہ یہ دنیا فانی ہے کوئی انسان ہمیشہ نہیں رہا بلکہ بڑے سے بڑے اور طاقتور سب اس کو چھوڑ کر چلے گئے لہٰذا اس دنیا میں اگر عیش ہے یا تکلیف ہے۔ تنگی ہے یا خوشی ہے سب ایک انسان کے لئے ایک معین مدت کیلئے ہے اور جب تک اس کی قوت و کام والی زندگی ہے اس وقت تک وہ اس سے فائدہ اٹھاتا اور پھر ختم ہو جاتا ہے اسلئے اس پر سارا بھروسہ کرنا اور اسکو دائمی سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ اس لئے لفظ لہو و لعب (کھیل تماشہ) استعمال فرمایا کہ اس لذت و خوشی کی مدت تھوڑی ہوتی ہے۔ لہو سے مراد ایسی چیز جس میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے۔ جس نے پیدا کیا ہے اسکو ماننا اور اسکے احکام پر عمل کرنا ہی صحیح فیصلہ ہے۔

کامیاب زندگی:۔

حضور ﷺ کی زندگی، دنیا کے بارے ایک روشن اور اعلیٰ مثال ہے۔ آپ نے شادیاں کیں۔ حکومت کی۔ قانون کی حکمرانی قائم کی۔ تبلیغ کی۔ عبادت کی۔ لیکن اسکے ساتھ دنیا کو ایک عارضی ٹھکانا سمجھا اور اسکے لئے دوسروں کے حقوق کا پورا خیال رکھا۔ ذاتی آرام اور فائدہ کے لئے نہ دوسرے افراد کو تکلیف دی اور نہ ہی ریاست کے ذرائع استعمال فرمائے۔ آپ نے اپنے کردار سے ایک مناسب اور معتدل طریقہ اختیار فرمایا۔ آپ کے صحابہ کرام میں حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عثمان غنی جیسے اغنیاء بھی تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو ذر غفاری جیسے فقیر منش اور بالخصوص اصحاب صفہ بھی موجود تھے۔ دنیاوی زندگی کی سہولت کیلئے آپ نے مہاجرین وانصار میں اخوت قائم کی لہٰذا اسلام رہبانیت کو پسند نہیں کرتا لیکن دنیا کی خاطر خالق کائنات کو بھلا دینا بھی بہت بڑا جرم ہے۔ دنیا کی مذمت میں جس قدر احادیث ہیں وہ صحیح ہیں ،کیونکہ اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو سلطنتوں، بادشاہوں اور افراد کے اندر فساد کا سبب ان افراد کی ذاتی خواہشات اور مفادات کی ترجیح ہے جسکی مدت صرف دنیا کی زندگی کے دوران ہے۔ اس سلسلے میں جہاں مذمت دنیا پر کئی احادیث ہیں وہاں اسی طرح معاشرہ میں انسانی ذمہ داری اور بھلائی کے کردار کی ترغیب پر بھی کئی ابواب ہیں۔ چونکہ دنیاوی زندگی ہی آخرت کی کھیتی ہے، یعنی اس دنیا کے

کردار پر ہی آخرت کا نتیجہ ہوگا اسلئے اعمال صالحہ، حقوق العباد اور حقوق اللہ کا پورا پورا خیال و عمل ہی نجاعت کا ذریعہ ہوگا۔

مکی زندگی میں تکالیف اور مصائب نے گھیر رکھا تھا اسلئے آیات مبارکہ میں دوسرے انبیاء کا ذکر ہے، جن پر تبلیغ، اصلاح معاشرہ اور مخلوق خدا کی رہنمائی کیلئے کتنے مظالم ڈھائے گئے لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے وہ کامیاب ہوئے اور بگڑے معاشرے سنبھل گئے۔ اللہ کے پیدا کردہ اصولوں پر نظام کائنات کا سلسلہ چل رہا ہے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی لہذا اس پر بھروسہ ہی سب سے اہم ہے

وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اگر آپ پر ان کی روگردانی شاق گزر رہی ہے (کیونکہ آپ ان کے ایمان لانے کے خواہش مند ہیں) تو اگر آپ سے یہ ہو سکے کہ زمین میں (اترنے والی) کوئی سرنگ یا آسمان پر (چڑھنے والی) کوئی سیڑھی تلاش کر لیں پھر (انہیں دکھانے کیلئے) ان کے پاس کوئی (خاص) نشانی لے آئیں (وہ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے)۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر ضرور جمع کر دیتا۔ پس آپ (اپنی شفقت اور رحمت کی وجہ سے ان کے اسلام سے انکار پر بدبختی سے) بے خبر نہ ہوں۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

بے شک (دعوت حق) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اسے (سچے دل سے) سنتے ہیں اور مردوں (یعنی منکروں) کو اللہ (حالت کفر میں قبروں) سے اٹھائے گا، پھر وہ اسی (اللہ) کی طرف (جس کا انکار کرتے تھے) لوٹائے جائیں گے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول پر) اس کے رب کی طرف سے (ہر وقت ساتھ رہنے والی) کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ کہہ دیجئے۔ بے شک اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ (ایسی) کوئی نشانی اتار دے لیکن ان

میں سے اکثر لوگ (اسکی حکمتوں کو) نہیں جانتے۔

آیات مکی زندگی کے دوران نازل ہوئیں اور اس وقت کے واقعات سے متعلق ہیں۔ حضور علیہ السلام پوری کوشش کر رہے تھے کہ اسلام اور اللہ کے پیغام کو پہنچائیں ۔ دوسری طرف قریش اور اہل مکہ پوری مخالفت کر رہے تھے اور اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ بہت تھوڑا ہو رہا تھا۔ بحیثیت مبلغ اور نبی آپ ﷺ کے لئے یہ نتیجہ پریشان کن تھا اور اس کا خطرہ تھا کہ کہیں آپ مایوسی اور ناامیدی کی طرف نہ چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ آپ کی تسلی فرمائی، کہ وہ اگر حق کو قبول نہیں کرتے تو آپ ان کے لئے اپنی جان کو نہ ستائیں، پریشان نہ ہوں۔ جد وجہد جاری رکھیں کسی کو زبردستی دین قبول نہیں کرایا جا سکتا۔ جنہوں نے ضد، انا اور تکبر کی وجہ سے اسے قبول نہیں کرنا ان کے لئے جتنی بھی آپ کوشش اور محنت کریں گے وہ انکاری رہیں گے (اللہ تعالیٰ نے محنت وجد وجہد کی مثال آسمان پر سیڑھی لے جانا اور زمین پر سرنگ لگانے سے دی ہے دونوں کام بہت مشقت طلب ہیں)۔ چونکہ یہ ضد پر ہیں لہذا یہ گویا نہ سن رہے نہ دیکھ رہے ہیں اور مردہ آدمی کی طرح ہیں۔ ان کے مطالبات ضد کی وجہ نہ پورے ہونے والے ہیں اور اللہ معجزات کو حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ معجزہ کے بعد انکار پر تباہی لازم ہے اور اس حکمت کو یہ نہیں جانتے۔ اسکے باوجود نبی علیہ السلام نے کئی معجزے بھی کفار کو دکھائے تھے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ساری مخلوق اس کی تابعدار ہوتی ، لیکن پھر اختیار اور جنت و دوزخ کی تقسیم، ختم ہو جاتی۔ لہذا دین میں جبر نہیں، مبلغ کا کام پیغام کو انتہائی دل پسند انداز میں پہنچانا ہے اور اسکے لئے مسلسل کوشش کرنا ہے۔ زبردستی سے کسی کو تابع بنانا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی عطا کی ہے ان آیات میں جدید مینجمنٹ اور مارکیٹنگ تکنیک کی طرف رہنمائی کی ہے کہ جد وجہد، حکمت کے ساتھ ہو اور مایوسی سے دور ایک امید کے ساتھ عمل مسلسل رہے اور ادمی رکاوٹوں سے نہ گھبرائے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓىِٕرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ۝۳۸

اور (غور کرو انسانو!) کوئی بھی زمین پر چلنے والا جانور اور پروں سے اڑنے والے پرندے نہیں ہیں مگر تمہاری مثل مخلوق (امت)۔ ہم نے کتاب (لوح

محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر سب (مخلوق) اپنے رب کے سامنے جمع (اکھٹے) کئے جائیں گے۔

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَ مَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۳۹)

اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے اور اندھیروں (گمراہی) میں بھٹک رہے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۴۰)

آپ (ان منکرین سے) کہیے بھلا یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کس کو پکارو گے (بچنے کے لئے) اگر تم سچے ہو۔

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ (۴۱)

(ایسا نہیں) بلکہ تم اسی (اللہ) کو پکارو گے پھر جس مصیبت (کو دور کرنے) کے لئے تم اسی کو پکارتے ہو، اگر وہ چاہتا ہے تو دور کر دیتا ہے اور تم (اس مصیبت کے وقت) ان سب (بتوں) کو بھول جاتے ہو، جن کو (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو۔

مخلوق سے خالق کا علم:۔

آیات مبارکہ پچھلے مضامین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت اور اسکے وجود پر دلائل کا سلسلہ جاری ہے۔ ان آیات میں جدید تحقیق اور سائنسی علوم کا حوالہ دیا گیا ہے انسان کے قریب اسکے اس دنیا پر ساتھی حیوانات و پرندے ہیں جن کو اپنے اردگرد دیکھتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے ان کے وجود، نظام، طریقہ حیات، زندگی اور موت کے بارے جستجو اور تحقیق کی دعوت دی ہے، کہ یہ حیوانات ہوں یا حشرات الارض، ہوا میں اڑنے والے پرندے ہوں سارے زندگی، پیدا ہونا، بڑھنا، کھانا اور پھر مر جاتے ہیں۔ یہ انسانوں کی طرح مخلوق ہیں اور جو خالق انسان ہے، وہی ان کا خالق ہے۔ احادیث کے مطابق اللہ کی ذات ان حیوانات کو بھی اکھٹا کرے گی جس کی تائید اس آیت میں آئی ہے۔

اب تحقیق میں علم الحیوانات (ذیالوجی) نے حیوانوں پر بہت معلومات ہم تک پہنچائی ہیں ۔ہر حیوان کے خواص، عادات، اور کچھ کے خواص تو انسانوں سے بہت مختلف ہیں۔چوہے، گھوڑے، چیونٹیاں، کچھوے، عقاب، الو، چمگادڑ، گائے، بکری، بھیڑ، عرض ایک عالم ہے جس کی معلومات ابھی تک ناکافی ہیں۔اور پرندوں پر تحقیق نے انسان کے لئے ہوا میں طیارے (جہاز)،اسی طرح علم طب وصحت میں حیوانات پر تجربات کر کے،ان سے انسانی ردعمل کے بارے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں حیوانات اور پرندوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ وہ بھی مخلوق ہیں۔ اگر انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے تو ان کا خیال بھی لازمی قرار دیا ہے ۔یہ اسلام کا ماحولیات اور مخلوقات کے بارے اصولی موقف وتعلیمات ہیں۔(تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے)۔

ساتھ ہی اللہ تعالی نے اس نظام کائنات میں تربیت اور عمل کے بارے فرمایا۔ ہر چیز کا اسکے ہاں حوالہ، معلومات، طریقہ کار موجود ہے اور ہر چیز ریکارڈ پر ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ذریعہ لوح محفوظ مراد ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات اور جانوں کا ریکارڈ رکھا ہوا ہے۔ ہماری زمین اور ہماری کائنات اس کا بہت معمولی حصہ ہے ۔آج ہم سائنس کی ترقی اور نظام کائنات میں ایک نظام،ربط،سے واضح طور پر اخذ کر سکتے ہیں، کہ یہ نظام انسانی عقل سے کئی درجہ بلند اور مضبوط اور منظم ہے۔ اسکے ساتھ قرآن مجید، انسانوں کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا ہے،اسی لئے انسانی ضروریات کے ساتھ علوم کا اشارۃً اس میں راہنمائی موجود ہے۔وہ نیچرل سائنس ہو، معیشت، سیاست، سماجی معاملات، ہوں کائنات کا نظام ہو، سب کے لئے راہنمائی کے اشارے موجود ہیں۔ جس طرح اس آیت میں حشرات الارض، حیوانات اور پرندوں کے بارے ذکر ہے۔ ان تمام دلائل کے اور عقل وسمجھ عطا کرنے کے باوجود اگر انسان، کائنات، اپنے وجود اور ارد گرد کے عالم حیوانات ونباتات پر ضد کی وجہ سے غور نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے محروم کر کے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، اور پھر وہ عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ جو انسان ان امور پر غور کر کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے,اسے ہدایت کی راہنمائی فرماتا ہے اس سے انسانی عمل اور رویہ کی اہمیت بھی واضح کی ہے.

ان تمام معلومات کے بعد انسانی عقل سے سوال ہے کہ وہ خالق سے کیوں انکاری ہے اور پھر جب اسے سخت پریشانی (زندگی اور موت) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، تو اسباب و وسائل کو چھوڑ کر اسی ذات کو یاد کرتا ہے، لیکن عمومی حالات میں وسائل اور اسباب میں گم ہو کر اس خالق اور مسبب الاسباب (اسباب بنانے والا) کو بھول جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ذات عظیم بھی اگر چاہے تو عنایت فرماتی ہے، اس سے یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس سے انکار کرنے والی مخلوق، کی بھی التجائیں قبول کرتا ہے اور جس کو عقائد کی زبان میں استدراج کہا جاتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴿۴۲﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے پھر ہم نے ان کو (نافرمانی کے باعث) تنگدستی اور تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا تاکہ وہ گڑگڑائیں (غلطی کی معافی مانگیں)۔

فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾

پھر جب ان تک سارا عذاب آ پہنچا تو انہوں نے عاجزی وزاری کیوں نہ کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے لئے وہ (گناہ) جو کیا کرتے تھے آراستہ کر دکھائے تھے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴿۴۴﴾

پھر جب انہوں نے نصیحت کو، جو ان کو کی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز (کی فروانی) کے دروازے کھول دیے۔ جہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں (لذتوں راحتوں) سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے انہیں اچانک (عذاب میں) پکڑ لیا تو اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۵﴾

پس ظلم کرنے والی قوم کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تخیل کا دھوکہ:۔

آیات مبارکہ پچھلے مضمون، جس میں توحید اور وجود باری تعالیٰ کے عقلی دلائل کا ذکر ہے، ان آیات میں ان دلائل کے باوجود، انسان کے ان حقائق سے نظر چرانے اور اپنے خیالات خواہشوں کے پیچھے بھاگنے کے جذبہ و استعداد کے نقصانات کا ذکر ہے۔ تاریخ کے حقائق جس میں عروج و زوال کی کہانی کو بیان فرمایا، کہ تمام قوموں کی طرف راہنمائی کرنے کیلئے نبی بھیجے گئے۔ ایک سوال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی قوت طاقت کے باوجود ان قوموں کو جو اسکے وجود سے اس کی عبادت، اس کے احکام سے انکاری ہیں کو کیوں بعض اوقات طاقت اور عظمت، یعنی عروج عطا کرتا ہے اور یہ قومیں کیوں اللہ کے احکام سے انکاری ہوتی ہیں۔

سوال کا جواب یہ فرمایا کہ انسان میں اختیار، علم اور سوچ کی قوت ہے۔ ساتھ ہی شیطان یا بدی کی قوت، انسان کے ان خیالات کو جو ظاہری یا انفرادی طور پر، کسی شخص یا طبقہ کے لئے مفید ہوتے ہیں (بالخصوص حکمران طبقہ یا افراد) ان کے خیالات کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، جسکی وجہ سے وہ فرد یا طبقہ، اس کام کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھ کر کرتا ہے۔ ہر برا کام کرنے والے کا محرک ایک خیال ہوتا ہے۔ وہ اس عمل میں کوئی نہ کوئی اپنی ذات کے لئے بہتری دیکھ کر عمل کرتا ہے۔ یہی بات جدید نفسیات اور علم الجرائم ,(کرمنالوجی) میں تحقیقات کے بعد ثابت ہوئی ہے، جسے آیت میں **زین اعمالھم** یعنی ان کے کاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، فرمایا ہے۔

معاشرہ میں افراد پر، تکالیف اور آسانیاں آتی ہیں اور اس کو عقل مند اپنی راہنمائی کا سبب بناتے ہیں جس طرح ہم اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں اور وہ کامیابی کا راستہ حاصل کرتے ہیں۔ اہل ایمان، اگر عدل، انسانیت پسندی۔ حقوق اللہ- حقوق العباد پر عمل کر رہے ہیں اور مصائب ہیں تو اسے امتحان یا آزمائش سمجھتے ہیں اور اگر معاشرہ میں خوشحالی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھتے ہیں اور شکر گزار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اگر معاشرہ میں ظلم ہے، انسانی حقوق کی پاسداری نہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود سے بھی انکاری ہیں، تو اس سلسلہ میں ترقی ایک خطرے کا سبب ہے، کیونکہ اس کے بعد میں زوال یا عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ جس طرح دنیا کی تاریخ سے ثابت ہے، یہ معاشی و

معاشرتی ترقی کچھ عرصہ رہے گی، اگر وہاں عدل کا نظام ہے تو اس کا عرصہ طویل ہوگا اور اگر عدل بھی نہیں تو اس کا عرصہ بہت تھوڑا ہوگا۔ کیونکہ کفر تو رہ سکتا ہے لیکن ظلم نہیں رہ سکتا۔ اور زوال اچانک عذاب کی صورت میں پکڑ لیتا ہے۔ جس طرح پہلی قوموں کی تاریخ اور قرآن میں واقعات مذکور ہیں۔ حدیث مبارکہ میں روایت حضرت عقبہ بن عمرؓ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے باوجود ان کے سوالوں کے مطابق عطا فرما رہا ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے استدراج اور ڈھیل ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **فلما نسوما ذکر بہ** پھر جب اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔) مسند امام احمد بن حنبل۔ اس طرح کے لوگوں کو ظالم فرمایا کہ وہ معاشرہ میں ظلم، فساد، انسانی تفریق اور سماجی وطبقاتی مظالم کو پروان چڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اسی کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

آپ کہہ دیجئے (ان سے) کہ تم یہ بتاؤ اللہ تمہاری سننے کی قوت اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں (عقلوں) پر مہر لگا دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ایسا ہے جو یہ (نعمتیں دوبارہ) تمہارے پاس لے آئے۔ دیکھیے ہم کس طرح آیتیں بیان کرتے ہیں پھر (بھی) وہ منہ موڑے جاتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

آپ (ان سے) یہ کہہ دیجئے کہ تم مجھے بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک (تمہیں خبر نہ ہو) یا کھلم کھلا آن پڑے (ان دو صورتوں میں)؟ تو کیا ظالم قوم کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے رسولوں کو صرف اس لئے بھیجا آخر خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں، پھر جو ایمان لایا اور اصلاح (عمل کے ذریعہ) کر لی تو ایسے لوگوں کو

نہ خوف ہوگا اور نہ ہی غمگین ہوں گے۔

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴿۴۹﴾

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں / آیتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴿۵۰﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے (یہ) نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے (یہ) کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی (حکم) کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف کیا جاتا ہے۔ کہہ دیجئے! کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴿۵۱﴾

اور آپ اس (قرآن) کے ذریعے ان لوگوں کو خبردار کیجئے جن کو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اللہ کے سامنے (قیامت کے دن) جمع کئے جائیں گے اور اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، تاکہ وہ گناہ سے بچتے رہیں۔

پچھلی آیات کے مضامین کو مکمل کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت طاقت کے دلائل منکرین مکہ پر تعلیمات وحی کے مطابق حضور علیہ السلام پیش کرتے تھے اور نافرمانی کے نتیجہ میں عذاب، پرانی امتوں کے واقعات کی خبر اور قیامت کے ہولناک مناظر سے بھی آگاہ کرتے تھے کہ جب عذاب الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ لیکن کفار مکہ اپنی ضد، تکبر اور حسد کی وجہ سے، بجائے اسکے کہ ان آیات اور نشانیوں پر غور کرتے عجیب و غریب سوالات کرتے، مثلاً پہاڑ سونا بن جائے، اگر نبی ہیں تو ان کے پاس ہر وقت فرشتہ ساتھ کیوں نہیں ہوتا، ان تمام غلط سوالات اور بحث کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا! آپ کہہ دیں کہ میں تو وحی الٰہی کے مطابق تمہیں اسکے عذاب

سے ڈراتا ہوں اور نیک اعمال کی صورت میں انعام کی خوشخبری دیتا ہوں۔ میرے پاس تو ذاتی خزانے نہیں، کہ تمہیں تمہاری خواہشوں کے مطابق عطا کروں اور نہ ہی میرے پاس ذاتی علم ہے کہ احکام یا جنت ودوزخ کے بارے تمہیں بتاؤں۔ قیامت کی خبر دوں۔ تم ان پر غور کرو، ضد اور حسد کو چھوڑ کر حقیقت کو جانو۔ کئی دفعہ ابو جہل نے کہا کہ بنو ہاشم کے پاس کعبہ اور زمزم کی ذمہ داری ہے اور اگر نبوت بھی ان کے پاس چلی گئی تو ہمارے (دوسرے قریش) کے پاس کیا رہ جائے گا۔ اگرچہ وہ حضور علیہ السلام کے سچے اور امانت دار ہونے کا اقرار کرتے تھے لیکن پیغام سے ضد اور حسد کی وجہ سے انکار کرتے تھے اور فرمایا دیکھنے والے بنیں اندھے نہ ہوں اور حسد کو چھوڑ کر عقل اختیار کریں۔ انسانی زندگی میں ضد۔ حسد۔ تکبر وہ منفی قوتیں ہیں جو فساد اور تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ غور وفکر کرکے ہی ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اسلئے غور کرنے کو کہا ہے۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور آپ ان لوگوں کو دور نہ کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کو، اسکی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں۔ ان کے حساب (جزا وسزا) میں سے آپ پر کوئی چیز نہیں اور نہ آپ کے حساب میں سے کوئی چیز ان پر ہے۔ (اگر) پھر بھی آپ انہیں دور کردیں تو آپ حق تلفی کرنے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتے ہیں تاکہ وہ (دولت مند / غریب کو دیکھ کر استھزاً) یہ کہیں: کیا ہم میں سے ہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں۔

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں (نشانیوں) پر ایمان

رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلام ہو اور تمارے رب نے اپنی ذات پر رحمت لازم کرلی ہے۔ سو تم ہی میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے پھر اسکے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرے تو بے شک وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۠﴿۵۵﴾

اور اسی طرح ہم تفصیل کے ساتھ آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہوجائے۔

آیت مبارکہ میں کفار مکہ کے رویہ کا ذکر تھا اسی سلسلہ میں انسانی رویوں کے بارے آیات مبارکہ ہیں. شان نزول یہ ہے کہ اقرع بن حابس تمیمی اور عینیہ بن حصن فزاری آئے ,انہوں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے پاس مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صہیب۔ حضرت بلال- حضرت عمار-حضرت خباب رضالله عنھم ،پہلے بیٹھے ہوئے تھے جب مشرکین نے ان کو نبی علیہ السلام کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مسکین مسلمانون کو حقیر جانا۔ پس وہ آپکے پاس تنہائی میں بیٹھے اور کہنے لگے، ہم آپکے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ توجب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں تو آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ آپ نے فرمایا! اچھا تو انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے لکھنے کیلئے کاغذ منگوایا۔ حضرت خبابؓ جو اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں ہم ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اور حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ سے اشارۃً یہ کہا کہ مالدار کافروں کی دلجوئی کے لئے مسکین کافروں کو مؤخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اپنے اس مشورہ سے معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ہم چھ نفوس کے متعلق نازل ہوئی میرے متعلق، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت بلالؓ، قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم ان لوگوں کے پیروکار بننے سے راضی نہیں ہونگے، آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضور چونکہ شدت سے تمنا رکھتے تھے کہ مسلمان زیادہ تعداد میں ہوں، بالخصوص صاحب اثر سردار، افراد کے اسلام لانے سے زیادہ اسلام پھیلانے کا امکان تھا اور زیادہ فائدہ تھا۔ شاید اس وجہ سے آپ کے دل میں خیال آیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

اخلاص کی اہمیت ومقام:۔

ان آیات نزول کے بعد حضرت خبابؓ جن کی روایت شان نزول میں ذکر کی گئی ہے فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے قریب بیٹھتے تھے حتیٰ کہ ہم اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں مبارک کے ساتھ ملا کر بیٹھتے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے تھے جب آپ ﷺ اٹھ جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے۔

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا۔ نبی علیہ السلام جب ان کو دیکھتے تو پہلے سلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا جن کے متعلق مجھے ابتداء سلام کرنے کا حکم ہے۔

آیت مبارکہ میں انسانوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے تفریق رکھی ہے کسی کو دولت دی، کسی کو حسن۔ کسی کو صحت، طاقت کسی کو کمزوری، کسی کو سرداری، کسی کو تابعداری، غرض یہ اختلاف، انعامات اسکی ایک آزمائش ہے کہ لوگ اس کے انعامات کو کس طرح استعمال کرتے ہیں کیا وہ مخلوق کے لئے اس کو عذاب بناتے ہیں یا ان کے لئے ایک فائدہ کا سبب بناتے ہیں۔ کسی بھی نعمت کا اچھا استعمال معاشرہ کے لئے مفید اور اسکا غلط استعمال، معاشرہ کے نقصان دہ ہوتا ہے

اسلئے ضروری ہے کہ اسکا صحیح استعمال کیا جائے ورنہ اسکا عذاب قیامت کے دن ہوگا۔ آیات مبارکہ سے چند اہم اصول واضح ہوتے ہیں جو مسلمان کے لئے بہت اہم ہیں۔

1. فضیلت کیلئے دنیاوی عظمت یا دولت اہم نہیں بلکہ اپنے مقصد کی لگن اور اللہ تعالیٰ کی تابعداری (تقوی) کی بناء پر ہے جس طرح آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ فضیلت حسب ونسب یا دولت وغربت پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری (تقوی) کی بناء پر ہے۔ یعنی اعمال صالحہ اور انسانیت کے لئے بھلائی معیار فضیلت ہے۔ کسی کو محض اسکی شکل و صورت۔ معاشی دولت کی بناء پر عزت دینا اور کسی کو مفلسی کی بناء پر حقیر جاننا غلط ہے۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں راہ سوارے باشد

(فقیر اور خاکسار لوگوں کو حقارت سے نہ دیکھو تمہیں کیا معلوم کہ جسکو صرف گردوغبار سمجھ رہے ہو اسمیں کوئی تیز گھوڑ سوار جارہا ہے)۔

2. اچھے کردار اور نیک لوگوں کا احترام کرنا بالخصوص اولیاء اللہ اور علمائے ربانی کا ضروری ہے۔

3. انسانوں میں جو رزق اور دوسرے معاملات میں تفریق ہے اسکو منفی طرز عمل کے بجائے مثبت انداز میں معاشرے کی ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ انسانی مساوات کا خیال ضروری ہے۔ مثلاً سرمایہ دار تاجر مزدور کے بغیر کارخانہ نہیں چلا سکتا اور مزدور کو اپنی روزی کے لئے مزدوری کرنا ضروری ہے اسلئے باہمی تعاون کا جذبہ ہونا چاہیے۔

4. اگر کسی مقام پر کوئی کوتاہی یا غلطی ہوجائے تو فوراً معافی کا طلبگار ہونا چاہیے نیز لاعلمی کی بناء پر غلطی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی کی گنجائش موجود ہے لیکن جاننے پر فوری اصلاح اور توبہ ضروری ہے۔

5. صبح و شام کے اوقات عبادت کے لئے مقبول اوقات ہیں۔ اسلئے صبح فجر کے بعد طلوع آفتاب کا وقت بڑا برکت والا ہے اسی طرح سونے سے پہلے اللہ کا ذکر یا رات کو تہجد کا بڑا مقام ہے۔ اس سلسلہ میں کافی احادیث موجود ہیں۔

6. اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیے اور کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے امید

ایک ایسی قوت ہے جو کامیابی کا زینہ بنتی ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ﴿۵۶﴾

آپ کہیے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان (جھوٹے خداؤں) کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا اگر ایسے ہو تو میں یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں سے نہ رہوں گا (اور یہ ممکن نہیں)۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴿۵۷﴾

آپ کہیے۔ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ میرے پاس وہ (عذاب) نہیں جس کی تم کو جلدی ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہی ہے اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴿۵۸﴾

کہہ دیجئے (ان کو) اگر وہ (عذاب) میرے حکم میں ہوتا جسے تم جلدی چاہتے ہو تو یقیناً میرے اور تمہارے درمیان کام تمام ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

قریش اور کفار مکہ کے رویوں جو کہ ضد، تکبر اور فساد کی وجہ سے تھے کا ذکر ہے۔ وہ کئی دفعہ یہ کہتے کہ ہم صحیح دین پر ہیں اور آپ ہمارے بزرگوں کے دین کے خلاف کیوں ہیں۔ آپ نے واضح کیا کہ آپ بتوں کی عبادت نہیں کر سکتے کیونکہ آپ دنیا کو ہدایت دینے کے لئے ہیں، لہذا ان کو اس بات کو دل سے نکال دینا چاہیے کہ آپ اپنی تبلیغ سے رک جائیں گے۔ جب آپ انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تو مذاق میں عذاب کی دعوت دیتے اور کہتے کہ کب آئے گا اگر آپ سچے ہیں۔ ایک دفعہ نضر جو کہ سردار تھا کہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا، اے اللہ، جو یہ (محمد ﷺ) کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے (اسباب للنزول واحدی)، تو آپ نے فرمایا کہ ساری طاقت اللہ کے ہاتھ ہے

۔ میرے پاس نہیں اگر میرے ہوتی تو شاید ضرور ہو چکا ہوتا۔ آپ رحمت اللعالمین تھے لہذا آپکا یہ جواب اس وجہ سے تھا کہ کفار مکہ خود عذاب کیلئے دعوے کرتے، کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ عذاب پر ان کی طلب اور اصرار کی وجہ سے آپ موافقت فرمارہے تھے ورنہ طائف کے موقع پر بھی آپ نے عذاب والے فرشتے کو واپس کر دیا تھا۔

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور غیب (علوم) کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں (اسکی قدرت وملکیت ہیں) انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا اور وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور پانی (سمندر) میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں ہے۔

پچھلی آیت میں عذاب الٰہی کے وقت نزول کے بارے ذکر تھا۔ اسی مضمون کو بہت خوبصورت انداز سے یعنی علوم غیبی کی کنجیاں ،ایک چیز کا غائب ہونا، پھر حفاظت میں ہونا اور پھر اس پر تالا اور کنجی۔ کس قدر اہم معلومات کا بیان، بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا اظہار فرمایا، جو اس وقت کے عامی علمی سطح اور آج کی تفصیلی تحقیقات کے اصولوں اور معلومات پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور قائم بالذات ہے۔ تمام کائنات کے امور جو انسان یا کوئی اور مخلوق جانتی ہے اور جو نہیں جانتی سب کو حاوی ہے۔ انسان کے پاس جو علوم ہیں، وہ سب اسکو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں۔ اگر انسان میں استعداد نہ ہوتی تو کیسے یہ علوم کو وہ حاصل کرتا۔ انسانوں کے علوم کے درجے مختلف ہیں اور جس طرح اللہ نے مختلف انسانوں پر مختلف انعام کئے ہیں۔ اسی طرح علم کا نور بھی اسکا انعام ہے اور ہر انسان کا درجہ مختلف ہے۔ انبیاء علیہ السلام اپنے اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق اور ذمہ داری کی بناء پر علم وعمل میں تمام انسانوں سے بلند ہیں۔ تمام انبیاء میں انبیاء کے سردار، سب سے افضل ہیں۔ آیت میں تمام عمومی علوم کے ذرائع اور حدود کا ذکر فرما کر عام انسان کے لئے معلومات اور محققین کے

لئے تحقیق کے دروازے کھٹکھٹانے کا اشارہ فرمایا۔ زمین اور پانی، معمولی پتہ جس میں درخت اور پودے شامل ہیں۔ ایک دانہ معمولی سا، جس میں تمام فصلیں، خشک و تر، زندہ اور مردہ۔ اندھیرا اور روشنی، جو چیزیں چھپی ہیں اور ظاہر ہیں سب کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا یہ سب اسکے پاس ایک ریکارڈ کی صورت میں موجود ہے، جسے ہم لوح محفوظ بھی کہہ سکتے ہیں آج ہم کمپیوٹر کی ترقی سے محسوس کر سکتے ہیں کہ ان تمام معلومات کا ذخیرہ ممکن ہے۔ اگر ایک انسان بہت بڑا ذخیرہ اکھٹا کر سکتا ہے (دیکھیے گوگل کے ہاں معلومات) تو اللہ تعالیٰ کی طاقت اسکے فرشتے ذرائع۔ انسان کے خیال سے بھی بہت آگے ہیں اس ذات باری کے لئے کیا مشکل ہے۔ سبحان اللہ تیری ذات ظاہر ہے باطن ہے علیم اور خبیر ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۰)

اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض فرمالیتا ہے اور جو کچھ دن کے وقت کماتے ہو وہ جانتا ہے پھر وہ تمہیں دن میں اٹھادیتا ہے تاکہ معینہ معیاد (زندگی) پوری کر دی جائے پھر تمہارا لوٹنا اسی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ان (اعمال) سے آگاہ کرے گا جو تم (زندگی میں) کرتے تھے۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ (۶۱)

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر (فرشتوں کو) نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اسکی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ خطا (کوتاہی) نہیں کرتے۔

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ (۶۲)

پھر وہ سب اللہ کے حضور لوٹائے جائیں گے جو ان کا (سچا) مالک حقیقی ہے۔ جان لو حکم اسی کا ہے اور بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

آدھی موت:۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے بارے انسان کو یاددہانی ہے اور زندگی کے بے بسی کی تصویر کھینچی ہے۔ دن کو تمام قوت سے کام کرنے والا جسم رات کو نیند میں بے سدھ ہو کر بے حس ہو جاتا ہے۔ اس کے حواس خمسہ کافی حد تک کمزور یا ختم ہو جاتے ہیں ۔اس کو اپنے ارد گرد کی خبر نہیں ہوتی اور وہی متحرک اور مضبوط جسم ایک بے حس لاش کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ یہ ہے نیند ،جو انسانی زندگی کیلئے بہت ضروری ہے ، لیکن انسانی طاقت کو ختم کر دیتی ہے۔ اسلئے نیند کو نصف موت کہا گیا ہے۔ **نیند** جسم کے لئے آرام کا دورانیہ ہے جو کہ جسم میں مختلف اقسام کے ھارمون جو کہ متحرک (ایکٹو) ہوتے ہیں اور جسم اور ماحول کے ضرورت کے مطابق سگنلز کا جواب میں رد عمل کرتے ہیں، اس دوران کمزور ہو جاتے ہیں اور آنکھ کی تیز حرکت ختم ہو جاتی ہے ۔ یہ نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی نظام جسم کا حصہ ہے۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو بھی انسان کی کیفیت نیند، کی طرح کی غنودگی سی ہو جاتی ہے۔

اعمال کا ریکارڈ:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اسکے فرشتے انسان کے ساتھ ہیں۔ اسلئے جب اسکا حکم آتا ہے روح قبض کرتے ہیں ان کا فرض نگہبانی ہے اور ان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ غلطی یا اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حساب وکتاب لکھنے والے فرشتوں کو احادیث میں کراماً کاتبین کہا گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ تصور جو ایک حقیقت ہے، کس قدر نفسیاتی طور پر انسان کے لئے اہم ہے کہ اگر دو قوتیں اسکے ہر اچھے اور برے کام کو تحریر کر رہی ہوں، تو اچھے اعمال کرنے اور برے اعمال سے رکنے کا محرک پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتے عقائد اسلامی کے مطابق ایک نوری مخلوق میں یعنی روشنی سے پیدا ہوئے ہیں اسکی ایک ادنیٰ مثال مصنوعی عقل (artificial intelligence) ہے جو کہ الیکٹرونک موجوں کے ذریعے جو کہ مقناطیس، برقی اور روشنی کی طاقت کے ذریعے کام کرتی ہے، اپنے کام میں کوئی غلطی نہیں کرتے اور یہاں تک کہ اس کے ذریعہ انسان چاند، مریخ اور اسکے آگے تک کے فاصلوں تک معلومات حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ کے فرشتے، انسان کی مصنوعی عقل سے بہت بڑھ کر ہیں لہذا اب انسان کے ساتھ فرشتوں کا ہونا اور ان کا انسان پر اثر انداز ہونا ایک معجزاتی عمل نہیں بلکہ سائنسی تحقیق

نے اس کو ایک حقیقت بنا کر ثابت کر دیا ہے۔ وہی مالک جو نیند کے ذریعہ راحت دیتا ہے، آدھی موت کی کیفیت میں ڈال دیتا ہے پھر زندگی لے لیتا ہے وہی ذات قیامت کے دن دوبارہ زندگی عطا کر کے حساب و کتاب لے گا۔ اسکا حکم رہے گا اور اسکا حساب بڑا مکمل اور سخت ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴿۶۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ بیابانوں اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ (اس تکلیف کے وقت) تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اسی کو پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے نجات / چھٹکارا دے تو ہم ضرور شکر گزار میں ہو جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴿۶۴﴾

کہہ دیجئے! کہ اللہ تمہیں اس (مصیبت) اور ہر تکلیف سے نجاعت دیتا ہے پھر بھی شرک کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴿۶۵﴾

وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر کے آپس میں بھڑائے اور بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ دیکھئے! ہم کس کس طرح آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ کی قوت و اسکی عظمت کے دلائل جاری ہیں کہ جب آدمی کو کوئی اور سہارا نظر نہیں آتا تو اسکی ذات کی طرف گڑگڑاتا ہے یہ نفسیاتی عمل انسانی مزاج کا حصہ ہے لیکن پھر جب تکلیف ختم ہو جاتی ہے تو بہت جلد اس کیفیت کو بھول جاتا ہے اور اسی طرح اپنی پرانی ڈگر پر چل پڑتا ہے لیکن جو آدمی خدا پر یقین کرتا ہے وہ دونوں صورتوں میں ایک ہی طرز پر مطمئن رہتا ہے لیکن ایک منافق یا نہ ماننے والا آدمی اس رویہ کی وجہ سے کہ وہ کبھی مانتا ہے اور کبھی مکر جاتا ہے اللہ تعالیٰ انسانوں یا معاشروں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہ عذاب کی کیفیت بہت بری ہو سکتی ہے۔

معاشی عذاب یعنی غربت اور افلاس معاشرہ پر چھا جاتی ہے کبھی غربت و افلاس نہیں رہتی مگر جرائم کا خوف بہت پھیل جاتا ہے۔ امن وسکون تباہ ہو جاتا ہے اور تباہی شروع ہو جاتی ہے اور سارا معاشرہ تہس نہس ہو جاتا ہے یہ ساری نشانیاں اہل عقل کے لئے ہیں جو ان حالات کے آنے سے پہلے اللہ کے احکام پر (حقوق العباد و حقوق اللہ) پر عمل کر کے، بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ سمجھو اور فقہ سے مراد، حاضر یا معلوم علم سے نامعلوم علم کو حاصل کرنا ہے (المفردات) اور یہی علمی ترقی اور تحقیق ہے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تحریر ہے کہ جب آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام بہت پریشان ہوئے کیونکہ دنیا میں عذاب کی شدید تین صورتیں ذکر کی گئیں۔ آپ نے طویل نماز پڑھی اور ذات باری تعالیٰ سے معافی اور درگزر کی درخواست کی۔ احادیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت عام عذاب (قحط) سے نہ مرے۔ نہ ان پر دشمن غالب آئے جو انہیں ہلاک کر دے اور نہ ان پر آپس کی لڑائی اور داخلی فساد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے واپس نہیں ہوگا۔ کہ آپکی امت عذاب سے ہلاک نہیں کروں گا، ان پر ان کے دشمن کو مسلط نہیں کروں گا جو کہ انہیں مکمل طور پر ہلاک کرے۔ ہاں البتہ وہ آپس مین ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے۔ لڑائی کریں گے پھر حضور نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے گمراہ اماموں (رہنماؤں) سے ڈرتا ہوں کہ اگر ایک دفعہ تلوار چل پڑی تو قیامت تک نہیں اٹھے گی (چلتی رہے گی)۔ (انی لاخاف علی امتی الائمہ المضلین، فاذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنھم الی ےیوم القیامہ۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر)۔

موجودہ حالات میں امت مسلمہ میں عمومی کردار اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے انکار اور حضور علیہ السلام کے کردار کی اتباع نہ کرنے کی وجہ سے جو فساد پھیلا ہوا ہے وہ ہمارے سامنے ہے اسکا بڑا محرک تشدد ہے اور تشدد کا محرک گمراہ علماء اور گمراہ رہنما (المضلین) ہیں جن کے پاس معاشر میں طاقت اور اختیار ہے اور یہی حدیث مبارک میں بیان ہے۔

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍؕ﴿۶۶﴾

اور تمہاری قوم نے اس کو (قرآن) کو جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر سچ (حق) ہے۔ کہہ دیجئے میں تم پر نگران نہیں ہوں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴿۶۷﴾

ہر چیز کا وقت مقرر ہے اور تم عنقریب جان لو گے۔

آیات مبارکہ پچھلے موضوع کے ساتھ کفار مکہ کی کیفیت بیان کر رہی ہے کہ وہ حق سے منکر ہیں اور ہر عمل کیلئے ایک وقت معین ہے جس پر وہ واقع ہوتا ہے افراد کے عذاب وجزا کی تمنا کوئی اہم نہیں۔

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۶۸﴾

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہوں تو تم ان سے کنارہ کش ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں یہ (بات) بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔

وَ مَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴿۶۹﴾

اور پرہیزگاروں پر ان (نکتہ چینی کرنے والوں) کے حساب سے کچھ (ذمہ داری) نہیں مگر (ان کو) نصیحت (کریں) تاکہ یہ (اللہ سے) ڈریں۔(اور ہدایت پاجائیں)

وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴿۷۰﴾

اور جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور دل لگی بنا رکھا ہے ان کو چھوڑ دو (ان سے دوستی نہ کرو) اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور ان کو (قرآن سے) نصیحت کرتے رہو تاکہ کوئی بھی اپنے کئے ہوئے کی وجہ سے ہلاک نہ ہو (قیامت میں)۔ اللہ کے سوا نہ اس کا حمایتی یا سفارشی ہوگا اور اگر وہ (قیامت کے دن) جس قدر بھی معاوضہ دینا چاہیں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں گرفتار ہوئے اور ان کے لئے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے

اس لئے کہ وہ کفر کرتے رہے۔

آیات مبارکہ مکہ شریف میں نازل ہوئیں جہاں کفار کا زور تھا۔ مسلمانوں اور حضور ﷺ سے نفرت اور بے تمیزی ہوتی تھی۔ اسلئے فرمایا کہ ایسے لوگوں سے دوستی یا پیار نہیں ہونا چاہیے، ہاں تعلقات برائے تبلیغ یا ضروریات زندگی کے لئے بالکل اجازت ہے۔ وہ اللہ کی ذات کے بجائے بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اسکا بڑا سبب دنیا کی لذت تھی جسکی وجہ سے وہ قیامت اور دوبارہ زندگی کے منکر تھے۔ ان کے لئے فرمایا کہ سارا خواب موت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اور عذاب میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ملے گا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

کہیے! کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں نہ تو نفع پہنچا سکے اور نہ ہمیں نقصان دے سکے اور اسکے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی۔ اسکے بعد ہم الٹے پھر جائیں (گمراہ ہو جائیں) (اگر ہم ایسا کریں تو ہماری مثال) اس شخص کی طرح (ہوگی) جس کو شیطان نے جنگل میں راستہ بھلا کر حیران کر (تھکا) دیا ہے۔ اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ (لیکن وہ نہیں سنتا) آپ کہہ دیجئے! بے شک جو راہ اللہ نے بتلائی ہے وہ سیدھی (حق کی) راہ ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جہانوں کے رب (پالنے والے) کی فرمانبرداری کریں۔

وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾

اور (یہ بھی حکم ہوا) کہ تم نماز قائم کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی اللہ ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾

اور وہی (اللہ) ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو حق (تدبیر و نظام) کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو (روز محشر) ہو جائے گا ۔اس کا فرمان حق ہے اور اس دن اسکی بادشاہی ہوگی جب صور (اسرافیل کے ذریعہ) پھونک دی جائے گی، وہی ہر پوشیدہ اور ظاہر جاننے والا اور وہی بڑا حکمت والا خبر دار ہے۔

آیات مبارکہ میں وہی توحید کا پیغام اور بت پرستی سے سختی سے منع فرمایا گیا اور ایک خوبصورت مثال سے واضح کیا کہ کچھ ساتھی سفر کر رہے ہیں ان کا ایک ساتھی صحراء میں بھٹک جاتا ہے یا جنگل میں کھو جاتا ہے اور اپنے ساتھیوں سے محض وہم اور غلط فہمی جو کہ شیطان نے اسکے دماغ و سمجھ میں ڈال دی کی وجہ سے بھٹک گیا اور اسکے ساتھی اسے صحیح راستے پر بلا رہے ہیں لیکن وہ اس غلط فہمی کو صحیح اور سراب کو سچ سمجھ کر واپس ساتھیوں کی طرف نہیں آتا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنگل یا صحراء میں گم ہو کر ختم ہو جائے گا اور یہی حال منکرینِ خدا تعالیٰ کا ہے۔ جنکی وہ عبادت کرتے ہیں وہ پتھر کے بت ہیں اور کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ دوسری طرف ذات خدا کا تصور ہے جس نے زمین بنائی آسمان بنائے ان کو ایک نظام کے ذریعہ قائم و دائم رکھا ہوا ہے۔ تصور کریں زمین کا قطر 12000 کلو میٹر ہے اس پر پانی تین چوتھائی ہے اسکا اپنے محور (ایکسز) پر گھماؤ پندرہ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہے جس سے رات دن بنتے ہیں اور سورج کے گرد اپنے مدار میں اسکی رفتار 225 کلو میٹر فی سیکنڈ ہے۔ یعنی 810 ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔ یہ سارے حقائق ایک منظم نظام کی وجہ سے ہیں۔ ذرا سی تبدیلی کسی بھی مقام پر تمام نظام کو تباہ کر سکتی ہے۔ قرآن پاک اور بالخصوص مکی سورتوں میں یہ سائنسی حقائق اس انداز میں پیش کئے گئے کہ آج بھی حقیقت ہیں۔ قرآن پاک میں ان سائنسی حقائق کو بیان کرنے کے لئے تین سو دس (310) بار سماء (آسمان) اور چار سو اکسٹھ (461) دفعہ الارض (زمین) کے الفاظ آتے ہیں، تاکہ انسان ان پر غور کر کے ان کے خالق اور مالک کو پہچانے اور اسی کے آگے جھکے جو یہ نظام قائم کر سکتا ہے، وہ قیامت بھی برپا کر سکتا ہے اور سائنس بھی اس انجام کو جان گئی ہے، (بلیک ہول تھیوری)۔ وہ خالق روز محشر کھڑا کر کے حساب بھی لے سکتا ہے ۔اس کی تابعداری کرنی چاہیے اور اسکے احکام ماننے چاہیں۔ اللہ کے وجود کے دلائل کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۷۴﴾

اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا، کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو بے شک میں نہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴿۷۵﴾

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہتیں دکھائیں کہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہوجائیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴿۷۶﴾

اور پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کر دیا تو انہوں نے ستارہ دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہنے لگے میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ﴿۷۷﴾

پھر چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور گمراہوں کی قوم میں ہوجاتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴿۷۸﴾

پھر سورج کو چمکتے دیکھا کہا: یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ چھپ گیا تو بول اٹھے اے قوم! میں ان سب (چیزوں) سے بیزار (لاتعلق) ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۷۹﴾

بے شک میں نے اپنا رخ / چہرہ اس (ذات) کی طرف پھیر

لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا کیا اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔

وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (۸۰)

اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا تو انہوں نے کہا: تم مجھ سے اللہ کے بارے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں ان (جھوٹے خداؤں) سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر (یہ کہ) میرا رب جو کچھ چاہے۔ (تو ضرر پہنچا سکتا ہے) میرے رب کے علم نے تمام چیزوں کو اپنے علم سے احاطہ میں لے رکھا ہے کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟

وَ كَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۸۱)

اور میں ان (جھوٹے خداؤں) سے کیوں ڈروں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ (بتوں کو) شریک بنا رکھا ہے۔ (جبکہ) اس نے تم پر اس (شرک) کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اب تم ہی بتاؤ ہر دو فریق میں سے بے خوف رہنے کا زیادہ حقدار کون ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا انہی (لوگوں) کے لئے امن (بے خوفی) اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ کی وحدانیت کے علمی اور کائناتی دلائل کے بعد حضرت ابراہیم کا حصہ بیان فرمایا۔ قریش اپنے آپ کو حضرت ابراہم سے خصوصی تعلق (حضرت اسماعیل اور کعبہ شریف کی وجہ سے) ظاہر کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آزر (عربی میں چچا کو بھی باپ کہتے ہیں، اس لئے بائبل کے مطابق آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا نام آذر تھا) اور آپ کی جائے ولادت شہر بائبل کے قریب ہے جو عراق

میں ہے اور آپ کا مدفن مدینہ الخلیل (فلسطین) میں ہے۔ آذر، بادشاہ کے ہاں اہم عہدہ رکھتے تھے جب حضرت ابراہیم نے ان کی عبادت کی مخالفت کی اور اپنے چچا اور دوسروں کو دعوت دی اسکا انداز بیان اہم ہے۔ کہ کس طرح علمی انداز سے اپ نے تبلیغ کی، ان کے دلائل پر غور کیا، کہ سارے کیوں قابل عبادت ہوں کیوں نہ چاند جو ان سے بڑھ کر ہے اور پھر کیوں نہ سورج جو سب سے بڑھ کر ہے، لیکن یہ سب چھپ جاتے ہیں اور ان کی عوامی افادیت (روشنی) ختم ہو جاتی ہے، تو کیا ایسی چیز قابل عبادت ہے جس کی افادیت عارضی ہے۔ جو چیز قابل غور ہے وہ انداز تبلیغ اور اس میں سائنسی یا علمی نقطہ نظر ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا، ساتھ ہی دلائل سے یقین کا حصول صحیح ہے اور آج بھی مابعد الطبعیات اور کائناتی سائنس اللہ کے وجود کو ماننے کے قریب ہے صرف تعریف ممکن نہیں۔ اور اگر سائنسی حقائق میں کامیابی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کی دعا کرنی چاہیے جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر میرا خدا مجھے ہدایت نہ دیتا تو گمراہ ہو جاتا۔ اسلئے حضور علیہ السلام ہمیشہ دعا فرماتے "اللہ ہمیں حق کی حقانیت دکھا اور عمل کی توفیق عطا فرما اور باطل کا بطلان دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما" حضرت ابراہیم نے کہا کہ عبادت بڑا اہم عمل ہے لہذا اسکے لئے ڈوبتے / ختم ہو جانے والی اشیاء صحیح نہیں، بلکہ وہ عظیم ذات ہے جس نے ان سب اشیاء اور سورج، ستارے پیدا کئے ہیں۔ تم میرے ساتھ اس معاملے میں جھگڑا نہ کرو اور سلامتی میں وہ ہوں گے جو حق پر رہیں گے اور ظلم سے دور رہیں گے۔ ظلم حقوق اللہ (شرک) اور حقوق العباد (انسانی، سماجی) کو شامل ہے۔

عبادت بڑا عمل ہے اسکا مستحق معبود بھی اسی طرح عظیم ہونا چاہیے، پھر فرمایا میرا خدا ان سب کو پیدا کرنے والا ہے۔ فرمایا کہ تم کس طرح مجھے اپنے خدا سے جدا کر سکتے ہو، جس کی طاقت، علم سب سے بڑھ کر جبکہ تمہارے بتوں یا ستاروں کی کوئی اسکے سامنے حقیقت نہیں اور نہ وہ کچھ کسی کا بگاڑ سکتے ہیں، لہذا اگر غور کرو تو ان کو چھوڑ کر خالق کائنات کی عبادت کرو اور اس پر ایمان لا کر بے خوف ہو جاؤ۔ حضرت ابراہیم کے اس پختہ ایمان کا سبب ان کی کائنات کی اگاہی تھی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ربوبیت اور الوہیت کے ثبوت میں دکھائی۔ جس نے آپ کے ایمان و توحید کو عظیم تر اور مضبوط تر کر

دیا تھا اور اپنی محبت واطاعت کی وجہ سے خلیل اللہ بنے۔

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (٨٣)

اور یہی ہماری دلیل (حجت) تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ (٨٤)

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ ہم نے (ان کو) ہدایت سے نوازا اور ہم نے پہلے نوح کو بھی ہدایت سے نوازا تھا اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ اور ہارون اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیات مبارکہ میں حضرت ابراہیم پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا، کہ ان کی اولاد حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد میں سے انبیاء چنے گئے اور انہیں نبوت وسلطنت ملی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم سے پہلے حضرت نوح جو کہ آدم ثانی کہے جاتے ہیں کا بھی ذکر فرمایا۔

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ (٨٥)

اور زکریا اور یحییٰؑ اور الیاسؑ۔ یہ سب نیکوکار (صالح) لوگ تھے۔

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ (٨٦)

اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط ہم نے ان سب کو تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔

وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٨٧)

اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی اولاد، ان کے بھائیوں میں سے بھی اور ہم نے انہیں چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمائی تھی۔

تمام انبیاء جو حضرت ابراہیم کی اولاد سے آتے ہیں جو کہ حضرت اسحٰق سے تھی یا یعقوب سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کی فضیلت دی اور انہیں دنیاوی معاملات میں بھی طاقت و بادشاہی عطا فرمائی یہ سارا عمل ان کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھا۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکے ذریعہ رہنمائی فرماتا ہے اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو ان سے وہ سارے اعمال ضبط ہو جاتے جو وہ انجام دیتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴿۸۹﴾

وہ (یہی) لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت دی تھی۔ پھر اگر یہ لوگ (کفار) ان باتوں سے انکار کر دیں تو بے شک ہم نے ان باتوں پر ایسی قوم مقرر کی جو ان سے انکار کرنیوالے نہیں (ہوں گے)۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴿۹۰﴾

یہی وہ لوگ (انبیاء) ہیں جنہیں خدا نے ہدایت فرمائی۔ پس آپ (اے نبی) ان کے طریقوں کی پیروی کریں۔ آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا یہ تو صرف جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اللہ کی ہدایت ،اسکے انعام کا ذکر جاری ہے کہ یہ ہدایت بڑا انعام ہے۔ اہل ہدایت اگر گمراہی یا شرک کریں تو ان کے اعمال بھی ختم ہو جائیں گے۔ جو شرک کر رہے وہ تو ویسے بھی جہنم کے حقدار ہیں۔ ان تمام انبیاء جن کا پہلے ذکر کیا گیا تھا وہ سب اپنی عبادت و اطاعت میں یکتا تھے،اور ہدایت یافتہ تھے۔ حضور علیہ السلام کو ان سب انبیاء کا ذکر فرما کر حوصلہ اور ترغیب عطا فرمائی کہ ان کے نقش قدم پر چلیں تا کہ ان کے کمالات آپ میں یکجا ہو جائیں۔ اپ نے ان تمام کے کمالات کو نہ صرف حاصل کیا بلکہ بڑھکر مرتبہ حاصل کیا۔ آپ نے سب سے بڑھ کر تکالیف

اور مظالم کا مقابلہ کیا اور کم سے کم عرصہ میں نہ صرف پیغام کو پہنچایا بلکہ نافذ کیا۔ حکم ہوا کہ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ ساری تبلیغ، صرف انسانوں کی بہتری اور ذات خداوندی کے احکام کی اطاعت ہے۔ آپ اس سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے، اخلاص اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی معاوضہ نہ لیا جائے۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ (۹۱)

اور انہوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری (کلام اللہ)۔ آپ کہہ دیجئے! وہ کتاب کس نے اتاری جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی۔ تم نے جس کے الگ الگ اوراق بنائے ہیں، تم اسے (لوگوں پر) ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ (اس میں سے) چھپاتے ہو۔ تمہیں وہ سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ کہہ دیجئے! اللہ کا ہی (سب کرم) ہے، پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں وقت ضائع کرتے رہیں۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (۹۲)

اور یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا، بابرکت ہے۔ جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور یہ اس لئے (نازل کی) کہ آپ سب بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اسکے ارد گرد (دنیا والوں) کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اس پر وہی ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴿۹۳﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور جو کہے کہ میں عنقریب ایسی ہی (کتاب) نازل کرتا ہوں، جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور اگر آپ دیکھیں (موت کے وقت) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور (کہتے ہوں گے) تم اپنی جان جسموں سے نکالو آج تمہیں اس وجہ سے ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ پر ناحق باتیں کیا کرتے تھے اور اس کی آیتوں (نشانیوں) سے سرکشی کیا کرتے تھے۔

وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۹۴﴾

اور بے شک تم ہمارے پاس تنہا آؤ گے (قیامت کے دن) جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ آؤ گے جو کچھ (مال و اولاد) ہم نے تمہیں دے رکھا تھا۔ اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھیں گے جن کی نسبت تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے (معاملات) میں ہمارے شریک ہیں۔ بے شک تمہارا باہمی تعلق منقطع ہو گیا اور وہ دعوے جو تم کرتے تھے غلط نکلے۔

غلو:۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ اور مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کے کفر / انکار کا ذکر، آیات میں فرمایا جو پچھلے مضمون کا تسلسل ہے اگر یہ لوگ جو اللہ سے انکار کرتے ہیں۔ اسکی اس کائنات کے ہر ذرہ اور ہر چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسکے شریک یا اسکی اولاد بناتے ہیں جس سے وہ پاک ہے۔ اسکی ذات کی قدرت، عظمت اور الوہیت کے منکر ہیں اور اسکے حقوق ادا نہیں کر رہے۔ یہود کا خصوصی ذکر کیا کہ توریت کے اوراق منتشر کر کے رکھتے ہیں، تاکہ وہ ان میں کمی و بیشی کریں اور ساری کتاب کا علم لوگوں کو نہ ہو۔ اس طرح اللہ کے احکام کی نافرمانی ہے۔ یہ آیت ہمارے لئے بھی بڑی اہم ہے بالخصوص ہمارے مسلمان واعظین جوش

خطابت، زبان کی روانی میں اور محبت کے اظہار میں غلو کرتے ہیں خالق و مخلوق کے فرق اور احترام کو بھول جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے کئی آیات مبارکہ میں غلو سے سختی سے منع فرمایا اور یہودیوں اور عیسائیوں کے غلو کا ذکر فرمایا۔ یہ آیت بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات حقیقی میں کسی طرح کا بھی کوئی شائبہ یا مثال یانسبت دینا بہت بڑا گناہ ہے" اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے واعظین کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نبی اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لئے ان کی قدرو منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لئے اللہ کی شان کو کم دکھاتے ہیں۔ معاذاللہ۔ اس تحریر کا مقصد صرف اصلاح ہے۔ (تبیان القرآن جلد سوم علامہ غلام رسول سعیدی)

اسی طرح وہ لوگ جو شرک اور ظلم، گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں یا جھوٹے دعویٰ نبوت یا کلام الٰہی کے دعویٰ کرتے ہیں، جیسا عبداللہ بن سعد بن ابی سرج نے کیا تھا۔ ان پر موت کے وقت روح نکالنے والے فرشتے بڑی سختی سے روح نکالیں گے جو کہ ان کے اعمال کے سبب ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی تنہا دنیا میں بغیر لباس کے آیا، اسی طرح قیامت کے دن بھی اپنی قبر یا مرنے والی جگہ سے نکلے گا اور اس وقت اس قدر ہولناک منظر ہوگا کہ کسی کو احساس تک نہ ہوگا کہ وہ بغیر لباس کے (برہنہ) ہے۔ حدیث مبارکہ میں اسکا ذکر آیا ہے۔ (الصحیح البخاری)۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴿۹۵﴾

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ یہی تو اللہ ہے تم پھر کہاں بہکائے جاتے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴿۹۶﴾

وہ صبح کو رات کے اندھیرے سے نکالنے والا ہے اور اسی رات کو آرام کے لئے بنایا اور سورج و چاند کو حساب وشمار کے لئے۔ یہ بہت بڑے علم والے اور غلبہ والے کا مقرر اندازہ ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعے صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں راستے ڈھونڈ سکو۔ بے شک ہم نے علم رکھنے والی قوم کے لئے (اپنی) نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں۔

خالق اور تخلیق:۔

اللہ تعالیٰ انسانی نفسیات اور عمومی دلائل اور انسانی کردار کے بعد مکمل طور پر سائنسی اور وجود خدا کے عملی دلائل کے بارے دیے جو اہل علم و تحقیق کیلئے ہیں۔ پہلی دلیل بہت عمومی اور اہم ہے کہ کس طرح گھٹلی کھجور یا کسی درخت کے پھل کے اندر سے جو بیج نکلتا ہے دوبارہ زمین میں بو، کر اس سے پھر اسی طرح کا پودا حاصل کیا جاتا ہے اور ننھے سے بیج کے اندر اس سے لاکھوں گنا بڑے درخت کی تمام خصوصیات بند ہوتی ہیں۔ گویا یہ ایک مردہ چیز سے ایک بہت بڑی جاندار چیز نکل آئی تصور کیجئے بڑے بڑے صنوبر، شیشم، کھجور، بوڑھ (دیوداس) کے درخت سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح درخت سے اسکا پھل گر کر ختم ہو جاتا ہے پھر درخت بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سارے اعمال محض حادثہ نہیں بلکہ ایک مضبوط نظام اور عمل کا حصہ ہیں۔

دوسری آیت میں نظام شمسی کا ذکر ہے۔ کائنات کا ذکر ہے۔ صبح و شام زمانے کا سفر، رات اور دن۔ دن کی خصوصیات۔ حرکت۔ روشنی۔ عمل اور رات کی خصوصیات۔ اندھیرا۔ سکون اور آرام۔ سورج اور چاند کے نظام جن میں ذرا بھر بھی اگر فاصلے میں اختلاف آجائے تو سارا نظام ختم ہو جائے۔ ان کے مدار میں ان کی رفتار سب ایک معین اور منظم طریقہ سے چل رہی ہے۔ زمین کا فاصلہ اگر ذرا بھی کم یا زیادہ ہو جائے تو زمین پر زندگی ختم ہو جائے اسی طرح اگر چاند کا فاصلہ زمین سے ذرا کم یا زیادہ ہو جائے تو سمندر کی حالت اور زراعت میں وہ تباہی آجائے جس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح زمین کی اپنے محور پر گھومنے کی رفتار میں ذرا فرق تباہی پر لے جائے۔ یہ سارا نظام ایک انتہائی اعلیٰ حساب و کتاب پر ہے جس کو فرمایا "تقدیر العزیز العلیم"۔

ہزاروں سائنسدان اس میں حیران و گم ہیں اور نہ ختم ہونے والی تحقیق

ومعلومات مل رہی ہیں۔ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے، نکلنے اور چھپنے کے اوقات سے تاریخوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ سورج کے ذریعہ موسموں کے بدلنے کا اثر اور پتہ چلتا ہے۔

دب اکبر و دب اصغر

ہر چیز اپنے مدار میں معین اور منظم طریقہ ہے لاکھوں سالوں سے چل رہی ہے اور ذرا بھی غلطی نہیں ہوتی۔

آسمان پر ستارے رات کو ٹمٹما کر نہ صرف خوبصورتی کا سامان پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کی لوکیشن (محل وقوع) کے مختلف سفر کرنے والوں کے لئے راہنما ہیں جس سے راستے معلوم کرتے ہیں۔ بالخصوص قطبی ستارہ اور دب اکبر اور دب اصغر کے ذریعے اور پھر ادرین ستاروں کے ذریعے راستے اور اطراف معلوم کی جاتی ہیں دب اکبر اور دب اصغر، قطبی ستارہ کے گرد انٹی کلاک چکر لگاتے ہیں۔ چونکہ ستاروں کی حرکات کے ساتھ مطالعہ کے بعد لوگوں نے زمین پر موسمی تبدیلیاں محسوس کیں ہیں اس لئے کچھ لوگوں نے ستاروں کو ہی کنٹرول کرنے والا سمجھ لیا۔ جس کی وجہ سے جاہلیت میں ان کو مقدس خیال کیا جانے لگا۔ لیکن اسلام نے اسکی مخالفت کی اور ستاروں کو اللہ تعالیٰ کے اسباب کے ضمن میں ایک ذریعہ اور سبب سمجھتا ہے۔ اس لئے احادیث میں جو منع ہے وہ اس بات کی بناء پر ہے کہ ان کو اصل طاقت نہ سمجھا جائے بلکہ ایک ذریعہ سمجھا جائے۔ ایک قول ماثور رحدیث حضرت عمرؓ سے ہے کہ "ستارو کو جانو تا کہ تم ان سے راستے معلوم کر سکو اور اسکے آگے کچھ نہیں" یعنی معلومات کا ذریعہ ہیں (روح المعانی) اب تو تحقیق ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں کے مطابق آگے بڑھ کر اللہ کے وجود کو ثابت کر رہی ہے۔ کاش مسلمان سائنسدان آگے بڑھ کر تحقیق کو سنبھالیں اور راہ ہدایت و توحید دکھائیں۔ ان سب امور کی تفصیل کے لئے مادہ سے ماوراء طبعیات (میٹا فزکس) آسمان کے بارے علم (کاسمالوجی) خلائی سائنس (سپیس) کے علوم دنیا میں وجود میں آچکے ہیں اور ہزاروں لوگ اس پر تحقیق کر رہے ہیں۔

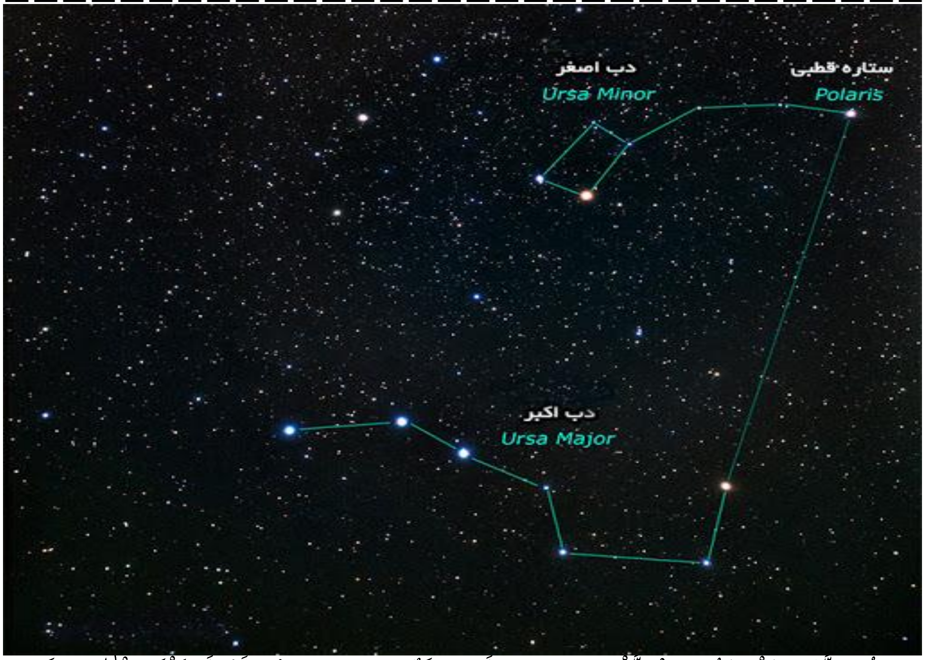

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ(۹۸)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان (ایک خلیہ) سے پیدا کیا، پھر تمہارے لئے جائے اقامت اور جائے امانت بنا دی، بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں۔

آیت مبارکہ انسانی وجود کی علمی حقیقت بیان کی ہے کہ انسان حضرت آدم سے آگے پھیلا اور پھر ایک خلیہ جس میں ساری زندگی کا نظام ہوتا ہے (تفصیل دیکھئے سورۃ بقرہ میں)۔ جدید دور کی Genetic Engineering جنیاتی انجینئرنگ بہت آگے نکل گئی ہے۔ پھر انسان کا قیام مادر رحم ہو یا دنیا ایک معین وقت کے لئے ہے اس طرح دنیا کی زندگی یا موت کی جگہ بھی معین ہے دونوں نکتے قابل غور ہیں، کہ انسان کے بس سے باہر ہیں۔ اسلئے فرمایا اہل علم و تحقیق کے لئے یہ ساری نشانیاں ہیں اور مسلم امت کو ایک طرح کا حکم ہے کہ سمجھیں۔ تحقیق کریں اور اگے نکل دنیا کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں راہنمائی کریں۔ فقہ کا معنی ہیں سمجھ بوجھ اور اصطلاح میں معلوم اشیاء کے ذریعے نامعلوم اشیاء کے علم تک پہنچا ہے۔ اور جب تک مسلمان علم میں آگے تھے تو راہنما تھے۔ آج جو اقوام

علم و تحقیق میں اگے ہیں وہ دنیا کی راہنمائی کر رہے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کے پودے نکالے پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی جس پر ہم ایک پر ایک چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گانٹھے سے نکلتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (پیدا کئے) جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہوتے ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کے وقت دیکھو بے شک ان میں ایمان رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آیات مبارکہ میں زراعت کے ذریعے خالق کائنات کے وجود اور قوت کے دلائل دیے ہیں۔ بارش کا عمل اس میں آسمان اور خلاء سے آنے والے برقی ذرات بہت اہم ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اور اس بارش سے فضا کی آلودگی کا ختم ہونا، پانی کا زیر زمین اور سطح زمین پر جمع ہونا۔ اس کا زراعت کی پیداوار پر اثر، پھر فصلوں اور پھلوں کا مختلف موسموں میں پکنا، کوئی خزاں، کوئی بہار، کوئی گرمی اور کوئی سردی میں پکتے ہیں ان کی صورت اور نشو و نما کا دورانیہ ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن غذائی اثرات اور ذائقے میں مختلف ہیں۔ جن پھلوں کا ذکر ہے مثلاً کھجور، انگور، زیتون، انار، اپنی افادیت، غذائیت، مٹھاس اور خوبصورتی میں ان کی تحقیق اور معلومات پر موجودہ زرعی سائنس میں کئی کتابیں موجود ہیں۔ پودوں کے بڑھنے، پھلوں کے اگنے، پھر بڑھنے اور پکنے تک کا عمل اور تبدیلی، کہ پھل درخت سے جدا ہو کر بھی پکتا رہتا ہے یہ اسکے اندر پکنے کی صلاحیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کم پکے پھل سفر کے دوران پک کر کھانے والے تک پہنچتے ہیں، ورنہ سب راستے میں خراب ہو جاتے۔ کم پکے پھلوں میں شوگر کم اور پوٹاشیم۔ کیلشیم دوسرے معدنیات زیادہ ہوتے ہیں۔ اور شوگر کے مریض کھا سکتے ہیں۔

ذرا غور کریں درختوں کے پتے ہوا میں کاربن لے کر آکسیجن دیتے ہیں اور فضاء میں توازن برقرار رکھتے ہیں پھر پتے جڑوں کے ذریعے نمی لے کر فوٹو سنتھیسز کے ذریعے اپنی ساری توانائی شوگر گلوکوز کی صورت میں پھل کو دیتے رہتے ہیں، قدرت کے قانون (اصول پذیری) کے مطابق کہ جس کی جہاں ضرورت ہے وہیں استعمال ہوگا ہمیں سبق دیتے ہیں۔ یہ سب امور وافعال معلومات کا خزانہ ہیں۔ جنہیں اہل علم وعقل اپنے علم وتحقیق کے سبب جانتے اور اپنے یقین میں اضافہ کرکے ایمان کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔ یہ چند آیات ساری ایگریکلچر سائنس کو حاوی ہے اور مسلمان زرعی سائنسدانوں کو دعوت تحقیق اور وجود خدا پر غور کرکے ایمان میں اضافہ کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔

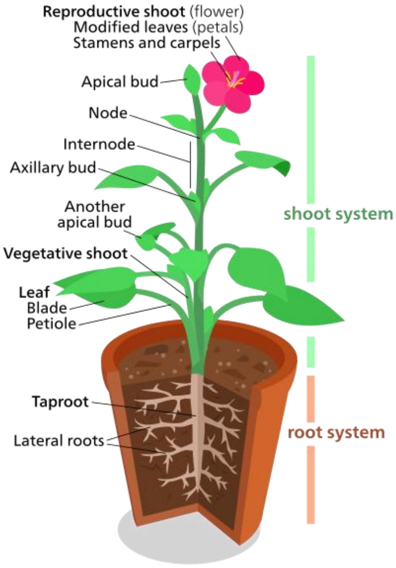

تصویر پودا، تنا، جڑ اور غذا کا عمل

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴿۱۰۰﴾

اورانہوں (کفار) نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اسی (اللہ) نے ان کو پیدا کیا تھا اور انہوں (کفار) نے اللہ کے لئے جہالت کی وجہ سے لڑکے اور لڑکیاں گھڑ (بنا) لیں۔ وہ ان باتوں سے پاک اور بلند تر ہے جو یہ بیان کرتے (کہتے) ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴿۱۰۱﴾

وہی آسمانوں اور زمینوں کو بنانے والا ہے بھلا اسکی اولاد کیونکر ہوسکتی ہے حالانکہ اسکی بیوی نہیں ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴿۱۰۲﴾

یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

آیات مبارکہ ذات باری تعالیٰ پر سائنسی شواہد و دلائل کے بعد انسانی رویہ اور سوچ کی ناکامی و گمراہی کا ذکر ہے کہ وہ ذات جس نے کائنات میں مخلوقوں اور موجودات کو بنایا۔ انساں یعنی (کفار) نے جنوں (ایک غیر مرئی مخلوق) کو اللہ کے برابر بناتے ہیں، کبھی اسکی اولاد کہتے ہیں۔ جس طرح یہود اور عیسائیوں نے انسان کو خدا بنا دیا، حالانکہ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے، اسکی عظمت اور اسکی معبودیت میں دوسروں کو ملانے والے کیوں غور نہیں کرتے ؟ وہ تو ہر شئی کو پیدا کرنے والا ہے، اسکی عبادت کرنی ضروری اور اس کا ہر چیز پر کنٹرول اور ہر چیز کا نگہبان ہے، اسلئے لائق عبادت و اطاعت ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴿۱۰۳﴾

نگاہیں اسکا ادراک (احاطہ) نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے وہ بڑا باریک بین اور بہت باخبر ہے۔

اسکی ذات اتنی عظیم ہے کہ انسانی آنکھ اسےئ دیکھ نہیں سکتی اسکا وجود تو ہے لیکن جسامت نہیں جس کی وجہ سے انسان اسکا یقین فوری طور پر نہیں کرتا کیونکہ حواس خمسہ سے اگاہی جلدی ہوتی ہے لیکن عقل اور غور وفکر سے اگاہی دیر سے ہوتی ہے اسلئے آیات میں کائنات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے ایسی کئی قوتیں جن کا وجود ہے لیکن دیکھی نہیں جا سکتیں مثلاً کشش ثقل، برقی رو، روشنی وغیرہ لیکن ان کے اثرات ان کے وجود پر دلیل ہیں جو غور وفکر کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔ اسکے کمالات اور اسکی مخلوق سے اس عظیم خالق کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ اپنی ساری مخلوق جو کائنات میں موجود ہے اسکو خوب جانتا ہے ان کو دیکھ رہا ہے باریک سے باریک چیز بھی جانتا ہے اور تمام اشیاء کی خبر خوب رکھتا ہے۔

ہمارے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ اسکی عبادت ضروری ہے۔ ہمارے حواس خمسہ اسکی ذات کو نہیں جان سکتے کیونکہ وہ لطیف ہے اسلئے اگر حواس پر صرف بھروسہ کیا تو بھٹک جائیں گے، لیکن اگر عقل اور سمجھ، یعنی علمی و سائنسی حقائق کے استعمال سے اسکو پہچان سکتے ہیں، اسلئے بار بار عقل و علم والوں کا ذکر کیا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ﴿۱۰۴﴾

(ان لوگوں کو کہہ دیں) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت (غور و فکر) کا سامان آچکا ہے، اب جو شخص دیکھے گا، وہ اپنا فائدہ کرلے گا اور جو اندھا بنے گا، وہ اپنا نقصان کرے گا۔ اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے دلائل و شواہد موجود ہیں جن کو اہل بصیرت، علم و عقل، غور و فکر کے ذریعے جان سکتے ہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی اپنے انبیاء اور رسول بھیجے ہیں اور ساتھ ہی کتابیں اپنا پیغام پہنچایا ہے تاکہ لوگ اس ہدایت سے فائدہ اٹھائیں اور دنیا اور آخرت کو بہتر کریں ان تمام سہولیات کے باوجود اگر کوئی ہدایت اور صحیح راستہ پر نہیں چلتا تو وہ اپنا نقصان کرے گا۔ تاریخ گواہ ہے جن افراد یا قوموں نے اپنا عقل اور علم استعمال کیا اور محنت کی دنیا کے معاملات ہوں یا مذہب کے، وہ کامیاب ہوئے اور جنہوں نے انکھیں بند کیں اور اندھے بنے وہ ذلیل و رسوا ہوئے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ نبی علیہ السلام کا کام پیغام پہنچانا ہے اور عمل کی ذمہ ہر فرد کی اپنی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴿۱۰۵﴾

اور ہم اس طرح (اپنی) آیتوں کو بار بار (انداز بدل کر) بیان کرتے ہیں یہ تاکہ وہ لوگ (کافر) بول اٹھیں کہ آپ نے تو کہیں پڑھ لیا ہے، تاکہ ہم اس کو جاننے والے لوگوں کے لئے خوب واضح کردیں۔

آیت مبارکہ ایک اہم معلومات دے رہی ہے کہ بار بار قرآن مجید میں عظمت اور توحید خداوندی کے دلائل بدل بدل کر دیئے جاتے ہیں اسی طرح قیامت، جنت و دوزخ،

حساب وکتاب، سزا اور انعام کا ذکر بھی کئی دفعہ اور مختلف انداز میں فرمایا ہے، اسکا جواب اس آیت میں ہے کہ انسان اس پر غور کرے اور اس کو سمجھے تاکہ افرادی زندگی میں عذاب سے بچ سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بار بار دہرانے سے اشیاء کے بارے معلومات زیادہ دیر تک رہتی ہیں اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لئے یاددہانی کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾

آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے (قرآن) کی پیروی کریں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ مشرکوں سے کنارہ کشی کریں۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

اور اگر اللہ چاہتا (جبراً) تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے کاموں کے ذمہ دار (وکیل) ہیں۔

تبلیغ میں تشدد منع ہے:۔

آیات مبارکہ روایتی اور سائنسی توحید پر دلائل دینے اور انکو بار بار تکرار کی حکمت بیان کرنے کے بعد، مکہ میں کفار مکہ کی ضد اور اسلام دشمنی پر حضور علیہ السلام کی تسلی فرمائی، کہ آپ ﷺ اللہ کی توحید کی تبلیغ جاری رکھیں۔ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں کیونکہ مشیت الٰہی نے شروع سے انسان کو اختیار عطا کیا ہے۔ اسی اختیار کی بناء پر وہ حق یا گمراہی کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر اللہ کی ذات چاہتی تو انسان کو بھی فرشتوں کی طرح صرف فرمانبردار مخلوق بنا دیتا لیکن یہ جزاو سزا کے نظام کی وجہ سے اختیار اور ہدایت کی معلومات کا اہتمام فرمایا۔ آپ مخلوق کے لئے پریشان نہ ہو اور نہ آپ ان کے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ ان آیات مبارکہ سے بڑی واضح ہدایت ملتی ہے کہ دین اسلام کی تبلیغ کے لئے تشدد ممنوع ہے۔ ہاں دل پسند انداز میں تبلیغ ضروری ہے تاکہ کامیابی ہو۔ حق اور باطل دونوں کا وجود اس دنیا کا حصہ ہیں جنکے بارے اللہ تعالیٰ نے انسان و جنوں کو بتایا ہے۔

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۸﴾

(اے مسلمانو) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جن کو (مشرک) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ بھی (جواباً) جہالت کی وجہ سے ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی نے کرنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر فرقہ / جماعت کے لئے ان کا عمل (ان کی نگاہ) میں پسندیدہ کر رکھا ہے (اسکو صحیح سمجھتے ہیں)، پھر سب کو اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان کے اعمال جو کرتے تھے، کے نتائج سے اگاہ کرے گا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۰۹﴾

وہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ اس پر ضروری ایمان لائیں گے۔ کہہ دیں (ان سے) کہ نشانیاں (معجزے) صرف اللہ کے پاس ہیں۔ تمہیں کیا خبر (اے مسلمانو) کہ جب وہ نشانی آجائے گی وہ (پھر بھی) ایمان نہیں لائیں گے۔

وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۱۰﴾

ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے (حق قبول کرنے سے) جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیں گے کہ وہ بھٹکتے رہیں۔

شان نزول بڑا اہم ہے جس سے ایک اصول واضح ہوتا ہے۔ مکہ کے کفار سردار جناب ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ ہمارے خداؤں (بتوں) کو برا بھلا نہ کہیں اور ہم ان کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔ آپ نے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے پر سورج رکھیں تو میں اللہ کی توحید بیان کرنے سے باز نہ آؤں گا، تو سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کے خدا کے خلاف بھی نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں ایک اہم انسانی نفسیاتی عمل کا ذکر ہے جو کہ تشدد کا سبب

بنتا ہے۔ جب ایک آدمی مخالفت کرتا ہے تو دوسرا آدمی بھی ضد میں آکر مخالفت کرتا ہے۔ اسکی وجہ عدم برداشت یا جاہلیت ہے یہی وجہ ہے کسی عمل پر جب ایک فرقہ لعن طعن شروع کرتا ہے تو دوسرا بھی جواب اور رد عمل کے طور پر لعن طعن شروع کر دیتا ہے اسی طریقہ کو بدلنے کے لئے یہ اصول ہے کہ، جو کام کسی برائی کا ذریعہ ہے اس سے بچنا، روکنا یا اسکو نہ کرنا واجب ہے اور یہ ہی آیت کا حکم ہے۔

آیت مبارکہ کی بناء پر علماء نے کہا کہ یہ حکم امت مسلمہ کے لئے ہر حال میں باقی ہے، لہذا جب تک کوئی کافر حفاظت میں ہو اور یہ خدشہ ہو کہ وہ اسلام یا نبی اللہ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا، تو کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسکے مذہب یعنی صلیب، نبی یا دین یا عبادت گاہ کو برا کہے، اور نہ کسی ایسے کام کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ یا کتاب اللہ یا مسجد کو برا کہیں۔ کیونکہ یہ مصیبت (برائی/گناہ) پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا اہم پہلو بیان فرمایا ہے، کہ ہر قوم، مذہب، افراد کے لئے اسکے اعمال اتنے خوبصورت بنائے جاتے ہیں کہ وہ ان کو پسند کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ برے خیالات جن کا محرک شیطانی قوتیں ہیں، اسمیں اس طرح کے ملمع سازی یا بناوٹی دلائل شامل کر کے خوبصورت بنا دیتے ہیں، اور ادمی ان پر یقین کر لیتا ہے۔ دوسری طرف مثبت فکر یا انداز پر غور نہیں کرتا اور اس پر ڈٹ جاتا ہے اور جدید نفسیات بھی یہی کہتی ہے۔ اسی طرح آیات مبارکہ ہے کہ ہر گروہ اپنے آپ پر خوش ہے۔ حضرت ابن عباس نے اسکی تفسیر یہ کی ہے کہ ہم نے اطاعت کو اہل اطاعت (تابعداروں) کے لئے مزین، اور بدی کو بدکاروں کے لئے مزین کر دیا ہے۔ (یعنی دونوں اپنے حال پر خوش ہیں۔ روح المعانی)۔ اسی طرح آگے آیت میں فرمایا کہ کفار اپنے کفر میں اتنے ڈوب چکے ہیں کہ کوئی بھی نشانی ان کو ہدایت پر نہیں لا سکتی۔ وہ محض بہانے اور تنگ کرنے کے لئے معجزے کی فرمائش کر رہے ہیں اور ان کی فرمائش تھی کہ سارا پہاڑ سونا بن جائے، اسلئے آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ سارے معجزے اللہ کے پاس ہیں۔ آب وہ ایمان لانے والے نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی واضح دلائل کے باوجود بھی لوگ محض ضد اور اپنے ظن وخیال کی وجہ سے غلط کاموں پر اڑے رہتے ہیں۔

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ(۱۱۱)

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے جمع کر دیتے وہ تب بھی ایمان نہ لاتے سوائے اسکے کہ اللہ چاہتا، ان میں سے اکثر لوگ جہالت سے کام لیتے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ(۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا۔ جو ایک دوسرے کے دلوں میں چکنی چپڑی باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب انہیں روکنا چاہتا (تو) وہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انہیں (بھی) چھوڑ دیں اور جو کچھ بہتان باندھ رہے ہیں (کی پرواہ نہ کریں)۔

وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ(۱۱۳)

اور (یہ) اس لئے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اس (فریب) کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ اسے پسند کرنے لگیں اور وہ (ان برے اعمال کو) کرنے لگیں جن کو وہ کر رہے ہیں۔

گمراہی اور انسانی نفسیات:۔

یہ آیات، انسانی نفسیات کو واضح کر رہی ہیں کہ پروپیگنڈہ سے کس طرح متاثر ہوتا ہے۔ جب کفار مکہ نے معجزوں (بالخصوص) پہاڑ کے سونا بننے کا مطالبہ کیا، تو ان کی یہ ذہنی کیفیت کیوں ہوتی ہے، اس میں انسانی نفسیات اور عمل کے بارے فرمایا کہ اگر مردے زندہ بھی ہو جائیں تو بھی یہ ایمان نہیں لانے والے۔ ہاں اللہ کی ذات اگر ان میں اختیار کی قوت ختم کر دے تو یہ سب مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس نے انسانوں کو اختیار دینے کا فیصلہ کیا ہے اسلئے یہ اسی طرح ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان اور خدا کے حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتے، صرف اسی دنیا میں طاقت،

دولت، شہرت، عزت، حکومت و دبدبہ اور ہر خواہش کو پورا کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ یہ کام کیسے کرتے ہیں اسکا بھی آیت مبارک میں تجزیہ کیا گیا ہے کہ انسانوں کو شیطان یا جن کے ذریعے ورغلایا جاتا ہے۔ موجودہ نفسیات کے مطابق انسان کے اندر سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت کی بناء پر اختیار کی قوت ہے کہ جس کو چاہے وہ اختیار کرے۔ وہ اسکو اختیار کرتا ہے جس میں اپنے لئے فائدہ سمجھتا ہے اور یہ فائدہ بعض اوقات حقیقی ہوتا ہے کہ لمبی مدت کے لئے اسکا اثر ہوتا اور بعض اوقات دھوکہ دہی کے ذریعے معمولی طور پر مل جاتا ہے۔ لیکن بعد میں نقصان ہوتا ہے۔ یہ قوت انسانی دماغ کے اندر موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسکی مزید توضح ایک حدیث شریف کے ذریعہ نہ صرف وضاحت کی گئی ہے بلکہ اسکا علاج اور اصلاح کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتے کا نزول ہوتا ہے۔ (یعنی اسکے) دماغ میں خیال ڈالنے والا ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ شیطان کی طرف سے خیال (القاء) اسکو مصائب سے ڈراتا اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے خیال (القاء) خیر کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو شخص اس کو دل میں پائے یعنی (اچھے خیالات پر) اللہ کا شکر بجالائے اور جو شخص دل میں دوسری بات (برے خیالات) پائے تو وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ) (البقرہ 268) (بحوالہ ترمذی شریف / سنن الکبریٰ) پھر ان خیالات کو مزین اور ملمع سازی کے ذریعے دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

موجودہ سائنس وانجینئرنگ نے دریافت کیا ہے کہ انسان کے دماغ کے اندر اس کے اربوں (نیورون) سیلز میں حرکات پیدا ہوتی ہیں جو خیال کو جنم دیتے ہیں اور حدیث کے مطابق ان تحرکات کا سبب شیطان یا فرشتہ کا القاء (خیال) ہے۔ فرشتے اور شیطان۔ روشنی اور آگ سے پیدا ہوئے ہیں جو کہ سگنلز کی صورت اختیار کر سکتے ہیں اور اب انسانی دماغ پر اس کے اثرات تجربات کے واضح ہو چکے ہیں۔ (تفصیل سورۃ بقرہ)۔ اسلئے ایک اور حدیث شریف میں تربیت اور ماحول کی اہمیت بیان فرمائی گئی ہے کہ

ماحول اور تربیت انسان کو انسان یا شیطان بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے خیالات کو اس طرح ملمع سازی (بظاہر خوبصورت بنا کر) پیش کرتے ہیں اور اس طرح جو لوگ تحقیق نہیں کرتے ان سے متاثر ہو کر ان کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔

پر عمل کرتے ہیں۔ اگر آپ موجودہ دور کے میڈیا اور پروپیگنڈہ کو دیکھیں کہ پروپیگنڈہ کر کے انسان بالخصوص جو ٹارگٹ مارکیٹ ہوتی ہے، پر بار بار دہرا کر، اسکے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے جسے نفسیات میں تحت الشعور sub conscious کہا جاتا ہے اور بظاہر جمہوریت، انسانی مساوات، ازادی، کے خوبصورت لبادے میں تجارتی مفادات اٹھائے جاتے ہیں۔

کلیسا سے بھی بڑھ کر ہیں بنکوں کی عمارات

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

ملاحظہ فرمائیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں مغربی صنعتی ترقی یافتہ دنیا نے کس قدر انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ لاکھوں افراد قتل ہوئے۔ لاکھوں بے گھر ہوئے، کئی ملک غلامی میں جکڑ گئے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ اور کمیونزم کی لڑائی میں لاکھوں افراد قتل ہوئے اسی طرح جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ میں ہزاروں افراد ختم ہوئے۔ اور سب ان انسانوں کے نظریہ کی وجہ سے تھا، انسانیت کی فلاح صرف جس نظریہ میں ہے۔ جہاں آزادی بھی ہے۔ فلاح بھی، حکمران کی جوابدہی اور مساوات بھی، وہ اسلام ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(کہہ دیجئے) کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم تلاش کروں حالانکہ وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے برحق اتارا ہوا ہے پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ

الْعَلِيْمُ﴿۱۱۵﴾

اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کی رو سے پوری ہو چکی ہے اسکی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴿۱۱۶﴾

اور اگر تو زمین پر لوگوں کی اکثریت کا کہا مان لے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ صرف وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض غلط قیاس ارائی کرتے رہتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴿۱۱۷﴾

بے شک آپ کا رب ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے گمراہ ہوگا اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

پچھلی آیت کے مضامین کو پورا کیا جاتا ہے کہ آپ کفار مکہ کے مکروفریب سے آگاہ ہیں۔ اللہ کے احکام (فیصلوں) پر عمل کریں کہ اہل کتاب بھی آپ کی نبوت کی حقانیت کو جانتے ہیں۔ دنیا کے اکثر لوگ محض وہم اور شیطانی تخیلات کی وجہ سے حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جس میں اہل مکہ بھی ہیں۔ ان کی باتوں کی کیوں پروا کی جائے؟ جبکہ اللہ کے کلام جو سچ اور عدل (انصاف) کا منبع ہے یعنی اس میں عقائد اور معاملات دونوں موجود ہیں، ان کو چھوڑ دیا جائے۔ گمراہی کے سبب جو آیت میں ہے، وہ ایک علمی اور سائنسی حقیقت ہے کہ لوگ اپنی ترجیح کو اہمیت دیتے ہیں اور انکی وہ ترجیح انکے وہم وگمان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ درحقیقت اختلاف کا سبب ہی یہ ترجیح ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ عقائد اور مسائل عبادت میں یہ ترجیح کی وجہ سے اختلاف شروع ہو جاتا ہے پھر ضد کی وجہ سے تشدد، نفرت اور فساد پر ختم ہوتا ہے اور اسی چیز کے لئے فرمایا کہ اللہ کی ذات جانتی ہے کہ صحیح کون ہے اور گمراہ کون ہے۔ لہذا اختلاف میں تشدد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جہاں کوئی مطمئن ہے اس کو کرلے اور قیامت کے دن اسکا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اگرچہ یہ خطاب نبی علیہ السلام سے ہے لیکن تمام امت کے لئے ہے۔

قدرت کے اصول:۔

پھر اس ذات باری تعالیٰ کے کلمات، فیصلے دائمی ہیں، وہ ہر چیز کو سننے اور جاننے والا ہے، یعنی اللہ کے قوانین قدرت ہر صورت میں مکمل اور صحیح ہیں مثلاً کشش ثقل، روشنی، حرارت کی آپس میں تبدیلی، ہواؤں کا چلنا اور دباؤ، پانی کی اُچھال، خلاء میں سیاروں کے محور وغیرہ جکی بنیاد پر ہماری انجینئرنگ اور سائنسز کام کر رہی ہیں۔ اس طرح ایک اور آیت ہے کہ اللہ کے طریقوں میں تبدیلی نہیں پائیں گے اس کے علاوہ تقدیر مبرم بھی لوح محفوظ میں تحریر شدہ ہے جس طرح احادیث میں ذکر ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۸﴾

سو تم اس (ذبح کئے ہوئے جانور کے گوشت) سے کھایا کرو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اگر تم اس (اللہ) کی آیتوں پر یقین رکھنے والے ہو۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴿۱۱۹﴾

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے تمہارے لئے ان چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔ سوائے اس صورت میں کہ تم ان کی طرف انتہائی مجبور ہو جاؤ۔ بے شک بہت سے لوگ بغیر مکمل علم کے اپنی خواہشات کے ذریعے بہکاتے رہتے ہیں اور یقیناً آپ کا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو ضرور جانتا ہے۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴿۱۲۰﴾

اور تم ظاہر اور چھپے ہوئے گناہ چھوڑ دو۔ بے شک جو لوگ گناہ کما رہے ہیں انہیں عنقریب ان کے (اعمال بد کے) باعث سزا دی جائے گی۔

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴿۱۲۱﴾

اور تم اس سے نہ کھایا کرو جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بے شک وہ (کھانا) گناہ ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر چل پڑے (تو) تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

اللہ کے احکام کی تعمیل کے بارے پچھلے مضمون کو جاری رکھا۔ آیات کا موقع نزول یہ ہے کہ کفار نے اعتراض کیا کہ جو جانور طبعی یعنی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مر جائے اس کو تو مسلمان حرام کہتے ہیں، اور نہیں کھاتے جسے خود مارتے ہیں اسکو حلال بنایا ہے اور کھاتے ہیں۔ اسکا جواب فرمایا، اصل مقصد ہے کہ جانور اللہ کی نعمت اور مخلوق ہیں، ان کو مارتے وقت اللہ کی اجازت اور اسکے انعام کا اقرار ہے، اسکا نام لینا ضروری ہے اور انکے خون کے اخراج کے فوائد بھی ہیں جو پہلے سورۃ مائدہ میں گزر چکے ہیں۔ لہٰذا کفار کی باتوں کو اہمیت دنیا غلط ہے۔

ترجیحات اور ضد کا نتیجہ:۔

تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مجبوری کی حالت میں اجازت دی گئی ہے۔ دوبارہ پھر گمراہی کا سبب اور اختلاف کے اسباب کا ذکر فرمایا، جو ایک انسانی نفسیاتی حقیقت ہے کہ محض اپنی خواہش کی بناء پر ترجیحات مقرر کرتے ہیں اور لاعلمی کے باوجود لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ یہ کام بالخصوص اس وقت بہت نقصان دہ ہوتا ہے، جب اس کو وہ شخص کر رہا ہو جسکا معاشرے میں بڑا مرتبہ ہو، یہ مرتبہ اسکی سیاسی، معاشرتی، مالی یا علمی وجہ سے ہو۔ اس وقت وہ کافی لوگوں کی گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر اگلی آیت میں اسکی مزید وضاحت فرمائی کہ اسکا سبب شیاطین اور جن ہیں۔ جو دلوں میں خیالات کی صورت میں ایک فرضی کیفیت پیدا کرتے، وسوسے ڈالتے ہیں اور پھر اس کو ثابت کرتے ہیں، پھر اس کا نتیجہ ضد، تشدد اور جھگڑے پر پہنچتا ہے۔ (بحوالہ آیت نمبر 116)

انسانی اعمال پر نظر رکھنے اور کردار میں اصلاح کے لئے فرمایا کہ ظاہر اور چھپے دونوں گناہوں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اچھے اعمال کی وجہ سے انعام اور برے عمل پر سزا ہوگی۔ بڑا واضح ہے، چونکہ وہ برے عمل کرتے ہیں اسلئے سزا کے حقدار ہیں اور اسے کمائی کی مثال دی ہے۔ اچھے اور برے اعمال کے بارے حدیث شریف میں بڑا عمدہ اصول بیان فرمایا گیا ہے۔ مسلم شریف / ترمذی شریف میں بروایت حضرت خواس بن سمعان انصاری درج ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی (بر) اور گناہ (اثم) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا نیکی (بر) اچھے اخلاق ہیں اور گناہ (اثم) وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا

کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے جاننے یا معلوم ہونے کو ناپسند کرو۔ کس قدر خوبصورت، آسان معیار بیان فرمایا اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ دنیا جنت سے کم نہیں ہوگی۔ کاش ہم عمل کریں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لئے کافی ہے کہ سنی سنائی بات کردے۔ (ابوداؤد) یہ خبریں پھیلانے والوں کے لئے بہت اہم ہے۔ ایک اور حدیث شریف ہے کہ تمہارے اثم (گناہ) کے لئے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو۔ (ترمذی شریف)

ظاہری اور باطنی گناہ:۔

گناہ کے ظاہر اور باطن (چھپے ہوئے) کے بارے یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ جو کھلم کھلا کئے جائیں ظاہر یا ظاہری اعضاء کے ذریعہ کئے جائیں اور چھپ کے کئے جائیں باطنی یا خواہشات کے ذریعہ ہوں۔ کسی خواہش کے نتیجہ میں یا بری عادت کے نتیجے میں کوئی عمل یا نقصان ہوا ہے تو یقیناً اسکی سزا، کرنے والے کو ملے گی ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے خیالات اور خواہشات جسکا اظہار یا جن پر عمل نہ ہو کو معاف فرمائیں گے۔ لیکن برملا اظہار گناہ ظاہر ہے کیونکہ دوسروں کو ترغیب دینے میں مدد کرتا ہے۔ حضور نے ایک حدیث میں فرمایا" ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، دشمنی نہ رکھو، بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا (قطع تعلق) جائز نہیں ہے (ترمذی شریف)

اگر ہم اسلام کے احکام پر عمل کریں تو یہ معاشرہ اگرچہ فوری طور پر معاشی لحاظ سے بہت امیر نہ ہو سکے لیکن امن، محبت اور پرسکون زندگی میں جنت سے کم نہیں ہوگا اور اس امن و محبت کی وجہ سے معاشی خوشحالی بھی آجائے گی لیکن امت مسلمہ بدقسمتی سے ان اخلاق عالیہ کے نفاذ میں بہت پیچھے ہے۔ بڑا ضروری ہے کہ غلط یا برے خیالات اور اعمال سے بچنے کا پورا پورا اہتمام و عمل کیا جائے۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

بھلا وہ شخص جو مردہ (ایمان سے خالی) تھا ہم نے اسے زندہ کیا (ہدایت دی) اور ہم نے اس کے لئے نور (ایمان و معرفت) پیدا کیا

اب وہ اس کے ذریعے لوگوں میں چلتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا یہ حال ہو کہ اندھیروں میں پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کافروں کے لئے ان کے وہ اعمال خوشنما دکھائے جاتے ہیں جو وہ کررہے ہوتے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَ مَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح ہم ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا تاکہ وہ اس (بستی) میں مکاریاں کریں (درحقیقت) وہ جو کرتے ہیں اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اسکا شعور نہیں رکھتے۔

آیات مبارکہ میں انسانی زندگی کے بارے تجزیہ فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص کو جسکا وجود نہیں تھا یا بہت کمزور تھا وہ ایک مردہ کی مثال ہے۔ پھر اسے طاقت دی اور پھر اسکی طاقت نہ صرف اسے بچاتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ دوسری طرف ایک انسان ہے وہ اس دنیا میں آتا ہے، لیکن اسکو ہدایت یا راہنمائی نہیں ملتی اور اسی طرح وہ کوئی بہتری کی طرف نہیں جاتا بلکہ اسی حالت میں رہ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک تشریح انسانی جسمانی ارتقاء ہے کہ آدمی پہلے علم سے خالی ہوتا ہے اور پھر اس میں استعداد پڑتی ہے جس طرح ایک بچہ پہلے تمام احساس سے عاری ہوتا ہے اور پھر قدرت الہی سے اسکے اندر احساسات اور قوت گویائی، سماعت، بصارت، حاسیت بڑھتی ہے جسکی وجہ سے وہ خود کو اور اپنے علاوہ دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے نزول کے بارے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر یا ابو جہل میں کسی ایک انسان کے مسلمان ہونے کی دعا کی تھی۔ جسکے نتیجے میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور اسلام میں خدمت کی تاریخ رقم کی اور دوسری طرف ابو جہل اسی جہل اور اسلام دشمنی میں مرا۔ اسلئے دونوں کی کیفیت، حالت، مقام اور انعام اور سزا بالکل مختلف ہے۔ دوسری طرف گمراہی پر چلنے والوں کو شیاطین ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھاتے ہیں اور بجائے اپنی اصلاح کے گمراہی پر اڑے رہتے ہیں اور بالآخر عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔

معاشرہ میں برائی کے بارے بھی فرمایا کہ جو دولت مند یا طاقتور ہوتے ہیں وہ جرم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے جرم کی وجہ سے بستی میں بے ایمانی، جھوٹ، بدعہدی پھیل جاتی ہے ان کے یہ اعمال درحقیقت ان کے اپنے خلاف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے سارا معاشرہ بگڑ جاتا ہے اور عذاب میں پھنس جاتا ہے لیکن وہ طبقہ جو سردار ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ دراصل اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے، جو کہ ان معاشروں میں صاف نظر آتی ہے جہاں کے لوگ کردار میں دھوکہ باز، جھوٹے اور بدعہد ہیں۔ آیات میں، نیکی اور بدی، نور اور اندھیرے، اللہ کے فضل اور عذاب، کا مقابلہ کیا ہے۔

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۴﴾

اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے (تو) کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی ویسی ہی (نشانی) نہ دی جائے۔ جیسی اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کس جگہ رکھے گا عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا کیونکہ وہ دھوکہ کرتے ہیں۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۵﴾

پس اللہ جس کسی کو ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی پر رکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو گھٹن کے ساتھ تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے (ہوا میں اٹھ رہا ہے) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ذلت (ناپاکی) مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ (اسلام) ہے۔ بے شک ہم نے نصیحت قبول کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۷﴾

ان کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا سرپرست (مولیٰ) ہے ان کے اعمال صالحہ کی وجہ ہے جو کیا کرتے ہیں۔

پچھلی آیت (۱۲۵) کے شان نزول کے بارے لکھا گیا ہے کہ ولید بن مغیرہ جو کہ قریش مکہ کا مالدار، صاحب اولاد اور خوبصورت شخص تھا کہتا تھا کہ اگر نبوت کا حق ہے تو مال۔ اولاد۔ خوبصورتی کی وجہ سے میرا حق ہے۔ اسی طرح ابو جہل کہتا تھا کہ جب تک کوئی فرشتہ آکر تصدیق نہ کرے میں محمد ﷺ کی نبوت کو نہیں مانوں گا۔ ان کے بعض وحد کی بناء پر باتوں کا جواب فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبوت جیسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ دنیا میں دولت یا عزت کسی کی نبوت کے لئے معیار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ ہاں انبیاء کرام اپنی ذمہ داری کی وجہ سے تمام عادات سلیمہ اور خصائص طیبہ کے حامل ہوتے ہیں مثلاً شجاعت، امانت، دیانت، حکمت دانائی، عدل وانصاف، لوگوں کی بھلائی کا احساس اور بری عادات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کی تفصیل ایک خوبصورت مثال سے واضح فرمائی۔ کہ جس کو ہدایت دنیا مقصود ہو تو اس کو تمام اسباب اور معلومات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ملتی ہے۔ اس کا عمل و علم اسے فائدہ دیتا ہے۔ اور جس کو اسکے عمل کی وجہ سے گمراہ رکھنا ہو تو اس کو نیکی کے اعمال اور ہدایت کے اقوال سے اسطرح پریشانی ہوتی ہے۔ کہ گویا ہوا میں اٹھایا جا رہا ہے۔ ابھی گرا اور ابھی گرا۔ جس طرح کوئی شخص جس کو بلندی سے خوف ہو تو وہ عام پہاڑی سڑک پر بھی گھبرا جاتا ہے۔ یہ مثال اس شخص کی ہے جو شیطان کے اثر کی وجہ سے غور فکر نہیں کرتا اور حق کی طرف نہیں آتا۔ انجام کار جہنم اسکا ٹھکانا بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ سیدھا راستہ امن، جنت اور سلامتی کے گھر والا، اسلام ہی ہے۔ اس میں تمام انسانیت کی فلاح کے نظام موجود ہیں۔ حقوق، واجبات، معاملات، سب کو ذکر کیا گیا ہے اور واضح معلومات انسانوں کو دی گئی ہیں تاکہ ہدایت حاصل کر سکیں۔ جو لوگ امن، سلامتی کی زندگی بسر کرنا اور آخرت میں جہنم سے بچنا، جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہی راستہ ہے۔ اے اللہ: ہمیں اس صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور گمراہی سے بچا۔

آمین

جب صحابہ نے حضور علیہ السلام سے سینے کے کھلنے (شرح صدر) کی علامت کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہوگا۔ دنیا سے وہ پہلو بچائے گا (یعنی برائیاں اور گناہ اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا) اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لئے تیار ہوگا، (یعنی اچھے اعمال کے ساتھ)۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِیْۤ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ﴿۱۲۸﴾

اور جس دن وہ ان سب کو جمع فرمائے گا (تو حکم ہوگا) اے گروہ جنات (شیاطین) بے شک تم نے بہت سے انسانوں کو (گمراہ) کر لیا۔ اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے خوب فائدے حاصل کئے اور ہم اپنی اس معیاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی تھی۔ اللہ فرمائے گا کہ اب دوزخ ہی تمہارا ٹھکانہ ہے ہمیشہ اسی میں رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴿۱۲۹﴾

اسی طرح ہم ظالموں میں سے بعض کو بعض کا ساتھی ان کے اعمال بد کی وجہ سے بنا دیں گے۔

شیطان کا طریقہ کار:۔

آیات مبارکہ میں اعمال کے حساب وکتاب کے بارے ذکر ہے کہ قیامت میں جب تمام انسانوں، جنوں کا حساب کتاب ہوگا۔ قیامت کی اکثریت شیاطین کے تابع ہے۔ جنات آگ (انرجی کی صورت) سے پیدا ہوئے ہیں۔ جس طرح شیاطین ہیں۔ جنات میں بھی انسان کی طرح اختیار کا مادہ ہے۔ پھر شیطان، انسانوں کو گمراہ کرنے کے کیلئے جنات کو استعمال کرتا ہے اور وہ ایک خیال کی صورت میں انسانی تخیل اور دماغ

میں سگنل کی طرح سرایت کرتے ہیں۔ آنکھ، کان، اس کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسلئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نگاہ (انسان کا دیکھنا) شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ انسان کے دماغ میں گناہ اور لذت کی خواہش پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر اسکے دماغ میں خیال کی صورت میں اس گناہ یا لذت کے حصول کے طریقہ بھی ڈال دیتے ہیں اور جب انسان اس پر چل پڑتا ہے تو گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جدید الیکٹرانک تصویر و اواز کے ذریعے پیغام رسانی کے اثرات واضح مثال ہیں۔ قیامت کے دن، یہ ارادہ اور عمل، جو ہم اپنی زندگی میں کرتے ہیں، ہمارے سامنے پیش ہوگا اور اس عمل میں جو بھی کردار (محرک) شامل ہوا ہے وہ اسکا اقرار کرے گا کہ اس سے یہ عمل سرزد ہوا اور ان کا آپس میں تعاون تھا۔ یہی وہ صورت ہے، جس میں جن اور انسان، شیطان کے تابع ہو کر گناہ کرتے ہیں اور معمولی لذت کی خاطر اپنی سزا کو بھول جاتے ہیں۔ روز محشر ان اعمال کی بناء پر انسانوں، جنوں کو ان کے گناہوں پر تعاون اور عمل کرنے کی سزا ملے گی اور جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق سزا پائیں گے۔ اسی طرح ظالم انسان بھی ظلم میں انسان کے مددگار بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ برے انسانوں یا معاشرے کو برے حکمران کی صورت میں سزا دیتا ہے۔ اسلئے کئی احادیث میں اسکا ذکر آیا ہے کہ (1) تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں یعنی جیسے لوگ ہوں گے ویسے ہی حکمران ہوں گے۔ برے معاشرے میں برے لوگ ہی حکمران بنیں گے اگر ان کو چنا جائے یا وہ زبردستی مسلط ہو جائیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿۱۳۰﴾

اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ جو تم پر میری آیتیں بیان کرتے تھے اور تمہاری اس دن پیشی سے تمہیں ڈراتے تھے۔ (تو) وہ کہیں گے: ہم نے اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیتے ہیں اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا اور وہ اپنی جانوں کے خلاف اس (بات) کی گواہی دیں گے کہ وہ (دنیا میں حق کا) انکار کرنے والے تھے۔

قیامت میں انسانوں اور جنوں کے درمیان برائی میں تعاون کا پچھلی آیات میں ذکر تھا۔ کہ وہ اس عمل کا اقرار کریں گے، اب سزا تو ان کو ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ، انہیں یاد دلائیں گے کہ کیا ان کے پاس ان میں سے یعنی انسانوں اور جنوں میں سے اللہ کی طرف سے ڈرانے والے انبیاء اور رسول نہیں آئے تھے یعنی انبیاء اور رسول آئے تھے اور تبلیغ کی تھی لیکن دنیا کی زندگی، نفس کی خواہش، شیطان کی تحریک اور برائی کی طرف رغبت نے انہیں اللہ کے احکام کو ماننے سے دور کر دیا اور اس بات کا اقرار کریں گے کہ وہ ظلم اور انکار والے تھے۔ اپنے اعمال کی وجہ سے سزا کے مستحق ہیں۔

انبیاء جس معاشرہ میں آتے اور تبلیغ کرتے ہیں، اسی کا حصہ ہوتے ہیں وہی زبان، وہی لباس، وہی رہن سہن رکھتے ہیں تاکہ اس معاشرہ کے انسانون سے مانوسیت ہو اور ان کا پیغام لوگ سنیں اور اثر لیں۔ اگر وہ کوئی اور زبان اور شکل اور لباس میں ہوتے تو مکمل طور پر ہم آہنگی نہیں ہوگی اور تبلیغ مؤثر نہیں ہو سکے گی۔ انبیاء انسانوں میں آتے ہیں جنوں میں نہیں، یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے انسانوں سے جنات رہنمائی لیتے ہیں اور وہ مسلمان عیسائی، ہندو کافر ہوتے ہیں۔ جنات کی اکثریت شیطان کی پیروی کرتی ہے۔ جو جن انسانوں سے متاثر ہو کر اللہ کی وحدانیت کو قبول کرتے ہیں وہ دوسرے جنوں کے مبلّغ اور منذر (ڈرانے والے) بن جاتے ہیں۔ جس طرح حضور علیہ السلام سے وادی جن میں جنات نے رہنمائی لی اور اسلام قبول کیا اور دوسروں کے لئے وہ مبلغ بنے۔ ان سے آگے سلسلہ چل رہا ہے۔ چونکہ جنات کو بھی عمل کا اختیار ہے اسلئے وہ بھی جنت اور دوزخ میں سزا و جزا پائیں گے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ وہ صرف سزا پائیں گے۔ نبی ﷺ کسی قبیلہ یا علاقہ کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانیت اور جنات کے لئے نبی بنائے گئے ہیں اور قرآن مجید تمام دنیا کے انسانوں اور جنات کے لئے ہدایت کا پیغام ہے، جس طرح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

فریضہ تبلیغ:۔

جن لوگوں کو اللہ کا پیغام نہیں پہنچ سکا، وہ اگر اللہ کے معبود ہونے کا احساس رکھتے ہیں اور اچھے کام (اخلاق) کریں گے تو ان کی نجاعت ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے پیغام کے لئے اپنے انبیاء بھیجے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر

دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ یہ بڑی تعداد علاقوں، زبانوں، نسلوں، اور مواصلات کی کمی کی وجہ سے زیادہ تھی تا کہ ہر ایک علاقہ میں رہنے والوں کو اللہ کا پیغام پہنچے اور شیطان سے انسان محفوظ رہیں۔ موجودہ دور میں مواصلات کی ترقی سے اسلام کا پیغام جو حضرت محمد ﷺ نے پیش کیا ہے اسانی سے پہنچ چکا ہے یا پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ علمائے امت محمدی کا فریضہ ہے۔ معاشرے میں تاجر ملاوٹ، ملازم کام چوری، حکمرانوں کے کارندے، رشوت لے کر اور عام انسان ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹ اور دھوکہ کر کے معاشرے کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کے مطابق (روایت کعب ابن احبار) کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں لوگوں کے دلوں (اعمال) کے مطابق حکمران مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ کرے تو نیک بادشاہ (حکمران) مقرر کرتا ہے اور جب ہلاکت کا ارادہ کرے تو عیش پرست بادشاہ (حکمران) مقرر کرتا ہے۔ (شعب الایمان) ہم دیکھتے ہیں کہ معاشروں میں تبدیلی کا بڑا محرک اس معاشرہ میں کوئی حکمران یا رہنما ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ "لوگ بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں۔" برے حکمران برے معاشرہ کو نہ صرف جنم دیتے ہیں بلکہ پروان چڑھاتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴿۱۳۱﴾

یہ اس لئے کہ آپ کا رب ابادیوں (بستیوں) کو ظلم کی وجہ سے تباہ نہیں کرنے والا کہ وہاں کے رہنے والے بے خبر ہوں۔ (ان کو وارننگ نہ دی جائے)۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۳۲﴾

اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجات (مقرر) ہیں اور آپ کا رب (خدا) ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴿۱۳۳﴾

اور آپ کا رب / خدا، بے نیاز ہے (بڑی) رحمت والا ہے، اگر چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہاری جگہ پر لے آئے۔ جیسا کہ اس نے دوسرے لوگوں کی نسل سے تم کو پیدا کیا۔

جزا و سزا کا اصول:۔

آیات مبارکہ میں انسانی اعمال کے نتیجہ میں جو عذاب آتا ہے اسکا ذکر ہے۔ پہلے دنیا کے عذاب کا ذکر فرمایا کہ معاشرہ کیسے ان سارے برے اعمال سے تباہ ہوتا ہے، آب روز قیامت کی کیفیت بیان کی اور ساتھ فرمایا چونکہ انسان صاحب عقل ہے۔ جنات بھی اختیار و عقل رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور رحمت کی وجہ سے جب تک ان دونوں مخلوقوں (انسان و جن) کو اپنے پیغمبر کے ذریعے ہدایت اور راہنمائی نہ دے اور وہ اس پر عمل نہ کریں تو اس وقت تک اس قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ جن تک الہامی مذاہب یہودیت، عیسائیت، یا کوئی اللہ کی بندگی، اور پھر اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا، وہ خدا کے وجود کو کسی حالت میں مانتے ہیں یا اچھے اور برے کام نہیں کرتے، وہ بھی ظلم و عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ انسان کے اعمال، نیکی اور بدی کے لحاظ سے اپنا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلئے بڑے گناہ کا زیادہ عذاب اسی طرح بڑے نیک اور اچھے کام کا بڑا اجر ہوگا جو عدل کے مطابق ہے۔ اس طرح ہمیں بتایا گیا کہ اعمال کے مطابق دنیا کے اندر بھی انعام و سزا کا طریقہ اپنانا چاہیے تاکہ انسانوں کے ساتھ انصاف ہو۔ اللہ کی ذات تمام معلومات رکھتی ہے اور ہمارے کاموں سے باخبر ہے لہذا انسان غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اسکے علاوہ وہ ذات اتنی عظیم ہے کہ دنیا کے تمام انسان جو زمین پر اشرف المخلوقات ہیں، ان کی اسکو کوئی ضرورت نہیں، بلکہ انسانوں / جنوں اور دوسری مخلوقات کو اپنے وجود کی بقاء کیلئے اللہ کی رحمت، جو اس نے اسباب کی صورت میں بنائی ہے، کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ سب سے غنی ہے اور جس طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم تباہ ہوجاتی ہے تو دوسری قوم اسکی جگہ لے کر ایک نئی تہذیب کھڑی کر دیتی ہے، یہ اسکے حکم کے مطابق ہوتا ہے ۔اسلئے فرمایا کہ تمہیں ختم کر کے تمہاری طرح اور انسانوں کو جو دوسری قوم سے ہوں گے تمہاری جگہ غلبہ دے دے گا۔ اسکی اس طاقت کے سامنے انسان بے بس ہے اور اسکے حکم کو ماننا ہی کامیابی و فلاح ہے۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴿۱۳۴﴾

بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۱۳۵﴾

کہہ دیجئے! اے قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں (اپنی جگہ) عمل کئے جارہا ہوں۔ پھر عنقریب جان لوگے کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

قریش کی ضد اور اسلام دشمنی کے متعلق ہے کہ وہ بار بار عذاب والی آیات کے بارے کہتے کہ کب آئے گا اس کا جواب فرمایا کہ جب اللہ کا حکم ہوگا، آجائے گا اور اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ عذاب خداوندی، آسمانی اور زمینی افات کی صورت میں آتا ہے اور انسان اسکے سامنے بے بس ہوجاتے ہیں۔ آپ کو تسلی اور دعوت میں استمرار کے لئے فرمایا کہ ان اسلام دشمنوں اور ظلم کرنے والوں کو کہہ دیں، کہ تم اگر میری تبلیغ پر یقین نہیں کرتے، ضد اور مخالفت کرتے ہو تو کرو میں تو اپنا فرض تبلیغ جاری رکھوں گا اور پتہ چلے گا کہ کون صحیح ہے۔ تاریخ نے ثابتکر دیا کہ دس سال کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضور کی تبلیغ کو کامیاب کیا۔ اسلام سارے عرب میں پھیل گیا اور سارے ظالم اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ گئے، قتل ہوئے یا پھر توبہ کرکے مسلمان ہوگئے اور ایسی سزا قیامت کو بھی ہوگی۔ مبّلغ کے لئے ضروری ہے کہ مخالفت سے پریشان نہ ہو، اسکی مخالفت جاری رہے گی، اسے اپنا تبلیغ کا فرض جاری رکھنا ضروری ہے اور ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ اس دنیا اور آخرت دونوں میں ان کو سزا ہوگی۔ بعض اوقات ظالم کو کچھ عرصہ کے لئے دبدبہ۔ قوت اور طاقت مل جاتی ہے، لیکن پھر ایک اور ظالم اس کو، اس کے انجام پر پہنچاتا ہے، جس پر وہ لوگوں کو ظلم سے پہنچاتا تھا۔ اس لئے ظلم سے باز رہنا اور ظالم کو سزا دینا اسلامی معاشرہ میں بہت ضروری ہے۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴿۱۳۶﴾

اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک اللہ کا بھی حصہ مقرر کرتے ہیں پھر اپنے گمان (غلط) سے یہ کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ (دوسرا حصہ) ان کے لئے جس کو ہم

نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے پھر شریکوں کا ٹھہرایا ہوا حصہ تو اللہ کی طرف نہ پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں کے حصہ میں پہنچ جاتا۔ (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

پچھلی آیات مبارکہ میں کافروں کے اعمال کا ذکر تھا ان کے عقائد و اعمال کو بیان کیا جا رہا ہے۔ کفار مکہ دراصل حضرت ابراہیم کی نسل اور ان کے دین پر چلنے کے دعویدار تھے، اور اللہ کے ساتھ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اپنے جانوروں میں وہ کچھ بچے اونٹ یا بکری کے منت کے طور پر بتوں (جو کعبہ میں تھے) بحیرہ اور سائبہ اور خدا کے نام پر رکھ لیتے۔ جب جانور بڑا ہو جاتا اور بت والا جانور مر جاتا تو اللہ کے نام والے جانور کو بتوں کے نام پر ذبح کر دیتے اور کہتے خدا کو کیا ضرورت ہے، لیکن جب خدا کے نام والا جانور مر جاتا تو پھر بتوں یا اپنے جانوروں سے کسی کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کرتے اور یہ ان کا فیصلہ بہت برا تھا کہ ذات خداوندی کو اپنے بتوں سے کم اہمیت دیتے۔ جب کہ ان کے ہاں خدا کی حیثیت زیادہ بڑی تھی اور اس غلطی کو وہ برا نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ طریقہ عمل صحیح تھا اور اسکی وجہ شیطان نے ان کے عقل میں ایسے توہمات ڈال دیے تھے جو بعد میں عقیدے بن گئے۔

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین (کفار) کے لئے ان کے شریکوں (خداؤں / بتوں) نے اپنی اولاد کو مار ڈالنا خوش نما اچھا عمل بنا کر دکھایا تاکہ وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور ان پر ان کے دین کو (بھی) مشتبہ کر دیں (شر کو خیر بنا دیں) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے پس آپ انہیں اور ان کی افتراء پردازی جو وہ کر رہے ہیں چھوڑ دیجئے (نظر انداز کر دیں)۔

برے رواج کیسے بنتے ہیں؟

برے اعمال کا ذکر جاری ہے اور ان برے اعمال و عقائد میں لڑکیوں کو زندہ قبر میں دفن کر دینے کا بھی رواج تھا جسے غیرت اور انسانی عزت کی حفاظت کے

نظریہ کے تحت کرتے تھے ، کہ ہماری لڑکی اپنی زندگی میں کھانے پینے کے لئے کسی غیر مرد کی کس طرح محتاج ہو اور بیوی بنے گی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بری عادات و عقائد۔ رواج کی اصل وجہ ذکر فرمائی ہے کہ انسان کے پاس عقل موجود ہے لیکن پھر بھی شیطان (بدی کی قوت) ایک برے خیال اور نظریہ کو ایک دوسرے انداز میں انسان کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسکے بڑے نقصان کو چھپا کر ایک معمولی اچھے عمل کو بڑھا کر انسان کو گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔ غیرت، حمیت کچھ حد تک اچھی چیز ہے، اولاد کی عزت اچھی ہے، لیکن اس کی خاطر اولاد کی جان لینا اور اس کو زندگی سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے اور یہ جرم وہاں کا ایک رواج بن گیا تھا۔ ہم غور کریں تو ہمارے ہاں بڑے غیر اخلاقی اور نقصان دہ رواج موجود ہیں۔ اسلام نے آکر ان انسانی ظلم و ستم کے رواجوں کو ختم کیا اور بچوں کو مارنے کو انسانی قتل کا جرم قرار دیا۔ ساتھ مصلح اور مبلغ کو یہ بھی فرمایا کہ معاشرہ میں ظلم اور برائیوں کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور جو لوگ آپ کی آواز کی مخالفت کرتے ہیں یا آپ کی دعوت کو نظر انداز کرتے ہیں ان کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور دعوت جاری رکھنی چاہیے۔

وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور اپنے خیال سے یہ کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مویشی اور کھیتی ممنوع ہے اسے کوئی نہیں کھا سکتا سوائے اس کے کہ ہم چاہیں اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں جن کی پیٹھ (پر سواری) کو حرام کیا گیا ہے اور (بعض) مویشی ایسے ہیں کہ جن پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ (سب) اللہ پر بہتان باندھنا ہے۔ عنقریب وہ ان کو ان کے بہتان باندھنے کی سزا دے گا۔

وَ قَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چوپاؤں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا (پیدا) ہو تو وہ سب (مرد / عورتیں) اس میں شریک ہیں۔ عنقریب وہ انہیں ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا۔ بے شک وہ بڑی حکمت

والا خوب جاننے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

بے شک! ایسے لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بغیر علم کے بے وقوفی سے قتل کر ڈالا اور ان (چیزوں) کو جو اللہ نے انہیں (رزق کے طور پر) بخشی تھیں اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام کر ڈالا۔ بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہو سکے۔

کفار مکہ کے غلط عقائد، رواجوں کا ذکر جاری ہے اور یہ بات اس وقت کے ساتھ ساتھ آج بھی کچھ معاشروں میں قائم ہے جہاں انسان حقیقی غور وفکر کے بجائے مختلف شیطانی خیالات کی پیروی کرتا ہے کفار مکہ کسی بت کے نام پر جو جانور مخصوص کرتے اس سے کسی قسم کا فائدہ یا کام نہ اٹھاتے کہ بت ناراض ہوں گے، کوئی فصل کا حصہ مخصوص کر دیتے اور کچھ خاص لوگوں کو کھلاتے دوسروں کو محروم کر دیتے۔ اسی طرح جانوں کے پیٹ سے نکلنے والا دودھ بھی استعمال نہ کرتے یا ان کے پیٹ سے اگر بچہ نر ہوتا تو سب اسے کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو عورتوں کو نہ کھانے دیتے۔ اسی طرح اس کا دودھ بھی عورتوں کو نہ دیتے۔

نظریات / عقائد فاسدہ کی بنیاد:۔

پھر اولاد کو یعنی لڑکیوں کو بھی محض جہالت کی وجہ سے، کہ لڑکی اپنی جسمانی ساخت اور طبعی کمزوری کی وجہ سے جنگ وجدل اور کھیتی باڑی نہ کر سکنے کی وجہ سے رزق کے حصول میں مدد نہیں دیتی ہیں، اس کی تنگی کا تصور کرتے۔ ان کو زندہ دفن کر دیتے۔ یہ سارے شیطانی تصورات جو محض گمراہی اور جہالت کی وجہ سے ان کے دماغ پر شیطانوں نے بٹھا دیے۔ اور ان کے عقائد رواج کا حصہ بن کر اعمال کی صورت میں معاشرہ کا حصہ بن گئے۔ یہ ان تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے باطل اور رد فرمایا کہ یہ ان کے خود ساختہ عقائد ہیں۔ ان کی وجہ سے ان کو سزا ملے گی۔ آج ہم دیکھتے ہیں خواتین معاشروں میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ " اللہ کے نبی نے تین بیٹیوں کی پرورش کرنے اور تربیت دینے والے کو جنت کی بشارت بھی دی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو بعض نظریات سطحی طور پر اچھے نظر آتے ہیں لیکن عملی طور پر انسانیت کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً کمیونزم، سرمایہ دار نظام،

اور اسی طرح موجودہ دور میں انسان کی بغیر کسی پابندی کے مکمل آزادی یا انسانی مساوات میں انسان کی ضروریات کو نظر انداز کر کے صرف مساوات کا نظریہ۔ یہ سارے بظاہر اچھے خیالات سہی لیکن طویل المدت اور بڑے معاشروں میں تباہی پر ختم ہوتے ہیں۔ شیاطین ان کو، انسان میں تخیل کے ذریعے پھیلا کر گمراہی پھیلاتے ہیں، یہ بڑا ضروری ہے کہ انسانی نظریات کو کسی معیار پر جانچا جائے۔ تاکہ صحیح اور نقلی، کا فرق پتہ چل سکے۔ انسانی نظریات کے مقابل، الہامی نظریات بالخصوص قرآن مجید کے افکار اور تعلیمات کو اگر بالعموم اور تحقیقی انداز میں تجزیہ کیا جائے، تو ان سے بہتر انسانی معاشرہ کے لئے کوئی دوسرا نظام نہیں۔ معاش کے معاملہ میں رزق کے ذرائع اس قدر وسیع ہیں مزید ان کی تلاش جاری ہے اور ان کے ذرائع میں اضافہ ہو رہا ہے۔

والدین کی ذمہ داری:۔

والدین کے لئے اولاد کی ترتیب ان کی معاشرتی اور مذہبی ذمہ داری ہے۔ اسلام ایک انسان کو اپنے بعد اولاد کی صورت میں معاشرے کو بہتر انسان دے کر جانے کا حکم دیتا ہے۔ اسلئے اگر تربیت و تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتا تو وسائل و استعداد کے مطابق ذمہ داری اٹھانی چاہیے۔ رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ ہر ذی جان کو رزق دے گا لیکن تعلیم، صحت، اچھی تربیت کی ذمہ داری والدین کی ہے۔ متعدد احادیث اس پر موجود ہیں، لہذا اگر انسان کی استعداد نہ ہو اور حکومت وقت بھی کوئی سہولت نہ دیتی ہو، تو خاندان کے سائز کو ان کے ذرائع اور استعداد کے مطابق رکھنا غیر اسلامی نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت سے انکار ہے، بلکہ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان کے لئے اپنی ذمہ داری کو بہترین طور پر سرانجام دینا ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت احادیث کے مطابق صدقہ جاریہ ہے کیونکہ معاشرہ ایسے افراد سے فائدہ اٹھاتا ہے اور قیامت کے دن انسان سے اسکی صحت، اسکی اہلیت، قابلیت اور اولاد کے حقوق کے بارے پوچھا جائے گا لہذا کسی بھی فرد کے لئے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ (١٤١)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے اوپر چڑھائے ہوئے اور بغیر اوپر چڑھے ہوئے باغات پیدا فرمائے۔ کھجور اور زراعت جس کے پھل گوناگوں ہیں اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور جداگانہ ہیں۔ جب یہ (درخت) پھل لائیں تو تم ان کے پھل کھاؤ اور اس کے کٹنے کے دن (فصل پک کر) اس کا حق (اللہ کے لئے) ادا کیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔ بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

معاشی مساوات:۔

پچھلی آیات میں کفار کے مشرکانہ عقائد کا ذکر تھا۔ اب اسکے خلاف اللہ تعالیٰ کی قوت اور انعامات کا ذکر ہے۔ اس نے تمہارے (انسانوں) کے لئے پھل دار پودے جو بیلوں کی شکل میں زمین پر ہوں جیسے خربوزہ، تربوزہ، سبزیاں اور درختوں (جھاڑیوں) کی طرح ہوں جیسے انگور، مالٹے جنکو ہم روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں پھر تن اور درخت جیسے کھجور، زیتون، انار جن کی صفات میں اشتراک بھی ہے اور اختلاف بھی پیدا کئے۔ شکلوں میں اور بحیثیت مخلوق ، ہر ایک کے غذائی مواد، جس میں منرل، پروٹین اور کاربوہائیڈریٹ، ان کے انسانی صحت پر اثرات اور فوائد مختلف ہیں۔ اسکی تفصیل علم غذائیات میں موجود ہے۔ یہ سب اسکی قدرت اور انسان پر اسکی رحمت کی دلیل ہیں۔ اس میں اانسان کی غذا اور صحت موجود ہے۔ پھر اللہ کے اس انعام کے ساتھ معاشرہ میں دولت کی تقسیم اور رزق کی ناہمواری کو کم کرنے کے لئے حکم دیا۔ پھلوں یا فصلوں کے پکنے کے طریقہ پر غور کرو تو اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو پاؤ گے۔ غور کریں درختوں پر پتے ہوا سے کاربن لے کر جہاں زیادہ ہے، وہاں سے جہاں کم ہے جڑوں تک پہنچاتے ہیں اور شوگر (گلوکوز) بناتے ہیں۔ جو پھل پکنے کے کام اتی ہے۔ پھلوں کے پکنے کے بعد ،اکھٹا کرنے کے وقت حکم دیا ہے کہ معاشرے کے غریب اور مستحق افراد کو اسمیں سے حصہ دو۔ ایک حدیث شریف کے مطابق رات کو فصل کاٹنا یا پھل اتارنا منع ہے اگر مقصد یہ ہو کہ غریب افراد یا مانگنے والے نہ پہنچ سکیں۔ اسلام معاشی اور سماجی عدم تفریق کیلئے انتہائی اقدام اٹھاتا اور ترغیب دیتا ہے۔ اس مقصد کے زکوٰۃ کا نظام اور صدقات کی

تائید کی گئی ہے۔ آیت مبارکہ مکی ہے، اسلئے اسکو اصولی طور پر زکوٰۃ یا صدقات کی فرضیت کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ کی متعین مقدار کا نفاذ مدنی زندگی میں ہوا۔ مکی زندگی تو اسلام کے وجود کے لئے خطرہ تھی اور اسلامی ریاست کی عملی شکل مدینہ شریف میں قائم ہوئی۔

اصول زکوٰۃ:۔

اسلامی زکوٰۃ کا نظام واحد وہ نظام ہے جسے آج سے چودہ سو سال پہلے (حضور علیہ السلام کے مدینہ میں قیام کے دوران) نافذ کیا گیا جس میں آمدن کے ذرائع، شرائط کیفیت، مقدار کا تعین کیا گیا اور اسی طرح اسکے اخراجات کہ کہاں کہاں لگایا جائے، کا بھی تعین کر دیا گیا۔ صدقات یا کفارات اور اضافی خیرات (نفلی صدقہ) کی بھی ترغیب قرآنی آیات اور بہت سی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ سے متعلق آیات میں اسکی تفصیل درج ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کے اصول کے لئے معیار، انسانی کوشش اور مصارف پیداوار (INPUT) کی بناء پر لگایا ہے۔ یہ ایک پروگریسیو طریقہ ہے۔ جہاں انسانی محنت و کوشش کم سے کم ہے وہاں اسکاریٹ زیادہ ہے اور جس طرح انسانی کوششیں اور اعمال، پیداوار دولت میں بڑھتے جاتے ہیں شرح زکوٰۃ / صدقہ کم ہوتی جاتی ہے، تاکہ کسان یا محنت کرنے والے کے لئے اسکے اخراجات کی حد میں زیادہ الاؤنس مل سکے۔ اگر عام خزانہ دریافت ہوا ہے تو بیس فیصد ہے۔ اگر بارشی زمین ہے تو دس فیصد ہے۔ اگر چاہی یا کرایہ پر سیرابی ہے تو پانچ فیصد ہے، اور دوسرے امور پیداوار میں اڑھائی فیصد ہے۔ جو کہ بہت معمولی ہے کوئی بھی اسلامی حکومت یا دوسری حکومت اس کے علاوہ بھی فلاحی اور انتظامی ٹیکس لگا سکتی ہے۔ زکوٰۃ، عشر، فئی معادن، مال غنیمت کے متعلق قانون کی تفصیل فقہ (قانون) کی کتب میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ اسراف سے منع فرمایا کہ اموال کو ضائع نہ کیا جائے بلکہ مستحق افراد کو دیا جائے۔ اسی طرح تمام امور میں میانہ روی کو اپنایا جائے۔ اسکی بہترین مثال اس حدیث سے واضح ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحالی چھوڑے (یعنی صدقے کے بعد آدمی خود تنگ حال نہ ہو جائے) اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے

بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو، بیوی کہے گی مجھے کھلاؤ یا طلاق دو، نوکر کہے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ، مجھے کس پر چھوڑتے ہو۔ (بخاری، مسند احمد) ان احادیث میں صدقہ کی ابتداء اپنی فیملی کا کرنے کا حکم ہے ،اس سے مراد صدقہ نفلی ہے۔ زکوٰۃ (صدقہ واجبہ) کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں (اجازت نہیں) دوسروں پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی پرورش ومالی ذمہ داری فرض ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی بھی ذمہ داری نہیں رکھتا، تو اپنا سارا ترکہ (مال) اللہ کی راہ میں (دوسروں کے فائدے کے لئے) خرچ کر سکتا ہے۔

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور (اس نے) بوجھ اٹھانے والے (بڑے قد والے) جوچوپائے اور زمین سے لگے ہوئے (چھوٹے قد والے) چوپائے (ذبح کے لئے پیدا کئے ہیں) پس اللہ نے جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے جو کہ حیوانات کی شکل میں موجود ہیں۔ سامان اٹھانے والے بڑے جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، بیل، بھینس وغیرہ ہیں اور چھوٹے جانوروں میں بکری، بھیڑ وغیرہ ہیں۔ جن کے گوشت، اون استعمال ہوتی ہے۔ دوبارہ شیطان سے بچنے کی تاکید کی کہ وہ انسان کے دماغ میں مختلف خیالات کی صورت میں اثر انداز ہوتا ہے اور وہ خیالات پھر اعتقادات بن جاتے ہیں۔ اس لئے قرآنی تعلیمات کے علاوہ خیالات فاسدہ سے بچنا ضروری ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

آٹھ جوڑے (اللہ نے) پیدا کئے ہیں وہ (نر و مادہ) بھیڑ سے اور وہ (نر و مادہ) بکری سے (آپ ان سے) کہیے کیا اس نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ کو، یا اس (بچہ) جو دونوں ماؤں کے پیٹ میں موجود ہے۔ مجھے علم کے ساتھ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾

اور دو (نر و مادہ) اونٹ سے اور دو (نر و مادہ) گائے سے۔ (آپ ان سے) کہہ دیجئے کیا اس نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا بچہ جو دونوں ماؤں کے رحموں میں موجود ہے؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تمہیں اس (حرمت) کا حکم دیا تھا؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر جانے گمراہ کرتا پھرے۔ بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

پچھلی آیات میں کفار مکہ کے عقائد حرام و حلال، جو انہوں نے حیوانات (مویشیوں) اور ان کی بچوں کے بارے پیدا کئے ہوئے تھے، ان کے حوالہ سے ذکر ہے۔ کہ تم کبھی نر، کبھی مادہ کر حرام قرار دیتے ہو۔ کبھی بھیڑ یا بکری اور اونٹوں میں جو اکثر وہاں ہوتے ہیں۔ یہ احکام کسی نبی کی طرف سے نہیں آئے، نہ ہی کسی الہامی کتاب میں ہیں (تورات، انجیل)۔ تم اپنی مرضی سے کیوں خبریں اور جھوٹ اللہ کے نام پر پھیلاتے ہو اور بغیر کسی علم و تحقیق کے افتراء باندھتے ہو۔ ایسی قوم یا اس طرح کردار کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا اور وہ اپنی ضد یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہی میں بھٹکتے رہے ہیں۔ اس آیت میں اہم تعلیم، احکامات کا بغیر تحقیق اور اپنی پسند پر لوگوں کو پھیلانا ہے بالخصوص ان افراد کا جو کہ عوام کے اندر مقبولیت یا لیڈر شپ رکھتے ہیں سیاسی ہو، قبائلی ہو، یا علمی ہو، بالخصوص دین اور عقائد کے معاملہ میں اپنی رائے کو اہمیت دینا گمراہی ہے۔ بڑا ضروری ہے کہ ترجیحات کے وقت یہ معلوم کر لیا جائے، کہ یہ ترجیح فرائض کے بارے، واجبات کے بارے، حرام اور مستحبات کے بارے ہے۔ ذاتی مفاد یا پسند پر عمومی طور پر لیڈر ایک معمولی چیز، جو کہ مستحب کے درجہ پر ہوتی ہے اس کی اہمیت بڑھا کر فرائض اور واجبات کے برابر کر دیتے ہیں اور اس طرح معاشرہ ایک برائی کی طرف چل پڑتا ہے۔ ایک معمولی طریقہ جسے ایک لیڈر ذاتی طور پر پسند کرتا ہے وہ اکثریت کے عمل کی وجہ سے ایک رواج یا عقیدہ بن جاتا ہے۔ پھر لوگ دوسری طرف سوچنا یا تجزیہ کرنا بھول جاتے ہیں، اور گمراہی پھیل جاتی ہے جو آج کل کے دور میں پھیل رہی ہے۔ اسکے ساتھ

تحقیق کی ترغیب دی ہے تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اندھی تقلید سے بچا جائے یہ آیت مبارکہ کا پیغام ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۴۵﴾

آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سوٴر کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے یا قربانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام بلند کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص (بھوک سے) لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو بے شک آپ کا رب بخشنے والا ہے۔

آیت مبارکہ میں اسلام میں جو جانور حرام ہیں ان کا ذکر ہے کہ وحی کے ذریعے حرام صرف مردار جانور ہے یا خون ہے۔ سور کا گوشت اور جو جانور ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام سے ذبح ہو (اسکی تفصیل سورہ بقرہ، المائدہ میں گزر چکی ہے)۔ لیکن اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہے اور اسکے سوا کوئی چارہ نہیں تو یہ بھی کھا سکتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ مجبوری ہو، بہانہ نہ ہو۔ یہ رعایت صرف انسانی جان کی حفاظت کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم وخبیر ہے اسلئے اس سے کچھ چھپ نہیں سکتا۔ یہ آیات مکی ہیں اسکے بعد موضوع پر مدنی آیات بھی ہیں۔

وَ عَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴿۱۴۶﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا (جانور) حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر چربی حرام کر دی تھی، سوائے اس (چربی) کے جو دونوں کی پیٹھ میں یا اوجھری (انتوں) میں لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔ یہ ہم نے ان کی سرکشی کے باعث انہیں سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ

الْمُجْرِمِيْنَ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے! تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اسکا عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں جائے گا۔

کفار کے بعد یہود کے حرام و حلال کا ذکر ہے یہود، اونٹ کو حضرت یعقوب اور موسیٰ علیہ السلام سے حرام کہتے تھے۔ اسکی تردید فرمائی کہ ان کے جرائم اور سرکشی کی بناء پر ان پر حرام کر دیئے گئے۔ پھر حضور علیہ السلام کی تسلی کے لئے فرمایا، کہ اگر کفار مکہ یا اہل کتاب آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اور وہ اس کے نہ ماننے والوں کو بھی رزق دے رہا ہے، لہٰذا جو اسکے ماننے والے ہیں ان پر اسکی رحمت زیادہ ہوگی۔ اور مجرموں کو سزا ایک دن ضرور ملے گی۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴿۱۴۸﴾

اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے اس طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے لاؤ۔ تم صرف ظن / گمان کی پیری کرتے ہو اور محض اندازے سے بات کرتے ہو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۱۴۹﴾

آپ کہیے کہ محکم دلیل تو اللہ کے پاس ہے پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دیتا۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴿۱۵۰﴾

کہہ دیجئے (ان سے) کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے، پھر اگر وہ گواہی (جھوٹی) دے ہی دیں تو ان کی گواہی کو تسلیم نہ کرنا اور نہ ایسے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنا، جو

ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ (اوروں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

انسانی اختیار اور اسباب :۔

کفار مکہ اور تمام دنیا میں کافروں کے عقائد باطلہ کے ذکر کے ساتھ ان کے بہانے بازی کا ذکر کیا، کہ وہ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہمارے بڑے اباؤاجداد بت پرستی اور یہ عقائد جاہلیت (جانوروں کے بارے) نہ رکھتے۔ لہذا ہم غلط نہیں لیکن ان کی یہ دلیل غلط ہے۔ کیونکہ ان سے پہلے اس طرح کے عقائد رکھنے والے دنیا میں عذاب خدا کے ذریعے ختم ہو گئے۔ ان کے عقائد غلط ہیں۔ حضور نے وحی کے ذریعہ دلائل سے عقائد باطلہ کے بارے ان کو آگاہ کیا، لیکن سب سے بڑی اور واضح قوی تر دلیل جو ہر قسم کے شک وشبہات کو ختم کرے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ عمل کرے یا نہ کرے۔ انسان کو مجبور محض نہیں بنایا اور اس کی یہی حکمت تھی۔ اسی حکمت کی بناء پر الہامی تعلیمات بذریعہ وحی انبیاء کے ذریعے دی گئی ہیں, کفار کی یہ توجیہ کہ اللہ چاہتا تو نہ کرتے غلط ہے۔ اللہ ظلم، جھوٹ، شرک، بدعہدی نہیں چاہتا بلکہ انسان جس چیز کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسباب کے ذریعہ اس طرح کی چیز اسے میسر کر دیتے ہیں اور پھر، انسان شیطان کے خیالات میں، بہہ کر اللہ کے احکام کو بھلا دیتا ہے اور مفاد طبعی اور اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے اور اسی بناء پر جزا اور سزا پائے گا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اگر منکرین حق (کفار مکہ) اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، قسمیں اٹھاتے ہیں اور اللہ کی نشانیوں کو جو کائنات اور انسان کی زندگی اور تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں کی پرواہ نہیں کرتے تو ان کی باتوں کو تسلیم نہ کیا جائے وہ اسکی سزا پائیں گے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۵۱﴾

کہیے! آؤ میں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (وہ) یہ کہ تم اسکے ساتھ کسی چیز (شی) کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے) اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ (خواہ) وہ ظاہر ہوں اور پوشیدہ ہوں اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا

ہے سوائے حق (قانون کے مطابق) کے یہی وہ (امور) ہیں جن کے اس نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۙ﴿۱۵۲﴾

اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریقہ سے جو بہت ہی اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو (ناپ تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو (کسی معاملہ میں)، تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو۔ یہی (امور) ہیں جنکا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ یہی (شریعت) میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستوں پر نہ چلو پھر وہ (راستے) تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ یہی وہ بات ہے جسکا اس نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد:۔

پچھلی آیات مبارکہ میں کفار کے جھوٹے اور من گھڑت عقائد کا ذکر تھا جسے وہ خدا سے منسوب کرتے تھے اسکی تردید کی گئی۔ ان تین آیات میں اسلامی معاشرہ کے بنیادی عقائد واصول وضوابط کا ذکر فرمایا ہے۔ احادیث میں ان آیات کے احکام کی بہت تاکید آئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے۔ ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بحکم خداوندی امت کو دی۔

حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت نقل کی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب فرمایا "کون ہے جو مجھ سے تین آیتوں پر بیعت کرے" پھر یہی تین آیتیں تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا "جو شخص اس پر پورا اترے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا"۔

ان دس اشیاء کے خلاف کرنا حرام ہے یعنی ان کا کرنا ضروری اور فرض ہے ایک خوبصورت انداز میں حکم دیا ہے یہ حکم تمام امت اور بنی نوع انسان کے لئے ہے۔

1. **شرک گناہ عظیم اور حرام ہے:** شرک کا مطلب کسی غیر خدا کو اللہ کی ذات اور مخصوص صفات میں شریک یا ساجھی سمجھنا۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک خفی یعنی امکان شرک کو بھی نہ کرنا۔ بالخصوص دکھلاوے کی نماز (عبادت) بھی ریاکاری اور شرک خفی کے مترادف ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لئے شریک قرار دو؟ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ تو کھانا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (زنا کرنا خود ایک بڑا حرام ہے لیکن پڑوسی، محبت اور تعاون کا ذیادہ حقدار ہے اور اسکے ساتھ رابطہ زیادہ رہتا ہے اس لئے یہ جرم بہت بڑا ہے) (بخاری / مسلم)۔ عقیدہ توحید انسان کی خودی اور عظمت انسانی کے لئے بہت اہم ہے کہ انسان صرف ذات خداوندی کے سامنے جھک سکتا ہے

ع: تو جھکا جب غیر کے آگے، نہ تن تیرا نہ من

اور پھر انسانی مساوات کا بھی مظہر ہے کہ انسان کا انسان کے سامنے حقیقی طور پر جھکنا اسلام میں منع ہے۔ اسکے ساتھ اطاعت قوانین، اور والدین اپنی جگہ اہم ہے۔

2. **والدین کے ساتھ بدسلوکی:** والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا حکم ہے۔ انسان پر پہلا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے زندگی عطا کی دوسرا احسان والدین کا ہے جو اسکی پرورش کرتے ہیں۔ نومولود انسان بغیر حفاظت کے نہیں رہ سکتا اسلئے اللہ تعالیٰ

والدین کی عزت و تعظیم کا اپنے شکر کے بعد شکر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

ایک حدیث مبارک بروایت حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ، کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کیا، میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا، اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اس سے نیک سلوک کرو۔(المسلم)۔ اسکے علاوہ متعدد احادیث بھی ہیں۔ انسانی کردار میں کسی بھی بھلائی کرنے والے کیلئے اچھا بدلہ ضروری ہے اور والدین اس لحاظ سے سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بالخصوص بڑھاپے میں ان کی خدمت بہت ضروری ہے۔ اگر ریاست خیال رکھتی ہے جس طرح اسلامی ریاست میں ہر انسان کی حفاظت اور بنیادی ضرورت کی سہولت فرض ہے، پھر بھی اولاد کا خیال رکھنا ضروری ہے، ان کے احکام مانیں لیکن خلاف شرع (فرائض، واجب و حرام) میں اطاعت نہ کی جائے لیکن حسن سلوک رکھا جائے۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی بخشش کے لئے صدقہ ودعا کی جائے۔

3. **قتل اولاد حرام ہے:** زمانہ جاہلیت میں لوگ رزق کی کمی کے ڈر سے اولاد کو مار / دفن کر دیتے اور بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو عار کی وجہ سے دفن کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو حرام فرمایا۔ عمومی طور پر معاشی تکلیف کا خوف دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کا رزق ہمارے ذمہ ہے۔ جس طرح تمہیں دیتا ہوں ان کو بھی دوں گا۔

اچھی تربیت:۔

اس سے ایک نکتہ یہ ہے کہ جب تمہیں مل رہا ہے تو ان کو بھی پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کی محبت انسان کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آدمی کے کھانے کے لئے ایک منہ ہے تو کمانے کے لئے دو ہاتھ ہیں۔ رزق اور اسباب رزق کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے اور اچھی تربیت نہ کرنا بھی قتل کے مترادف ہے اچھی تربیت کا اہتمام واجب ہے۔ بعض اوقات رزق کے علاوہ دوسرے اسباب / مسائل پر فیملی پلاننگ کی جا سکتی ہے۔ جس طرح عہد نبوی میں لوگ عزل

کرتے تھے اور اسکے بارے حضور علیہ السلام نے منع نہیں کیا، البتہ اسے ناپسند فرمایا۔ غزل یہ ہے کہ مادہ تولید کو رحم میں جانے سے روکا جائے۔ رزق کے علاوہ دوسرے امور کی وجہ سے فیملی پلاننگ (غزل) کی اجازت ہے مثلاً طبی بنیاد، صحت، بیماری کی صورت میں لازمی ہے تاکہ انسانی زندگی کی حفاظت ہو سکے۔

4. **بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا:** حکم دیا کہ بے حیائی کے کاموں خواہ علانیہ ہوں یا چھپے ہوئے ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ اس قدر نفرت کا اظہار ہے کہ قریب جانے سے بھی منع ہے۔ یہی بچاؤ کا بہترین طریقہ ہے۔ کیونکہ جب قریب ہوگا، تو اسکے اندر گرنے یا عمل کرنے کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ لہذا شروع سے ہی ایسا طریقہ ہو کہ کم سے کم بے حیائی کے گناہ کرنے کا سبب بنے۔ جس طرح بیماری سے بچاؤ کے لئے پہلے دفاعی ویکسین لے لیتے ہیں تاکہ بیماری قریب نہ آئے۔ فحش کا اردو میں لفظ بے حیائی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی اصطلاح میں ہر ایسے کام کے لئے یہ بولا جاتا ہے جس کی برائی اور فساد کے اثرات ہوں اور دور تک پہنچیں (مفردات)۔ عمومی طور پر یہ بدکاری (زنا) کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن اس میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں خواہ وہ اقوال (زبانی گفتگو) یا افعال سے ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں۔

فحاشی سے بچنے کے لئے تربیت:۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے، تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ (بخاری و مسلم)۔ اسکے علاوہ بھی متعدد احادیث آئی ہیں۔ ظاہری خواہش سے مراد جو سامنے واضح ہوں اور باطنی سے مراد چھپے ہوئے، جیسے بد نیتی سے کسی عورت کی طرف دیکھنا، ہاتھ وغیرہ سے چھونا، اس مقصد سے باتیں کرنا اس میں داخل ہیں۔ خیالات کو بھی باطنی گناہ میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ خیالات جب بار بار آتے ہیں (جو کہ شیطان کا ذریعہ گمراہی ہیں) تو پھر ارادے میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ارادہ پھر عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسلئے خیالات کو فوری طور پر رد کرنا چاہیے اور استغفار پڑھنا چاہیے۔ اسکا یہ بہترین علاج ہے۔ اسلام میں بالغ اولاد کی جلدی شادی کرنے کی یہی حکمت ہے کہ وہ انسانی ضرورت کی

وجہ سے بے حیائی کے کاموں سے بچ جائیں۔ ساتھ ہی اولاد کو بلوغت پر ان کی ذمہ داری اور ان کے اعمال کے نتیجہ میں جو بوجھ ہوگا اسکے بارے بتانا بہت ضروری ہے اور یہ تربیت کا حصہ ہے۔ دوستی کے بجائے نکاح کی ترغیب دی جائے، دوستی کو نکاح کے تابع رکھا جائے اور اسکے نکاح کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے۔ موجودہ دور میں جنسی انسانی آزادی کا جو تصور ہے وہ حیوانی آزادی کے قریب ہے، اس تصور کی بناء پر جو اعمال و کردار بنتے ہیں، وہ معاشرہ میں فحاشی کا سبب بنتے ہیں۔ یورپ میں اکثریت بچے نامعلوم والد کی اولاد ہیں۔ ان کی پرورش مائیں کرتی ہیں اور نفسیاتی طور پر ان میں کمی رہ جاتی ہے جسے جدید نفسیاتی تحقیقات نے ثابت کیا ہے۔ پردہ یعنی جسم کے جنسی رغبت والے اعضاء کو ڈھانپنے کا یہی مقصد ہے کہ ترغیب کے مواقع کم سے کم کئے جائیں۔ بلوغت کے بعد نکاح کے ذریعہ انسانی جنسی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اس لئے اسلام میں غیر شادی شدہ آدمی کی زنا کی سزا شادی شدہ کے مقابل کم ہے۔

قتل ناحق کا حرام ہونا:۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے قتل (خون) کو حرام قرار دیا ہے ہاں اگر حق (یعنی قانون کی سزا) کی وجہ سے اور وہ حدیث شریف میں بیان ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بخاری و مسلم میں نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو) قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو، کسی مسلمان کا قاتل ہو، دین اسلام کو ترک کرکے مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والا ہو۔ (بخاری / مسلم / ابوداؤد) اس طرح اور بھی کئی احادیث ہیں جن میں اپنی باتوں پر حکومت کی طرف قانون / عدالت کے ذریعہ قتل کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذمی (غیر مسلمان جو اسلامی حکومت میں رہتے ہیں) کے بدلے مسلمان قاتل کو سزائے موت (قتل کیا) دی۔ قتل کا اختیار صرف حکومت کو ہے۔ کسی فرد کو نہیں۔

یتیم کا مال ناجائز طور کھانا:۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر ایسے طریقہ سے جو مستحسن ہو، یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے۔ یہ خطاب یتیم سے

متعلقہ افراد اسکے والی، پالنے والے کے لئے ہے۔ یہاں بھی یتیم افراد کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر معاشی طریقہ کار کا حکم دیا ہے، قریب ہی نہ جاؤ مقصد یتیم کے مال کی حفاظت ہے۔ البتہ اس مال کی حفاظت اور ایسی جائز تجارت میں لگانا ہے، جس سے نقصان کا خطرہ عمومی طور پر نہ ہو اور بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوں۔ یہ طریقہ ضروری اور مستحسن ہے۔ بلوغت پر کس وقت اور کس طرح مال سونپا جائے اسکے بارے تفصیلاً سورہ نساء میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید یتیموں کی ضرورت اور حالت کی وجہ سے بار بار ان کی حفاظت کیلئے حکم دیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت چونکہ فلاحی ہے اس کا فرض ہے کہ ان کے اثاثوں اور ان کا خیال کرے اور اس سلسلہ میں ان کے والی اور رشتہ داروں کو بھی ترجیحی بنیاد پر ذمہ داری دی جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے دراں حالیکہ ان کے منوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون لوگ ہیں؟ فرمایا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں (طبرانی ابن حبان)۔

5. **ناپ تول میں کمی:** آیت میں ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرنے کا حکم ہے۔ انصاف سے مراد یہ ہے کہ دوسرے فریق کے حق میں کوئی کمی نہ کرے اور لینے والا اپنے حق سے زیادہ نہ لے۔ قرآن مجید میں لین دین میں کمی زیادتی کو شدید حرام قرار دیا ہے۔

ذمہ داری اور ناپ تول:۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو تجارت میں ناپ تول کا کام کرتے ہیں، خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ ناپ اور تول یہ وہ کام ہیں جن میں بے انصافی کرنے کی وجہ سے تم سے پہلے کئی امتیں عذاب الٰہی کے ذریعے تباہ ہو چکی ہیں (ابن کثیر)۔ ناپ تول کی کمی ایک طرف تجارتی لحاظ سے ہے۔ دوسری طرف جو لوگ خدمات مہیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ حکومت کے ملازم ہوں یا دوسرے پرائیویٹ ادارے میں ہوں ان کو اپنے کام کو ایمانداری سے کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ بھی دوسرے کا

حق ہے، مالک ہو یا کوئی دوسرا متعلقہ فرد ہو۔ کیونکہ حق کو پورا کرنا لازم ہے۔ اس میں کمی خیانت کی طرح ہے۔ اور رزق حرام بن جاتا ہے۔

6. **عدل و انصاف کرنا:** حکم فرمایا ہے کہ جب بات کہو تو حق کی بات کہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو یعنی اگر وہ غلط کر رہا ہے تو اسکی غلطی کے بارے میں برملا کہا جائے اور یہ بات تمام معاملات کو احاطہ کئے ہوئے ہے خواہ گواہی ہو۔ یا کسی حاکم کا فیصلہ یا آپس کے جھوٹے موٹے معاملات ہوں۔ تمام میں انصاف، سچ اور واقعہ کے مطابق معاملہ ہو۔ انصاف پورا پورا کیا جائے کسی طرح کی محبت۔ رشتہ یا لالچ کو انصاف کے اڑے نہیں آنا چاہیے۔بہت سی آیات اس حکم پر ہیں چند احادیث اس سلسلہ میں درج ہیں۔(1) حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فاجتنبوا الرجس منا الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفا ءالله غیر مشرکین۔ترجمہ:بت پرستی کے گندے عقیدہ سے بچو اور جھوٹ بولنے سے اللہ کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے۔(ابو داؤد / ابن ماجہ)

اسی طرح حق کے خلاف فیصلہ کرنے کے بارے میں ابو داؤد نے بروایت حضرت بریدہؓ، حضور علیہ السلام کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قاضی (یعنی جج) تین قسم کے ہیں(۱) ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جس نے معاملہ کی تحقیق شریعت (کے اصولوں) کے موافق کر کے حق کو پہچانا پھر حق کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس نے تحقیق کر کے حق بات کو جان لیا مگر جان بوجھ کر فیصلہ اس کے خلاف کیا وہ دوزخی ہے اور اسی طرح وہ قاضی جس کو علم نہ ہو تحقیق اور غور و فکر میں کمی کی مہارت سے کوئی فیصلہ دیدیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔(ابو داؤد)

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو باتیں فرمائیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے اس کو بیان کرنے سے باز نہ رہے۔(ترمذی/ابن ماجہ)۔انصاف کرنا اور اسکی ہر سطح پر دستیابی اسلامی معاشرے کی خصوصیت اور حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اسکا حکم ہوا ہے۔ کئی احادیث ہیں بلکہ کتب احادیث میں اس پر کئی ابواب بنے ہوئے ہیں۔ بد

قسمتی سے مسلم ممالک کے معاشرے اس اہم اسلامی فرض کی ادائیگی میں بہت پیچھے ہیں۔

7. **عہد شکنی:** اللہ کے عہد کو پورا کرنا اور عہد شکنی حرام ہے۔ اللہ کے احکام اللہ سے عہد ہیں، ان کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح انسان کا کیا ہوا وعدہ بھی اسکا عہد ہے اسکا پورا کرنا ضروری ہے اسکے علاوہ منت اور نذر بھی اللہ کے عہد ہیں ان کو پورا کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر عہد کی پابندی کے بارے حکم دیا گیا ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ فرمایا سنو! جو امانت دار نہ ہو اسکا ایمان نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں،(شعب لایمان)۔ کتب احادیث میں عہد کی پابندی پر ابواب موجود ہیں۔ انسانوں سے عہد یا وعدہ کو پورا کرنا بھی اللہ کے احکام کے تابع ہے۔ وہ معاشرہ جس میں عہد کا پاس نہیں ہوتا، ظلم و دھوکہ دہی سے بھر جاتا ہے اور معاشی تباہی پر ختم ہوتا ہے۔ ان احکام کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا طریقہ ہے یہ اسلام کا طریقہ ہے یہ اسلامی حکومت کا منشور ہے اور اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے اور فرمایا کہ دوسرے طریقوں پر مت جاؤ، وہ تمہیں بھٹکا دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر آپ نے اسکے دائیں بائیں متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے اور پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ (انعام 153) پڑھی۔ گویا حضور ﷺ نے ایک ڈایاگرام کے ذریعہ صحابہ کرام کو سمجھایا۔

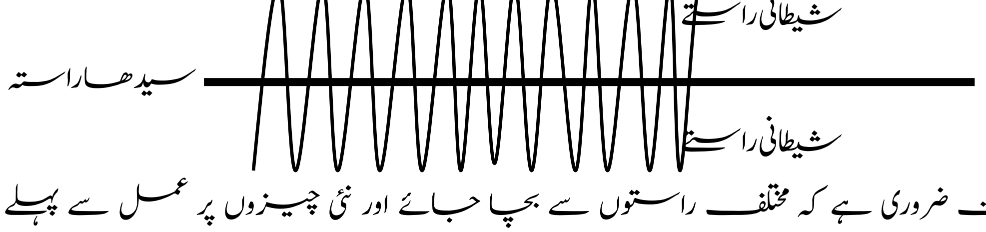

بہت ضروری ہے کہ مختلف راستوں سے بچا جائے اور نئی چیزوں پر عمل سے پہلے شریعت یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا تجزیہ کرکے پرکھا جائے۔ کئی نئی چیزیں فائدہ مند ہوتی ہیں کئی ایک کے فائدے کم اسکے نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے قرآن مجید واحادیث پر عمل کرنے کے بجائے مرضی کی تادیلات نکال کر مرضی

اور پسند کی ترجیحات کی صرف بیان کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اختلاف میں شدت ہے اور باہمی تعاون و تفاہم کی کمی ہے اسلئے ضروری ہے کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کیا جائے اور اچھے مقاصد کی چیزوں کو برے یا ذاتی مفادات کو مقاصد سے علیحدہ رکھا جائے تاکہ غلط اور صحیح کا واضح فرق نظر آجائے۔

وصیت نبوی اور امت مسلمہ:۔

آیات مبارکہ کے احکام اس قدر اہم ہیں کہ حضور نے اس پر بیعت کے لئے فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے وصیت کا مقام دیا۔ آیات مبارکہ میں دو دفعہ "وَصَاکم بہٖ" کا لفظ آیا ہے جس سے اسلامی معاشرہ میں ان احکام کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ آیات مبارکہ میں تین دفعہ تاکید کے الفاظ آئے ہیں آیت جس میں عقائد اور انسانی جرائم سے بچاؤ کے لئے احکام آئے اس پر فرمایا کہ عقل اور غور کرو تاکہ احکام کی ضرورت اور فائدہ کو سمجھ لو، سماجی و معاشی معاملات کے احکام کا ذکر فرمایا تو کہا کہ تم ان پر غور کر کے نصیحت پکڑو۔ پھر حکم ہوا کے نبی کے طریقہ پر چلو تاکہ تم گمراہی سے بچ سکو۔ تین آیات میں تین دفعہ کی تاکید اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ احکام کس قدر اہم ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ممالک ان احکام کی تنفیذ میں بہت پیچھے ہیں۔ جب ان احکام پر عمل نہیں ہوگا تو حضور علیہ السلام نے اسکے بارے بھی واضح فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہوگی اس میں بہ کثرت موت ہوگی۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا، اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہوگی، اور جو قوم عہد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن مسلط کر دے گا (مؤطا امام مالک)۔ اگرچہ موجودہ دنیا کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات دیکھیں تو یہ حدیث مبارک کی تعبیر نظر آتی ہے۔

یہ نو اہم احکام جو اسلامی معاشرہ اور حکومت کا اثاثہ اور ایک طرح کا آئین ہیں ۔بلکہ یہ نقاط اقوام عالم کے جدید آئینوں کا بھی حصہ ہیں، لیکن تمام مسلمان ممالک میں موجودہ حکومتیں ان کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرتیں۔ ایک سروے جو واشنگٹن یونیورسٹی سے کیا گیا اور ایک سروے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے بھی

کیا گیا، تو مغربی ممالک کے لادینی حکومتیں ان قوانین و احکام کی تنفیذ میں سب سے آگے ہیں اور مسلمان ممالک بہت پیچھے ہیں اور ان احکام کی تنفیذ نہ ہونے کی وجہ سے حدیث شریف کے مطابق ان کے معاشرے سماجی و معاشی سیاسی مسائل کا شکار ہیں۔ اس نظم کو علامہ اقبال نے اسطرح بیان کیا ہے۔

کون ہے تارک آئین رسول مختار مصلحت وقت کی ہے کس کے
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے عمل کا معیار
شعار اعیار ہو گئی نگہ طرز سلف سے بے زار
قلب میں سوز نہیں، روح کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں
میں احساس نہیں پاس نہیں
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دہر میں اسم محمد ﷺ سے
دے اجالا کر دے

یعنی اسلام کا اجالا کر دیا جائے یہ اسی وقت ہو گا جب مدینۃ النبی کی طرز پر خلافت راشدہ کی طرح اسلامی ریاست دنیا میں موجود ہو۔ جس کے لیڈر عادل، حق گو، خوف خدا والے ہوں، جسے دیکھ کر لوگ اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور یقین کر سکیں۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۴﴾

پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تا کہ جو لوگ نیک کام کرنے والے ہیں ان پر اپنی نعمت پوری کریں اور (اس میں) ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت تا کہ وہ لوگ (جو اسکو سنیں اور سمجھیں) اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۵۵﴾

اور یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا پس اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴿۱۵۶﴾

(یہ قرآن اسلئے نازل کیا) کہ تم پس یہ (نہ) کہو کہ پس (آسمانی) کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و انصار) پر اتاری گئی اور ہم کو تو

ان کے پڑھانے سے بے خبر تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾

یا یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم یقیناً ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ پس اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ موڑا۔ عنقریب ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے منہ موڑتے ہیں سخت عذاب کی سزا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ منہ موڑتے ہیں (حکم عدولی کرتے ہیں)۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اہم احکام کا ذکر فرمایا، کہ یہی سیدھا راستہ ہے جو نجاعت دے گا اس سے پہلے کفار مکہ کے مختلف عقائد باطلہ کا ذکر تھا۔ اب دوسرے مذاہب یہودیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول توریت کا ذکر ہے۔ اس میں بھی قرآن مجید کی طرح حق کی وضاحت اور معاشرہ کے لئے اصول دیے۔ تاکہ لوگ احکامات و دلائل سے ہدایت حاصل کریں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ انجیل کا بھی ذکر فرمایا کہ دونوں کتابیں حضور کی نبوت سے پہلے جاری تھیں، اب قرآن مجید بھی عرب میں نازل ہوا کہ وہ بھی اس پر عمل کر کے نجاعت حاصل کریں۔ اور یہ اعتراض نہ کریں کہ ان کی طرف ہدایت آتی تو وہ شرک نہ کرتے اب چونکہ اللہ کا کلام ان کی طرف بھی آگیا ہے، تو وہ انکار پر سزا کے مستحق ہوں گے اور حقیقت یہ تھی کہ کفار مکہ اللہ کی کلام اور اسکے رسول کا انکار کر رہے تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

وہ پس اسی انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے آ پہنچیں یا آپ کا رب (خود) آجائے یا آپ کے رب کی (مخصوص)

نشانیاں (سامنے) آجائیں۔ (انہیں بتا دیں) جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ پہنچیں گی (تو اس وقت) کسی (ایسے) شخص کا ایمان اسے فائدہ نہیں پہنچائے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان (کی حالت) میں کوئی نیکی نہیں کمائی تھی۔ کہہ دیجئے: تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔

کفار مکہ قرآن مجید اور حضور علیہ السلام کی تبلیغ بالخصوص موت کے بعد زندگی کی، حساب و کتاب کے بارے یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ بار بار اللہ کی قوت کو چیلنج یا دیکھنے کیلئے کہتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب آئے گا یا ایسی نشانیاں جو کہ قیامت کی ہوں گی تو ان کی ہولناکی کے پیش نظر خوف سے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب اگر قریش مکہ یا منکرین قیامت، حساب و کتاب کا انتظار کرنا چاہتے ہیں تو کریں آپ کہہ دیں کہ ہم بھی کر رہے ہیں۔ مسلمان کا انتظار ایمان کے ساتھ ہے جب کہ منکرین خدا تعالیٰ بغیر ایمان کے ہے۔ اثار قیامت پر اگر لوگ اقرار بھی کر لیں تو کوئی فائدہ نہیں۔ اسی لئے سکرات موت (یعنی بوقت موت) توبہ قبول نہیں ہوتی۔ توبہ جب زندگی میں موت کا خوف نہ ہو تو قبول ہوتی ہے۔

علامات قیامت: سورج کا مغرب سے نکلنا

قیامت کب آئے گی اس کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے مگر علامات اللہ کے نبی نے بیان کی ہیں جو کتب احادیث میں درج ہیں۔ مثلاً سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنا۔ اس بات کو پہلے عام لوگ محال سمجھتے تھے، مگر اب جدید تحقیق میں زمینی محور کے بدلنے کا امکان سامنے آگیا ہے، کہ زمین اپنے محور پر الٹی پھر سکتی ہے۔ اس طرح سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے۔ زمین کے محور میں تبدیلی کے لئے امکان کے بارے NASA، ریاستہائے متحدہ امریکہ میں 2015-8-12 کو امکان ظاہر کر رہا تھا (Geomagnetic Flip) زمینی مقناطیسی کنارے پھسل رہے ہیں۔ یعنی شمال والے جنوب کی طرف اور جنوب والے شمال کی طرف ہو رہے ہیں اوائل 2019 میں روزنامہ ایکسپریس لندن (یو، کے) نے بھی اسی موضوع کا مضمون شائع ہوا جس میں اسی رائے کا اظہار تھا اور کچھ محققین کا خیال ہے کہ انسانی زندگی زمین پر ختم ہو سکتی ہے۔ الین تھامسن جو کہ شعبہ

زمینی مقناطیسیت (Geomagnetism) کے سربراہ ہے، کا خیال ہے کہ اس طرح براعظموں کی جگہ تبدیل نہیں ہوگی نہ ہی بڑی تباہی آئے گی۔ زمین کا مقناطیسی فیلڈ کمزور ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے سورج کی ایٹمی تابکاری اور ایکسرے شعاعیں زمین کو سخت نقصان دیں گی۔ دنیا کی فضائی مواصلات، زمینی مواصلات، بجلی کی سپلائی کو بہت نقصان دے گی بلکہ تباہ کر دے گی۔ سائنسدانوں کے مطابق پچھلے ایک سو ساٹھ سال سے زمین کی مقناطیسی طاقت کافی کمزور ہو رہی ہے اور پولر Polar Reversal تبدیلی کی طرف جا رہی ہے جس میں ایک ہزار سال لگے گا۔ یہ تو سائنسی انکشاف ہیں جو انسانی مشاہدے اور انسانی تجزیے کی بنیاد پر ہیں اور ان میں تبدیلی ممکن ہے لیکن بحیثیت مسلمان ہمارے نبی ﷺ پیش گوئی جو آج سے چودہ سال قبل کی تھی اور جسے جدید سائنس میں انکار کیا جاتا تھا۔ اب اسے ایک حقیقت کی طرح تسلیم کر رہے ہیں۔ بہت بڑے دھوئیں کا اٹھنا (ذکر ہے)۔ یعنی زمین کا بڑا حصہ متاثر ہوگا جس طرح آج کل صنعتی دھواں ماحول کی آلودگی پیدا ہو رہی ہیں اور پھیل رہی ہے۔ لگتا ہے کہ اسقدر بڑھ جائے گا کہ پورا کا پورا ایک براعظم اس سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دجال کا ظہور، دجال کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سائنسی ایجادات اور مصنوعی عقل (Artificial Intelligence) بہت زیادہ ترقی کر کے دنیا اور زمین سے متعلق یہ بہت زیادہ اگاہ ہو چکی ہو گی۔ زمین سے ایک جانور (دابتہ الارض) کا نکلنا جو باتیں کرے گا اور پھر غائب ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ کا نازل ہونا اور زمین کا مشرق، مغرب اور پھر جزیرہ عرب کا دھنسنا (جو زلزلہ کی صورت) یا شدید سمندری طوفانی (سونامی) کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ یاجوج ماجوج کا پھیلنا درج ہیں۔ (بخاری شریف)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۱۵۹)

بے شک جن لوگوں نے (جدا رائیں نکال کر) دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ آپ کسی چیز کے (ذمہ دار) نہیں ہیں، پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر وہ انہیں ان کے کاموں سے اگاہ کرے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

فرقہ بازی کا نقصان اور اس سے بچاؤ:۔

حق واضح ہونے کے بعد آیت مبارکہ مذہب میں فرقہ بندی سے متعلق ہے۔ اس سے مراد یہودیوں یا عیسائیوں کے فرقے ہیں۔ اسی طرح کفار مکہ میں بھی عقائد سے مختلف اراء تھیں۔ اس اسلامی امت میں بھی فرقے ہوسکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے کئی احادیث میں بدعات اور نئی اشیاء جو بہتر صورت پیدا نہ کریں اور انسانی معاشرہ کے لئے فائدہ مند نہ ہوں، ان سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح اختلاف اور ضد سے سختی سے منع کیا۔ سواد اعظم (بڑے گروہ) کے ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی۔ چونکہ اسلام کا مکمل پیغام، آپ نے قرآن اور اپنے کردار و گفتار سے پہنچا دیا ہے، اسلئے آپ کی ذمہ داری پوری ہوئی، اب ذمہ داری ان افراد پر ہے کہ کس طرح پیغام پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات (شبہات پر یقین کرنے والے) اہل الفساد (گمراہی والے) ہیں۔ (مجمع الزوائد)۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت (سواد اعظم) کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا۔ اور خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے (تبیان القرآن جلد سوم)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متحد نہیں ہوگی (روایت مسند احمد)۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے (بطور اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں اور جو کوئی ایک گناہ لائے گا۔ تو اسکو اس جیسے ایک (گناہ) کے سوا سزا نہیں دی جائیگی اور وہ ظلم (زیادتی) نہیں کئے جائیں گے۔

نیکی کی ترغیب:۔

آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔ اللہ کی مہربانی اور رحمت کا مظہر کامل ہے۔ ایک نیکی کا انعام ایک ہونا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ترغیب کے لئے

دس کا انعام دیا ہے اور لفظ حسنہ (بھلائی / نیکی) استعمال کیا ہے۔ الصلوٰۃ یا العبادہ استعمال نہیں کیا بلکہ الحسنہ فرمایا۔ بھلائی اور نیکی کا مفہوم وسیع اور بالخصوص معاشرتی معاملات اور حقوق العباد کے زیادہ قریب ہے۔ اسلام کا یہ اصول کس قدر اہم ہے اور افراد کو کس قدر انسانیت کی بھلائی کی ترغیب دی ہے۔ دوسری طرف اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اسے دس گنا سزا نہیں ملتی، جس طرح نیکی کے معاملہ میں ہے، اسے صرف ایک ہی سزا (برابر) ملتی ہے۔ تاکہ انسانوں کے حساب وکتاب میں ان کو پریشانی کم ہوسکے۔ اسکے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، یعنی برائی یا گناہ کے معاملہ اسکے برابر ہی سزا دی جائیگی، اس کا یقین دلایا ہے۔

حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی اللہ سے ڈرو، اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو، وہ اس گناہ کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ (مسند احمد / ترمذی) ایک اور حدیث ہے کہ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا، گویا کرنے والے کی طرح ہے یعنی اس کو ثواب ملے گا، اسی طرح برائی کی طرف رغبت دینے والے کو رغبت دلانے کے درجے تک گناہ ملے گا۔

معیار اجر:۔

ایک دفعہ نبی ﷺ سے صحابہ نے اجر (معاوضہ) کے درجات کے بارے پوچھا، تو فرمایا کہ معاوضہ کام کی نسبت سے ہوگا، مثلاً اگر کسی فقیر کے پاس ایک ہزار روپے تھے تو اس نے سارے اللہ کے لئے دوسرے محتاجوں کو دے دیے، اور ایک امیر کبیر آدمی کے اسکے مقابل دس ہزار روپے دے دیے، تو چونکہ نسبت کے لحاظ سے فقیر نے اپنا سارا مال خرچ کر دیا اس کا اجر بہت زیادہ ہے اور چونکہ امیر نے اپنی دولت کے مقابل کچھ رقم صدقہ کی، تو اس کا اجر اسکے مقابلہ میں کم ہے۔ اور یہی حقیقی انصاف ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ(۱۶۱)

کہہ دیجئے! بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت دی ہے جو صحیح دین (مستقیم) ابراہیمؑ کا مذہب (ہے) جو یکسو (اللہ کی طرف) تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

کہہ دیجئے! کہ بے شک میری نماز، میری قربانی (حج) میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔

لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ ھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ؕ وَ لَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْھَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

کہہ دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر شی کا پالنے والا (رب) ہے اور ہر شخص جو بھی (عمل) کرتا ہے اسکا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں ان (اعمال کی حقیقت) سے اگاہ کرے گا جن میں تم جھگڑتے (اختلاف) کرتے ہو۔

وَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ٘ وَ اِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر رتبے میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں آزمائے جو اس نے تمہیں عطا کر رکھی ہیں۔ بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

پچھلی آیات میں مذہبی اختلافات کا ذکر تھا ان آیات مبارکہ میں نبی علیہ السلام کو ان کے دین کے خصائص بتانے کا حکم ہے۔ ظہور اسلام کے وقت عرب معاشرہ میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک اہل عرب (مکہ) جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا دین پر چلنے والے کہتے تھے دوسری طرف یہودی تھے وہ بھی حضرت ابراہیم کے دین کے دعویدار تھے پھر عیسائی تھے وہ بھی دعوے دار تھے جبکہ تینوں مذہب کسی نہ کسی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ اسکے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام

سیدھا مذہب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے عطا کیا ہے۔ آپ اسی سیدھے مذہب پر ہیں اور حضرت ابراہیمؑ بھی اسی مذہب پر تھے۔ جو ہر طرح کے شرک کے گناہ سے پاک ہے۔ اس کے ساتھ آپ کا نمونہ زندگی ہر مسلمان کے لئے اس کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیے جو آیت میں ذکر ہے۔ نماز، عبادات وقربانی و حج، زندگی کی جدوجہد اور موت کی آخری منزل تک سارا سفر اللہ کی ذات کی رضا کے لئے ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہ ساری زندگی اس کے احکام کے تابع ہو۔

اعمال میں انفرادی ذمہ داری:۔

کفار مکہ مسلمانوں کر بار بار کہتے کہ تم اپنے پرانے دین یا ہمارے دین پر آجاؤ، جو ہمارے اباؤاجداد کا دین ہے۔ ہم تمہارے تمام کاموں کا ذمہ لیں گے بالخصوص ولید بن مغیرہ اس کا دعویٰ کرتا تھا۔ اسکے بارے یا کسی بھی دعویٰ کرنے کے بارے جواب دیا گیا، کہ قیامت کو ہر آدمی اپنے اعمال کا حساب دے گا۔ دنیا میں بعض اوقات کوئی کسی کا خسارہ یا نقصان پورا کرتا ہے لیکن قیامت میں عدل کے تقاضا پر ہر نفس اپنا ہی بوجھ اٹھائے گا۔ البتہ دوسروں کو نیکی یا بدی میں تعاون کے سلسلہ میں جو اس کی سزا یا انعام ہوگا، اسکا بھی حقدار ہوگا کیونکہ وہ بھی اس کے عمل کا نتیجہ ہے۔ اسی آیت کی بناء پر نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے ولد الزنا پر اسکے والدین کے جرم کا کوئی بھی اثر نہیں ہوگا، (معارف القرآن) وہ اپنے جرم کی خود ہی سزا پائیں گے۔ اسکا مقصد یہ ہے اسکو معاشرہ میں طعن کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ اختلافات کے بارے بھی فرمایا کہ ذات خداوندی اسکا بھی فیصلہ کرے گی کہ کون کس حد تک صحیح یا غلط ہے۔ لہٰذا تشدد اور قتال سے منع کیا گیا ہے اسلام نے قتال کو صرف دفاع کے لئے لازم قرار دیا ہے تاکہ امن برقرار رکھا جاسکے۔

اختلاف کی وجہ اکثر اوقات انسانوں کے درمیان مراتب کا فرق ہو جاتا ہے اور اختلاف کائنات کا حسن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو مکمل اسکی مرضی کے مطابق نہیں دیا، بلکہ ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خوبی دی ہے اور ساتھ ہی کسی نہ کسی چیز کی کمی بھی دے دی ہے۔ دولت، عزت، شہرت، طاقت، حسن، انداز، قد، علم، عقل۔ سب اسکے انعامات ہیں اور ہر فرد کو نوازا بھی ہے اور محروم بھی رکھا ہے۔ اس کی حکمت بتادی کہ تم ان احسانوں کا بدلہ کیا دیتے ہو جب قوت، طاقت ملتی ہے تو کس طرح

اسکو استعمال کرتے ہو، جب محرومی آتی ہے تو کس طرح رد عمل کرتے ہو، اس کے شکر اور نعمتوں کا کس قدر احساس رکھتے ہو اور نفرت، محبت، تکبر، حسد، صبر، شکر، ایثار، اخلاص کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔ لہذا ان سب کا استعمال، اس کے حکم کے مطابق کیا جائے یہی ہماری آزمائش ہے۔

آیات میں انسان کی عظمت کا اسے احساس دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیفہ بنا کر دنیا (زمین) پر بھیجا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر انسان سے کوئی حیوان یا طاقت، زیادہ طاقتور نہیں۔ انسان اپنی ان صلاحیتوں کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہیں، ہر چیز کو جو زمین پر اسکے اندر اور اسکے اوپر ہے، کو تابع بنایا ہوا ہے۔ اس عظیم ذمہ داری اور نعمت کا حساب بھی ہوگا، کہ شکر گزاری اور فرمانبرداری کی۔ یا ناشکری اور نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا حساب و کتاب بڑا جلد اور بڑا سخت ہے اور اس کے ساتھ وہ بڑا مہربان۔ بخشنے اور بڑا رحم والا ہے۔ غلطی پر ندامت اور نقصان کی تلافی (حقوق العباد میں) کرے، اس کے عذاب سے بچنا اور توبہ سے اسکی رحمت سے فائدہ اٹھانا بہت ضروری ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔

سورت کی ابتداء حمد سے ہوئی اور اختتام مغفرت پر ہے۔ اور اسکی آخری آیات بہت اہم ہیں اور ان کا پیغام انسانی زندگی کیلئے بہت اہم ہے۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس آیت کو وظیفہ زندگی بنائے۔ یعنی اپنی زندگی میں نافذ کرے۔

الحمد للہ سورۃ انعام اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا نور بصیرت عطا فرمائے اور کوتاہیوں کو درگذر فرمائے۔ آمین۔

سورۃ الاعراف

تعارف:۔

اس سورۃ میں مقام اعراف کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے اس سورۃ کا نام اعراف ہے۔ یہ سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی اور یہ طویل ترین سورۃ ہے۔ اس میں دو سو چھ آیات ہیں اور اس میں چوبیس رکوع اور 3325 الفاظ ہیں۔ اعرف کے معنی جاننے کے ہیں اور اس کا دوسرا معنی بلندی بھی ہے جو کہ جنت اور دوزخ کے درمیان بلند جگہ ہے۔ مضامیں کا انداز مکی سورتوں کی طرح توحید کے دلائل میں بنیادی عقائد ہیں۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو انسانیت کی راہنمائی کے لیئے نازل کیا گیا ہے اور قیامت تک کا معجزہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے، شیطان کا تکبر، حضرت آدم علیہ اسلام سے دشمنی اور حضرت آدم علیہ اسلام کا جنت سے نکلنے کا ذکر ہے۔ مشرکین مکہ کے بہانوں کا رد فرمایا۔ اہل جنت اور اہل دوزخ کی کیفیات اور مکالمات سے آگاہ کیا ہے اور حالت بتائی ہے۔۔

اللہ کی وحدانیت پر کائنات کے وجود کا ذکر فرمایا، اللہ کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سابقہ انبیاء کا بھی ذکر فرمایا، حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط اور قوم لوط کا ذکر ہے۔ حضرت شعیب علیہ اسلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ اسلام، فرعون، سابقہ اقوام کی سرکشی اور عذاب کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتں اور ان کی سرکشی پر عذاب کا ذکر ہے۔ یہی وارننگ اہلِ مکہ کو دی گئی ہے۔

شرک کا رد فرمایا، مکارم اخلاق اور شیطان سے بچنے اور رجوع الی اللہ کا حکم فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف اور انعام، کے مضامین مکی ہونے کی وجہ سے قریب ہیں، اس لیے مفسرین کے ہاں اس کے نزول کا زمانہ بھی سورۃ انعام کے ساتھ ساتھ ہے۔

اعراف پر اصحاب اعراف ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی۔ ان کے گناہ جنت سے رکاوٹ اور نیکیاں دوزخ سے رکاوٹ ہیں اور وہ اپنے حکم کے منتظر ہیں۔ دونوں اطراف کی کیفیات دیکھ کر عبرت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلہ فرمادیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿١﴾

حروف مقطعات۔ الف لام، ص۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾

یہ کتاب (قرآن مجید) آپ کی طرف نازل کی گئی، آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو، آپ اسکے ذریعے (منکرین) کو ڈرسنا سکیں، اور ایمان والوں کے لیئے نصیحت ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

تم (اے لوگو): اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اس کے علاوہ تم اور دوستوں کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ﴿٤﴾

اور کتنی بستیاں (ایسی ہیں) جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جن پر ہمارا عذاب رات کو آیا، یا ایسی حالت میں کہ دوپہر کو سو رہے تھے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾

جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت وہ کچھ نہ پکار سکے سوائے اس کے کہنے کے کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿٦﴾

پھر ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے، جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور یقیناً رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔

سورت کی ابتدا حروف مقطعات (ال م ص) سے فرمائی گئی۔ یہ حروف قرآن مجید کے اسرار اور معجزوں میں سے ہیں۔ اس کی تفسیر سورۃ بقرہ کی ابتداء میں بیان کی گئی ہے کچھ مفسرین نے ان سے اشارے لیے ہیں لیکن اصل حقیقت اور معنی اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہیں۔

سورت مکی ہے، آپ مکہ شریف میں سالہا سال تبلیغ فرماتے رہے، لیکن بہت کم اثر ہوا، مسلمان تعداد میں بہت قلیل اور کمزور تھے۔ اس لیئے آپ کی

تسلی کے لیے فرمایا، کہ آپ کفار کی ہٹ دھرمی سے پریشان نہ ہوں اور تبلیغ میں تنگی محسوس نہ کریں۔ یہ قرآن پاک کی تعلیمات انسانیت کے لیئے ہیں۔ آپ ان احکامات پر عمل نہ کرنے کے عذاب سے ڈرائیں اور مومنین اس کتاب کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوں گے تو اللہ کی نصرت آپ کے ساتھ ہے۔ کفار آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اتباع کس کی کریں؟

آیت میں تاکید کی گئ کہ اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کی پیروی کرو۔اپنی پسند یا دوسرے افراد کی پیروی نہ کرو بلکہ قرآن اور نبی ﷺ کے اعمال واقوال کی پیروی کرو۔جو کہ بشیر ونذیر ہیں اور وہ بھی اللہ کے اتارے ہوئے احکام کی طرح ہیں۔جب احکام واضح طور پر آ گئے اور انبیاء علیہم اسلام نے ان کو وضاحت کے ساتھ پہنچایا اور عملی طور پر کیا، لیکن لوگوں نے ان پر عمل نہیں کیا بلکہ خلاف کیا۔ان کا انجام عذاب الٰہی کی صورت میں تباہی پر ہوا اور عذاب اس وقت آیا جب وہ رات کو سورہے تھے یا دن کو گرمی کی وجہ سے دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔جو کہ غفلت کے اوقات ہیں، اس طرح ان پر ناگہانی عذاب آکر ان کو ختم کر دیتا۔ جب عذاب میں پڑتے تو ان کو اپنے جرم کا احساس ہوتا اور اعتراف کرتے۔اس وقت ان کی پکار یا توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ اعترافِ گناہ ان کو سزا کا حقدار بناتا اور تباہ ہو جاتے۔ آیت کا مقصد کفار مکہ کو اس عذاب سے بچنے کی ترغیب دینا ہے۔

جوابدہی:۔

تمام انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور کتابیں نازل کیں۔اس لیے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں انہوں نے نافرمانی کی۔ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، اور پھر انبیاء اور رسل سے بھی ان کی تبلیغ کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے احکام کو لوگوں (مخلوق خدا) تک پہنچایا۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی احکام خداوندی کے پیغام پہنچانے کی ذمہ واری کے بارے حاضرین سے گواہی لی اور ساتھ حکم بھی فرمایا کہ تم میں جو موجود ہے وہ یہ پیغام غائب تک پہنچائے تاکہ تبلیغ کا فریضہ بہتر طریقے سے مکمل ہو۔ یہ سارے امور (سوال وجواب) اللہ تعالیٰ قیامت کو، عدل کے تمام

تقاضوں کو مجرمین اور انعام یافتگان کے سامنے پورا فرمائیں گے، تاکہ حجت تمام ہو اور عدل کا جو وعدہ فرمایا پورا ہو۔ یہ احکام ہم سب کے لیے ہیں کہ ہم کہاں تک اللہ کے احکام اور اسکے رسول نبی آخر الزماں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں یا اپنے نفس اور خواہشات کے تابع ہیں۔ محاسبہ کے بارے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا "کوئی ابن آدم اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے قدم نہیں ہٹا سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرے

۱- اس نے اپنی عمر کن کاموں میں فنا کی۔ ۲-اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری۔ ۳۔اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا، ۴۔اور کن کاموں میں خرچ کیا اور ۵۔ جو اس نے علم حاصل کیا تھا اس کے مطابق عمل کیا، (ترمذی شریف)۔ ہم سب کو اپنے سوالات کے جواب کا فکر کرنا چاہیئے۔ اور یہ سارے سولات معاشرتی کردار کا حصہ ہیں۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ۝۷

پھر ہم ان کے سامنے اپنے علم سے ان کے احوال بتائیں گے، کہ ہم غائب نہ تھے۔

وَ الْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۸

اور (اس دن) اعمال کا وزن بالکل حقیقت (حق) ہے، پس جس کے وزن (نیکیوں) کے بھارے ہوئے وہی کامیاب ہیں۔

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۝۹

اور جن کے وزن (نیکیوں کے) ہلکے ہوئے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں (احکام) کے ساتھ ظلم (انکار) کرتے تھے۔

حساب وکتاب:۔

قیامت کے منظر کا ذکر ہے جب انبیاء اور مخلوق سے انکے اعمال کا سوال ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا جواب مخلوق (انسانوں) کو ان کے نامئہ اعمال کی صورت میں دیں گے، کیونکہ

ذات خداوندی علیم (سب جاننے والا) ہے۔ ہمارے اعمال کو دو فرشتے نیکی اور بدی کا ریکارڈ کر رہے ہیں۔ پہلے تو یہ بات عجیب لگتی تھی مگر اب ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں، سب انسانوں کے اعمال کا آلات کے ذریعے آواز وتصویر میں ریکارڈ رکھنا ممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ کا نظام تو بہت ہی اکمل اور اعلیٰ ہے، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم تو کائنات میں موجود اسباب کا بہت ہی معمولی حصہ استعمال کر رہے ہیں۔ وزن سے مراد اعمال کا حساب وکتاب ہے، معیار، مقدار، کثرت کمی سب کو حاوی ہے۔ کیفیت و نوعیت سب پر مشتمل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے ناپ تول، معیار، مقدار، کے آلات اور پیمانے کس قدر بنائے ہیں۔ کبھی ہزار (کلو بائٹ) معیار تھا تو آج کروڑوں اربوں کی تعداد کا معیار ہے جیسے گیگا بائٹ بنی، پھر ٹیرا بائٹ بن گئی ہے اور ہر سٹروک یا نقطہ گنا جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں صرف ٹھوس اشیاء کے لیئے ترازو تھا، پھر صنعتی و معاشرتی ترقی سے، مائع، گیس، بجلی، حرارت سب کے پیمانے بن گئے لہٰذا اعمال کا محاسبہ ایک بڑا قابل فہم ویقین بات ہے، جس میں اب کوئی ابہام نہیں، بالخصوص جب نیت کے بارے میں سو فیصد علم ہو جائے تو اعمال کا وزن اور جزا وسزا کا عمل بہت آسان ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ حقیقی عدل فرمائیں گے اس لیے لفظ "حق" فرمایا کہ ایک طرف حقیقت ہے، دوسری طرف حق، لیکن پورا پورا انصاف ہے۔ پھر نیکیوں میں کثرت والوں کے لیئے خوشخبری جو ان کے اعمال کی وجہ سے ہو گی اور دوسری طرف زیادہ گناہوں والوں کے لیئے سزا ہو گی جو کہ ان کے اعمال (ظلم) کی وجہ سے ہو گی۔ مختلف احادیث مبارکہ میں ان اعمال کے حساب وکتاب کے بارے بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث بروائت حضرت ابو ہریرہ ہے کہ حضور علیہ اسلام نے فرمایا، جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے اللہ کی راہ میں گھوڑے کو باندھا (یعنی جد وجہد کی) اس گھوڑے کا چارہ، اس کا پانی اور اس کی لید، (اس کا پیشاب) قیامت کے دن میزان میں اس کا وزن کیا جائے گا، (البخاری، المستدرک)۔ اسی طرح ایک اور حدیث بروایت حماد بن سلمان ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا اور وہ اپنے اعمال کو بہت کم جان رہا ہو گا، وہ اسی کیفیت میں ہو گا، کہ بادل کی طرح ایک چیز آئے گی اور اس کے پلڑے میں جا گرے گی۔

اس سے کہا جائے گا، یہ وہ چیز ہے جو تم لوگوں کو نیکیوں کی تعلیم دیتے تھے۔ تمہارے بعد تمہاری تعلیم سے نیکیاں ظہور میں آئیں اور تم کو اس کا اجر دیا گیا (کتاب الزھد لابن مبارک)۔ حضور علیہ اسلام نے اس وقت بتا دیا کہ غیر مرئی اور غیر مادی امور کا بھی پیمانہ ہو گا۔ یعنی ہر عمل بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا اجر ملے گا۔ انسانی سائنس اگر ایک نقطہ گن سکتی ہے تحریر کا ہو تصویر یا اواز کا ہو تو اللہ تعالیٰ کا نظام کائنات بہت اعلی اور اکمل ہے۔ اس کے لیے یہ سارے میزان، پیمانے بہت معمولی ہیں۔ آیات اور احادیث مبارکہ میں ہمیں اپنے محاسبہ کی طرف دعوت اور آگے کی زندگی کے لیے منصوبہ بندی و عمل کی تاکید کر رہی ہیں۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۠ (۱۰)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر کنٹرول (قبضہ) دیا اور اس میں تمہارے لیئے اسباب زندگی مہیا کیے (مگر) تم کم شکر ادا کرتے ہو۔

حساب کتاب کے ساتھ اس کی وجہ بتائی کہ تمہیں (انسانوں کو) زمین پر قدرت اور قبضہ دیا۔ تمہاری زندگی کے لیے تمام اسباب مہیا کیئے۔ لہذا ان کی وجہ سے تم کو شکر گزار ہونا تھا۔ مگر تم لوگ شکر گزار نہیں۔ اکثریت اس کا احساس نہیں کرتی۔ غور کریں انسان اپنے حجم اور جسمانی طاقت میں کمی کے باوجود، روئے زمین پر جتنے بھی جاندار ہیں ان پر حاوی ہے۔ بیل، ہاتھی، گینڈا، سب اس کے تابع ہیں۔ ہواؤں میں اڑ رہا ہے، پھل، درخت، اناج، معدنیات سب اس کے استعمال کے لیئے ہیں۔ حیوانات اس کے تابع ہیں۔

شکر اور اسکی اہمیت:۔

ابتداء انسان سے لے کر آج تک زمین پر انسان کی زندگی ترقی آرام کے اسباب ہیں۔ آبادی کے بڑھنے کے باوجود ذرائع اور اسباب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان نعمتوں کے مقابل انسان پر لازم ہے کہ اس کے اور اس زمین کے خالق کا شکریہ ادا کرے، لیکن کم افراد زندگی میں اللہ کے شکر گزار ہیں اور اس کے احکام پر چلتے ہیں۔ شکر کا معنی ہے، احسان یا مہربانی کو پہچاننا اور بیان کرنا، اس کا اظہار دل کے اندر، زبان اور اعمال سے کیا جاتا ہے۔ شکر کا عمل پانچ اجزاء پر مبنی ہے۔ ا۔ نعمت کا اعتراف کرنا ۲۔ منعم (نعمت دینے والے) کی

تعریف کرنا، ۳۔ منعم سے محبت کرنا، ۴۔ منعم کے ساتھ عجز وانکسار سے پیش آنا، ۵۔ منعم کی نعمت ،اس کی ناپسندیدہ جگہ استعمال نہ کرنا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی چیز نامکمل ہو تو شکر مکمل نہیں ہوتا۔

شکر ادا کرنے کے بارے بہت زیادہ احادیث ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی علیہ اسلام نے فرمایا کہ جس نے قلیل چیز کا شکر ادا نہیں کیا ۔اس نے کثیر چیز کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفر ہے (مسند احمد)۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ اسلام نے فرمایا کہ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ (ابو دوٗد / ترمذی)۔ کس قدر اہم حدیث ہے ، کہ ہمیں بھلائیوں کا اعتراف اور شکر ادا کرنا چاہیئے۔ ایک اور حدیث بروائت حضرت جابر رسول اللہ نے فرمایا، کہ جس کو کوئی چیز دی گئی تو وہ اس کے بدلے میں کوئی چیز دے۔ اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس کی تعریف کرے۔ جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اس کو چھپایا، اس نے کفر (ناشکری) کیا (ابو داوٗد)۔

شکر کرنے کا ایک انتہائی خوبصورت پہلو یہ ہے کہ بھلائی کرنے والے کو اس کی بھلائی کی اہمیت اور آئندہ کرنے کے لیئے ترغیب مل جاتی ہے اور اس طرح معاشرہ میں بھلائی اور نیکی پھیلتی ہے۔، آپس کے تعقات بہتر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہ احکام دنیا اور آخرت میں انسانی کامیابی کے لیے ہیں۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ لَمْ یَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ(۱۱)

بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا (حکم دیا) کہ آدم کو سجدہ کرو، پھر سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ(۱۲)

پوچھا (اے ابلیس!) تجھے کس بات نے روکا تھا، کہ تو نے سجدہ نہیں کیا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا

ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

فرمایا (کہا) تو یہاں سے اتر (نکل) جا، تجھے یہ کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے، پس (میرے دربار سے) نکل جا، بے شک تو ذلیل و خواروں میں سے ہے۔

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

اس (ابلیس) نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت (زندگی کی) دے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

فرمایا (کہا) بے شک تو مہلت دیئے جانے والو میں سے ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

اس (ابلیس) نے کہا: جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا (تاکہ ان کو حق کی راہ سے گمراہ کروں)۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

پھر میں یقیناً ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے دائیں اور ان کے بائیں، سے ان کو گھیروں گا، اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

فرمایا یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا، جو شخص ان (بنی ادم) میں سے تیری پیروی کرے گا، میں تم سب سے جہنم (دوزخ) کو بھر دوں گا۔

تکبر اور اس کے نقصانات:۔

پچھلی آیات میں حساب و کتاب کا ذکر تھا۔ ان آیات میں انسانی تخلیق اور شیطان کی دشمنی کا ذکر ہے، انسانی تخلیق بھی انعام خداوندی ہے، انسانی جسم کی تخلیق کو اگر ہم دیکھیں، ہمارے ہاتھ، پاؤں، سینہ، سر، ٹانگیں، اپنی مثال آپ ہیں اور خالق کی کاریگری کا ثبوت ہیں، اس پر بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ فرشتوں کو انسانی عظمت کے طور پر سجدہ کرنے کا

حکم ہوا، تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی، مگر شیطان جو وہاں موجود تھا اس نے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ تکبر کا اس کے اندر عنصر تھا۔ تکبر کی وجہ سے انسان کے اندر صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے تعلقات کی گرم جوشی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ تکبر ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے، کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہت اعلیٰ تصور کرتا ہے۔ اس طرح وہ دوسرے حقائق اور افراد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، ضد کرتا ہے اور خود کو برتر سمجھتا ہے۔ تکبر کی وجہ سے غلطی کا اعتراف نہیں کرتا، مزید غلطی کرتا ہے اور صحیح تجزیہ کرنے سے محروم رہتا ہے، لوگ اس سے دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو شیطان کا یہ تکبرانہ عمل پسند نہیں آیا، شیطان سے سوال کیا گیا کہ یہ جرم کیوں کیا؟ اس نے اپنی برتری کا اظہار کیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں ،اور انسان مٹی سے بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ یہ اس کا اپنا خیال اور گمان تھا جو غلط تھا۔ کیونکہ جس ذات نے اسے اور انسان کو بھی پیدا کیا، وہ صحیح علم رکھتی تھی نہ کہ شیطان۔ تکبر کا سبب ایک لاعلمی اور ظن ہے، جس کی وجہ سے غلط فیصلہ ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان کے انکار کی سزا یہ دی گئی کہ اسے قرب الٰہی اور آسمانوں سے نکال دیا گیا۔ اس پر اس نے درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے، اللہ تعالی نے ناراضگی کے باوجود ایک مجرم اور گناہ گار کی درخواست قبول کرلی، جو اسکی رحمت کی وسعت کی دلیل ہے۔ اسے ایک معین مدت تک کی مہلت مل گئی۔ اس معین مدت کو ذاتِ خداوندی بہتر جانتی ہے کہ وہ پہلی صور ہے جب کائنات ختم ہو جائے گی یا اس سے بھی پہلے کوئی وقت ہے۔ اس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب تک انسان موجود ہیں وہ ان کو گمراہ کرنے کے لیئے موجود رہے گا دنیا کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

شیطانی طریقہ واردات:۔

جب شیطان کو مہلت ملی تو اس نے توبہ یا اپنی غلطی کے اعتراف کی بجائے پھر الزام لگایا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ میری راہنمائی کیوں نہیں کی، یہ پھر تکبر کا انداز تھا اور پھر ضد کی کہ جس کی وجہ سے مجھے دربار خداوندی سے نکالا گیا ہے اسکی پوری دشمنی کروں گا اور سر توڑ کوشش کروں گا کہ وہ بھی احکام خدا کی حکم عدولی کرے اور گمراہ ہو کر

سزا کا مستحق بنے۔ قرآن مجید نے کئی بار قصۂ ابلیس ذکر کیا ہے اور مقصد یہی ہے کہ شیطان کی دشمنی اور طریقۂ واردات کو انسان سمجھ سکے اور اس سے بچ جائے۔ پھر شیطان نے برملا کہا کہ میں تیری پسندیدہ مخلوق (انسان جو کہ خلیفۃ الارض) کو ہر طرح سے گمراہ کرونگا۔ جس کا الفاظ میں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ، جس قدر امکانی طریقے ہوں گے استعمال کروں گا۔ اس لیے شیطان سے بچنے کے لیے، اللہ کی پناہ طلب کی جائے کیوں کہ انسان کا صرف اپنے عمل سے اس سے بچ جانا بہت مشکل ہے، وہ انسان کو، تصویر، زبان، نسل، رواج، علم کے بہانے، خیالات، سازو اواز، ہر طریقہ سے چاہتا ہے کہ اللہ کے احکام ادا کرنے سے قاصر یا ناکام ہو۔ اس طرح قرب اور رحمت خداوندی سے محروم رہے۔

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ ابلیس کو حکم عدولی کی وجہ سے اور اس کے بہکانے سے جو لوگ میری حکم عدولی کریں گے ان سب کو دوزخ میں رہنے کی سزا دوں گا، اللہ تعالیٰ شیطان کی پیروی سے محفوظ فرمائے اور اس کے احکام ہر عمل اور اس کی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۹﴾

اور اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جاؤ ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والے ہو جاؤ گے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴿۲۰﴾

پھر شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے، اور کہا (اے آدم و حوا) تمہیں تمہارے رب نے اس درخت (کا پھل کھانے) سے نہیں روکا مگر (صرف اس لیے کہ کھانے سے) کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے یا تم دونوں (اس میں) ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔

وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَۙ(۲۱)

اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے خیر خوا ہوں میں سے ہوں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۲)

پس دونوں کو فریب سے مائل کر لیا، سو جب دونوں نے (درخت کے پھل) کو چکھ لیا تو دونوں کی شرم گاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے، اور انہیں ان کے رب نے ندا (کہا) دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے قریب جانے سے روکا نہیں تھا اور تم سے یہ نہ کیا تھا، کہ شیطان (ابلیس) تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ(۲۳)

ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم یقینا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ(۲۴)

کہا (حکم دیا) تم (سب) نیچے اتر جاو، تم میں سے بعض کے بعض (ایک دوسرے کے) دشمن ہیں، اور تمہارے لیے زمین میں معین مدت تک جائے سکونت اور نفع اٹھانا ہے۔

قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۠(۲۵)

فرمایا تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے (قیامت کے دن)۔

(ابلیس) شیطان کا قصہ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ اسلام نے شیطان کے بہکانے، اس کی جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے اعتبار کرنا پڑا۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، کہ جنت میں کوئی مخلوق اللہ کی قسم کھا کر دھوکہ دے گی۔ اس کی

بناء پر آپ سے اجتہادی یعنی رائے کی غلطی ہو گئی۔ اس سے عمداً اللہ کے احکام سے خلاف ورزی کا ارادہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو جوں ہی احساس ہوا، آہ و بکا اور توبہ شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر ایک مدت یعنی (ولادت سے موت تک) زندگی گزارنے کی مہلت دی۔ ساتھ ہی معاش کے اسباب مہیا کر کے اس کی کوشش و طلب بھی رکھ دی گئی، تاکہ عمل کر کے نفع حاصل کر سکے۔ اس طلب میں، انسان سے انسان کی دشمنی بھی اس کی فطرت و عادت کا حصہ بنا دی گئی۔ چونکہ زمین پر خلیفہ بننا تھا۔ خلافت بھی ان آزمائشوں کے ساتھ عطا کی گئی، زمین پر مرنا اور زمین سے دوبارہ زندہ ہونا مقرر کر دیا گیا۔ شیطان نے انسان کو دھوکہ دینے اور گمراہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ اس لیئے شیطان کے مختلف ذرائع سے انسانی دماغ پر اثر انداز ہو کر، خواہشات و حالات کو بھڑکانے اور انسان کو گمراہ ہونے سے بچنے کے لیئے، نہ صرف ہدایت دی، بلکہ راہنمائی کا سارا انتظام، انبیاء و رسل اور الہامی کتب کے ذریعے کیا گیا۔ قرآن مجید میں انیس مرتبہ لفظ ابلیس کا ذکر آیا ہے۔ اور اسی طرح انیس مرتبہ اس سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے۔ اللہ کی پناہ، اللہ کے کلام کو سمجھ کر پڑھنے، اس پر عمل کرنے اور نبی علیہ اسلام کی تعلیمات (احادیث و کردار) کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے میں ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اے آدم کی اولاد بے شک ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم گاہیں (ستر) کو چھپائے اور تمہارے لیئے زینت ہو۔ اور جو پرہیزگاری (تقویٰ) کا لباس وہ سب سے بہتر ہے، یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

جنت، میں ممنوعہ درخت کو کھانے کے بعد، آدم کا ستر جو جنت کے لباس میں چھپا تھا اتر گیا اور وہ انسانی شرمگاہ کو چھپانے کے لئیے پتوں کو لگاتے رہے اور پھر جنت سے نکالے گئے۔ زمین پر لباس کا سامان اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمایا۔ روایات ہیں کہ آپ کو لوہے کے استعمال کے طریقے سکھائے، زراعت سکھائی گئی اور غذا کو پیدا کرنے استعمال کرنے کا علم دیا گیا۔ اشیاء کی ہیت اور شکل سے تو جنت میں واقف تھے۔ اس

طرح انسانی معاش کا پہلا ذریعہ کھیتی باڑی (زراعت) شروع ہوئی۔

کونسا لباس؟

انسانی لباس ایک تو شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے۔ موسم کے حالات سے انسانی جسم کی حفاظت کرتا ہے۔ گرمی، سردی، برسات وغیرہ۔ اس کے ساتھ لباس چونکہ جسم پر ہوتا ہے، اس لیئے زینت کا بھی کام کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فیشن کی دنیا کی رونق، لباس میں زیب و زینت کی وجہ سے ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ موسمی اثرات، زمین کے جغرافیائی علاقے پہاڑ، صحرا، میدان کے مطابق علاقوں کے لباس مختلف ہیں۔ اس لیئے اسلام کا کوئی لباس نہیں۔ حضور ﷺ، مکہ شریف میں وہی لباس استعمال فرماتے تھے جو وہاں کے لوگ پہنتے تھے۔ کافر مسلمان سب ایک ہی جیسا لباس پہنتے تھے۔۔ اسی طرح مدینہ شریف میں بھی مسلمانوں، کفار، یہودیوں سب کا لباس ایک تھا، زبان ایک تھی اور کھانے کے انداز، پکانے کے انداز ایک تھے (جانوروں کے گوشت کے حلال و حرام مختلف تھا)۔

مسلمان کا لباس:۔

اسلام پوری زمین پر بسنے والوں کے لیئے ہے۔ لباس پہننے، رہنے کے انداز جس علاقہ کے ہیں، وہی ہیں، ہاں اسلام کے لباس میں، انسانی ستر کا ڈہانپنا ضروری ہے اور بہترین لباس تقویٰ، پرہیزگاری ہے جسکا ذکر آیات مبارکہ میں ہے۔ بدقسمتی سے ہم بعض لباسوں کو اسلام کا لباس بنالیتے ہیں۔ نبی ﷺ کی صحیح سنت، علاقہ کا لباس ہے، اگر علاقہ کا لباس نہ ہوگا تو تبلیغ میں لوگوں کو مانوسیت نہیں ہوگی، پھر حقیقی سنت یہ ہے کہ لباس بہت سادہ اور معمولی ہو۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ معمولی لباس پہنا، اگر کسی نے قیمتی تحفہ بھی دیا تو کچھ وقت استعمال کرکے صدقہ کردیا۔ یا کسی کو تحفہ دے دیا۔ آپ نے دعا کی میں فقیروں میں رہوں اور فقراء کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔ آپؐ کے لباس کو پیوند لگے ہوتے تھے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم جنت میں جانا چاہتی ہو تو پیوند شدہ لباس پہنو۔ آپ ہمیشہ صاف لباس پہنتے تھے۔ یہ ہیں لباس کے اسلام میں حضور ﷺ کے کردار اور سنت کی ترجیحات، پھر قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

تقویٰ انسانی کردار کا نام ہے، کہ جس طرح لباس ظاہر نظر آتا ہے اسی طرح انسان کا تقویٰ اور کردار نظر آنا چاہیے، سچ، عدل، انسانیت پسندی، حقوق کی ادائیگی، وعدہ کی پابندی، اللہ کے احکام کی تابعداری لباس کی طرح انسان کے کردار سے نظر آئے، تو تقویٰ کا لباس ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ اکثر شیطان انسان کو خسارہ میں ڈال دیتا ہے۔ ایک معمولی کام کو ادمی بہت ہی بڑا سمجھ لیتا ہے اور حقیقی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے۔ یعنی چند سکے لے کر سینکڑوں کا نفع چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی لوگ صحرائی چغہ، کبھی سفید لمبا کرتا، کبھی سبز رنگ کے عمامے، کبھی سینڈل کا نشان لگا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ شائد یہ اعلیٰ محبت ہے اور پوری سنت کی تعمیل یعنی پیوند شدہ لباس، معمولی غذا، بھوک وغیرہ، معمولی گھر، معمولی سواری، جو حضور ﷺ نے استعمال کی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور آسان کام کر کے سمجھتے ہیں کہ حق ادا کر دیا۔ اس طرح معمولی عمل سے صرف معمولی درجہ ملتا ہے اور اعلیٰ عمل سے اعلیٰ درجہ ملتا ہے۔

اسلام کی کوئی خاص زبان نہیں۔ اسلام تمام انسانوں کے لئے ہے، اس لیئے تمام زبانیں اسلام کی ہیں اور ساری زبانیں اللہ نے پیدا کی ہیں، قرآن مجید کی زبان عربی ہے اور عربی اس لیے کہ حضور علیہ اسلام کی زبان عربی تھی، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی زبان سریانی تھی اور انجیل سریانی زبان میں آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی زبان عبرانی تھی تو توریت عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ اگر قرآن مجید کسی اور زبان میں ہوتا تو حضور علیہ اسلام اہل مکہ کو کس طرح سمجھاتے اور تعلیم دیتے۔ مبلغ کے لیئے ضروری ہے کہ علاقے کے لباس اور زبان کو جانے تاکہ اسکی تبلیغ زیادہ قابلِ قبول ہو۔ عربی زبان کی تعلیم سے قرآن اور حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ لیکن اب تو عربی زبان کے ترجمے دستیاب ہیں ان کو پڑھنا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کے پیغام کی سمجھ آسکے اس لیئے آیت مبارکہ ہے کہ "وہ قرآن کو کیوں نہیں سمجھتے / غور کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں"۔ ناظرہ پڑھنے کا ثواب سمجھ کر پڑھنے اور غور کرنے سے بہت کم ہے اور نجات صرف عمل کرنے پر ہی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے آدم کی اولاد تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان سے ان کا لباس اتروا دیا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں (ستر) دکھائے، بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ایسے لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو ایک اہم پیغام دیا ہے۔ کہ انسانی جسم کو ننگا نہ رکھا جائے۔ بالخصوص وہ مخصوص اعضاء جو انسانی اخراج فضلہ کا ذریعہ ہیں، ان کی ستر پوشی کی جائے۔ حیوانات میں بھی اعضاء اخراج فضلہ کو جسم کے بالوں کے ذریعے یا دم کے ذریعے ڈھکا ہوتا ہے، لیکن انسان کا ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو ڈھانکنا ضروری ہے۔ شیطان نے پہلا حملہ یہ کیا کہ اس نے انسان کا لباسِ جنت اتروا دیا۔ لباسِ جنت میں انسانی انہدام و اعضاء ڈھکے ہوئے تھے اور جب وہ کھلے تو شرم و جھجک محسوس ہوئی۔۔ اب بھی شیطان انسان کے اعضاء کو ننگا کر کے مختلف جنسی رغبات پیدا کرتا ہے جو بے حیائی اور غیر اخلاقی تعلقات پر پہنچ کر معاشرہ میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے ستر پوشی (بالخصوص اعضاء مخصوصہ کا ڈھانپنا) ضروری ہے۔ حضرت آدم جب دنیا میں بھیجے گئے تو ان کو لباس کا انتظام اور طریقہ بھی بذریعہ الہام، اور اسباب مہیا کر دیا گیا، پھر لباس میں زمین کے حالات و موسم کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی نیا لباس پہنے تو یہ دعا پڑھے "اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی کو خوبصورت کرتا ہوں" (روح المعانی)۔ ایک اور حدیث مبارک بہت اہم ہے۔ حضور نے فرمایا جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد، پرانے لباس کو غرباء و مساکین پر صدقہ کر دے، تو وہ اپنی موت اور حیات، ہر حال میں اللہ کی ذمہ داری اور پناہ میں آ گیا (ابن کثیر)، کس قدر خوبصورت تعلیمات ہیں، جس میں معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خیال و احساس کے ساتھ رہتا ہے۔

شیطان کا وجود، اسکا حملہ:۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں ایک سائنسی انکشاف فرمایا، کہ شیطان

جنات کا وجود مادی انسان یا حیوانات کی طرح نہیں بلکہ یہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور آگ جس طرح ہم جانتے ہیں کہ انرجی کی صورت ہے جو کہ روشنی اور حرارت میں بدل جاتی ہے۔ اس کی رفتار بہت زیادہ ہے، اس کا وجود ہم نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کے اثر کو محسوس کر سکتے ہیں۔، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم شیاطین کو نہیں دیکھ سکتے وہ تمہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ شیطان اور ہمارے دماغ میں جو حرکات (نیورون) کی صورت میں پیدا ہو کر خیال بنتے ہیں، ان کو جان جاتا ہے اور پھر وہ، وہی حرکات ہمارے (نیورون) دماغ میں پیدا کرتا ہے یا ان میں تبدیلی کرتا ہے تاکہ اس کا اثر ہو سکے، مثلاً برے کام، فحاشی، فساد کے لیے جو حرکت (خیال) پیدا ہوتی ہے اس میں زیادہ قوت پیدا کر دیتا ہے، اس طرح ایک دفعہ کا خیال یا واہمہ، پھر تکرار کے ساتھ ارادہ بن جاتا ہے، اس کی ایک توضیح اس طرح ہے کہ جس طرح ہم روشنی اور آواز کے سگنلز اپنے ٹی وی یا کمپیوٹر یا ریڈیو پر دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ یا ہمارا کمپیوٹر اپنے اصل پروگرامر سے مختلف احکامات ہماری معلومات کے بغیر وصول کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اسی طریقہ کی ٹیکنالوجی یا قوت، اللہ تعالیٰ نے شیطان یا جنات کو دی ہے کہ وہ ایک تو بہت تیزی (روشنی کی رفتار) سے سفر کرتا ہے، جس طرح ہمارے برقی سگنلز کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہمارے جسم کے اندر مقناطیسی لہر کی صورت میں داخل ہو جاتے ہیں، (جس طرح الیکٹرو میگنیٹک لہروں کے ذریعے دماغ کے اندر کیفیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے) اور پھر وہ چونکہ عقل و سمجھ رکھتے ہیں، لہٰذا ہمارے خیالات کو دماغ میں، نیوروں میں حرکت کے ذریعہ اپنی طرف یعنی برائی کے خیال کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ یہ باتیں آج سے سو سال قبل تک تو ناممکنات میں سے تھیں۔ اب مصنوعی عقل، روشنی۔ مقناطیسی اور حرارت کی لہروں کا انسانی جسم کے اندر سرایت کر کے مختلف نتائج دینا، اور فضاء میں ان کی رفتار و فوائد کے بعد، یہ چیزیں ممکنات نہیں بلکہ یقین کی حد تک ثابت ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے آنے والا زمانہ اور زیادہ حقائق اور ثبوت سامنے لائے۔

سد باب:۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قوت اور طاقت دی ہے ۔ اس وجہ سے دنیا کی

اکثریت شیطان کے تابع ہے اور وہ بھی نسل اور قوت رکھتے ہیں۔ تو اس لشکر عظیم کا کارندہ انسان پر حملہ کر دیتا اور اسے گمراہ کرتا ہے، لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی زیادہ قوت اور طاقت دی ہے۔ ان کا لشکر بھی عظیم ہے جو کائنات کے امور سرانجام دیتا ہے۔ ان کی بنیاد بھی روشنی ہے۔ جس کے اندر وہی قوت اور طاقت ہے۔ ان کے ہاں بھی سمجھ اور عقل ہے اور پھر انکار یا حکم عدولی کا اختیار نہیں ہے۔ یہ فرشتہ انسان کی حفاظت اور شیطان کے حملے کو ختم کرنے کے لیے، انسان کے دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور ایک دوسرے خیال یا برے خیال کے مخالف ایک اور خیال کو پیدا کر دیتا ہے۔ احادیث میں ذکر ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اسکا ایک شریک جن (برائی) اور ایک فرشتہ (بھلائی) ہے۔ دونوں اس پر اثر کرتے ہیں۔ اسکے ساتھ اللہ تعالی کی یاد اور معوذتین کے پڑھنے کے بھی صوتی اثرات ہیں، جو جنوں یا شیاطین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اب انسان کا اختیار یہاں کام کرتا ہے جس کو وہ چاہے، اس پر اپنا فیصلہ کرکے عمل کرتا ہے، اچھا کرے گا تو انعام کا مستحق ہوگا اور برا کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا

ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی

اللہ تعالیٰ نے، ارادوں پر پکڑ یا سزا نہیں رکھی بلکہ عمل پر رکھی ہے۔ پھر برے اور اچھے کے معیار کی وضاحت اور علم کے لیے الہامی کتب اور انبیاء بطور لیڈر دنیا میں چنے اور انہوں نے اللہ کا پیغام پھیلایا۔ اور یہ انبیاء ہر علاقہ، ہر زبان کے لیے چنے یا متعین کیے گئے اور اس سلسلہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اور الہامی کتب کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی تعلیمات اور حضور ﷺ کے اعمال و اقوال کی روشنی میں، کسی بھی عمل کے اچھے اور برے کا فیصلہ کیا جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے مطابق انعام و سزا دیں گے۔ اسی لیے آیت میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے، شیطان ان کا دوست اور ساتھی ہے۔ انسان اس کے تابع بن جاتے ہیں اور اللہ کے احکام کو بھلا دیتے ہیں۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح اپنے باپ داداوں کو ایسا دیکھا اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم دیا ہے، کہہ دو بے شک اللہ

برے کام کا حکم نہیں کرتا، اللہ کے ذمہ وہ باتیں کیوں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴿۲۹﴾

کہہ دو میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے، اور نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے کرو اور اس (رب) کو اخلاص کے ساتھ اسکے فرمانبردار ہو کر پکارو، جس طرح تمہیں پہلے پیدا کیا ہے دوسری بار بھی پیدا ہو گے۔

فَرِیْقًا هَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴿۳۰﴾

ایک جماعت (گروہ) کو ہدایت دی اور ایک جماعت (گروہ) پر گمراہی ثابت ہو چکی، (کیونکہ) انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول: مکہ میں طواف کے وقت عریانی کا رواج تھا، عرب یہ سمجھتے تھے کہ جن کپڑوں میں وہ گناہ کرتے ہیں، ان میں کعبہ کا طواف ادب کے خلاف ہے۔ لہٰذا وہ یا تو قریش سے جو کہ کعبہ کے متولی تھے، ان کے کپڑے ادھار لیتے لیکن اتنے کپڑے میسر نہیں ہوتے تھے، اس لیے بقایا لوگ ننگے طواف کرتے اور رات اندھیرے میں کرتے تھے، وہ اسے ایک ادب کعبہ، اور نیکی کا عمل سمجھتے تھے۔ دراصل شیطان نے اچھوتے خیال، جو بظاہر ادب تھا ایک بڑے گناہ میں مبتلا کر دیا، پھر کہتے تھے کہ ہمارے اسلاف ایسا کرتے تھے، اسی طرح اللہ کا حکم ہوگا اور اس کو چھوڑنے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ فحاشی یا برائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ بھلائی اور اچھائی کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ان کا خیال صرف شیطان کا واہمہ تھا، جس کو انہوں نے اصول بنالیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس برائی کو منسوب کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور نہ اس کا ان کے پاس ثبوت ہے۔۔ اس سے ایک اور تعلیم ملتی ہے کہ بغیر تحقیق و جستجو کے کوئی بات کرنا غلط اور جرم ہے۔ آیتِ مبارکہ میں لفظ فاحشہ ہے اس سے مراد ننگا طواف تھا، اس لیے ننگا پن یا عریانی ایک برا

فعل ہے۔اسی طرح ہر وہ کام فحش ہے جو عقل و فہم اور فطرت سلیمہ میں برا واضح ہو۔اس میں عقلی طور پر اچھا و برا ہونا بھی شامل ہے (روح المعانی)۔ موجودہ دور میں بھی اس قسم کے خیالات بھی کسی کی رائے پر معاشرہ میں رواج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ان کو ختم کرنے کے لیئے ،ان کے عیوب سے لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے، تا کہ معاشرہ میں برائی پھیل کر تباہی کا باعث نہ بن جائے۔

اچھائی، برائی اور اللہ کے احکام کے ذکر میں جہاں یہ کہا کہ اللہ برائی سے منع فرماتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ عدل اور اعتدال کا حکم دیتا ہے (قسط کے معنی عدل اور اعتدال کے ہیں) ۔اس سے مراد وہ عمل ہے جو افراط اور تفریط (زیادتی اور کمی) سے محفوظ ہو اور مقرر حد کے اندر رہو۔ جسطرح ہم انجنیئرنگ میں برداشت کی حد کو ٹالرنس لمٹ کہتے ہیں۔یہ اسلام کا بڑا اہم اصول ہے۔ چونکہ عبادات (طواف) کے ضمن میں احکام بتائے جارہے ہیں، اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو، شرک سے بچو،اپنا رخ قبلہ کی طرف سے مراد نہ صرف چہرہ کا کرنا، بلکہ قول اور فعل میں اللہ کے حکم کے تابع رہنا ہے۔یعنی ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے، قیامت کا ذکر فرمایا، کہ جس طرح تم دنیا میں عدم سے وجود میں آگئے۔اس طرح قیامت کے بعد تم پھر زمین سے اٹھائے جاؤ گے۔ ایک اور حدیث کے مطابق ، جس حالت یا کیفیت میں آدمی تھا اسی میں اٹھایا جائے گا (ابن کثیر و مسلم)، تا کہ اپنا حساب وکتاب لے۔ قیامت اور جزاو سزا کا خوف ،اچھے اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے بچنے کا بڑا مضبوط محرک ہے۔ جسے انسانی نفسیات نے تسلیم کیا ہے۔زمین پر انسانی زندگی کے لیئے غذا کی ضروریات کے ساتھ معاشرہ میں امن سلامتی کے لیے قوانین کا بھی اللہ تعالیٰ نے بندو بست فرمایا، صرف انسان کو خیالات وخواہشات پر نہیں چھوڑا۔انسان کو سوچنے اور سمجھنے کی قوت کے ساتھ اختیار دیا۔شیطان کو قوت دی کہ وہ انسان کو ورغلائے، انبیاء کے ذریعے اور فرشتہ کے ذریعے بھلائی کی ترغیب وسہولت دی۔کچھ انسانوں نے شیطان کا ساتھ دیا اور وہ ان کے ساتھ ہو کر گمراہی پر ڈٹ گئے، لہذا ان کا مقدر گمراہی پر ہو گیا، ہر آدمی اپنے کو بہتر جانتا ہے اس لیے وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ صحیح کر رہا ہے ، لیکن وہ صحیح نہیں ہوتا۔کیونکہ اللہ کے احکام معیار پر پورا نہیں اترتا۔ دوسرا انسان، جس نے اپنی خواہشات وخیالات پر

سارادارومدار نہیں کیا بلکہ ہدایت خداوندی کی روشنی میں فیصلے کیے تو ہدایت ان کا مقدر بن گئی اور وہ کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۠ (۳۱)

اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت (مسجد میں) اپنی زینت کا لباس پہنا کرو اور کھاؤ اور پیئو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت مبارکہ بھی طواف اور عبادت کے بارے میں ہے۔ عرب ننگے طواف کو ثواب خیال کرتے تھے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کی عبادت کے وقت اچھے کپڑوں کے ساتھ جو انسان کے پاس ہیں۔ اور اچھے انداز میں یعنی صاف ستھرے ہوں، عبادت کی جائے۔ دوسری طرف عرب حج کے دوران بہت کم کھانا کھاتے اور اسے پرہزگاری سمجھتے کہ نفس کو بھوکا رکھیں، پھر یہ سفر پیدل لمبا ہوتا اور بہت کمزور ہوجاتے۔ اس غلط خیال کی بھی تردید فرمائی، کہ سفر حج میں کھاؤ، پیو۔ ہاں فضول خرچ اور زائد از ضرورت غذا یا اشیاء ضائع نہ کرو، کیونکہ اللہ ضائع کرنے والوں (اسراف) کو پسند نہیں کرتا۔

اقتصاد اور ماحول کا اہتمام:۔

اسلام معاشی طور پر ذرائع پیداوار کے استعمال میں کفایت کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اسی طرح ماحول کے لیئے اشیاء کو ضائع کرنے کو بھی منع کرتا ہے۔ خواہ وہ غذا سے ہوں یا دوسرے سامان زندگی سے۔ تاکہ ذرائع پیداور اور قدرتی وسائل تمام ابادی کے لیے مساویانہ طور پر مہیا ہوں۔ اسی ضمن میں احادیث مبارکہ میں تعلیمات دی گئی ہیں۔ مساجد میں اجتماعی عبادت کے دوران اچھے لباس اور اچھے انداز میں جانے کے طبی اور نفسیاتی فوائد زیادہ ہیں جن پر سے ہم سب اگاہ ہیں۔

لباس کے احکام:۔

ان آیات کے بعد ننگے طواف سے منع کر دیا گیا۔ نماز کے لئے بھی کم از کم ستر، ناف سے گھٹنوں تک اور عورتوں کے لیے سر اور کندھوں سے پاؤں تک ڈھانپنا ضروری قرار

دیا۔ چہرہ، ہاتھ، پاؤں کا ننگا ہونا ضروری ہے۔، وہ خواتین جو غلام (خادمہ) ہوتی تھیں، انکے لیئے پردہ کے احکام میں رعایت تھی۔ نماز کے لیے تو وہی احکام تھے، لیکن عمومی طور پر وہ چہرے اور پاؤں، ہاتھ کہنیوں تک اور ٹانگیں اوپر پنڈلی تک کھلی رکھ سکتی ہیں تا کہ انکے کام کاج میں آسانی ہو، جو انکا ذریعہ حیات ہے۔ لازمی ستر کے علاوہ مزید بدن ڈھانکنا اور اچھے کپڑے پہننا ایک اچھا عمل ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ، ہمیشہ اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے اور فرماتے اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (بحوالہ حدیث) اس لئے معمولی کپڑے جو عموماً پہنے ہوتے ہیں ان سے نماز تو ہو جاتی ہے۔ لیکن جس ذات کے دربار میں حاضری دینی ہے، اس کے مرتبہ و لحاظ سے اہتمام ضروری ہے۔ ہم بازار، دفتر، شادی، کسی میٹنگ میں جانے کے لیے کس قدر تیاریاں کرتے ہیں، حالانکہ وہ معمولی کام ہوتا ہے۔ گندے، میلے کپڑے، کھیل کود کا لباس، یا زیادہ ننگا لباس اور کام کا لباس (مثلاً رنگ کرنے۔ ورکشاپ۔ اور تیل وغیرہ کراہت والی چیزیں لگی ہوں) پہن کر نماز پڑھنی مناسب نہیں۔ ادب کے خلاف ہے اگرچہ جائز ہے کہ ضروری ستر تو ہوتا ہے۔

جواز کا حکم، سہولت:۔

کھانے پینے کے بارے بڑا خوبصورت حکم ہے، کھاؤ، پیو، علماء نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ جو اشیاء ممنوع ہیں کے علاوہ تمام اشیاء مباح (جائز) ہیں، یہ انسان پر منحصر ہے کہ ان کو کھائے یا نہ کھائے کیونکہ ہر ایک کی پسند ذاتی معاملہ ہے، جس طرح چاہے وہ کرے، اللہ تعالی کی طرف سے وسعت و رحمت ہے۔ بدقسمتی سے بعض اہل علم اپنی ذاتی پسند اور ناپسند میں مبالغہ کر کے مخلوق کے لئے زحمت و تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ (احکام القران)۔

عرب کھانے پینے کے بجائے بھوکا رہنا، فاقہ کرنا، دوران سفر حج عبادت سمجھتے، اللہ تعالی نے انسانی جان کی حفاظت اور سہولت کے لیے اس سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا کہ، کھاؤ، پیو، یہ عبادت یا روحانیت کے خلاف نہیں، اس سلسلہ میں احادیث کی تعلیمات انسانی صحت اور عبادت کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ علماء کے مطابق اللہ کی نعمتوں کو نظر انداز کرنا بھی ایک قسم کا کفران نعمت ہے۔ اس طرح بھوکا پیاسا غیر ضروری طور پر رہنا بھی صحت کی حفاظت کے لحاظ سے منع ہے۔

اسراف اور اسکے نقصانات:۔

زندگی میں بہترین راہ عمل، راہ اعتدال ہے تاکہ ضرورت اور سہولت کے مطابق عمل کیا جائے۔ کھانا بقدر ضرورت فرض ہے، فرض کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح حلال اشیاء بلا وجہ چھوڑنا بھی اسراف ہے۔ معاشی یا طبی طور پر غذا یا دوسری اشیاء میں زیادتی اور اسراف ملکی اور انفرادی طور پر نقصان دہ ہے۔ زائد از ضرورت کھانا نہ صرف اسراف ہے بلکہ اس سے مال کو نقصان پہنچتا ہے اور صحت بھی کے لئے بہت مضر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کا قول نقل ہے کہ، بہت کھانے سے بچو کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے، عمل میں سستی پیدا کرتا ہے، کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو، وہ جسم کی صحت کے لئے مفید ہے، اسراف سے دور ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالی موٹے جسم والے عالم کو پسند نہیں کرتا (جو زیادہ کھانے سے ہو جائے) اور ادمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک اپنی نفسانی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگے، (روح المعانی)۔ بزرگان دین کا قول ہے کہ خوردن برائے زیستن است نہ زیستن برائے خوردن۔ (کھانا اسلئے کہ زندگی قائم رہے، نہ یہ کہ زندگی کا مقصد کھانا پینا ہو)۔ ایک اور حدیث شریف بحوالہ روایت انس بن مالک رضی کہ یہ اسراف میں داخل ہے کہ جو دل چاہے ادمی کھالے، یعنی کھانے سے پہلے اسکے فوائد و نقائص کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اسراف کا تعلق کھانے کے علاوہ تمام امور زندگی سے بھی ہے، رہنا، سہنا، معاملات، سب میں درمیانی کیفیت کو اللہ تعالی اور اسکے رسول نے پسند فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ۔ بہترین طریقہ زندگی متوسط طریقہ حیات ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے انسانی معاش و غذا، دونوں کے بہترین طریقہ زندگی فرما دیا ہے۔ اسی طرح حدیث مبارک ہے، کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے، مضر چیزوں سے پرہیز ہر دوا کی اصل ہے اور ہر بدن کو وہ چیز دو جس کا وہ عادی ہے۔ (روح المعانی) ایک اور حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ نقل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کی معدہ بدن کا حوض ہے، سارے بدن کی رگیں اس سے سیراب ہوتی ہیں، اگر معدہ درست ہے تو ساری رگیں یہاں سے صحت مند غذا لے کر لوٹیں گی اور وہ خراب ہے تو ساری رگیں بیماری لے کر بدن میں پھیلیں گیں۔ اسکے علاوہ متعدد احادیث بھی ہیں۔ غور کیجئے یہ احادیث انسانی طب اور صحت کی اہم بنیاد ہیں جو اج سے چودہ سو سال پہلے

فرمائی گئیں اور آج بھی حقیقت ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ دیجئے! اللہ نے جو زینب وزینت اور ستھری کھانے کی چیزیں اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں۔ ان کو کس نے حرام (منع) کیا۔ کہیے ! یہ نعمتیں ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں۔ خالص انہی کے لئے قیامت کے دن ہوں گی۔ اسی طرح ہم آیتوں کو ان کے لیے جو سمجھتے ہیں مفصل بیان کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہہ دیجئے! میرے رب نے حرام قرار دیا ہے بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوتی ہیں یا چھپی ہوتی ہوں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو، اور اس بات کو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بغیر دلیل کے شریک کرو اور اللہ پر وہ باتیں کرو جو تم کو معلوم نہیں۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہر فرقہ (قوم) کا ایک وعدہ (معین وقت) ہے اور جب وہ وقت آن پہنچے گا تو ایک لمحہ نہ پیچھے ہو گا اور نہ آگے ہو گا۔

اچھا لباس و غذا کیا منع ہے؟

عبادت، غذا اور لباس کے بارے میں احکام کا ذکر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے کس قسم کا مواد غذا یہ (بالخصوص گوشت) کی اجازت ہے یا منع ہے اور کس طرح کا لباس ہو، اصول بیان فرمایا ہے۔ اب اس میں تبدیلی کوئی ذاتی طور پر تو کر سکتا ہے مگر اسلام کے احکام کے طور پر اس کا اعلان کرنا یا ترغیب دینا منع ہے۔ اللہ کے پیدا کردہ اشیاء اور نعمتیں بالخصوص لذیذ غذا، عمدہ لباس حرام یا ممنوع نہیں بلکہ ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے انعام کا اظہار بطور شکر اور بطور استعمال پسند فرماتا ہے لیکن

شرط یہ ہے کہ بطور تکبر، فخر اور بناوٹ نہ کیا جائے بلکہ اسکا حقیقی استعمال کیا جائے اور اس پر شکر کیا جائے۔ پراگندہ رہنا، معمولی غذا کھانا، اسلام کا حکم نہیں کیونکہ اسلام میں رہبانیت (تجرد پسندی دنیا سے نفرت) نہیں بلکہ فرمایا کہ یہ ساری نعمتیں اس دنیا میں مومن کے لئے ہیں اور قیامت کے بعد جنت میں بھی ملیں گی۔

رسول اکرم ﷺ اور صحابہ اکرام کا طریقہ غذا اور پوشاک:۔

حضور اکرم ﷺ نے کبھی قیمتی پوشاک کو استعمال کیا لیکن پسند نہیں کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے خلفائے راشدین اور عظیم صحابہ کرام نے سادگی کو غذا اور لباس میں پسند فرمایا۔ اسکی وجہ ان کا معاشرہ میں مرتبہ اور کردار تھا۔ بطور لیڈر وہ معاشرہ میں طبقاتیت ،دولت کی رغبت اور اسکی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں، ان کو کم سے کم کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے عملی کردار کے طور پر ہمیشہ لباس و غذا میں سادگی رکھی، وہی غذا استعمال کی ،جو ضرورت تھی اس طرح نہ صرف صحت برقرار رہی ،بلکہ معاشی طور پر کفایت کا درس دیا گیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ اکرام بالخصوص خلفائے راشدین یا جو گورنر تھے انہوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، تاکہ دوسرے لوگ جو حکومتی سطح پر ذمہ دار یا حکمران ہیں، عوام کے معیار کے مطابق زندگی گزاریں۔ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے بہت معمولی درجہ پر زندگی گزاری اور پیوند لگے کپڑے پہنے ان کی یہی وجہ تھی۔ صوفیاء حضرات بھی ،جو میدان فقر میں لوگ جاتے ہیں ،انکی ابتدائی تربیت کے لئے نفس امارہ کو قابو اور خواہشات نفسانی پر کنٹرول کرنے کے لئے ،لذیذ کھانوں اور عمدہ لباس سے روکتے ہیں۔ ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اسکی طلب یا اہمیت ختم ہو یا کم سے کم ہو۔ اس سے مراد شرعی طور پر حرام نہیں۔ سالک یا طالب اپنی ابتدائی منزل اور درجہ مکمل کر کے درجہ کنٹرول پر پہنچ جاتا ہے ،تو پھر وہ جس طرح چاہے شریعت کے مطابق رہ سکتا ہے۔ معرفت خداوندی اور درجات کے قرب میں یہ اشیاء (غذا اور لباس) رکاوٹ نہیں بنتیں۔ دنیا میں نعمتیں مومن اور غیر مومن کے لئے عام ہیں۔ دنیاوی نعمتوں سے کھرے یا کھوٹے کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ وہ معاشرے جہاں اللہ کے پسندیدہ قوانین ،عدل، مساوات، احترام انسانی، سماجی

انصاف، کمزوروں کی حفاظت کی جاتی ہے ،وہاں ان امور کی برکت سے معاشرے سماجی اور معاشی طور پر بہتر ہو جاتے ہیں۔ان کی اکثریت مسلم ہو یا غیر مسلم، کیونکہ یہ اسلامی قوانین ہیں۔

دنیا کی نعمتیں خوب ہیں، لیکن ان کا وجود دائمی نہیں، ہر وقت ان کا زائل یا کم ہونے کا اندیشہ تیار رہتا ہے۔اس میں محنت ومشقت بھی ہوتی ہے۔ان خطرات سے بچنے اور زیادہ پر سکون زندگی کے لئے، صوفیا اور علماء،سادگی کو اور جنت میں دائمی نعمتوں کے حصول کو ترجیح دیتے ہیں۔ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ، دوران خلافت زمین پر بیٹھ گئے۔ساتھیوں نے عرض کیا کہ کوئی کرسی پیش کی جائے، آپ نے فرمایا جو زمین پر بیٹھتا ہے اسے گرنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔کس قدر مختصر جملے میں حکمت اور سادگی کا اظہار فرمایا۔ان احکام کا مقصد لوگوں کو ان کے فائدے کے لئے آگاہ کرنا اور سمجھانا ہے اور جو سمجھتے ہیں وہی فائدہ اٹھائیں گے۔اگلی آیت میں جو چیزیں اللہ نے حرام کی ہیں اور جن کے ترک کرنے سے، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔مقصد یہ ہے کہ ساری صورت حال واضح کر دی جائے،جو حلال ہیں ان سے پرہیز صرف ضروری حالت میں ہی کی جائے اور جو منع (حرام) ہیں ان سے ہر صورت میں بچا جائے۔ان کے استعمال کا کم سے کم کا تصور بھی نہ کیا جائے۔جس چیز سے سختی سے منع کیا ہے، وہ بے حیائی ہے، چھپے طریقے سے کیجائے یا ظاہر ہو کر کی جائے۔اسی طرح کسی پر ناحق ظلم کرنا، کسی کو اسکے حق سے محروم کرنا، کسی پر زیادتی کرنا، (یعنی) جو دوسروں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں، پھر اللہ کے حقوق میں سب سے بڑا، حق عبودیت کا ہے اس کا شریک ٹھہرانا گناہ عظیم ہے۔

ایک اور چیز جس سے بچنے کا حکم کہ اللہ کے بارے وہ کہا جائے، جس کا علم نہیں۔اس سے مراد حرام و حلال ہیں۔جو درجے اللہ نے مقرر کیے ہیں یعنی حرام، مباح، مکروہ، مکروہ تحریمی، اس طرح فرض، واجب، سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ،ان درجات میں اپنی رائے سے کمی و بیشی اور غلو کرنا۔اور جو لوگ صحیح علم نہیں رکھتے ان کو ان کی لاعلمی کی وجہ سے گمراہ کرنا، بہت بڑا گناہ ہے۔اسے دین میں **غلو** کے نام سے کہا گیا ہے۔قرآن مجید میں بارہا اس سے منع کیا گیا ہے۔**تشدد** اسی غلو کا نتیجہ ہوتا ہے۔

انسانی زندگی ایک معین مدت کے لئے ہے۔اور قیامت، حساب وکتاب اور

جنت دوزخ، اسلام کے اہم مقاصد کا حصہ ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ دنیا میں اگر کسی کو چھوٹ ہے خواہ وہ انکار کرنے والوں میں سے ہے یا زبانی اقرار کرنے والوں یا مومنوں میں سب کا ایک وقت معین ہے اور جب یہ وقت ختم ہوگا، تو قیامت آجائے گی۔ اس میں وقت کے لحاظ سے ذرا بھر کمی و بیشی نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ اسلام کا ہے۔ لیکن موجودہ سائنس اب اپنی علمی تحقیق کی وجہ سے اس بات کو مانتی ہے کہ یہ نظام کائنات ایک وقت بالکل ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں کامیابی حاصل کرنے، نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۳۵﴾

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تمیں میری آیتیں سنادیں تو جو کوئی پرہیزگار (تقویٰ کرے) اچھے کام (نیکی) کرے تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غمگین ہونگے۔

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۶﴾

جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ان سے سرکشی کی وہی دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

حلال و حرام کے ذکر کے ساتھ اپنے انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ میری نشانیاں اور احکام سناتے ہیں اور جو کوئی اس پر یقین کرے گا اور نیکی، بھلائی کے کام کرے گا وہ دنیا و آخرت دونوں میں پریشان نہیں ہوگا۔ اس کے مقابل جو میرے احکام سے بے پرواہی کریں اور تکبر کی وجہ سے جھٹلائیں گے یا عمل نہیں کریں گے وہ نقصان میں رہیں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے اور رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿۳۷﴾

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اسکی آیتوں کو جھٹلائے۔ انکا جو حصہ ان کے مقدر (کتاب) میں لکھا ہوا ہے ملے گا

،یہاں تک کہ جب ان کی روح نکالنے کے لئے بھیجے ہوئے (فرشتے) پہنچیں گے تو کہیں گے کہ کہاں گئے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے (عبادت کرتے) تھے۔ وہ (کفار) کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے اور اپنے اوپر اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔

احکام کے ذکر کے ساتھ ،وہ گروہ جو اللہ کے احکام میں غلو یا دھوکہ کرتا ہے کا ذکر کیا ہے اصلی احکام کو چھپاتا ہے اور جو احکام نہیں ہیں یا معمولی ہیں ان کا حکم کا درجہ دے کر بتاتا ہے۔ ان کو دنیا میں تو ان کا حصہ ،ان کی کوششوں اور اللہ کی طرف سے جو مقرر ہے ملے گا۔ لیکن آخرت میں ان کا حصہ نہیں ہو گا۔ پھر ان کی موت کی کیفیت بیان کی کہ جب جسم سے روح نکالی جاتی ہے تو احادیث کے مطابق اللہ کے احکام کے انکار کرنے والوں کی روح اس طرح نکلتی ہے جسطرح گیلی اون میں کوئی کانٹے دار شاخ پھنس گئی ہو اور اس کو کھینچ کر نکالا جائے، تو وہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ اسکے ساتھ اون کے حصے بھی آجاتے ہیں اور دوسری طرف اللہ کے احکام پر عمل کرنے والوں کی روح ایسے نکلے جس طرح مشکیزہ سے پانی نکلتا (یا کسی برتن کے کھلے منہ سے) ہے۔(بہت آسانی کیساتھ)۔ اس وقت اس کی روح اور عقل (جسم) سے،روح نکالنے والے فرشتے ہمکلام ہوں گے کہ جن کے احکام پر تم نے زندگی گزاری ہے،ان کی مدد تم کو کیوں نہیں آرہی،وہ کہاں ہیں، تو اس وقت وہ شخص اپنی روح کے ذریعے ،اپنی غلطی اور گمراہی کا اقرار کرے گا لیکن اس وقت توبہ یا اعتراف اسکو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اللہ فرمائے گا دوزخ میں داخل ہو جاؤ جن اور انسان کے دوسرے گروہوں (امت) کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جب بھی ایک گروہ (امت) داخل ہو گی, تو دوسری اپنی جیسی دوسری امت کو لعنت وملامت کرے گی اور جب سارے وہاں (مل جائیں) پہنچ جائیں گے, تو ان میں پچھلے والے اپنے سے پہلے والوں کے حق میں کہیں گے "اے رب :انہوں (پہلے والوں) نے ہمیں گمراہ کیا پس آپ (تو) ان کو آگ

میں ڈال کر دوگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا کہ دونوں (اگلے اور پچھلے کے لئے) دوگنا ہے، لیکن تم نہیں جانتے۔

وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴿۳۹﴾

اور ان سے پہلے والے پچھلے والوں کو کہیں گے کہ تم ہم سے بہتر نہیں ہو (فضیلت نہیں) پس بھگتو عذاب ان اعمال کا جو تم نے کمائے (کیے) ہیں۔

جب گنہگاروں (انکار کرنے والے) کی روحیں نکل کر بطور سزا جہنم میں جاہیں گی, وہاں ان سے پہلے جو گنہگار اور انکار کرنے والے سزا بھگت رہے ہیں ان سے جا کر ملیں اور ان کو دیکھ کر ان کو لعنت کریں گیں، کہ تم بھی ڈوبے ہو ااور ہمیں بھی تم نے ڈبویا ہے کیونکہ ہم نے تمہاری (اتباع) نقل کی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے گزارش کریں گے کہ یہ پہلا گروہ ہمارالیڈر رھتا۔ ان کو دیکھ کر ہم گمراہ ہوئے۔ ان کو ڈبل (دوگنی) سزا دی جائے۔ پھر پہلے والے ان کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہماری پیروی (اتباع) کیوں کی۔ تمہیں بھی ڈبل ملنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا سب کو ڈبل (دوگنی) سزا دو۔

احادیث میں احکام کے انکار کرنے والوں کی روح کے سفر کا منظر بڑا خوفناک بیان کیا ہے کہ جب نکلے گی تو تمام راستے پر اس پر لعنت ہو گی اور آسمان کے دروازے (جنت کی طرف) نہیں کھلیں گے اور دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے اور آیات میں دوزخ کے اندر گنہگاروں (انکار کرنے والوں) کی روحوں کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔ دوسری طرف احادیث میں نیکوکاروں اور احکام ماننے والوں کی روح کا سفر بڑا عزت افروز ہو گا ان کو ہر مرحلہ پر خوش آمدید کہا جائے گا آسمانوں پر جنت کے طرف سے دروازے کھلیں گے اور وہ مقام علین پر پہنچ جائیں گے۔ اسکے بعد انعام و عذاب کا عالم برزخ کا معاملہ شروع ہو گا۔ تمام کتب احادیث میں تفصیل سے درج ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ﴿۴۰﴾

بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا، ان کے لئے آسمانوں (رحمت) کو دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اور جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے (سوراخ) سے باہر نکل جائیں گے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا (بدلہ) دیتے ہیں۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴿۴۱﴾

ان کے لئے (نیچے) دوزخ کا بچھونا اور اوپر (دوزخ کا) اوڑھنا ہے اور ظلم کرنے والوں کو ہم ایسا بدلہ (سزا) دیتے ہیں۔

آیات میں احکام کا انکار کرنے والوں، ظلم کرنے والوں کا ذکر ہے، مجرم اور ظالم کہہ کر پکارا ہے۔ ان کے لئے آسمانوں پر جنت کے دروازے بند ہوں گے۔ ان کا جنت میں جانا محال ہے اور اسکی مثال ایسے جیسے اونٹ جیسا عظیم الجسم جانور کو کسی سوئی کے سورخ جس میں پتلا دھاگہ ڈال کر سلائی کی جاتی ہے گزارا جائے۔ جس طرح اتنا بڑا جانور اتنے معمولی سوراخ سے نہیں گزرے گا اسی طرح یہ اللہ کے احکام نہ ماننے والے، ظلم کرنے والے، جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان کا اوپر اور نیچے کا اوڑھنا اور بچھونا دوزخ کی آگ ہوگی۔ اور یہی ان کے اعمال اور نافرمانی کا بدلہ ہے۔ (اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین)۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ٘ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۴۲﴾

اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ ہم کسی پر اسکی طاقت (استعداد) سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور وہی اہل جنت ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾

اور ہم نکال دیں گے ان کے دلوں میں جو کچھ نفرت تھی۔ ان کے محلوں کے نیچے نہریں (چشمے) بہتے ہوں گے اور کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور اگر ہمیں اللہ کی ہدایت نہ ہوتی تو

یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق کا پیغام لائے تھے۔ اور آواز (جواب) آئے گی، یہ جنت ہے جس کے مالک (وارث) تم اپنے اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو۔

قرآن مجید ہمیشہ دونوں اطراف نیکی / بدی، بھلائی / برائی، اچھا / برا، نیکو کار / گنہگار، ماننے والے اور انکار کرنے والے کا تقابل کرتا اور ہر ایک کی کیفیت و نتیجہ بیان فرماتا ہے تاکہ پڑھنے والا صحیح طریقہ زندگی کا انتخاب کر سکے۔

جنت کا ماحول:۔

پہلے گنہگاروں کی کیفیت کا ذکر تھا اب احکام ماننے والوں اور نیکوکاروں کا ذکر ہے کہ جو لوگ احکام خداوندی مانتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا۔ جنت کی زندگی انتہائی حسین ہوگی۔ چشموں، باغات، خوبصورت مناظر، محبت و پیار کا ماحول ہوگا۔ محبت اور پیار کے ماحول کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں جو انسانی فطرت میں گندی صفات ہیں مثلاً کینہ، حسد، بخل، تکبر، لالچ، خود غرضی ان کو نکال دے گا اور وہاں رہنے والے سراپا محبت، اخلاص، پیار کا پیکر ہوں گے۔ بعض روایات کے مطابق جب نیک اعمال والے پل صراط سے گزریں گے تو پانی کے ایک چشمے پر پہنچیں گے اور اسکا پانی پیئں گے اس پانی کا خاصہ یہ ہے کہ سب کے دلوں سے باہمی کدورت اور برے خصائل ختم ہو جائیں گے۔ (امام قرطبی)۔ اعمال کے حساب وکتاب میں مساوات پہلے ہو چکی ہوگی۔ ان نعمتوں پر وہ اللہ کا شکر ادا کریں گے اور اللہ تعالی ان کا اعمال حسنہ کا ذکر فرمائیں گے۔ احکام کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نیکوکاروں کو جہاں احکام دیتے ہیں وہاں ان کی انسانی استعداد (بیماری، سفر، کمزوری) کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اسلام میں ہر مقام پر جہاں انسانی طاقت ختم ہوجاتی ہے، وہاں رخصت یا رعایت ہے۔ مثلاً مال نہیں تو زکوٰۃ نہیں۔ آمدن اور بچت نہیں توحج نہیں۔ بیماری میں نماز کی بھی رخصت، سفر میں مرض میں وضو کی بھی رخصت ورعایت۔ ہر امور پر انسانی استعداد کے مطابق احکام دیے گئے ہیں، اسلئے اللہ کی رضا کا حصول مشکل کام نہیں۔ پختہ ارادہ اور عمل ضروری ہے۔ ہدایت کی طلب ہمیشہ کرنی چاہیے۔ ہدایت بڑا وسیع لفظ ہے۔ اسکے مختلف درجات ہیں اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے راستہ ملنے کا نام ہے۔ پھر اس راستہ پر مختلف مقام اور درجات ہوتے ہیں اور اعمال اور

اخلاص کے ساتھ انسان، اللہ کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ ہدایت کی ضرورت ہر انسان کے لئے اہم ہے۔ اسلئے سورۃ فاتحہ میں اسکا بہت ذکر اور اہتمام ہے ۔ ہدایت کا ادنیٰ درجہ اللہ کا اقرار اور کفر و شرک سے نجات، اس کا اعلیٰ درجہ جنت میں مقام مقربین ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے انبیاء و رسل نبی آخر الزمان کے طفیل ہدایت سے نواز اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَۙ﴿۴۴﴾

جنت والے دوزخ والوں کو آواز دیں گے جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا، پس کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا۔ وہ کہیں گے ہاں (ہم نے بھی سچا پایا) پھر ان کے درمیان ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ان ظالموں پر ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَۘ﴿۴۵﴾

جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ﴿۴۶﴾

اور دونوں کے درمیان (دوزخ/جنت) دیوار ہو گی۔ اور اعراف پر لوگ ہونگے جو سب کو انکی نشانیوں سے ایک دوسرے پہچان لیں گے۔ وہ جنت والوں کو آواز دیں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امیدوار ہیں۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۠﴿۴۷﴾

اور جب ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف پھرے گی تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ظالم لوگوں میں شامل نہ فرما۔

وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴿۴۸﴾

اور پکاریں گے اعراف والے لوگ، ان لوگوں کو جن کو انکی نشانی کی وجہ سے پہچانتے ہیں، کہیں گے تمہاری جماعتیں (گروہ) اور جو تکبر تم کرتے

تھے کام نہیں آیا (فائدہ نہیں دیا)۔

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی (ان کو کہا جارہا ہے) کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر نہ کوئی خوف اور نہ ہی غم و حزن ہو گا۔

آیات مبارکہ میں قیامت کے بعد جب فیصلہ ہو جائے گا اور دوزخ والے (انکار کرنے والے) دوزخ میں چلے جائیں گے، وہاں وہ ان لوگوں سے جو وہاں موجود ہیں جو بات چیت کی ہو گی اس کا ذکر ہے، پھر جب جنت والے (اطاعت گزار) جنت میں پہنچ کر جو باتیں کریں گے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب جنت والے دوزخ والوں کو دیکھیں گے، چونکہ دنیا میں یہ لوگ ہم عصر تھے ایک دوسرے کو جانتے تھے لیکن ان کی ترجیحات اور اعمال مختلف تھے۔ یہ آیات مبارکہ آج سے سو سال پہلے تو ایک خیال نظر آتا تھا اور اس پر یقین مذہب کی وجہ سے تھا، جو ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ لیکن آجکل علوم کی ترقی بالخصوص ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے ویڈیو کانفرنس بین الممالک (ملکوں کے درمیان) عام ہے، جہاں آدمی ایک دوسرے کو بھی دیکھ سکتے ہیں، اس طرح کی کیفیت قیامت کے بعد ہو گی جس کی تصویر اور معلومات ہمیں ان آیات میں دی جارہی ہیں۔ اب دوزخ والے جنت والوں کو دیکھ کر پوچھیں گے، کہ ہم نے بھی اپنے اللہ کے وعدوں کو سچا پایا ہے، یعنی ہمارے اعمال صالح اور فرمانبرداری کی وجہ سے ہم جنت میں ہیں۔ جب یہ باتیں ہو رہی ہوں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ مزید معلومات اور احوال سے آگاہی کی تمنا ہو گی تو درمیان میں دیوار یا پردہ حائل ہو جائے گا، کیونکہ دونوں کے اعمال کے مطابق ان کی جزا و سزا پر مقام سکونت مختلف ہے۔

اس درمیانی دیوار جو ایک بڑی فصیل کی طرح ہو گی ہے اور اسکے اوپر بھی بہت سارے لوگ ہوں گے وہ لوگ چونکہ فصیل / دیوار اونچی ہو گی اسلئے وہ دونوں طرف جنت اور دوزخ والوں کو دیکھ رہے ہوں گے اس دیوار کے بارے میں ہے کہ یہ ٹرانسپرنٹ ہو گی جہاں سے نظر گزر سکتی ہو گی یعنی اہل جنت ان لوگوں کو جو دوزخ میں ہیں دیکھ رہے ہوں گے اور دوزخ والے ان کو۔

اور اس کے اوپر دیوار پر اہل اعراف دونوں کے بیک وقت دیکھ سکتے ہوں گے۔

ایک حدیث کے مطابق قیامت کے بعد حساب وکتاب ہوگا اور نیک لوگ نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں جائیں گے اور گنہگار اور نافرمان اپنے برے اعمال کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے نیک اعمال ان کو دوزخ جانے سے روکیں گے اور برے اعمال ان کو جنت میں جانے سے روکیں گے۔ یعنی کسی ایک عمل (نیک یا برے) کی زیادتی نہیں ہوگی اور وہ اپنے فیصلے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو اہل جنت کو سلام پیش کریں گے اس سے بات چیت سے پہلے سلام کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ تاکہ اچھی تمہید ہو سکے اور کلام کے لیے بہتر ماحول ہو جائے۔ قبرستان میں داخل ہونے سے پہلے ارواح پر سلام کیا جاتا ہے۔ اور جب دوزخ والوں کو دیکھیں گے تو اللہ سے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے سے پناہ مانگیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دیں گے۔

یہ تصویر کشی بڑی اہم ہے اور اسکا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کا دنیا میں محاسبہ کریں اور یہیں سے صحیح راہ کا انتخاب کر کے احکام الٰہی پر عمل کریں اور مشکل کی صورت میں رخصت یا رعایت احکام کا فائدہ اٹھائیں۔ اور جنت کے حقدار بنیں۔

وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَۙ﴿۵۰﴾

دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی بہا دو یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق (نعمتیں) دیا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ نے کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے ان دو کو منع کر دیا ہے۔

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ﴿۵۱﴾

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنایا اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈالا، جسطرح وہ اس ملاقات کے دن کو بھول گئے تھے اسطرح ہم نے ان کو بھلا دیا ہے اور جیسے وہ ہماری نشانیوں (احکام) سے منکر تھے۔

وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾

اور تحقیق ہم نے ان لوگوں کے پاس کتاب جس میں تفصیلی علم ہے پہنچا دی جو ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۵۳﴾

کیا اب اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ فیصلہ (انجام) ظاہر ہو اور جس دن فیصلہ (انجام) ظاہر ہو گا وہ لوگ جو اس کو پہلے بھول رہے تھے کہنے لگیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول سچی (حق) بات لائے تھے۔ سو اب کوئی سفارش کرنے والا ہے جو ہمارے لئے سفارش کرے یا ہم لوٹا دیے جائیں (دنیا میں)، تو ہم پچھلے اعمال کے خلاف عمل کریں گے۔ بیشک انہوں نے اپنے آپ کو تباہ (خارہ) کیا اور گم (ضائع) ہو گیا جو وہ افتراء (جھوٹا بیان) کرتے تھے۔

دوزخ میں رہنے والوں کی حسرت و یاس کی تصویر کھینچی ہے کہ وہ اہل جنت سے پانی اور دوسری نعمتوں کی درخواست کریں گے۔ کیونکہ وہ ان کو جانتے اور پہنچاتے تھے۔ لیکن اہل جنت ان سے کہیں گے کہ نعمتیں اہل دوزخ کے لئے حرام یا ممنوع ہیں۔ جسطرح دنیا میں وہ اللہ کے احکام کا مذاق اڑاتے اور ان کو غلط کہتے تھے۔ اسی طرح ان کی آرزوؤں کا مذاق اڑایا جائے گا اور وہ عذاب بھگتیں گے۔

پھر قریش مکہ سے خطاب ہے کہ قرآن مجید تمام احکام اور علم کے ساتھ موجود ہے اس پر ایمان لائیں تو ان کے لئے رحمت ہے اور اگر اس سے انکار کریں تو ان کا انجام بھی برا ہو گا اور پھر قیامت کو سفارش کرنے والا ڈھونڈیں گے تا کہ عذاب سے بچ جائے یا پھر درخواست کریں گے کہ انکو دوبارہ دنیا میں لوٹایا جائے تا کہ وہ نیکیاں کریں اور اپنے آپ کو تابعدار ثابت کریں لیکن یہ ساری خواہشیں رد کر دی جائیں گی۔ اور وہ سزا پائیں گے۔ دنیا کی زندگی بڑی اہم ہے اسی میں اعمال صالح بہت ضروری ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۟ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۵۴﴾

بیشک تمہارا رب ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں پیدا

کئے پھر عرش پر استواء فرمایا۔ رات سے دن کو ڈھانپتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور سورج چاند ستارے پیدا کئے جو اسکے حکم کے تابع ہیں آگاہ رہو (سن لو) اسکا کام پیدا کرنا اور بنانا (امر) ہے۔ اللہ بہت برکت والا ہے سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

مدت تخلیق کائنات:۔

جنت و دوزخ انکار کرنے والوں کو سزا اور تابعداری کرنے والوں کو انعام اور ان کی کیفیت کی تصویر کھینچنے کے بعد اپنی کائنات کی طاقت اور قدرت کا بیان فرمایا۔ کہ وہ رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا۔ یہ ایک مدت ہے جس کی صحیح تعین ذات خداوندی جانتی ہے۔ کیا ہمارے ایام (زمینی) ہیں۔ کیا روشنی کی رفتار سفر کے ایام ہیں۔ کیا قیامت کے دن جو ایک ہزار سال کے برابر ہو گا والے ایام ہیں۔ جو بھی ہے، خدا کی تخلیق تمام انسانوں کے سامنے ہے۔ پھر اس زمین اور آسمانوں سے بلند تر اسکا عرش ہے۔ اسکی تفصیل سورۃ بقرۃ کی آیات میں کر دی گئی ہے۔ جدید سائنسی نظریات اسکے متصادم نہیں، بلکہ اس کی توثیق کرتے ہیں۔ رات دن کی گردش جو زمین اور نظام شمسی کی دلیل ہے ذکر فرمائی۔ پھر سورج، چاند اور ستاروں کا ذکر فرمایا۔ یہ سارے اجسام جنکو ہر شخص دیکھتا ہے، جن کے اثرات انسانی زندگی پر اہل علم کو معلوم ہیں، ایک خالق کا بڑا ثبوت ہے۔ روایات میں ہے کہ دو دن زمین بنانے میں لگے اور پھر دو دن اس پر جو سطح زمین، زیر زمین، اسباب و ذرائع میں صرف فرمائے۔ پھر دو دن میں آسمانوں کو تخلیق کیا اسطرح چھ دنوں میں تکمیل کی گئی۔ یہ تکمیل اتوار سے لے کر جمعہ تک ہے۔ اور ساتواں دن سبت ہے، جسکے معنی قطع کرنے کے ہیں یعنی کام ختم ہو گیا۔ جو یہود کا مقدس دن ہے۔ اور السبت اسی سے نام پڑا ہے۔ سائنسی نظریات میں بھی اندازے ہیں ان کی مقدار ہمارے شمسی سالوں کے ساتھ ہے یا پھر نوری سالوں کے ذریعے کیجاتی ہے۔ یہ سارے انسانی تخمینے ہیں۔ پھر فرمایا کہ سب اسکے تابع ہیں یعنی اسکے متعین کردہ نظام کے تحت چل رہے ہیں اور جب تک اسکا حکم ہو گا چلتے رہیں گے۔ خلق اور امر سے علماء نے مراد دو طرح کی پیدا کردہ اشیاء لی ہیں۔ ایک جو مادی ہیں اور دوسری جو مادی نہیں، بلکہ مجردات لطیفہ ہیں۔ جنکو ہم انرجی کی صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔ مادی اشیاء کے لئے خلق

اور غیر مادی کی پیدائش کے لئے امر کے لفظ سے تعبیر ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر وہ خالق عظیم تر ہے اور سب کا پالنے والا / انتظام کرنے والا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے سے پکارو۔ بلاشبہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور زمین پر اصلاح کے بعد فساد (خرابی) مت کرو۔ اسکو (عذاب کے) ڈر اور (بخشش کی) امید کے ساتھ پکارو۔ بیشک اللہ نیک کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و طاقت کے بعد اس سے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے۔ دعا سے مراد اپنی حاجات مانگنا اور عبادت کرنا دونوں ہیں۔ (دعا کے پکارنے اور یاد کرنے دو لغوی معنی ہیں)۔ پھر دعا کے آداب بیان فرمائے، کہ عجز و انکاری کے ساتھ ہو، تذلل اور تواضع کا اظہار ہو۔ دعا کو پڑھا نہ جائے بلکہ مانگنے کا انداز اختیار کیا جائے۔ مانگنے والے کو کلمات کا مفہوم آتا ہو۔ اسی لئے دعا کرنے والے کو اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری زبانیں پیدا کی ہیں اور وہ سب کو جانتا ہے۔ البتہ ابتداء اور آخر میں کلمات قرآنی اور درود شریف پر ختم کرنا چاہیے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرام کی آواز دعا میں بلند ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، جو اتنی بلند آواز سے کہتے ہو۔ بلکہ سمیع و قریب تمہارا مخاطب ہے (یعنی ذات خداوندی)۔

اعتدال عبادات:۔

علماء نے پست اور آہستہ آواز میں بلکہ خاموش دعا کو ترجیح دی ہے اس سے ایک تو خشوع رہتا ہے (تعلق خداوندی) اور دوسرے لوگوں کے لئے کوئی تکلیف (عبادت میں) نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصری کے مطابق اعلانیہ اور جہریہ (بلند آواز) کے مقابلہ میں آہستہ اور پست آواز میں دعا کرنے میں ستر درجہ فضیلت ہے۔ ذکر خفی بھی بہت بہتر ہے، البتہ ابتدائی مراحل میں، جہری

ذکر صرف غفلت اور کسل (سستی) دور کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی تب جب ریا اور نمود کے امکان نہ ہوں۔ بلند آواز کا ذکر صرف ضروریات کی بنا پر ہے جسطرح اقامت، تکبیرات وغیرہ جہاں حضور ﷺ نے بلند آواز میں کرنے کا فرمایا، وہی بلند آواز میں کیا جانا ضروری ہے۔ تمام امور میں اعتدال کا حکم ہے اور زیادتی کرنے والوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ دعا و طلب میں زیادتی یوں ہے، کہ تکلفات کے ساتھ دعا و طلب میں دوسری شرائط یا دوسروں کے لئے بد دعا کرنا ہیں۔ پھر تمام امور شرعیہ کو سنت رسول کے مطابق کرنا اعتدال ہے۔ ان سے زیادہ کرنا جو انسانی جان کے لئے مشکل ہو وہ بھی زیادتی میں شامل ہے۔ اور ان سے کم کرنا بھی ایک منفی عمل ہے۔ حدیث کے مطابق اعتدال اور متوسط ہی بہترین طریقہ ہے۔

ماحول کا اہتمام۔ فساد و اصلاح:۔

زمین کی اصلاح اور فساد کا ذکر فرمایا: زمین کی بنیادی اصلاح اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کر دی ہے تمام ذرائع غذا موجود فرمائے۔ ان کے استعمال کا حق دے دیا۔ اور فساد سے بچنے کا یہ حکم ہے کہ ان ذرائع پیداوار کا استعمال صحیح کیا جائے۔ انسانی ضروریات کے مطابق کیا جائے۔ اس سے مقصد کسی اور انسانوں کو محروم کرنا یا کسی دوسرے کو ذرائع آمدن و معیشت پر قبضہ کرنا نہ ہو۔ ماحول کا اہتمام کیا جائے۔ ماحولیاتی آلودگی ایک فساد کی قسم ہے۔

زمین پر رہنے والوں کے حقوق کا خیال بھی اصلاح کا حصہ ہے اور ان کے حقوق کو تلف کرنا بھی فساد کا حصہ ہے۔ معیشت و معاشرت میں قانون خداوندی، انسانی مساوات، حفاظت اور امن، کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کو ہمیشہ حکمرانوں کو یا انسانوں کو اپنے اعمال سے پہلے زیر نظر رکھنا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی بدلہ اور سزا دے سکتا ہے۔ اسکے احکام کو دل و جان سے ماننا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نیک کام کرنے والوں کو پسند فرماتی ہے۔ دعا میں اس سے قبولیت کی توقع رکھنی چاہیے۔ اسکے عذاب کا خوف اور اس سے رحمت کی امید ہر وقت رکھنی چاہیے۔ یہ دونوں عناصر غلبہ خوف، غلبہ محبت ایک بہترین عمل ہے۔ جو انسانی نفسیات میں بہت اہم ہیں۔ پھر فرمایا کہ نیکی کرنے والے اسکے قریب

ہیں نیکی مفہوم بہت وسیع ہے۔ جو انسانی معاشرے کے علاوہ ماحول حیوانات سب کو شامل ہے۔ قدرت کے ذرائع کا صحیح استعمال بھی اس کا حصہ ہے۔ اللہ کے قرب، اور دعا کی قبولیت کے لئے نیک اعمال، بھلائی کے امور بہت اہم اور ضروری ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾

وہی (اللہ) ہے جو ہوائیں چلاتا ہے جو اسکی رحمت کی خوشخبری دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں اور لے چلتی ہیں کسی مردہ علاقہ (زمین) کی طرف پھر ہم اس سے بارش برساتے ہیں جس سے زمین سے ہر طرح کے پودے (پھل) نکلتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو (زندہ کرکے) نکالیں گے تاکہ تم غور (یاد) کرو۔

وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴿۵۸﴾

پاکیزہ زمین (علاقہ) سے اللہ کے حکم سے سبزہ (زرعی پیداور) نکلتا ہے اور جو خراب زمین (علاقہ) اس سے بے کار کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم نشانیاں (دلائل) بدل بدل کر مختلف طریقوں سے بتلاتے ہیں کہ لوگ شکر گزار ہوں۔

زرعی علوم:۔

اللہ تعالیٰ نے پھر سائنسی دلائل دیے ہیں کہ اس کا نظام زمین و آسمان میں انسانی سہولت کے لئے کس قدر منظم اور مکمل نظام ہے۔ کہ زمین پر زراعت اور انسانی و حیوانی غذا اور زندگی کے لئے بارش ایک بنیادی ضرورت ہے۔ تاکہ زمین سے پودے اگیں اور بارش کا پانی بنیادی نائٹروجن برائے بالیدگی (پیدائش نباتات) مہیا کرتا ہے۔ (اسی تفصیل سورۃ بقرۃ میں گزر چکی ہے)۔ پھر زمین کی (SOIL) زرعی سطح اور اسکی زرعی خصوصیات کا سائنسی ذکر فرمایا۔ جو ہم زرعی سائنس میں شعبہ زرعی زرخیزی میں معلومات حاصل کرتے ہیں کہ ایک زمین انتہائی زرخیز ہے اور کوئی زمین بالکل ہی نہیں۔ جبکہ بارش ہر طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی غور و فکر کرکے، اسکے وجود کو تسلیم کرنے،

اسکے احکام کو ماننے، انسانی بھلائی کرنے والے اور کچھ کفار اور گناہ پر اصرار کرنے والے ہیں۔ کچھ انسان اپنے اعمال سے معاشرے کو برکت اور بھلائی سے بھر دیتے ہیں اور کچھ فساد کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سارے اعمال غور طلب ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا سبب ہیں۔

دوبارہ زندگی کس طرح؟

موت کے بعد دوبارہ زندگی کے لئے ایک دلیل بارش فرمائی کہ زمین کے اندر قوت پیداوار ہے لیکن وہ سارے مادے اور اجزاء جب تک بارش نہیں ہوتی ناکارہ رہتے ہیں۔ بارش کے بعد خود بخود پودے نکل آتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی قیامت کے دن دوبارہ ایسی زمین میں جہاں مدفون ہیں زندہ ہوجائیں گے۔ بظاہر یہ عجیب لگتا ہے۔ اگر غور کریں، تو مادہ (Matter) ختم نہیں ہوتا، کیونکہ زمین کی کشش ثقل اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور چیزیں زمین پر رہ جاتی ہیں اور وہ مادہ اشکال بدلتا ہے۔ یہ سائنس کی مشہور تھیوری ہے۔ اسکی مقدار وہی ہے اور وہی رہے گی، انسان مریں یا پیدا ہوں۔ انسان زمین سے غذا لے کر بڑھتا ہے زمین کے نمکیات لمحیات معدنیات کے ذریعے جسم بڑھتا ہے۔ پھر یہ جسم کمزور ہوکر ختم ہوکر زمین کے اندر دوسرے اجزاء میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ مختلف لمحیات، معدنیات اور نمکیات میں بدل جاتا ہے۔ سوائے جسے اللہ نہ کرے۔ قیامت کے دن زلزلہ کی وجہ سے جب زمین کے پہاڑ، روئی کے طرح دھننے لگ جائیں گے۔ گرمی سے سمندر ختم ہوجائیں گے۔ پہاڑوں کی زمین، سمندروں کے نشیب کو پر کرکے ،زمین ایک چٹیل میدان کی طرح بن جائے گی۔ (سائنس اب بھی کبھی زمین کی سطح کو چٹیل میدان مان رہی ہے) ، تو دوبارہ انسانوں کا زندہ ہونا، بالکل صحیح اور عقلی نظر آتا ہے جس میں ایک حدیث مبارکہ ہماری مدد کرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں صور (زوردار آواز) دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلے صور پر تمام عالم فنا ہوجائے گا کوئی چیز زندہ نہیں رہے گی دوسرے صور پر پھر نیا عالم پیدا ہوگا۔ سب مردے زندہ ہوجائیں گے۔ حدیث میں ان دو صور کے درمیاں چالیس سال کا عرصہ ہوگا اور ان چالیس سال میں مسلسل بارش ہوتی رہے گی۔ ایک روایت میں چالیس دن ہے، دن شمسی ہوگا یا ایک ہزار سال والا، وضاحت نہیں فرمائی۔ اسی عرصہ میں ہر مردہ انسان اور

جانور کے اجزاء بدن کو اس کی ساتھ جمع کر کے ایک مکمل ڈھانچہ بن جائے گا اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت ان لاشوں کے اندر روح آجائے گی اور زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ (روایت بخاری مسلم۔ ابن داؤد میں موجود ہے) روح المعانی۔ اگر آپ اس پر غور کریں کہ زمین پر اکہتر فیصد پانی ہے اور انیتس فیصد خشکی ہے اس خشکی میں نصف (ستاون فیصد) سے ذرا زیادہ پہاڑ، صحراء، بیاباں علاقے اور برفانی ایریا ہے۔ اب جو باقی چودہ فیصد زمین کے رقبہ کا حصہ ہے، اسمیں زیادہ آبادی صرف ایشیاء اور افریقہ کے علاقوں میں خط سرطان کے ارد گرد ایریا میں ہیں۔ جو زمین کا شاید آٹھ فیصد رقبہ ہے۔ تقریباً دنیا کی ستر فیصد آبادی اسی علاقہ میں رہتی ہے۔ کیونکہ پرانی تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ اور یہیں سے اسکو اٹھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی قوت جو اس کائنات کے وجود سے ثابت ہے کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ جب اسمیں نامیاتی مواد اور ماحول بھی موجود ہے تو یہ بالکل سائنسی انداز میں ہے، کہ بارش کے ذریعہ اجزاء تیر کر اکٹھے ہو جائیں گے ٹمپریچر اور نمی اسقدر پیدا کر دے گی جو کہ انسان روح یا جسم کے نمو کے لئے بالکل مناسب ہوگی یعنی (Test Tube انکیوبیشن پر دس ہوگا۔ (Temperature یہ حضور ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کو جنکی علمی سطح بالخصوص نیچرل سائنز میں بہت کم بلکہ نہیں تھی یہ بات کہی، لیکن یہ آج بھی سارے سائنسدانوں کو ایک بڑی تحقیق کی طرف اشارہ ہے۔ پھر انسان اپنی آخری حالت (جوانی میں) بغیر لباس کے نکلیں گے۔ اسقدر وحشت اور سختی کا عالم ہوگا کہ کسی کو اپنے لباس کے نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوگا۔ جسطرح ہم دیکھتے ہیں کسی ناگہانی آفت، آگ، زلزلہ میں لوگ بالکل اپنے ماحول یا لباس سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور زندہ ہونے والے انسان جوانی کے جسم کی کیفیت میں ہوں گے تا کہ حساب کتاب کی سختی کو برداشت کر سکیں۔ اللہ کی قدرت کے سامنے یہ کوئی مشکل نہیں پھر فرمایا یہ نشانیاں، اصحاب، علم و عقل کے لئے ہیں جو اسکو سمجھ کر اپنے خالق کے شکر گزار ہوں۔

ہم نے تجھے جانا فقط تیری عطا سے — گلشن کی بہاروں سے تو کلیوں کے حیا سے

مٹی کے خزانے سے اناجوں کی غذا سے — برسات سے، طوفان سے، پانی سے ہوا سے

پر ہول سمندر سے پر اسرار گھٹا سے | موتی کی نزاکت سے تو ہیرے کی جلا سے
ہر شی کے جھلکنے سے فن اور کلا سے | ہم نے تجھے جانا فقط تیری عطا سے

پاک اور حق وہ ذات ہے جو ہر مظہر کائنات سے اپنے وجود کا ثبوت دے رہی ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾

تحقیق ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا۔ پس اسنے کہا اے میری قوم: اللہ کی بندگی کرو، اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف آتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾

اس کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تم کو واضح غلطی پر دیکھتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾

بولے! اے میری قوم میں ہر گز غلطی پر نہیں بلکہ میں جہانوں کے پالنے والے کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیا تم کو یہ عجیب لگتا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے نصیحت ایک مرد کے زبانی جو تم میں سے ہے آئے کہ وہ تم کو ڈرائے کہ تم بچو (برائی سے) اور تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

پس انہوں نے اسکو جھٹلایا پھر ہم نے اس کو اور جو اسکے ساتھ تھے ان کو کشتی میں بچا لیا اور جو جھٹلاتے تھے ان کو غرق کر دیا۔ بیشک وہ لوگ اندھے (ہدایت کے لحاظ) تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام:-

آیات میں حضرت نوحؑ کا واقعہ ہے۔ حضرت آدمؑ کا زمانہ مسلمانوں کا زمانہ تھا پھر حضرت آدم کے بعد کی اولاد کچھ سو سال تو صحیح رہے لیکن پھر شیطان کے بہکاوے میں آکر گناہوں کی طرف مرتکب ہوگئے۔ مختلف کتب میں روایات کے مطابق حضرت نوحؑ کو زمانہ حضرت آدم کے آٹھ سو سال سے ایک ہزار سال بعد کا ہے۔ پر حضرت نوحؑ نے طویل عمر پائی تقریباً آٹھ نو سو سال تبلیغ کرتے تھے آپ کو بھی نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور طوفان کے ساٹھ سال بعد زندہ رہے (بحوالہ المستدرک)۔ آپ کی قوم عراق میں آباد تھی آپ کی نبوت آپ کی قوم کے لئے تھی۔ آپ نے ان کو گمراہی سے نکالنے کے لئے تبلیغ شروع کی ان کا بھی یہی جواب تھا کہ ہمارے باپ دادا صحیح تھے اور تم ہماری طرح کے انسان کیسے نبی بن گئے ہو۔ عموماً انسان غیبی طاقت سے رابطہ کے لئے ایک فوق العادت انسان یا پیغام بر کا تصور لئے ہوتے ہیں جو کہ غیر انسانی حرکات کا مظاہرہ کرے جسکی طاقت یا غیر معمولی حرکات ان کو مرعوب کریں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ انسانی استعداد کے مطابق احکام پر عمل کے لئے اور زبان و جنس کی مانوسیت کے لئے انسانوں میں سے ہی نبوت و رسالت کے لئے انتخاب فرماتا ہے۔ اور اسی معاشرہ کی زبان میں ہی احکام نازل فرماتا ہے کئی سو سال تبلیغ پر بھی لوگ بہت تھوڑے مسلمان ہوئے تو آپ نے بددعا کی اور آپ کو کشتی بنانے کا حکم ہوا تا کہ اسمیں مومنین کو سوار کیا جائے۔ کئی روز تک بارش ہوتی رہی۔ سخت طوفان آیا۔ آپ کے ساتھی مومنین سوار ہوگئے۔ آپ کا لڑکا جو اسلام سے دور تھا غرق ہوگیا۔ آپ کے ساتھ حیوانات کے جوڑے بھی تھے وہ بھی بچ گئے۔ روایات کے مطابق اکیاسی آدمی جن میں چالیس عورتیں تھیں کشتی میں بچے، اور عراق کے مقام موصل میں مقیم ہوئے۔ آیات مبارکہ کا سبق یہ ہے کہ اللہ کے احکام سے انکار ایک حد تک تو ہے، اسکے بعد نافرمانوں کی سزا عذاب الٰہی ہے۔ اس میں رشتہ کی بات ہیں بلکہ اعمال کی بات ہے۔ اس کے بعد قوم عاد کا ذکر ہے۔

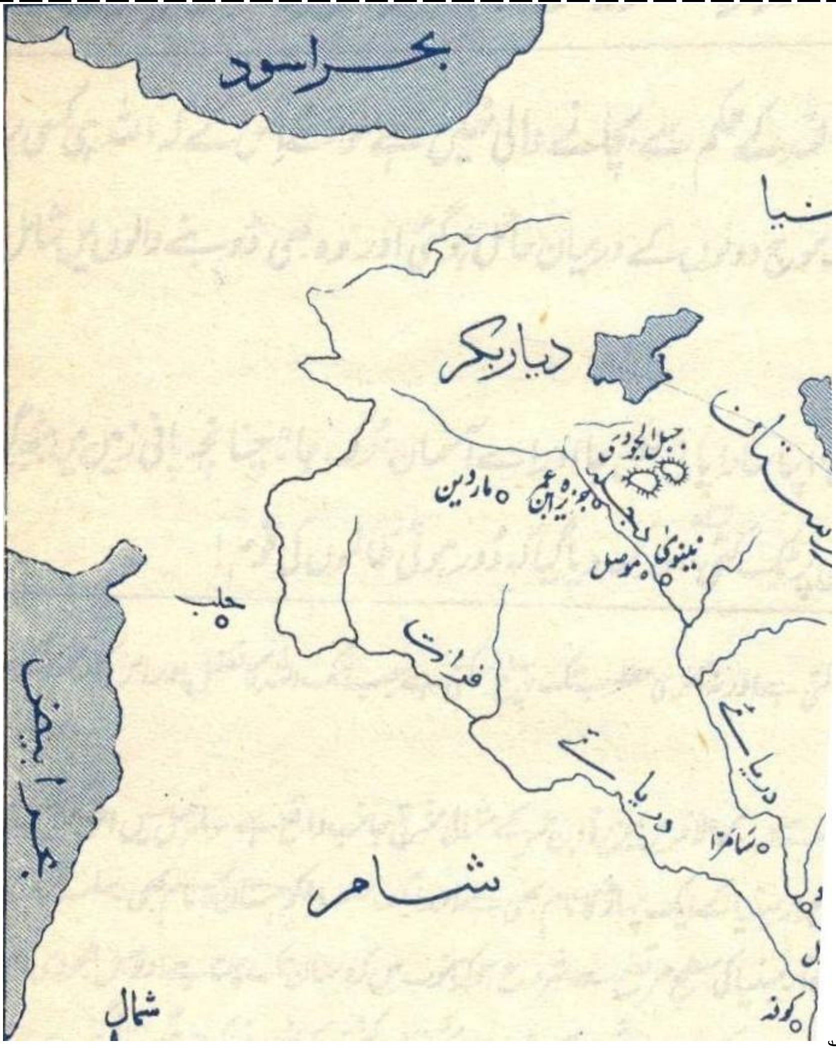

(نقشہ حضرت نوح کا علاقہ)

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۶۵﴾

قوم عاد کی طرف انکا بھائی ہود (کو بھیجا)۔ کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴿۶۶﴾

اس قوم کے کافر سردار بولے ہم تو تم میں بے وقوفی دیکھتے ہیں اور ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۶۷﴾

بولے اے میری قوم میں بے وقوف نہیں لیکن میں رب العالمین کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ﴿۶۸﴾

میں تم کو رب کا پیغام پہنچاتا اور تمہارا خیر خواہ (نصیحت کرنے والا) امانت دار ہوں۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۶۹﴾

تمہارے لئے باعث تعجب ہے کہ تمہارے رب (اللہ) کی طرف سے تمہاری ایک انسان جو تم میں سے ہے کی زبانی نصیحت ائی، اور یاد کرو جب تم کو سردار بنادیا نوح کی قوم کا اور تمہیں بدن میں قوت دے کر طاقت دی۔ اللہ کے احسانوں کو یاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴿۷۰﴾

انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم ایک خدا کی بندگی کریں اور جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے ہیں چھوڑ دیں، جس چیز سے ہم کو ڈراتے ہو، وہ ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

قَالَ قَدْ وَ قَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴿۷۱﴾

کہ تم پر تمہارے رب کے عذاب اور غصہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تم مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو، ان بتوں کے ناموں پر جو تم اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اور اللہ نے تمہارے اوپر اسکی کوئی دلیل (ثبوت) نہیں اتارا (یا دیا)۔ آب انتظار کرو (عذاب کا) اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴿۷۲﴾

پھر اہم نے ان کو اور اسکے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ بچا لیا اور جو ہماری نشانیوں / احکام کو جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی، کہ وہ ایمان

والے نہیں تھے۔

قوم عاد:۔

قوم عاد کا ایک عاد نامی شخص جو حضرت نوح کے بیٹے سام کی اولاد سے تھے کے نام سے ہے۔ یہ حضرت نوح کے بعد پانچوں نسل تھی۔ عاد کے دادا کا نام ارم تھا اسلئے قوم ارم کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ عاد اور ثمود دونوں قوم ارم کی شاخیں ہیں کیونکہ دوسرے بیٹے کا نام ثمود تھا۔

حضرت ہودؑ، حضرت نوحؑ کی پانچویں نسل سام کی اولاد اور قوم عاد سے ہیں۔ قوم عاد کے تیرہ خاندان عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک آباد تھے۔ بستیاں سر سبز و شاداب تھیں۔ محلات، قوی الجثہ اور قد آور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت ہودؑ نے توحید الٰہی کی پرچار کی۔ بت پرستی سے منع کیا، ظلم وزیادتی سے روکا۔

نقشہ قوم عاد کا علاقہ

قوم کے سرداروں نے وہی جواب دیا کہ جب بھی کسی معاشرہ میں کوئی مصلح تبدیلی لاتا ہے، تو جو طبقہ اس نظام سے فائدہ اٹھاتا ہے اسکے مخالف ہوجاتا ہے۔ عام طور پر وہ طبقہ حکمرانوں، امیروں کا ہوتا ہے۔ ان کے وہی دلائل کہ ہمارا نظام ہمارے آباؤ اجداد کا بنایا ہوا صحیح

ہے۔ اور تم ہماری طرح کے انسان بلکہ ہم سے کم تر ہو، ہمارے کیسے لیڈر بن سکتے ہو۔ اور خواہ مخواہ ایک نظام چل رہا ہے اسے تباہ کر رہے ہو۔ ہم تم کو اسکی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس صورت میں آیا، کہ زرعی زمین جو باغ تھے ان پر تین سال بارش بند ہو گئی۔ باغ جل گئے اور کھیتیاں صحرا بن گئیں لیکن وہ بت پرستی سے باز نہ آئے۔ پھر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل شدید آندھی چلی۔ جس نے درخت اکھاڑ دیے انسانوں کو اٹھا کر بھٹک دیا جانور اڑ گئے۔ محلات گر گئے اور ساری نسل تباہ ہو گئی۔ حضرت ہود اور ان کے ساتھ مسلمان ساتھی جو ان کے گھر میں پناہ لیے ہوئے تھے ،اس شدید آندھی میں وہ گھر بچ گیا۔ اور یہ لوگ بھی بچ گئے۔

آیات میں، انسانی نفسیات کا تبدیلی سے خوف، جو گروہ فائدہ حاصل کرنے والے ہیں ان کی تبدیلی کی مخالفت اور ایک لیڈر سے انکار محض ضد کی بناء پر، پھر ہر دفعہ کسی مافوق الفطرت طاقت کو دیکھنے کا شوق، شیطان کے دلائل ہوتے ہیں، جس سے وہ قوم تباہ ہو کر باعث عبرت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، نعمتیں عطا کرتی ہے۔ پیغام پہنچانے والا بھیجتی ہے اور مہلت برائے عمل و تبدیلی دی جاتی ہے، پھر انکار پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۷۳﴾

ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ بولے اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے، یہ اونٹنی ہے اور اسے چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسکو نقصان نہ دو (برا ہاتھ نہ لگاؤ) ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑے گا۔

وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴿۷۴﴾

اور یاد کرو کہ تمہیں (قوم) عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر ٹھکانہ دیا ،تم نرم زمین (میدانی علاقوں) پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں

گھر تراشتے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۷۵)

قوم کے متکبر سرداروں نے، اس قوم کے غریب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے کہا، کیا تم کو یقین ہے، کہ صالح کو اسکے رب سے (رسول بنا کر) بھیجا ہے؟ وہ بولے ہم کو جو وہ لایا ہے، اس پر یقین ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (۷۶)

جو لوگ متکبر تھے کہنے لگے کہ جسے تم پر یقین ہے (اللہ) ہم اسکو نہیں مانتے۔

قوم ثمود:۔

قوم نوح اور قوم عاد کے بعد حضرت صالحؑ اور ان کی قوم ثمود کا ذکر ہے۔ قوم ثمود بھی عاد کا حصہ تھی کیونکہ ایک ہی دادا کی اولاد سے عاد اور ثمود تھے جن کے نام پر قوم بن گئی۔ یہ عرب کے شمال مغرب میں بستے تھے ان کے بڑے شہر کا نام مجر تھا جسے اب مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ یہ دولتمند، بہادر قوم تھی۔ سنگ تراشی اور فن تعمیر میں آگے تھے۔ دولت و طاقت کی وجہ سے یہ بھی خدا کو بھول گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ قوم ثمود کے فرد تھے۔ آپ نے بڑا عرصہ تبلیغ کی اور قوم نے مخالفت کی پھر ایک معجزہ طلب کیا کہ چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی نکل آئے اور صحتمند ہو۔ اگر یہ ہو گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پہاڑ کے اندر حرکت اور جنبش ہوئی چٹان پھٹ گئی اور ایک اونٹنی نکل آئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر کچھ مسلمان ہو گئے لیکن اکثر اور سردار اپنے مذہب پر رہے اور دوسروں کو بھی روک دیا۔ ان کی عہد شکنی سے آپ پریشان ہوئے اور کہا یہ اونٹنی اللہ کی ہے اسکو کھانے اور پینے سے نہ منع کیا جائے۔ چونکہ اونٹنی حیرت انگیز طریقہ سے کسی مادہ اونٹنی سے نہیں پیدا ہوئی تھی اسلئے اسے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا اور زمین پر کھلا چرنے کا حکم دیا۔ اونٹنی کی غذا اور پانی بہت زیادہ تھی۔ جب وہ پانی پیتی تو کنویں کا پانی ختم ہو جاتا اور جب دودھ دیتی تو تمام لوگ برتن بھر لیتے۔ ایک دن اونٹنی کے پانی کا تھا اور ایک دن لوگوں کے لئے تا کہ ایک منظم طریقہ سے کام چلے،

لوگ پھر بھی ان کے کافر سرداروں کے ڈر اور دباؤ کی وجہ سے ایمان لانے سے گریز کرتے رہے۔ اور اللہ کے احسانات سے غافل رہے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۷۷﴾

وہ اپنے رب کے حکم کے نافرمان ہو گئے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور صالح کو کہنے لگے "اے صالح اگر تم رسول ہو تو جس (عذاب) سے ڈرتے تھے وہ ہم پر لے آؤ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴿۷۸﴾

پس ان کو زلزلے نے آپکڑا (عذاب) پھر وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴿۷۹﴾

پھر (صالح) نے منہ پھیرا اور ان سے کہا اے قوم میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا چکا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم خیر خواہوں (نصیحت کرنے والوں) کو محبت نہیں کرتے۔

قوم کے گمراہ اور مخالف اسلام، جانتے تھے کہ کسی طریقہ سے ناقۃ (اونٹی) کو ختم کر دیا جائے کیونکہ وہ ایک چلتا پھرتا معجزہ تھی اور لوگوں کو اللہ کے وجود کا احساس دلاتی تھی۔ اسکے لئے انہوں نے دو حسین و جمیل عورتوں کا داؤ استعمال کیا۔ اور ان کے چاہنے والے عاشقوں سے انہوں نے مطالبہ کیا، کہ وہ ان سے شادی تب کریں جب وہ اونٹنی کو ختم کریں گے۔ قوم کے دو جوان، جو ان سے محبت کرتے تھے، نشہ میں مدہوش ہو کر اونٹنی کو چھپ کر تیر مارا، دوسرے نے ٹانگیں کاٹ دیں اور اونٹنی کو مار دیا۔ جب حضرت صالحؑ کو پتہ چلا، تو آپ نے قوم کو کہہ دیا کہ تین دن کے بعد عذاب آئے گا۔ لیکن وہ اس بات کو پہلے کی طرح نصیحت سمجھتے رہے، اور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ پہلے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے پھر دوسرے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ اور تیسرے دن چہرے سیاہ ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت صالحؑ کو ہی قتل کر دیا جائے۔ اگر عذاب آئے تو وہ نہ بچ جائیں اور اگر نہ آئے تو ان کو سزا مل جائے گی اس لئے وہ

رات کو ان کے مکان پر حملہ کرنے کے لئے نکلے، تو پتھروں سے مر گئے۔ اس کے بعد شدید زلزلہ آیا اور سخت خوفناک چیخ، شدید آواز میں آئی، اسکی ایک وضاحت، جسطرح (سپر سونک Super Sonic) آواز کی حد رفتار سے باہر نکلنے پر شدید دھماکہ کی آواز ہوتی ہے اور شدید دھماکے کی آواز انسان کو ختم کر سکتی ہے۔ خاص کر نیوکلیئر ری ایکشن کے دھماکے سے لوگ مر جاتے ہیں۔ انسانی کان، 85dbi ڈیسی بکل، تک کا شور برداشت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ شور، دھماکہ دار آواز، آدمی کے اندر بلڈ پریشر کو بڑھا دیتی ہے۔ ہارٹ بیٹ تیز کر دیتی ہے سٹریس ہارمون بلڈ میں چلے جاتے ہیں۔ سپر سانک شدید شاک ویوز پیدا کرتی ہے اور زوردار دھماکہ اور سانک بوم بلڈنگ تک کو نقصان تک پہنچا سکتا ہے] اور وہ لوگ گر کر مر گئے۔ اس تباہی کے بعد حضرت صالح اور ان پر ایمان لانے والے محفوظ رہے اور اس بستی کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں چلے گئے۔ بعض روایات میں حضرت صالح کو ساتھ چار ہزار افراد تھے اور وہ یمن کے ساتھ حضرموت کے علاقے میں چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

غزوہ تبوک کے سفر کے موقع پر حضور ﷺ اور صحابہ کا اس مقام حجر سے گزر ہوا جہاں عذاب آیا تھا آپ نے عذاب زدہ بستی میں اندر جانے سے منع کیا وہاں کنویں کے پانی سے بھی منع کیا۔

اس واقع سے بھی وہی اسباق ،انسانی نفسیات اور معاشرہ کے تھے کہ دولت اور ثروت سے اکثریت احکام الہیٰ سے باغی ہو کر مادیت اور نفس پسند ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے احکام نہ ماننے والوں کو بھی طاقت، ثروت اور معاشی خوشحالی عطا کرتا ہے لیکن اللہ کے دوست اس ثروت کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ گمراہی اور نافرمانی اور غفلت کا سبب بنتی ہے۔ امراء اور سرداروں کا طبقہ، جو مفاد پرست اور فائدہ اٹھانے والا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ مخالفت کرتا ہے۔ مختلف سازشیں کر کے تبدیلی اور احکام الہیٰ کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ بڑے محلات اور باغات بھی اللہ کی نعمتوں کا حصہ ہیں۔ ماننے والے کمزور مگر ارادے کے پکے اور مخالفت کرنے واے دولتمند اور متکبر ہوتے ہیں، اسلئے تکبر ایک بڑی لعنت ہے اور ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ لیکن بالآخر ایمان واے کامیاب ہوتے ہیں۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ

الْعٰلَمِيْنَ﴿۸۰﴾

اور لوط نے جب اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے جہاں میں نہیں کی۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴿۸۱﴾

کہ تم عورتوں کے بدلے مردوں سے جنسی شہوت کرتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو (بڑے مجرم ہو)۔

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾

اور ان کی قوم نے جواب نہیں دیا بس یہی کہا، انکو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴿۸۳﴾

پھر ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو بچا لیا، سوائے اسکی عورت کے جو وہاں رہنے والوں میں ہو گئی۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴿۸۴﴾

پھر ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ پس دیکھ گنہگاروں کا کیا (عبرتناک) انجام ہوا۔

قوم لوط:۔

تاریخی تسلسل جاری ہے۔ امتوں کا ذکر ہے جنہوں نے احکام خداوندی سے انکار کیا اور سزا پائی۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے بھتیجے تھے اور ان کی دعوت پر مسلمان ہوئے تھے، آپ کا اصلی وطن حضرت ابراہیم کے ساتھ مغربی عراق بصرہ کے قریب ارض بابل تھا۔ آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ وہاں سے شام کیطرف ہجرت کی۔ حکم خداوندی کے تحت دریائے اردن پر پہنچ پر حضرت ابراہیم علاقہ کنعان جو بیت المقدس کے پاس ہے کیطرف چلے گئے اور مقیم ہو گئے۔

غیر فطری جنسی عمل کی تباہی:۔

حضرت لوطؑ کو اللہ نے نبوت عطا فرمائی اور آپ علاقہ سدوم کی طرف گئے۔ جو کہ بیت المقدس کی طرف ہے جہاں کچھ بڑے شہر تھے جن کا نام سدوم، عورہ، اومتہ صوبیم اور بالع ہے۔ سدوم مرکز تھا اور آپ نے دعوت تبلیغ سدوم

میں شروع کی۔ زمین سرسبز و شاداب اور پھل و اناج بکثرت تھا۔ اس معاشی ثروت سے لوگ عیاشی کی طرف چل نکلے اور جنسی رغبت کے لئے مردوں کا مردوں سے سلسلہ شہوت رانی معمول بن گیا۔ جو ایک غیر فطری طریقہ تھا۔ آیت سے لگتا ہے کہ یہ طریقہ قوم لوط نے شروع کیا تھا جو کہ ایک غیر فطری عمل تھا۔ اسلئے اسے انتہائی فحاشی کہا گیا ہے اسلام میں اس کا درجہ عام بدکاری سے زیادہ جرم ہے اور اسکی سزا بھی بدکاری کی طرح ہے اور یہ عمل بہت ساری جنسی امراض (HIV) کا سبب بنتا ہے۔ جس میں ایڈز جیسی مہلک مرض شامل ہے۔ اس جنسی طریقہ سے بہت سی متعدی جنسی امراض پھیلتی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1) CHLAMYDIA 2) GENTILE WARTS

3) GENORRNEA 4) HERPS

5) H-I-V (Human Immunodefiency Virus)

6) SYPHILS 7) CHANCROLD

8) HYPATITUS 9) PUBIC LICES (CRABS)

10) TRICHOMENIASIS

اگر عورت سے عورت شادی، اور مرد سے مرد، صرف شادی کریں، تو سو سال کے اندر دنیا سے انسانی نسل ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ نہ مرد عدم حمل کی وجہ سے اولاد پیدا کرے گا اور نہ عورت نرمادہ کی وجہ سے حاملہ ہو گی اور یہ نظام انسانیت و کائنات کے خلاف ہے۔ عارضی طور پر شہوت رانی تو ختم ہو سکتی ہے، لیکن انسانی نسل ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اسلام نے اس کو بڑا گناہ تصور کیا ہے۔ آجکل جنسی مساوات کے بہانے لواطت سے نفرت ختم کرائی جا رہی ہے، بالخصوص مغربی ممالک میں شیطان کی ایک چال اور انسانیت کے لئے دھوکہ ہے۔ مرد کی شادی مرد سے اور عورت کی عورت سے مقاصد انسانیت ((اولاد پیدا کرنا)) سے محروم رہتی ہے جو ایک ظلم ہے۔ یہ جنسی مساوات نہیں بلکہ انسانی تباہی ہے اور نسل کشی ہے۔ بین الاقوامی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق 2016ء میں ایک ملین (دس لاکھ) نئے کیسز متعدی جنسی امراض کے پھیل رہے ہیں۔ (بی بی سی، 06/06/2019) اور حاملہ عورت کو

I-T-S کی وجہ سے ہونے والے بچے پر درج ذیل بیماریاں ہو سکتی ہیں۔

1. مردہ بچہ Stil birth
2. قبل از وقت پیدائش Premature Birth
3. بہت کمزور بچہ Low birth weight
4. نمونیہ Pneumonia
5. اندھاپن Blindness
6. مستقل معذوری (Metabolic defects) Gentile deformation

یہ سب لواطت کا نتیجہ ہے۔

آیت مبارکہ پھر وہی انسانی ضد، رواج کی پابندی یا تقلید کے ساتھ چمٹے کا رویہ بتایا گیا ہے۔ قوم لوط بجائے برے کام سے رکتے، حضرت لوطؑ اور ان کے پیروکاروں کو شہر سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت لوطؑ کی تبلیغ کے باوجود صرف چند لوگ مسلمان ہوئے۔ لیکن آپ کی بیوی اس میں داخل نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو حکم دیا کہ بستی کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ اور مڑ کر نہ دیکھیں آپ سدوم سے نکل گئے۔ عذاب خداوندی اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی اور زمین نیچے زلزلے کے ذریعے الٹ گئی۔ اس نشیبی علاقہ میں بحر میت (Dead Sea) ہے۔ جو زمین پر نیچے ترین (Low) جھیل ہے۔ جہاں نمکیات (فاسفیٹ) کی وجہ سے زندگی ناممکن ہے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

(اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔) بولے! اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل پہنچ چکی ہے۔ ناپ اور تول پورا کرو۔ لوگوں کی چیزیں کم تول کر (گھٹا) مت دو اور زمین پر اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾

راستوں پر مت بیٹھ کر لوگوں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ پر چلنے سے روکو اور جو ایمان لایا، اسکو تنگ (نقصان) نہ کرو۔ اللہ کو یاد (شکر) کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے تمہیں زیادہ کر دیا اور عبرت پکڑو (دیکھو) کہ فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوتا ہے (تباہی)۔

وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ﴿۸۷﴾

اور اگر تم میں سے ایک گروہ جو مجھ کو دیا گیا، اس (نبوت) پر ایمان لایا اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا، تو اس وقت تک صبر کرو جب تک اللہ ہمارے درمیان فیصلہ نہ کردے۔ اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام:۔

گذشتہ انبیاء کے سلسلہ وار قصے میں حضرت شعیبؑ کا قصہ ہے آپ حضرت ابراہیم کے صاحبزادے جو مدین میں تھے ان کی اولاد ہیں آپ کا قیام بھی مدین بستی میں تھا۔ جس قوم کی طرف آپ نبی آئے تھے وہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ (گھنے درختوں والے) کے نام سے مذکور ہیں۔ بعض نے ان کو علیحدہ قوم تحریر کیا ہے۔

ناپ تول اور حقوق کی ادائیگی:۔

حضرت شعیبؑ نے ان قوموں کو یا قوم کو پیغام خداوندی پہنچایا۔ وہ پیغام حقوق الٰہی یعنی اللہ کی عبودیت کا تھا اور حقوق العباد میں صحیح ناپ تول، ایمان داری کے ساتھ لین دین کا تھا۔ یہ قوم دونوں حقوق سے بے خبر تھی۔ ناپ تول کی کمی اور کسی کے حق میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ اسمیں سارے حقوق شامل ہیں مال بھی شامل اور غیر مال امور، عزت و احترام بھی شامل ہے۔ حضور نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ لوگوں کے خون اور عزت و آبرو قابل حفاظت ہے ۔ اسکے ساتھ زمین پر فساد کرنے سے منع فرمایا۔ زمین کی اصلاح اسکے ذرائع پیداوار کا صحیح استعمال ہے، اسکے ظلم اور ناپ تول میں کمی کی وجہ سے بھی غیر مرئی معاشی اور معاشرتی فساد شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے منع کیا گیا ہے اسکے ساتھ راستوں کی حفاظت لوگوں کی آبرو و مال کی حفاظت کہ وہ غیر محفوظ محسوس نہ کریں۔ ایک اور نصیحت تھی کہ اختلاف و مخالفت کی صورت میں امن اور صلح کے

امکان کو تباہی کرنے سے پہلے موقع دیا جائے۔ اسلئے فرمایا صبر کرو۔ جلد بازی نہ کرو اللہ کا
فیصلہ حق والوں کے ساتھ ہوگا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ﴿۸۸﴾

اس قوم کے متکبر سردار بولے: اے شعیب ہم تجھ کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو ضرور اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ وہ (شعیب) بولے اگر ہم تم سے بے زار ہوں تو بھی۔

قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَاؕ وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَاؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًاؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَاؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ﴿۸۹﴾

جب اللہ تعالیٰ ہمیں اس (دین) سے نجات دے چکا ہے اور پھر ہم تمہارے دین پر لوٹ آئیں تو ہم نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے۔ ہمارا کام نہیں کہ ہم لوٹ آئیں مگر سوائے اسکے کہ ہمارا اللہ چاہے۔ ہمارے رب کے علم نے تمام کو گھیرا ہوا ہے (ہمارے رب کا علم سب سے وسیع ہے)۔ اللہ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا۔ اے اللہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف کا فیصلہ فرمادے، بے شک تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۹۰﴾

اسکی قوم کے (انکار کرنے والے) کافر سردار بولے: اگر تم شعیب کی پیروی کرو گے تو نقصان (خسارہ) میں رہو گے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴿۹۱﴾

پس زلزلہ نے ان کو پکڑ لیا اور وہ صبح کو گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ﴿۹۲﴾

انہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ بہت خسارے میں رہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ﴿۹۳﴾

پھر الٹا پھرا ان کی طرف اور بولا! اے میری قوم میں نے اپنے

رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی۔ اب انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کروں۔

حضرت شعیبؑ کے تابعدار مومنین اور انکار کرنے والے کفار دونوں معاشرے میں رہ رہے تھے۔ حضرت شعیبؑ ان کو (حقوق اللہ / حقوق العباد) کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کے سرداروں نے ان کو دھمکی دی کہ وہ واپس ان کے طریقہ پر آجائیں۔ ورنہ وہ انکو شہر سے نکال دیں گے۔ کیونکہ طاقت ان کے پاس تھی۔ حضرت شعیب نے فرمایا کہ یہ کسطرح ممکن ہے کہ اسلام کو مان اور اللہ تعالیٰ کو جان کر پھر تمہارے کفر (دین) پر لوٹ آئیں یہ تو ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ پھر آپ نے دعا کی کہ اے اللہ ان بدکاروں اور ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ کیونکہ وہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام لانے والے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ایک شدید زلزلہ آیا اور بستی تباہ ہوئی اور ایک بستی پر سخت گرمی مسلط کی دی گئی۔ لوگ گھروں سے باہر جنگل میں گئے اور سیاہ بادل چھا گیا۔ وہ سمجھ رہے تھے بارش اور ٹھنڈک آئے گی۔ جب وہاں سب پہنچ گئے، بادل آگ بن کر برسے اور وہ جل کر ڈھیر ہو گئے۔ یعنی یہ لوگ اسلام سے پہلے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن نافرمانی پر ہلاکت کا نشانہ بن کر ملیامیٹ ہو گئے۔

اسباب فساد:۔

اگر ہم سابقہ امتوں کے حال پر غور کریں اور موجودہ دور میں جنگ اور قتل و غارت کے اسباب معلوم کریں تو امن و سلامتی کے لئے اور ہدایت کو قبول کرنے میں انسانی اعراض آڑے آئیں۔ تکبر، مفاد پرستی اور روایت پرستی انسان پر غلبہ یا تسلط کی خواہش (طبقاطیت) نے رکاوٹ ڈالی ہے۔ یہی مسائل آج بھی دنیا میں تعلیم و ترقی کے باوجود ہیں اور جب تک خوف خدا شامل نہ ہو ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا اور جب تک جہاں ایماندار قیادت نہیں ملتی وہ معاشرہ خوشحالی، امن اور بابرکت نہیں ہو سکتا۔ عارضی طور پر تو معاشی خوشحالی رہتی ہے۔ لیکن طویل مدت اندرونی فساد اور اس پر خارجی قوتوں کے اثرات و حملوں پر تباہ ہو جاتی ہے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ﴿۹۴﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر ہم اس کے رہنے والوں کو سختی و مصیبت میں (نبی کو جھٹلانے کی وجہ سے) گرفتار کر لیا تا کہ وہ آہ و زاری کریں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۹۵﴾

پھر ہم نے ان کی بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی، حتی کہ وہ بہت بڑھ گئے (معاشی ترقی کرلی) اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کو بھی سختی و راحت پہنچتی رہی ہے سو ہم نے اچانک پکڑ لیا (کفران نعمت پر) اور انہیں (اس کی) خبر بھی نہ ہوئی۔

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۹۶﴾

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کے اعمال (بد) کے بدلے جو کرتے تھے اچانک پکڑ (عذاب) میں لے لیا۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَؕ﴿۹۷﴾

کیا بستیوں میں رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آپہنچے گا اس حال میں کہ وہ سوئے ہوئے ہوں۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ﴿۹۸﴾

یا بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے اس حال میں کہ وہ کھیلوں میں مشغول ہو۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۠﴿۹۹﴾

کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے بے فکر ہو چکے ہیں تو اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

پچھلی امتوں کے عذاب کا تسلسل سے ذکر تھا اور اسی کو جاری رکھا ہوا ہے۔ کہ کسی

بستی پر عذاب دینے سے پہلے انبیاء کرام اللہ کے احکام بتاتے ہیں۔ وہاں کے رہنے والے بالخصوص سردار اور مراعات یافتہ طبقہ اسکی شدید مخالفت کرتا ہے۔ اس دوران انکو کبھی بدحالی اور معاشی تنگی کی سزا دی جاتی ہے۔ کہ سنبھل جائیں اگر سنبھل جائیں تو عذاب ٹل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان کو گھیر لیتی ہیں۔ معشیت میں ترقی یعنی سستی زندگی، بہتر معیار اور معاشرت میں امن وسکون اور انصاف واضح نظر آتا ہے، لیکن اکثر اوقات معاشروں میں تکلیف کو ایک عادی عمل سمجھ کر وارننگ کے طور پر نہیں لیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات انسانوں کے ارادوں اور اعمال و کوشش کی وجہ سے اور ڈھیل دیتی ہے۔ وہ معاشی ترقی کو اپنی کامیابی سمجھ لیتے ہیں۔ اور پھر اللہ کا عذاب ان کو پکڑ لیتا ہے جسطرح پچھلی آیات میں گزشتہ قوموں کا ذکر تھا اور جب عذاب آتا ہے تو وہ کبھی رات کو آتا ہے، کبھی دن چڑھے دوپہر کو آتا ہے۔ پھر کوئی بچاؤ نہیں ہو سکتا اور اللہ کے عذاب سے کوئی بچ نہیں سکتا پس انکار کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ بچ جائیں گے، لیکن بچ نہیں سکتے بلکہ بالآخر تباہ و جائیں گے۔ یہ وارننگ تھی اہل مکہ کے لئے کہ وہ غور کریں۔ موجودہ دور میں پچھلی امتوں کیطرح عذاب نہیں ہو گا کیونکہ آخری نبی الزمان نہ صرف نبی ہیں بلکہ رحمت العالمین ہیں لہٰذا اسطرح کا مکمل تباہی والا عذاب نہیں رہے گا۔ یہ وجہ ہے کہ دنیا مکمل عذاب سے محفوظ رہے گی۔

اَوَ لَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴿۱۰۰﴾

کیا (قوموں کا عذاب) ان لوگوں کو جو زمین پر رہنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد وارث ہوئے۔ یہ ہدایت نہیں دیتی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے باعث انہیں بھی سزا دیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے سو وہ (حق کو) سن (سمجھ) بھی نہیں سکیں گے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ﴿۱۰۱﴾

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی حالات ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں (معجزے) لے کر آئے تھے یعنی یہ لوگ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے ہیں، اس طرح اللہ کافروں (انکار کرنے والے) کے دلوں پر مہر لگا دیتا

ہے۔

وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ہم نے ان میں اکثر (لوگوں) کو عہد (پر قائم) نہ پایا، اور ان میں اکثر کو ہم نے نافرمان پایا۔

آیات مبارکہ گمراہ افراد اور قوموں کی نفسیات کے حوالہ سے ذکر ہے، کہ عذاب کے آنے کے باوجود اور سابقہ امم کی تباہی کے آثار دیکھنے کے باوجود انہوں نے عبرت نہیں پکڑی اور اس گمراہی پر عمل کی وجہ سے ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے۔ یہ ساری بستیاں جن کا ذکر کیا گیا ہے سب پر ڈرانے والے انبیاء آئے تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے ضد کیوجہ سے انکار کیا تھا۔ اس لئے معجزات کے باوجود اپنی بات اور کفر پر ڈٹے رہے اور ہدایت سے محروم رہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اکثریت نافرمان رہتی ہے۔ اسلئے وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ منکرین مکہ کے لئے عبرت کے طور پر بیان فرمایا، اب آگے حضرت موسیٰ کا واقعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر ہم نے انکے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان (دلائل) کے ساتھ ظلم کیا، پھر آپ دیکھئے کہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾

اور موسیٰ نے کہا ! اے فرعون میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (آیا) ہوں۔

حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ﴿۱۰۵﴾

میرا فرض منصبی ہے کہ میں اللہ پر کوئی بات سوائے سچ کے نہ کہوں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہوں، بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اس (فرعون) نے کہا، کہ اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اسے (سامنے) لاؤ اگر

تم سچے ہو۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿١٠٧﴾

پس موسیٰؑ نے اپنا عصا (نیچے) ڈال دیا تو اسی وقت صریحاً اژدہا بن گیا۔

وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿١٠٨﴾

اور (جونہی) اپنا ہاتھ (گریبان میں ڈال کر) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو سفید (منور) نظر آنے لگا۔

حضرت موسیٰؑ کے واقعے کا ذکر ہے کیونکہ پچھلی امتوں کے بعد حضرت موسیٰؑ کا واقعہ بڑا اہم ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزرا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جو اس وقت مصر کا بادشاہ تھا اسکی طرف بھیجا۔ چونکہ فرعون مصری معاشرہ پر ظلم کر رہا تھا وہاں ایک قبطی طبقہ انتہائی مراعات یافتہ تھا۔ اور دوسری طرف بنی اسرائیل انتہائی مظلومانہ زندگی گزار رہے تھے، اس ظلم کو ختم کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ آپ نے فرعون کی دعوت اور اسکو بنی اسرائیل کی ظلم کی رہائی کے لئے کہا اور بتایا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ فرعون نے دعوی کے جواب میں دلیل مانگی، تو آپ نے اپنے عصا مبارک کو زمین پر پھینکا، تو ایک بڑا اژدھا بن گیا اور آپ نے اپنا ہاتھ جب گریبان سے نکالا تو انتہائی چمکدار روشن تھا۔

صداقت گفتار:۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میرا منصب کا تقاضہ سچ ہے۔ اسلئے ہر بات سچی کر رہا ہوں اسطرح آپ نے سچائی کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ اس سے مبلغین کے کردار میں صداقت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نبوت کے دعویٰ سے پہلے ہی صادق اور امین کے لقب سے مکہ میں مشہور تھے۔

عصا اور ہاتھ ایک معجزہ تھا۔ یقیناً عصا سے جو سانپ بنا ہو گا اس کا سائز اتنا ہو گا کہ سارا دربار اس سے خوف زدہ ہو جائے اور اسکو مارنے پر قدرت نہ رکھے یا خیال تک نہ آئے۔ اسی طرح ہاتھ کی روشنی اور چمک اس وقت دربار میں روشنی سے بہت زیادہ ہو ورنہ معجزہ کا اثر نہیں ہوتا۔ ان معجزوں نے فرعون اور درباریوں کو حیران و

پریشان کر دیا۔ فرعون نے اسکا مقابلہ کرنے کا جو منصوبہ بنایا اسکا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

فرعون کی قوم کے سردار بولے! بے شک یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

یہ تمہیں تمہارے ہی ملک سے نکالنا چاہتا ہے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

انہوں نے کہا! (سرداروں نے) اسکو اور اسکے بھائی کو ڈھیل دو (شہر میں رہنے دو) شہروں میں جادوگروں کو جمع کرنے والے افراد بھیجو۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

وہ تمہارے پاس ماہر جادوگر لے آئیں۔

مفادات بمقابلہ عدل:۔

آیات مبارکہ میں جو فرعون کا منصوبہ اسکے حواریوں (سرداروں اور مشورہ دینے والوں) نے دیا، اس کا ذکر ہے اور اس میں انسانی نفسیات، موقع سے فائدہ اٹھانا، ضروریات، مفادات کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں مفادات کا اتحاد بن جاتا ہے۔ وہاں انسانی خیالات وحالات کا اتحاد بن جاتا ہے۔ مصر میں اس وقت قبطی قوم فائدہ اٹھا رہی تھی اسکے سردار فرعون کے ساتھ ملکر حکمرانی کر رہے تھے اور ان کی سہولت اور غلام وہاں کے بنی اسرائیل کے افراد تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ احکام خداوندی کے تحت کیا۔ تو حکمران اور مراعات یافتہ طبقہ کے لئے یہ ایک تازیانہ تھا اس پر انہوں نے مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ کی اسکی مخلوق سے محبت اور ظلم سے نفرت کا اظہار ہے۔ بنی اسرائیل کو ان کی خلاف ورزی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے نجات دلانا چاہتے تھے اور یہ سارا عمل اسی مقصد کی وجہ سے تھا۔ سرداروں نے اپنے مقاصد کے لئے کہا کہ حضرت موسیٰ چاہتے ہیں کہ ان کو ان کے ملک سے نکال دیں جہاں وہ راحت اور آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس طرح وہ ساری قبطی قوم کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے حالانکہ حضرت موسیٰ صرف بنی اسرائیل کی آزادی

اور وہاں سے نکلنے کے لئے کہا تھا۔ اپنے مفادات کی وجہ سے انہوں نے فرعون کو بجائے اس کے کہ وہ حضرت موسیٰ کی بات پر غور کرتا، اسکے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا اور حضرت موسیٰؑ کو جادوگر ظاہر کیا۔ فرعون کو بھی مفاد تھا کہ اسکی بادشاہی رہے اور یہ درباری سردار اس کے ساتھ ہوں۔ لہٰذا ان کا مشورہ لے کر جادوگروں کی تلاش شروع کر دی اور حضرت موسیٰؑ کو ایک جادوگر سمجھ لیا۔ ان کے پیغام کو رد کر دیا۔ ہم روزمرہ کی زندگی میں اسطرح کا انسانی کردار کی معاشی / معاشرتی تبدیلی کے وقت بڑا واضح دیکھتے ہیں۔ انسانی معشیت بہت اہم ہے اسلئے اسکو آگے رکھا جاتا ہے۔

وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴿۱۱۳﴾

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے کہا یقیناً اگر ہم غالب آجائیں تو ہمارے لئے معاوضہ ہونا چاہیے۔

قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴿۱۱۴﴾

کہا: (فرعون نے) ہاں بیشک تم بہت قریبی لوگوں میں ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴿۱۱۵﴾

انہوں (جادوگروں) نے کہا، اے موسیٰ! یا تم پہل کرو (جادو ڈالو) یا ہم (پہلے) ڈالنے والے ہوجائیں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴿۱۱۶﴾

اس (موسیٰ) نے کہا تم ہی پہلے ڈال دو پھر جب انہوں (جادوگروں) نے اپنی (رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوف زدہ کر دیا اور زبردست جادو دکھایا۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴿۱۱۷﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا (لاٹھی) زمین پر ڈال دیں تو وہ ان کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۱۸﴾

پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے (سب) باطل ہو گیا۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴿۱۱۹﴾

پس وہ (فرعونی) مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر پلٹ گئے۔

وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور کہا ہم سارے جہانوں کے پالنے والے (رب) پر ایمان لائے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔

آیات مبارکہ میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے جادوگروں کا واقعہ درج ہے۔ فرعون کے حکم سے تمام شہروں سے جادوگر لائے گئے ان کو حضرت موسیٰؑ کے دربار کا واقعہ بتایا گیا اور کہا گیا کہ حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ ہے۔

ایک دن جو کہ تہوار کا تھا اس دن مقرر ہوا۔ تاکہ لوگ خوب اکٹھے ہوں اور دیکھ سکیں فرعون کا خیال تھا کہ اسے کامیابی ہو گی، حضرت موسیٰ کے لئے موقع تھا کہ سب کے سامنے دعوت خدا دیں۔ جادوگروں نے اپنی خدمات کے بدلے معاوضہ طلب کیا تو انہیں قربت دربار یعنی مقربین میں شمولیت ،جو کہ سب سے بڑھ کر انعام دینے کی خوشخبری سنائی گئی۔ مقابلہ تیار ہوا اور جادوگروں نے احتراماً حضرت موسیٰؑ کو پیشکش کی، کہ وہ چاہیں تو پہلے اپنی قوت کا اظہار کریں اور عمل دکھائیں ورنہ جادوگر اپنی قوت کا اظہار کریں گے۔ جادوگروں کا خیال تھا کہ ان سب کی قوت زیادہ ہو گی۔ حضرت موسیٰؑ نے وہی کیا جو ایک مقابلہ میں بہترین طریقہ ہے، کہ پہلے مخالف کو اپنی قوت کے اظہار کا موقع دو تاکہ اسکے مقابلہ پوری طرح سے کیا جا سکے اور کوئی ایسا پوائنٹ نہ رہ جائے جسکا جواب نہ دیا جا سکے۔

جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں۔ چونکہ ان کو حضرت موسیٰ کی لاٹھی کے سانپ بننے کا پتا تھا اسلئے انہوں نے سانپ کا سانپوں سے مقابلہ کیا اور ان کی رسیاں اور لاٹھیاں وہاں موجود لوگوں کو سانپ کی طرح نظر آنے لگیں اور اتنے زیادہ سانپوں کو دیکھ کر لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ اس منظر اور سانپوں کی کثرت کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ نے دل میں محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی دے، کیونکہ یہ ان کی تبلیغ کا بہترین عامۃ الناس کے سامنے موقع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام فرمایا کہ آپ اپنا عصا زمین پر ڈال دیں۔ جونہی آپ نے اپنا عصا زمین پر پھینکا وہ ایک عظیم اژدھا بن گیا اور ان

چھوٹے سانپوں کو جو رسیوں اور لاٹھیوں سے نظر آرہے تھے نگل گیا اور وہ سارے وہیں ختم ہو گئے۔

حقیقی ایمان کا درجہ اور علم: جب جادوگروں نے دیکھا کہ ان کی ساری محنت اور کارگردگی آناًفاناً ایک اژدھے کے سامنے ختم ہو گئی۔ ان کو اپنی کمزوری کا احساس ہوا بلکہ لوگ اس اژدھے کو خوف سے ڈرنے لگے۔ تو ان کو انکی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ ان کا یہ یقین، ایمان میں بدل گیا، کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو ان کے جادو سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس علم کی بنا پر انکو عین الیقین درجہ پر کا ایمان حاصل ہو گیا۔ اس سے علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ علم اور یقین کی بنیاد پر کوئی عمل زیادہ پائیدار اور مضبوط ہے۔ ان کی اس ناکامی سے سارا فرعون کا کھیل بگڑ گیا۔ فرعون کا دعویٰ کہ وہ خدا ہے، کمزور ہو گیا اور جادوگر بھی ناکام ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور انہوں نے موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے اللہ پر ایمان کا اعلان کر دیا۔ سحر کیا ہے اسکے متعلق سورۃ بقرہ کی آیات (واقعہ ھاروت /ماروت) میں تفصیل گزر چکی ہے۔

اس آیت میں ایک چیز جو کہ نفسیاتی طور پر جادو یا میجک کے ساتھ متعلق ہے۔ وہ حاضرین کے ذہن کی کیفیت کو توہم Illusion (الیوژن) میں بدل دینا ہے۔ اور جو جادوگر کہہ رہا ہے اسکو وہ حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یہ کیفیت جادوگر اپنے اقوال، حرکات تجربہ اور علم سے کرتا ہے ایک جادوگر کے قول کے مطابق اشرار جنات جسے (قرین) بھی کہا گیا ہے۔ جادوگر کے ساتھ ہو کر حاضرین کے دماغ کی کیفیت پر اثر ڈال دیتے ہیں۔ اسلئے جادوگر کی کیفیت جادوگر کے پروگرام کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ آیت مبارکہ میں سحرو اعین الناس آنکھوں پر جادو کا اثر ڈال دیا، کہا ہے، یہی کیفیت نفسیات میں دماغی وہم اور یا الیوژن Illusion ہے۔ یہ موضوع ابھی زیر تحقیق و جستجو ہے۔ کبھی جادو، سٹیج شو عام طور پر لوگوں کی انٹرٹینمنٹ کے لئے کیا جاتا ہے جسکا مقصد تجارتی یا تفریحی ہوتا ہے کوئی فسادی نہیں۔ اسطرح کے جادوگر کے شوز زیادہ تر نفسیاتی، دماغی الیوژن پر منحصر ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کا مقصد برے جادو سے مختلف ہے۔ جسکے مذموم مقاصد میں میاں بیوی میں اختلاف، خاندانوں میں فساد، انسانی جان کو نقصان دینا ہوتا ہے اور اسمیں جادو کا عمل چھپ چھپا کر ہوتا ہے۔ جسطرح حضور ﷺ پر یہودیوں نے کیا یا عام طور پر منفی انداز فکر

میں عملیات کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اور اس میں شیاطین (جنات قرین) کے ذریعہ عملیات ہوتے ہیں، جسکی وجہ سے جادو کرنے والے کی سزا موت ہے اور اسکے کرنے (عمل کرنے) کو کفر قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ اشرار جنات کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسمیں قول عمل اور اعتقاد، تینوں کا دخل ہے۔ اسکے سیکھنے کے بارے میں بھی کچھ علماء کے نزدیک کفر ہے اور کچھ کے ہاں سیکھنا کفر نہیں البتہ اسکو کرنا کفر ہے۔ کمزور اعصاب والے افراد جلد ذہنی توہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اشرار جنات کے ذریعے دماغ اور اعصاب پر اثر کر کے پریشانی پیدا کی جاتی ہے۔ اسکا عمل سخت منع ہے۔ انسانی دماغی کیفیت پر منحصر ہیپناٹزم (HYPNOSIS) ہے، ان میں ایک شخص کی اندرونی دماغی کیفیت سے قبولیت کا عمل پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اعصابی امراض میں بطور علاج استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح (A Mesmer-F.(1734-1815) جو ایک جرمن ڈاکٹر تھا، اسکا بھی طریقہ تھا۔ جسے مسمرزم (Mesmerism) کہا جاتا ہے، وہ بھی اب کافی حد تک ختم ہو چکا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾

فرعون نے کہا! تم اس پر ایمان لائے ہو میرے اجازت دینے سے پہلے (قبل)؟ بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم (سب جادوگروں) نے مل کر (ہم سے) اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس ملک سے اس کے (قبطی) باشندوں کو نکال دو سو تم عنقریب جان لو گے (اپنے انجام کو)۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾

میں یقیناً تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پاؤں کو ایک دوسرے کی الٹی سمت سے کاٹ ڈالوں گا، پھر ضرور تم سب کو پھانسی دوں گا۔

جب حالات کو اپنے مخالف دیکھا تو فرعون اور اسکے درباری فوراً اپنی شکست یا ناکامی سے بچنے کے لئے ایک اور سماجی حربہ استعمال کیا۔ وہ جادوگر جن پر اسکا بھروسہ تھا ان کے مخالف ہو گیا اور کہا، کہ تم موسیٰؑ کے ساتھ مل گئے ہو اور قبطیوں کو ڈرانا دھمکانا چاہتے ہو۔ اور ان کو اس شہر سے نکالنا چاہتے ہو۔ لہٰذا تمہاری اس سازش اور

جرم کی سزا یہ ہوگی کہ تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دیے جائیں گے۔ انسانی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کیا گیا کہ جب کسی متکبر کو شکست یا ناکامی ہوتی ہے تو وہ اپنے تکبر اور اپنی ناکامی کا تجزیہ نہیں کرتا۔ بلکہ دوسروں پر الزام لگاتا ہے اور اپنے تکبر میں ڈوبا رہتا ہے۔ یہ کیفیت انسان پر شیطانی خیالات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسلئے تکبر سے منع کیا گیا ہے۔ فرعون الٹا ان کو مجرم بنا کر اپنے دعوٰی کی غلطی سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر ان کیطرف کر دی ان کو مجرم بنا دیا۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴿۱۲۵﴾

انہوں (جادوگروں) نے کہا بیشک ہم اپنے رب کیطرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴿۱۲۶﴾

اور تمہیں ہم سے عداوت ہے، صرف اسی وجہ سے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آگئیں۔ اے ہمارے رب تو ہم پر فیضان صبر فرما اور فرمانبردار (مسلمان) رہتے ہوئے موت دے۔

صبر واستقامت:۔

جب جادوگروں نے فرعون کا حکم سنا، تو ان کا ایمان بہت پختہ تھا اور اس کا مرتبہ عین الیقین یعنی (جہاں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہوتی سراسر یقین ہوتا ہے) کے درجہ پر تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہارے خلاف کوئی بات نہیں کی، ہمیں تو اللہ کے وجود کا اسکی نشانیوں سے یقین آگیا ہے۔ لہٰذا موت کی صورت میں اس کی طرف پلٹیں گے۔ اس بات پر وہ اپنے ایمان کی وجہ سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوئے بلکہ سراپا استقامت رہے۔ دعا کی کہ اے ہمارے رب اس مشکل وقت میں صبر جیسی عظیم نعمت عطا فرما تاکہ ہم نہ گھبرائیں پریشان نہ ہوں اور ظلم کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کریں۔ ہمیں بھی ایمان پر موت دے۔ یہ سبق ہے ایمان والوں کے لئے کہ اگر حق کے ساتھ میں تکالیف آئیں تو پریشان نہ ہوں، بلکہ صبر کے ساتھ مقابلہ کرکے اپنی منزل کو پہنچیں۔ استقامت کے لئے صبر بہت ضروری اور اہم ہے۔ اسلئے صبر کا اجر بھی بہت

زیادہ ہے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا، کیا موسیٰ اور اسکی قوم (تبدیلی لانے والوں) کو چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں؟ اور وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟ (یعنی نہیں چھوڑیں گے)۔ اس نے کہا (نہیں) اب ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور بیشک ہم ان پر غالب ہیں۔

فرعون کے درباری سرداروں نے مفادات کی وجہ سے نظام کے بچاؤ کے لئے فرعون کو مشورہ دیا، کہ ان تبدیلی والوں کو جو خدا پر ایمان اور بنی اسرائیل کی واپسی چاہتے ہیں سزا دینی ضروری ہے ورنہ ملک میں فساد برپا کریں گے اور اسکی حکومت کو ہلا دیں گے۔ ناکامی کے جواب میں فرعون نے کہا (چونکہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل تھے کیونکہ آپ بنی اسرائیل سے تھے) کہ ان کے لڑکوں کو (جونہی پیدا ہونگے) قتل کر دیں گے تاکہ وہ ہمارے لئے مزاحمت نہ کر سکیں اور ان کی عورتوں کو رہنے دیں گے۔ یعنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے تاکہ وہ ہماری خدمت کریں۔ یہ ہم کر سکتے ہیں کیونکہ ہم طاقت میں ہیں۔

ہوس اقتدار اور ظلم:۔

تکبر، انا پرستی اور مفادات کی حفاظت اور طاقت کے نشے میں، جب کوئی قانون کی قید نہ ہو یا خوف خدا نہ ہو تو انسان اپنے انسان بھائی کے لئے کسقدر ظلم پر اتر آتا ہے۔ یہ انسانی رویہ کا حصہ ہے۔ فرعون کا رویہ اسکی مثال، اور درس عبرت ہے، اسی لئے اسلام میں ہر شخص خواہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، خدا کے سامنے اسلامی قانون کے مطابق جواب دہ ہے اور عوام کے سامنے بھی جواب دہ ہے اسے کوئی استثناء حاصل نہیں۔ (اسکی مثال حضرت عمر کا واقعہ ہے)۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بیشک زمین اللہ

کی ہے، اپنے بندوں پر جس کو چاہے اسکا مالک بنا دے اور انجام خیر (کامیابی) اللہ کی مرضی پر چلنے والوں (متقی) کے لئے ہے۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۹﴾

انہوں نے (لوگوں) نے کہا! (اے موسیٰ) ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے اور بھی اذیتیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد (اذیتیں رہیں)، کہا (موسیٰؑ نے)! کہ عنقریب تمہارا رب، تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور زمین میں تمہیں جانشین (مالک) بنا دے پھر وہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

جب فرعون کا بنی اسرائیل نے اعلان سنا تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے اپنی پریشانی عرض کی کہ پہلے ہم پر ظلم ڈھائے جاتے تھے (بچوں کو قتل، جبری غلامی وغیرہ) اور تمہارے (حضرت موسیٰؑ) آنے کے بعد بھی یہی ظلم جاری ہیں اور پھر فرعون آج مزید ظلم کرنے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس سے وہ پریشان ہو گئے۔ ان حالات میں حضرت موسیٰؑ نے ان کی ڈھارس بندھائی، تسلی دی اور امید کا پیغام دیا۔ صبر کی تلقین کی کہ عنقریب یہ ظلم ختم ہو جائے گا اور کامیابی تمہاری ہو گی۔ یہ سلطنت وطاقت جو زمین پر آج فرعون اور قبطوں کو ملی ہے کل تمہیں بھی مل سکتی ہے۔ اور پھر قوت و سلطنت دے کر اللہ تعالیٰ آزماتا ہے کہ ہم اسکے احکام پر کتنے عمل کرتے ہیں اور حق وعدل کو نافذ کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۳۰﴾

اور بیشک ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۱﴾

اور جب انہیں آسائش (خوشحالی) ملی تو کہتے ہیں یہ ہماری اپنی وجہ سے ہے اور اگر ان کو بدحالی پہنچتی تو اسکو موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نسبت بدشگونی کرتے۔ خبردار ان کی بدشگونی تو اللہ ہی کے پاس (طرف سے) ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے (علم رکھتے)۔

وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے (اے موسیٰؑ) تم کیسی ہی نشانی لے آؤ کہ تم اس کے ذریعے ہم پر جادو کر سکو، تب بھی ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴿۱۳۳﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون واضح بھیجیں۔ پھر بھی وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ مجرم قوم تھی۔

اسلام میں شگون وبد شگونی:۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جادوگروں کے مقابلہ میں شکست کے بعد فرعون نے مسلمانوں (حضرت موسیٰؑ کے ماننے والوں) پر سختی شروع کردی اور اللہ تعالیٰ نے اسکے بدلے قوم فرعون پر عذاب قحط، خشک سالی اور باغات میں تباہی کے صورت میں نازل کیا۔ لیکن جب قحط یا نقصان ہوتا تو دعا کے لئے کہتے۔ جب سخت حالات بدل جاتے تو انکار کرتے اور کہتے کہ تکلیف یا عذاب بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے ہے۔ اسطرح ان پر مختلف عذاب آئے جن میں مینڈکوں کی بارش (ساحلی اور دریائی علاقوں کے قریب مچھلیوں کی بارش ہوتی رہتی ہے جسطرح (۱۰،۱ ۲۰۱۷ء میں) میکسیکو کے شمالی ساحل پر بارش کے ساتھ مچھلیاں بھی گریں اور فروری ۲۰۱۹ء میں جزیرہ مالٹا (بحیرہ روم) میں طوفان میں مچھلیوں کی بارش ہوئی)، ٹڈی دل کا حملہ اور فصلوں کا ختم ہو جانا، طوفان، جوئیں کا پڑنا اور خونی کیڑے کی صورت میں آیا، لیکن وہ وعدہ کر کے بھول جاتے اور اپنے تکبر میں رہے۔

انسان جب یقین نہیں رکھتا تو وہ وہم میں پڑ جاتا ہے۔ وہم ایک ایسی صورت ہے کہ آدمی کا فیصلہ کمزور ہو جاتا ہے اور دوسرے عوامل کے سہارے کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ عربوں میں یہ جاہلیت کی وجہ سے شگون عام تھا۔ اگر کوئی کام کرنے سے پہلے کبوتر یا پرندہ اڑاتے اگر وہ سیدھے (دائیں طرف) جلد ہو جاتا تو اسے کامیابی سمجھتے۔ اور اگر الٹا (بائیں) اڑاتا تو اسے بد شگونی سمجھتے ہوئے کام سے رک جاتے۔ اسلام نے شگون لینے سے منع فرمایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ شگون کے بجائے جو ارادہ کیا ہے اسکو پورا کیا جائے۔ اور اللہ سے عمل کی تکمیل کی پوری دعا کی جائے۔ کام کی ابتداء میں حضور

اکرم ﷺ نے ہمیشہ اچھے الفاظ اور آراء کو پسند فرمایا اور کہا کہ بدشگونی شرک کے مترادف ہے۔ انسان کو اپنے کام میں محنت کرکے مکمل کرنا چاہیے۔

حضرت عروہ بن عامر قریشی بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے بد فالی (بدشگونی) کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا سب سے اچھی چیز نیک فال ہے (یعنی ہمیشہ مثبت امید رکھو) اور فال مسلمان کو کسی مہم سے نہیں روکتی۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص کی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو کہے اے اللہ !تیرے سوا کوئی اچھائیوں کو نہیں روک سکتا اور تیرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا اور گناہوں سے باز رہنا اور نیکیوں کو کرنا تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں (ابو داؤد)۔ حدیث مبارکہ میں کس قدر اہم مینجمنٹ اور لیڈرشپ کا اصول دیا ہے، کہ مشکلات سے ڈرنا نہیں بلکہ اللہ کہ مدد اور محنت اور صبر سے کامیابی حاصل کرنا ہے۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کام کے لئے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ سننا اچھا لگتا کہ یا راشد (اے ہدایت پانے والے) یا نجیح (اے کامیاب ہونے والے) (ترمذی شریف) یعنی صحیح منصوبہ بندی ہوتی تو ہدایت ہے اور محنت ہو تو کامیابی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا بدشگونی شرک ہے حضرت عبد اللہ نے کہا ہم میں سے ہر شخص کو بدشگونی عارض ہوتی ہے اور اسکے دل میں اس سے سخت ناپسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اسکو زائل کر دیتا ہے (سنن ابو داؤد / ترمذی)۔ اس حدیث میں حضرت عبد اللہ نے بدشگون / شگون کے توہمات کا علاج بھی بتادیا کہ توکل سے زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت روافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بدشگونی کی وجہ سے اپنی مہم پر نہیں گیا وہ شرک میں آلودہ ہو گیا (مسند البزاز)۔ شگون پر دارومدار کا سبب یہ ہے کہ علمی اور تحقیقی طریقہ پر نہ منصوبہ بندی کی گئی نہ تیاری کی گئی اور محض توہم کی بنیاد پر کام کا فیصلہ کر دیا گیا اور اسے توکل سمجھنا انتہائی غلط اور گناہ ہے۔ ان تمام احادیث میں جس چیز کی اہمیت ہے کہ معلومات کا حصول، تحقیق، منصوبہ بندی اور پھر عمل کرے، مقصد کو حاصل کیا جائے اور مشکل کی صورت مین مزید صبر اور

کوشش کی جائے۔ اسلئے مومن ایک حدیث کے مطابق ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جا سکتا ہے۔ اسکے متعلق پہلے سورۃ انعام میں بحث ہو چکی ہے اسکے مینجمنٹ اور لیڈرشپ میں منفی نفسیاتی اثرات کی وجہ سے بہت زیادہ نقصان اور ناکامی کے امکانات ہیں اور کامیابی صرف یقین محکم اور عمل مسلسل میں ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت، فاتح عالم　جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

کسی کام کے کرنے میں نقصان اور نفع ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق مکان، رہائش، عورت (شادی) اور گھوڑا (سواری کا ذریعہ) میں نقصان ہو سکتا ہے، تو اس صورت میں مکان تبدیل کر دیا جائے۔ اگر عائلی زندگی میں مشکل ہے تو مرد یا عورت کوئی بھی طلاق دے یا لے سکتا ہے، اسی طرح اگر سواری میں خرابی ہے تو تبدیل کی جا سکتی ہے، اسے اپنے نصیب کا حصہ سمجھنا یا شگون لینا غلط ہے۔ تمام امور کو غور و فکر سمجھ اور مثبت انداز فکر کے ساتھ شروع اور مکمل کرنا چاہیے۔ اس لئے مومن کے لئے شکست پر یقین نہیں بلکہ فتح پر یقین ہے، ہاں اس منزل کے سفر میں شکست اور ناکامی سے گزرنا ممکن اور سفر کا حصہ ہے۔ آیت مبارکہ میں فرمایا کہ نیک یا بد شگون سب اللہ کے زیر کنٹرول ہیں۔ اسلئے حضور ﷺ نے شگون لینے کو شرک کے مثل قرار دیا ہے۔ در حقیقت شگونی اور وہم اللہ پر یقین میں کمی کا نتیجہ ہے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین۔

وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

اور جب ان پر کوئی عذاب آتا ہے تو کہتے اے موسیٰ! آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں اس عہد کے سبب جو تمہارے پاس ہے، اگر آپ ہم سے اس عذاب کو ٹال دیں تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

پھر جب ہم ایک مدت کے لئے ان سے عذاب ٹال دیتے ہیں جس (معینہ مدت) تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ فوراً عہد توڑ دیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

پھر ہم نے ان سے بدلہ (انتقام) لے لیا اور ہم نے انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ اس لئے انہوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا اور ان سے غافل تھے۔

بنی اسرائیل اور فرعون (قبطون) کا قصہ جاری ہے جب ان پر عذاب آتا۔ تو حضرت موسیٰؑ سے منت کر کے دعا کرواتے کہ عذاب ٹل جائے جونہی عذاب ٹل جاتا تو پھر اپنی ضد پر اکڑ جاتے۔ اپنے وعدہ کہ اسلام قبول کرلیں گے سے منکر ہوجاتے۔ یہ اسی طرح کئی سال ہوتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یوں انتقام لیا کہ رات کو جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے لے کر شہر سے نکل گئے اور صبح وہ ان کے پیچھے ان کو پکڑنے کے لئے دوڑے اور اسطرح دریا میں غرق ہو گئے (اسکی تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔) اس سزا کے وجہ، ان کی اللہ تعالیٰ کے احکام سے دوری، انبیاء کے احکام سے بے پرواہی اور بنی اسرائیل پر ظلم تھا۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے اس قوم جو استحصال زدہ (کمزور) تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث (مالک) بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی اور بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب نے نیک وعدہ اس (بنی اسرائیل) کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔ اور فرعون اور اسکی قوم نے جو (محل) بنائے تھے اور جو (باغات) چھتریوں پر چڑھائے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔

آیت مبارکہ بنو اسرائیل کے قصہ کی تفصیل ہے کہ ان پر ظلم کی رات بالکل ختم ہو گئی اور جو انہوں نے ظلم سہے اور صبر کیا اور اسکی وجہ سے قبطیوں کی فوج دریا میں غرق ہو گئی اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ شام اور فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے۔ قبطیوں کے سارے محلات اور باغات ختم ہو گئے۔ اس سے ایک چیز واضح ہو گئی کہ ظلم ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کر کے ختم کر دیتا ہے اور

جسطرح پہلے آیات میں آیا کہ کوئی اور انسانی قوم نجات دہندہ کے طور پر اللہ تعالیٰ مقرر کر دیتے ہیں جو مظلوم کو ظالم کے پنجے سے نجات دلاتی ہے۔

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتارا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کے گرد آسن مارے بیٹھے رہتے تھے (پوجنے کے لئے) کہنے لگے (بنی اسرائیل): اے موسیٰؑ! ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دیں جیسے ان کے معبود ہیں۔ موسیٰؑ نے کہ تم بڑی جاہل قوم ہو۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۱۳۹﴾

بیشک یہ لوگ جس چیز میں ہیں وہ ہلاک ہونے والی ہے اور جو کر رہے ہیں وہ غلط (باطل) ہے۔

قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۴۰﴾

کہا (موسیٰ نے) کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں سارے جہانوں پر فضیلت (بڑائی) عطا کی ہے۔

وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ﴿۱۴۱﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم (اللہ) نے تم کو فرعون لوگوں سے نجات دی جو تم کو سخت عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے لڑکوں کو قتل اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے (رہنے دیتے) تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی سربراہی میں سمندر پار کیا اسکے بارے تفہیم القران میں سے ماخوذ ہے۔

"بنی اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ سویز او راسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے اس زمانے میں جزیرہ نما سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب

کے علاقے میں موجودہ شہر طور اور ابو زنیمہ کا علاقہ جہاں کانیں تھیں اور ایک چھاؤنی مقفہ کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا۔ غالباً انہیں مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو، جن پر مصریوں کی غلامی نے مصریت زدگی کا اچھا خاصا گہرا اٹھپا لگا رکھا تھا ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی۔

آیات مبارکہ سے انسانی عادات اور غلامی میں رہنے کے بعد جو کردار میں تقلیدی عنصر پروان چڑھتا ہے اسکا اظہار کیا گیا ہے۔ اور یہ اثرات اسکی سوچ اور عمل کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان سے چھٹکارا صرف کامل راہنما اور کافی عرصہ آزاد رہنے کے بعد مل سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کے احمقانہ خیالات کے مقابل اللہ کے انعامات گنوائے تاکہ انہیں آزادی کا احساس ہو۔ ان کی اس سوچ کو جاہلیت کا عمل قرار دیا۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے اسے دس (مزید راتیں) ملا کر پورا کیا۔ پس اس کے رب کی چالیس راتوں کی معیاد پوری ہو گئی اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا تم میری قوم میں میرے جانشین رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر نہ چلنا (چلنے دینا)۔

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰؑ ہمارے (مقررہ) وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا تو عرض کی: اے رب! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میرا تیرا دیدار کروں۔ کہا تم مجھے ہر گز نہ دیکھ سکو گے مگر پہاڑ کیطرف نگاہ کر۔ اگر وہ (پہاڑ) اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب میرا جلوہ کر لو گے

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے (پہاڑ کو) ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب اسے افاقہ ہوا تو عرض کیا تیری ذات پاک ہے میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴿۱۴۴﴾

فرمایا! اے موسیٰؑ بیشک میں نے تمہیں لوگوں پر اپنے پیغام بری اور اپنے کلام کے ذریعے امتیاز بخشا، سو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے ان کے لئے تختیوں (توریت) میں ہر ایک چیز کی نصیحت اور تفصیل لکھ دی۔ تم اسے مضبوط تھامے رکھو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں کو اختیار کرلیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا مقام دکھاؤں گا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴿۱۴۶﴾

میں اپنی آیتوں (نشانیوں کو سمجھنے اور قبول کرنے) سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں (تو بھی) ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنالیں گے یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا اور اس سے غافل رہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۷﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو اور آخرت کی ملاقات (قیامت کا حساب وکتاب) کو جھٹلایا، ان کے اعمال برباد ہو گئے ان کو

ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے کہ وہ عمل کرتے رہے۔

تیاری اور ٹریننگ:۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعونیوں کے غرق ہونے اور ان سے نجات پانے کے بعد شام اور فلسطین کی طرف بنو اسرائیل کے ہمراہ سفر شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ کے احکام ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ جس کے مطابق وہ آئندہ زندگی بسر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیس راتوں (رات دن) کیلئے عبادت کا حکم تھا۔ اسکی تعمیل میں آپ پہاڑ پر تنہائی میں چلہ کشی کے لئے چلے گئے اور جاتے وقت حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ انہیں تاکید کی کہ اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں سے دور رہنا۔ یہ چلہ کشی اور روزے اس اہم ملاقات اور احکام کی وصولی، کامیابی کی شکر گزاری کے لئے تھے جو انعامات آپ کو اللہ نے عطا کئے اور کرنے تھے۔ اس سے کسی بھی کام کی اہمیت کے پیش نظر تیاری اور ٹریننگ کی ضرورت بھی واضح ہوتی ہے۔ اس اہم عرصہ کے دوران تیس روزے رکھے، شاید ذیقعد کا مہینہ تھا، جب تیس روزے مکمل ہوئے اور آپ احکام الٰہی کے لئے حاضر ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے مزید دس روزے رکھنے کا حکم دیا اور آپ نے ان کو مکمل کر کے چالیس دن کا چلہ مکمل کر لیا۔ عمومی طور پر ہمارے ہاں بھی چلہ یا چالیسواں کا تصور اسی عمل کی بنیاد پر ہے۔ آپ کو اس کے بعد توریت الواح کی صورت میں احکام الٰہی عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی شرف حاصل ہوا اور کلیم اللہ کا اعزاز ملا۔

احکام الٰہی:۔

اللہ کا کلام، کیفیت، آواز، الفاظ سے ماوراء ہے۔ کلام کے لئے آواز و حروف کے لباس ضروری نہیں بلکہ اسکے بغیر بھی مقصود بتلایا یا پہنچایا جا سکتا ہے۔ علماء نے اس (کلام) کی تعبیر و تشریح میں مختلف آراء لکھی ہیں، جو کہ علم الکلام و عقائد کی کتب میں مذکور ہیں۔ بہتر ہے کہ اس پر تشریحات اور امکانات پر بحث کے بجائے اللہ کے حوالے چھوڑ دیا جائے۔

ہمکلامی سے شرفیاب ہونے کے بعد آپ نے فرط محبت و نیازمندی سے دیکھنے کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ اپکی تسلی اور ایک اظہار کے طور پر فرمایا، کہ پہاڑ کو دیکھو، اگر میرا جلوہ وہ برداشت کر سکا تو تم دیکھنا۔ اللہ تعالیٰ

نے پہاڑ کی طرف جلوہ فرمایا تو پہاڑ تجلی (کڑک چمک) سے ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہوگئے اور ہوش آنے پر عظمت و جلال کا اقرار کیا اور انکار و عاجزی سے معافی طلب کی۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰؑ سے پوچھے کوئی آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام۔

ایک حدیث کے مطابق بھی کلام الٰہی یا دیدار کا اظہار قوت (انرجی) کڑک کی طرح کا ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے جسے حافظ جلال الدین سیوطی سے بحوالہ امام بیہقی السماء والصفات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب بنو اسرائیل کی طرف واپس گئے تو انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا: اے موسیٰؑ، رحمان کے کلام کی صفت بیان کیجئے۔ آپ نے کہا تم اسکی طاقت نہیں رکھتے۔ کیا تم نے ایسی گرج اور کڑک کی آواز سنی ہے جو بہت شرین لگتی ہے۔ اللہ کا کلام اسکے قریب ہے اور وہ اس طرح نہیں ہے (تبیان القرآن جلد چہارم)۔ یہ وہ موضوع ہے جو انسانی تخلیات کی جولان گاہ نہیں ہو سکتا اور اسمیں صرف بھٹکنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں اسلئے جسطرح بتلایا گیا ہے۔ اس پر اعتقاد رکھا جائے۔ توریت میں کتنی تختیاں تھیں کیسی تھیں، کتب (اسرائیلات) میں انکی تفصیلات میں اختلاف ہے ،جو کتب تفسیر میں درج ہے۔ توریت میں عبادات و معاشرت فرض واجب، حلال و حرام کے احکام تھے جسکا آیات مبارکہ میں ذکر ہے ۔اسکا احترام ضروری ہے۔

عمل کی اہمیت:۔

احکام پر عمل کی تاکید کا حکم ہوا۔ یہ بھی بتایا کہ اگر عمل نہ ہوا تو اسکی سزا اور عمل نہ کرنے والوں کو منافقین کہا گیا ہے۔ عمل کی اہمیت اور اسکا بدلہ واضح فرما دیا ہے۔ انسانی کردار کا بھی تجزیہ فرمایا کہ انسان محض اپنے تکبر کی وجہ سے اللہ کے احکام کو بھلا دے گا اور ایسا بھلانے والوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔

تکبر و گمراہی:۔

تکبر کے بارے میں پیچھے گزر چکا ہے۔ احادیث میں اسکے بارے میں بہت زیادہ مذمت آئی ہے۔ تکبر کا سبب کوئی خاصیت اور امتیاز ہوتا ہے۔ لیکن تکبر کرنے والا

،اپنے اس امتیاز میں غلو کرتا ہے اور دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے۔ طبقاطیت کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ کیفیت اسے حق سمجھنے سے دور کر دیتی ہے۔ غلط فیصلوں کا سبب بنتی ہے۔ جس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ حدیث مبارک ہے " حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، اس کی جوتی اچھی ہو، آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق بات کا انکار اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔(ترمذی شریف)

حضرت ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر، تقوٰی کے سوا اور کوئی وجہ فضیلت نہیں ہے (المعجم الاوسط)۔ اسلام نے جسطرح مساوات انسانیت کا درس دیا، اسطرح دنیا کا کوئی مذہب نہیں دے سکا، اسلئے اسلام کے احکام دنیا کے تمام قوانین یا دستوروں میں شامل ہیں۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ(۱۴۸)

موسیٰ کی قوم نے ان کے (جانے کے بعد) اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا۔ ایک ڈھانچہ جس میں گائے کی آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کر سکتا اور نہ انہیں راستہ دکھاتا ہے؟ انہوں نے اسکو (معبود) بنا لیا اور بڑے ظالم تھے (شرک کرنے کی وجہ سے)۔

وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ یَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ(۱۴۹)

جب وہ اپنی غلطی پر نادم ہوئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ واقعی گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے !اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۱۵۰)

اور جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف غم و غصہ سے بھرے ہوئے واپس لوٹے تو کہنے لگے، کہ تم نے میرے بعد بہت ہی برا کام کیا ہے۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم پر جلد بازی کی اور (موسیٰؑ نے) تورات کی تختیاں نیچے ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کو اپنی طرف کھینچا (تو) ھارونؑ نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! بیشک اس قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ (منع پر) مجھے قتل کر ڈالیں۔ پس آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالم لوگوں (کے ساتھ) میں شامل نہ کریں۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

کہا (موسیٰؑ نے) اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰؑ تیس ایام (ایک ماہ) کی تنہائی میں عبادت کا ارادہ سے اور حضرت ھارونؑ کو قوم کی راہنمائی کے امور سونپ کر پہاڑ پر چلہ کشی کے لئے چلے گئے۔ مصر سے آتے وقت قوم فرعون کے زیورات بنی اسرائیل کے پاس تھے۔ پرانی شریعتوں میں کسی کے مال کو استعمال کرنا گناہ تھا۔ سامری جو ایک نیک اور پارسا، صاحب علم شخص تھا۔ اس نے اسکے بارے میں حضرت ہارونؑ سے ذکر کیا، آپ نے سب سے زیورات لے کر ایک گڑھا کھود کر جلانے کا حکم دیا جو اس وقت کا حکم تھا۔ یہ کام سامری کے ذمہ لگا دیا۔ سامری نے، زیورات کو جب جلا رہا تھا، وہ ڈھلائی کا کام کو جانتا تھا۔ اس نے ان سے ایک بچھڑا کی شکل کا جانور بنا لیا اور اسکے اندر ہوا کے آنے اور جانے سے ایک آواز نکلتی تھی۔ جس کی آواز گائے کے بچھڑے کی طرح تھی۔ گائے کو قبطی ایک مقدس جانور سمجھ کر اسکے بت بناتے اور عبادت بھی کرتے تھے۔ جب تیس دن گزرنے کو بعد حضرت موسیٰؑ نہیں آئے تو سامری نے لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا۔ کہ اب موسیٰؑ نہیں آئیں گے اور جس خدا کو وہ ملنے گئے تھے وہ اسی بچھڑے میں ہے اور آواز

دے رہا ہے۔ کچھ دن تو بنی اسرائیل نے انکار کیا اور حضرت ہارونؑ کی بات پر سامری کی باتوں کو جھوٹا سمجھا، لیکن اس موقع پر شیطان نے گمراہی کرنے میں پورا زور لگایا۔ حضرت موسیٰؑ کی غیر معمولی لمبی غیر حاضری (تیس دن سے اوپر) کافی دن گزرنے کی وجہ سے یہودیوں نے سامری کی بات پر زیادہ یقین کر لیا اور حضرت ہارونؑ کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ اکثریت پھر اسی طرح بتوں کی عبادت پر مائل ہو گئی اور سمجھا کہ یہی خدا ہے۔ لوگوں نے حضرت ہارونؑ کو چھوڑ دیا اور سامری کو ساتھ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت ہارونؑ تنہا رہ گئے اور شدید مخالفت اور داخلی لڑائی کے خوف سے خاموش ہو گئے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی نظریہ کی تنقید کے لئے اجتماعی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

تنفیذ کیلئے قوت:۔

اور جب وہ تنفیدی قوت نہ ہو تو فساد کے بجائے وقتی طور پر خاموشی بہتر ہے تا کہ مزید داخلی انتشار نہ ہو اور مناسب وقت کا انتظار کیا جائے۔ جب تنفیدی قوت میسر آجائے تو تنفید کی جائے۔ جسطرح حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے آنے تک کیا۔ حضرت موسیٰؑ کی آمد پر یہ فتنہ ختم ہو گیا کیونکہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں خوف اور دبدبہ تھا۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم   عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

(رشی جوگی)

حضرت عثمان کا قول مبارک ہے مایزع السلطا ن اکثر ممایزع القرآن کہ قرآن کے مقابلے میں سلطان کا دبدبہ اور رکاوٹ زیادہ ہے۔ (لوگ عامۃ الناس کے لئے خوف بڑی رکاوٹ ہے) ایک تفسیر کے مطابق سامری نے حضرت جبرائیلؑ کی سواری کے پاؤں کی مٹی دیکھی اور اس کو اٹھالیا تھا۔ اسکو استعمال کر کے بچھڑے کے ڈھانچہ سے آواز نکال لی۔ یا پھر ہوا کے راستوں میں رکاوٹ کے ذریعہ سے، جیسے بانسری یا پائپ میں سے آواز نکلتی ہے، اسطرح پیچھے سے ہوا داخل ہو کر منہ سے آواز نکلتی تھی جو بچھڑے جیسی تھی۔ یہ اسکے دماغ کی اختراع ہو سکتی ہے اور اس مٹی کے استعمال نے اسکے لئے آسانی پیدا کر دی۔ سازوں کے آلات کی آواز، ہوا ہی کا استعمال ہے جو مختلف طریقوں سے آواز نکالتے ہیں اور دلنواز اور دلخراش بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سامری کی چالاکی

تھی جسکی وجہ سے اسنے کمزور عقیدہ لوگوں کو گمراہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے ایک آزمائش تھی۔

حضرت موسیٰؑ کو اسکا اشارہ دوران پہاڑ ہی مل گیا تھا۔ جب آئے تو آپ کو اس نافرمانی کا سخت دکھ ہوا احکام کی تختیوں کو زمین پر ڈال دیا اور بچھڑے کو جلا دیا۔ حضرت ہارونؑ کو غصہ ہوئے اور سر کو کھینچا۔ انہوں نے اپنی کمزوری کی وضاحت اور قوم کے معاندانہ (دشمنی) رویہ کا ذکر کیا۔ آپ نے حضرت ہارونؑ کی موجودگی میں اس واقعہ کی وجہ سے اللہ کے دربار میں معافی کے طلبگار ہوئے۔

اس سارے واقعے میں نہ تو حضرت ہارون کی کوتاہی تھی اور نہ یہ حضرت موسیٰؑ کی طرف سے کوئی عمل لیکن نبوت کی ذمہ داری کے پیش نظر آپ نے اپنی اور حضرت ہارونؑ کیطرف سے معافی کی درخواست کی۔ یہی وہ مقام ہے جسکے لئے کہتے ہیں کہ حسنات الابرار سئیات المقربین (کہ کچھ افراد کے اعلیٰ اعمال اور اس سے اونچے درجہ والے افراد میں معمولی بلکہ خلاف معمول تصور ہوتے ہیں)۔ ایک اور نکتہ کہ دربار الٰہی میں ہمیشہ معافی کی طلب اور رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔

اس سارے واقعے سے چند اعلیٰ اصول معلوم ہوتے ہیں۔

1۔ ہر معاملے کے لئے اسکی نوعیت کے مطابق تربیت وٹریننگ ہونی ضروری ہے۔

2۔ غیر حاضری کی صورت میں انتظامی خلل نہ ہو بلکہ وقتی سربراہ مقرر ہو جسطرح حضور نے تعلیمات دی ہیں کہ جب گروپ ہو تو اسمیں ایک امیر مقرر ہو۔ پھر جب آپ جاتے تو ہمیشہ اپنا نائب امام مقرر کر کے جاتے حضرت عبداللہ بن مکتوم اکثر نمازوں کی امامت کراتے۔ جنگ تبوک کے موقع پر آپ نے انتظامی امور کے لئے حضرت علی کو مقرر کیا اور نمازوں کے لئے حضرت عبداللہ بن مکتوم کو مقرر کیا۔

3۔ تعلیمات وہدایات واضح ہونے چاہیں کہ کسطرح چیزوں کو کیا جائے یعنی (مینوئل کے صورت موجود ہو)

4۔ جلدی کی بجائے تسلی کے ساتھ فیصلے کئے جائیں۔ عجلت کے کام پریشانی کا باعث ہوسکتے ہیں جسطرح سامری نے غیر حاضری پر صبر کرنے کے بجائے جلدی کی وجہ سے لوگوں کو

گمراہ کر دیا۔

5۔ اختلافات کی صورت میں تشدد کی بجائے مناسب تنفیذی قوت کے حصول کا انتظار کرنا چاہیے اور مجرموں کو پھر سزا دی جائے۔

6۔ معاملہ کی ناکامی، مشکل حالات میں صبر اور اللہ سے استعانت (مدد) اور معافی طلب کرنی چاہیے۔

7۔ غصہ کا فیصلہ بھی صحیح نہیں ہوتا۔

غصہ اور اس کا علاج:۔

غصہ سے بچنے کے لئے احادیث میں علاج موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو غصہ آئے تو پانی پئے، وضو کرے۔ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اور وہاں (موقع) سے چلا جائے اور پھر اعوذباللہ من شیطن الرجیم (تعوذ) پڑھے۔ یا پھر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ اس کی حکمت آپ نے یوں فرمائی کہ کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے کے مقابل زیادہ ہاتھ پاؤں کے استعمال کی قدرت رکھتا ہے، اسی طرح بیٹھا ہو الیٹے ہوئے کی نسبت زیادہ استعمال کی قدرت رکھتا ہے، جب انسان کم قدرت کی طرف جائے گا، تو فساد اور لڑائی کی نوبت کم ہو جائے گی۔ اس سے بہتر غصے کے علاج کے لئے کوئی تھراپی نہیں ہو سکتی۔ غصہ ایک انسانی انرجی کی صورت ہے۔ ایک حد تک اس کی ضرورت ہے جو کہ مثبت انداز، تصلیح اور عدل اور حق کی حفاظت کی حد تک ہے لیکن دوسری طرف یہ زیادہ نقصان دہ ہے جو کہ ایک شیطانی صفت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ شخص بہتر ہے جسے غصہ کم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی خاتم النبین سید المرسلین اور کائنات کے عظیم لیڈر کے نقش قدم پر چلنے کے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

بے شک جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان کو عنقریب اسی دنیا میں ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت پہنچے گی اور ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی سزا دیتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جن لوگوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے

بیشک آپ کا رب اس (ایمان کے بعد) بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰؑ کا غصہ اتر گیا، انہوں نے تختیوں کو اٹھا لیا اور جو کچھ ان تختیوں پر (لکھا) تھا اس میں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی۔

وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ستر مردوں کو ہمارے مقررہ وقت کے لئے چن لیا۔ پھر جب انہیں شدید زلزلے نے آن پکڑا تو موسیٰؑ نے عرض کی: اے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان لوگوں کو اور مجھے ہلاک فرمادیتا۔ کیا تو ہمیں اس (خطا) کے سبب ہلاک کرے گا جو ہم میں سے بے وقوف لوگوں نے انجام دی ہے۔ یہ تو تیری آزمائش ہے اس کے ذریعے تو جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہرادے اور جسے چاہے ہدایت فرمادے۔ تو ہی ہمارا آقا (والی) ہے۔ پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

بنی اسرائیل کے واقعات جاری ہیں حضرت موسیٰؑ نے سامری کو سزا دی اور نکال دیا۔ بچھڑے کو جلا دیا۔ لوگوں کو گمراہی پر ناراض ہوئے، توبہ کا حکم دیا اور جو روایات میں درج ہے وہ فیصلہ یہ تھا کہ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے ان کی سزا موت ہے اور وہ مار دئے گئے۔

بنی اسرائیل پھر بھی شک میں تھے کہ کلام الٰہی کیسی ہوئی اور احکام کیسے ہیں۔ آپ نے ان میں ستر سردار چنے اور انہیں تصدیق کے لئے پہاڑ پر لے گئے کہ وہ خود کلام الٰہی سن سکیں۔ اسکا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی ہے۔ وہاں لفظ الصاعقۃ (کڑک) ہے۔ اور یہاں الرجفۃ ایک زلزلہ ہے۔ روایات کے مطابق سخت کڑک ہوئی۔ جس کا نتیجہ دھماکہ یا زلزلہ بھی ہوا اور وہ لوگ مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو ہوش آیا، تو

اللہ تعالیٰ سے التجا کہ کہ ان کی بے وقوفی کے باعث یہ سزا کے مستحق ہیں۔ میں بھی معافی چاہتا ہوں، لہٰذا تیری رحمت وسیع ہے اور معاف فرمادے اور تیری ذات جسے چاہے گمراہی میں کردے اور جسے چاہے ہدایت کا راستہ بتادے۔

وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ وَ سِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۶﴾

اور تو (ہمارے رب) ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، بیشک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا میں جس پر چاہتا ہوں اسے اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے سو میں عنقریب اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو خوف خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

ہمارے لئے دنیا میں بھلائی لکھ دے یعنی تیرے احکام پر عمل و نیکی کی توفیق ہو۔ گناہوں اور نافرمانی سے بچ جائیں اور تیری رحمت کے طلبگار ہیں تو ہمیں معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی، کہ وہ توبہ کرنے والوں، زکوٰۃ دینے والوں، ایمان رکھنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اسکی رحمت وسیع تر ہے۔ ہمیں اسکی رحمت کی ہر وقت امید رکھنی چاہیے ساتھ ہی عذاب سے ڈرنا بھی چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۵۷﴾

یہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امّی ہیں جن کو وہ (یہود / نصاریٰ) لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید (گندی) چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے بار گراں اور طوق (پابندیاں) ان پر تھے اتارتے ہیں۔ پس جو

لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان کی مدد ونصرت کریں گے اور اس نور (قرآن / کتاب) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا۔ وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۱۵۸﴾

کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس (اللہ) کا رسول (بن کر) آیا ہوں، جس کی تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا (موت دیتا) ہے۔ پس تم اللہ اور رسول نبی امّی پر ایمان لاؤ۔ جو اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکو۔

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴿۱۵۹﴾

اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو (لوگوں کو) راہ حق بتاتے ہیں اور اسی کے مطابق عدل کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا، جس میں آخرت میں فلاح کی تمنا و درخواست کے بعد، موجودہ دور کے (عرب میں رہائش پذیر) یہودیوں اور کفار مکہ کو حکم ہے، کہ فلاح دارین کے لئے اس نبی کی تعلیمات پر عمل کریں، جو کہ ان پڑھ ہیں (کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی) آپ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا۔

1۔ آپ کا ذکر توریت اور انجیل جو گذشتہ مقدس کتابیں ہیں ان میں موجود ہے۔

2۔ آپ کی تعلیمات انسانیت کی بھلائی کے لئے ہیں اور بری چیزوں سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

3۔ آپ نے یہود اور عیسایوں کے مقابل، پاکیزہ چیزوں کو اسلامی شریعت میں حلال کیا ہے اور گندی، نقصان دہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اسلام میں حلال اشیاء کی ہدایت زیادہ ہے۔

4۔ پرانی شریعتوں کی شدید پابندیاں اسلام میں موجود نہیں اور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہیں، مثلاً مال غنیمت حلال ہے۔ پاکی کے علاوہ تیمم ہے۔ ساری زمین مسجد ہے۔

کپڑے کی پاکی دھلائی یا گندگی کے ہٹانے سے پاک ہو جاتا ہے، کاٹنے کی ضرورت نہیں۔
وہ نبی جو انسانیت کے لئے اسقدر آسانی اور سہولت لایا ہے اسکی اتباع کرنے، اسکی حق کی آواز پھیلانے میں مدد کرنے، اسکا ادب واحترام کرنے اور اس پر نازل شدہ کتاب (قرآن مجید) کے احکام پر عمل کرنے والے ہی دنیا و آخرت میں کامیاب اور فلاح پائیں گے۔
تورات اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے بارے درج ذیل مقامات پر ذکر آیا ہے، جو آیت میں مذکور ہے۔ استثناء باب ۱۸ آیات ۱۵۔۱۹، متی باب ۲۱ آیات ۳۳۔۴۶، یوحنا باب ۱، آیت ۱۹۔۲۱، یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵۔۱۷، ایات ۲۵۔۳۰، یوحنا باب ۱۵ ایات ۲۵۔۲۶، یوحنا باب ۱۶ ایات ۷۔۱۵۔ تعظیم اور توحید کو بالکل علیحدہ بیان کیا گیا ہے یہ اتباع کا ایک مکمل حصہ ہے۔ اسکی تفصیل سورۃ الحجرات اور دوسرے مقامات پر بھی دی گئی اور صحابہ کرام کی ذات مبارکہ اسکی دلیل ہے۔
عروہ بن مسعود کو اہل مکہ نے جاسوس بنا کر مسلمانوں کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے صحابہ کو پروانہ وار جناب محمد ﷺ پر گرتا اور فدا ہوتا دیکھ کر، واپسی میں رپورٹ دی کہ میں نے کسریٰ و قیصر کے دربار بھی دیکھے اور ملک نجاشی سے بھی ملا ہوں، مگر جو حال میں نے اصحاب محمد کا دیکھا ہے وہ کہیں نہیں دیکھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ ان کے مقابلے میں ہرگز کامیاب نہ ہوگے۔
اگلی آیت مبارکہ میں حضور کو حکم ہوا کہ آپ اپنی نبوت کی آفاق گیری کا اعلان کریں۔ آپ تمام انسانوں کے لئے روئے زمین پر نبی ہیں۔ لفظ جمیعاً اس بات کی دلیل ہے۔ جو اللہ اور اسکے نبی پر ایمان لائے گا ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا اور آخرت میں اس کا صلہ اسکو ملے گا۔
یہود کے معاندانہ رویہ کے باوجود، مدینہ کے یہودیوں میں کئی ایک حضور کی نبوت کی صداقت کی وجہ سے مسلمان ہو گئے اور آپکی نبوت کا اقرار کرتے تھے۔ جسطرح حضرت عبداللہ بن سلام تھے اسکے علاوہ بھی جب یہود گمراہی اور انبیاء کے خلاف ہوتے تھے، اس وقت بھی کوئی نہ کوئی گروہ حق پر چلنے والا ہوتا تھا۔ جبکہ اکثریت احکام کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ اہل کتاب اور کفار کو حق کی اتباع کا حکم دیا جارہا ہے۔

وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ہم نے انہیں بارہ قبیلوں کے گروہوں میں تقسیم کر دیا اور جب اس (موسیٰ) کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا (لاٹھی) پتھر پر مارو۔ پس اس میں بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ پس ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔ ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا۔ (کہا) پاکیزہ چیزوں کا جو رزق ہم نے دیا ہے، اس میں سے کھاؤ۔ (انہوں نے نافرمانی کی) انہوں نے ہم پر نہیں بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

وَ اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور (یاد کرو) جب ان کو کہا گیا کہ تم اس شہر میں سکونت اختیار کرو اور وہاں جسطرح تم چاہو کھاؤ اور کہتے جانا کہ بخش دے (ہمارے گناہ)۔ اور شہر کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہاری خطائیں (معاف کر) دیں گے عنقریب ہم نیکوکاروں کو اور زیادہ عطا کریں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

پھر ان میں سے ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی دوسری بات سے بدل دیا سو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس وجہ سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

یہود کی عادات کا ذکر جاری ہے کہ کسطرح انہوں نے احکام خداوندی کو نظر انداز کیا۔ جب یہ مصر سے جا رہے تھے تو حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی نسل بارہ قبیلے بن گئے اور پانی کی ضرورت کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے عصا کے مارنے پر بارہ چشمے جاری کئے۔ دھوپ پر بادل آجاتا اور گرمی سے بچاتا۔ کھانے کے لئے من و سلویٰ کو مہیا کی گیا اسکا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے پھر جب شہر میں داخل ہونے کے وقت، سجدہ اور معافی کی طلب کرتے ہوئے کیلئے کہا گیا، تو اس سے بھی انکار کیا اور سجدہ کے

بجائے جھک کر گزر گئے۔ یہ سارے امور ان کے کردار اور اس کے نتیجے میں سزا کے بارے میں اور ان کے اعمال کی وجہ سے تھی۔ عذاب کی تفصیل اگلی آیات میں بیان کی گئی ہے۔

وَ سْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۳﴾

اور آپ ان سے اس بستی کا حال پوچھیں جو سمندر کے کنارے تھی۔ جب وہ لوگ ہفتہ (کے دن) میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ جب ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن کو پانی پر خوب ظاہر ہونے لگیں اور ہر دن جس کو وہ یوم ہفتہ کی طرح تعظیم نہیں کرتے تھے ان کے پاس نہ آتیں (مچھلیاں)۔ اس طرح ہم ان کی آزمائش کر رہے تھے کیونکہ وہ نافرمان تھے۔

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کر رہے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا جنہیں سخت عذاب دینے والا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید وہ پرہیزگار بن جائیں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۵﴾

پھر جب وہ ان باتوں کو بھلا بیٹھے جنکی انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے منع کرتے تھے اور ہم نے لوگوں کو جو ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ﴿۱۶۶﴾

اور جب انہوں نے اس چیز (حکم) سے سرکشی کی (انکار کیا) جس سے وہ روکے گئے تھے (تو) ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

نیکی کی اہمیت اور پھیلانا:۔

آیات مبارکہ یہود کے اعمال کا ذکر ہے کہ جسطرح انہوں نے احکام خداوندی کو نظر انداز کی یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں یہود کی ایک قوم شہر ایلیہ جو ساحل کے کنارے پر ہے اور مدینہ اور شام کے راستے میں واقع ہے۔ چونکہ ہفتہ کے دن (سب) کو تجارتی سرگرمیاں ممنوع تھیں کیونکہ یہ عبادت کا دن تھا۔ (اسکا مقابلہ اسلام سے کریں کہ اسلام نے جمعہ المبارک کو جمعہ کی نماز کے بعد کاروبار کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ لوگوں کو عبادت کی مشکل نہ ہو۔ اور روزگار کے لئے مسئلہ نہ پیدا ہو لیکن اگر کوئی عبادت کے لئے اپنی خوشی سے چھٹی کرنا چاہیے تو ضرور کرے اسکی اپنی مرضی اور فیصلہ ہے مذہب کی طرف سے یہودیت کی طرح پابندی نہیں۔ یہ ایک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے آسانی ہے)۔ مچھلیاں ہفتہ کے دن دریا کے کنارے پر بہت زیادہ آجاتیں۔ یہودی جو لوگ لالچی تھے اور تجارتی منافع کو بہت ضروری سمجھتے، چاہتے تھے کہ مذہبی پابندی کو ختم کریں، اسکے لئے انہوں نے ایک طریقہ ایجاد کیا کہ تالاب بنالئے جن میں پانی کا راستہ کھلا چھوڑ دیتے اور ہفتے کو وہاں پہنچ جاتے جب مچھلیاں تالاب میں چلی جاتیں تو پانی کا راستہ بند کر دیتے تھے اور پھر دوسرے دن مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے کہ ہم نے ہفتے کو کوئی شکار نہیں کیا جبکہ وہ ایک چالاکی کے ساتھ اپنے تجارتی عمل کو سہولت پہنچاتے تھے تو یہ ایک شیطانی چال تھی جسکا مقصد اللہ کے احکام کی اصل روح کو نظر انداز کرنا تھا اور اپنا تجارتی مقصد حاصل کرنا تھا۔ اسی معاشرہ میں ایک گروہ ایسا تھا جو ایمان رکھتے تھے اور ان افراد کو اس غلط عمل سے منع کرتے تھے اور اسکے سخت مخالف تھے حتٰی کہ انہوں تنگ آکر درمیان میں دیوار کھڑی کر دی اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اس طرح ایک اور گروہ بھی تھا۔ جو اس بات کو برا سمجھتا تھا، لیکن ان کو منع نہیں کرتا تھا خاموش رہتا تھا، جب دوسرے نیک تبلیغ کرنے والے افراد ان سے کہتے کہ تم خیالات میں اور عمل میں ہمارے ساتھ ہو اس کو گناہ سمجھتے ہو اور شکار نہیں کرتے تو ان کا جواب جو قرآن مجید میں ذکر ہے انتہائی قابل غور ہے کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اس لئے کوئی فکر کی ضرورت نہیں ان کو سزا مل جائے گی۔ جو لوگ تبلیغ نہیں کرتے تھے ان کے بارے آیت میں وضاحت نہیں کہ کیا وہ ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہو گئے یا بچ گئے۔ اس

واقعہ سے امر بالمعروف اور نہی المنکر کی ضرورت واضح ہوتی ہے۔ ایک حدیث حضرت ابو بکر سے روایت ہے، کہ دوران خلافت آپ اس بات کی تاکید کرتے، کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کیا جائے اور ہر فرد برائی کو روکنے میں کردار ادا کرے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا نہیں ہوا، تو معاشرہ میں موجود نیک لوگوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوگی اور وہ بھی عذاب خداوندی میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے برائی کو نہیں روکا۔ لہذا بڑا ضروری ہے کہ نیکی کو پھیلاؤ اور بدی کو روکا جائے اور یہ ہر انسان کے دائرہ کار کے اندر ہے۔ جسطرح حدیث شریف ہے کہ تم میں سے ہر آدمی ذمہ دار ہے اور ذمہ داری کے بارے پوچھا جائے گا۔ اسلئے کہتے ہیں کسی عمل میں رائے نہ دنیا، اس عمل کے مخالف کی ہمت بڑھانا ہے۔ کیونکہ اس سے مخالف افراد یا ووٹوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جرم کرنے والوں یعنی احکام الٰہی کے خلاف مچھلیوں کو بند کرنے والوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ ان کی قوت گویائی ختم ہو گئی۔ شکل تو ملتی تھی اور تین دن کے اندر ختم ہو گئے۔ یہ واقعات توریت و انجیل میں موجود میں اور اسلام میں ان کا ذکر قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے۔ دوسری طرف حضور ﷺ کو یہود کے طرز انکار کے بارے میں بتایا کہ جن انبیاء اور احکام پر ان کا اقرار تھا ان پر بھی وہ دل سے عمل نہیں کرتے تھے اسلئے ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۶۷﴾

اور جب آپ کے رب نے یہ حکم سنایا کہ (اللہ) ان پر روز قیامت تک (کسی) ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بری تکلیفیں پہنچاتا رہے، بیشک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۶۸﴾

اور ہم نے انہیں زمین پر مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں بعض نیکوکار بھی ہیں اور ان میں بعض اسکے سوا (بدکار) ہیں اور ہم نے ان کی آزمائش انعامات اور سزا سے کی، تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶۹)

پھر ان کے بعد ناخلف (جانشین) بنے جو کتاب کے وارث ہوئے، یہ اس معمولی دنیا کی چیزیں لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا حالانکہ اس طرح دنیا کی چیزیں اور بھی ان کے پاس آئیں تو لے لیں۔ کیا ان سے کتاب کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے حق کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے ؟ وہ سب کچھ بڑھ چکے ہیں جو اس میں ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (۱۷۰)

اور جو لوگ کتاب (الہٰی) کو مضبوط پکڑتے رہتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں بیشک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۷۱)

اور (یاد دلاؤ) جب ہم نے انکے اوپر پہاڑ کو بلند کر دیا جیسا کہ وہ سائبان اور سمجھے ان پر گرنے والا ہے۔ اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

قوم یہود کے اعمال کا ذکر جاری ہے کہ یہود میں کچھ یہودی احکام کا اہتمام کرتے تھے اور اکثریت دنیاوی فوائد جس میں مال و دولت اور اقتدار یا اصحاب اقتدار کا قرب۔ دنیاوی دبدبہ کی خاطر احکام کی تنفیذ میں عدل کے بجائے انفرادی مصالحت اور لحاظ سے قانون کو بدل دیتے یا ایسی توجیہ کرتے، جس سے طاقتور مجرم کو فائدہ پہنچتا۔ ان کی ذہنی کیفیت بیان کی ہے کہ ایک طرف ان احکام جن کو جانتے ہیں ان کی توجیہ محض دنیا کے مفادات کے لئے غلط کرتے اور پھر یہ امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا۔ کسقدر وہ دھوکے میں ہیں کیونکہ ان کو خوف خدا نہیں۔ دوسری جو احکام خداوندی پر

عمل کرتے ہیں وہی آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ یہ آیات مبارکہ ہمارے علماء سوء کے کردار کو بھی ظاہر کرتی ہیں جو حکام یا دنیاوی مفادات کی وجہ سے معمولی امور کو نظر انداز کر کے ایک معمولی سی غلطی پر پہاڑ کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے خصوصی بندے، تابعدار اور نبیؑ کے محبت کرنے والے ہیں۔ فرمایا، انعام و سزا دونوں اعمال پر منحصر ہیں اور اعمال کی کسوئی یا معیار کیا صحیح ہے، کیا غلط ہے؟ وہ اللہ کے احکام ہیں اور اللہ کے احکام میں شریعت (فقہ) نے درجات، اہمیت اور ممنوع کے مطابق فرائض، واجب، حرام، ممنوع و مکروہ تحریمی کی تقسیم بڑی واضح طور پر کر دی ہے۔ لہذا افراد کی رائے کے ساتھ ان درجات کے مطابق اہمیت دی جائے۔ ایک حدیث مبارک ہے جو کہ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا عنقریب لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید اس طرح بوسیدہ ہو جائے گا، جس طرح کپڑہ پرانا ہو کر جھڑنے لگتا ہے، وہ بغیر کسی شوق اور لذت کے قرآن کو پڑھیں گے۔ ان کے اعمال صرف طمع اور حرص کے ہوں گے۔ وہ خوف خدا سے گناہوں میں کمی نہیں کریں گے وہ برے کام کرنے کے باوجود تبلیغ کریں گے اور یہ کہیں گے کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی، کیونکہ ہم اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے (سنن دارمی)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ٹولہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہود کے اعمال کی وجہ سے انکا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ ان پر ظالم حکمران مسلط کئے اور وہ ہمیشہ اپنے بقا اور نشو نما کیلئے دوسروں کے محتاج رہیں گے۔ جسکی مثال آج کی یہودی ریاست ہے (اسرائیل) جو اپنی بقا کیلئے یورپی ممالک، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی کی محتاج ہے، اگرچہ خود مختار ہیں اور اپنی محنت کی وجہ سے چل رہے ہیں۔ آیات سے کسی قوم کا متحد ہونا ایک نعمت ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا عذاب ہے۔ اس طرح ظالم حکمران کا ملک پر قبضہ کرنا یا حکمران بن جانا بھی ایک عذاب ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں نے جب سے اسلام پر عمل چھوڑ دیا (تقریباً چار سو سال قبل سے)، وہ ٹکڑوں میں بٹ گئے اور پھر دوسروں کی غلامی میں پھنس گئے۔ آج تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں۔ ایک اور یہود کے، انکار اور پھر اقرار کے واقع کا ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں انہوں نے اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ کڑک نے آن لیا اور وہ مردہ ہو گئے۔ جب دوبارہ زندہ ہوئے تو بھی تورات کے اوپر عہد نہیں لیتے تھے اور

عمل نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا پر، ایک فرسخ(اندازاًدو میل) کے پہاڑ کے ٹکڑے کو اٹھا کر ان کے اوپر بادل کی طرح جھکا دیا۔ اور انہیں ایسا لگا کہ ابھی گرا اور وہ دب کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اس خوف کے عالم میں انہوں نے عہد کیا اور سجدے میں گر گئے۔ اللہ نے حکم دیا کہ ان احکام (توریت) کو مضبوطی سے پکڑو، ان پر عمل کرو اور متقی بن جاؤ تاکہ آخرت میں کامیاب ہو۔

مکافات عمل:۔

ایک اور اہم اعلان فرمایا کہ اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ لہٰذا اچھے اعمال کرنے والوں کو یقین ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ ضرور ملے گا اور اعمال محض اللہ کی رضا یا تابعداری کے لئے کرنے چاہیں۔ جب یہ مقصد ہو گا تو تقریباً اکثریت (اسی فیصد افراد) کو اس دنیا میں اللہ تعالی کے عدل کی وجہ سے اجر، مکافات عمل کی صورت میں مل جاتا ہے اور مومنین کیلئے آزمائش بن کر آخرت میں بہت زیادہ ملتا ہے۔

صرف پڑھنا یا سمجھنا اور عمل:۔

ان چاروں آیات میں احکام خداوندی پر غور کرنا، ان پر عمل، پھر عمل کی وجہ سے جزا و انعام ہے۔ کامیابی کا واحد راستہ تقویٰ کا راستہ بتایا گیا ہے۔ اس سے عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور جو لوگ احکام الٰہی پر اسکی روح کے مطابق عمل نہیں کرتے وہ دنیا میں بھی پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ اس لئے کلام الٰہی کو پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے (یمسکون)۔ قرآن مجید کی تلاوت کا مقصد قرآن کو سمجھنا اور عمل ہونا چاہیے۔ ورنہ اسکا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ایک حدیث مبارکہ جو کہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اسکے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا (نسائی) یعنی عمل نہیں کرتا۔ اے اللہ ہمیں کلام پاک کو سمجھ کے ساتھ پڑھنے اور عمل کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ﴿۱۷۲﴾

اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان ہی کو جانوں پر گواہ بنایا۔ (کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں (سب نے جواب دیا) کیوں نہیں ہم اقرار کرتے ہیں (یہ عہد اسلئے تھا) کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو اسکی خبر نہیں تھی۔

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴿۱۷۳﴾

یا (یوں) کہنے لگو کہ شرک تو محض ہمارے آباؤ اجداد نے پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد (انکی) اولاد تھے تو کیا تو ہمیں اس کام جو گمراہوں نے (پہلے) کیا تھا اس پر ہم کو ہلاک کرتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (حق کیطرف) رجوع کریں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۱۷۵﴾

اور انکو (اے رسول) آپ اس شخص کا حال سنادیں جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان سے صاف نکل گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

یہود کے واقعات کے ساتھ انسان کی اپنے خالق سے تخلیقی طور پر اقرار کا ذکر ہے۔ احادیث میں ایک بہت اعلیٰ انداز میں اسکی تشریح فرمائی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی آنے والی تمام اولاد کا جو منصوبہ بنایا تھا۔ ان کے مطابق ان کی روحوں کو انکی علمی و عقلی استعداد کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور اس استعداد علمی و عقل کی بنا پر اپنی الوہیت و ربوبیت کا اقرار کروایا۔ احادیث کے بیان کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ لیکن اسکا مدعا بڑا واضح اور یکساں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انسان فطری طور پر خالق کائنات اور اسکی ربوبیت کے قائل ہیں۔ یہ اقرار ایک اجتماعی جنس انسانی کا ہے۔ افراد کا عمل مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ارادوں اور اعمال کی بناء پر اللہ تعالیٰ سہولت مہیا کرتا ہے۔ جہنم

والوں نے وہی اعمال کرنے ہیں جو ان کو جہنم میں لے جائیں گے۔ اور پشتوں سے نکالنے کا طریقہ ازل سے لے کر ابد تک چلتا رہے گا اور انسان کی استعداد و قوت وہی رہے گی۔ یہ اقرار جنت میں بھی تخلیق آدم کے ساتھ ہو سکتا ہے یعنی ابتداء میں اور زمین پر آنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ انسانی نسل کا امتحان تو دنیا میں ہے نہ کہ جنت میں تھا۔ یہی دنیا امن اور فساد کی جگہ ہے۔ احادیث میں حضرت آدم کا ذکر بطور اصل ہے اور اسکے ساتھ فروع (اولاد) خود بخود مستحق ہیں۔ اور ہاتھ پھیرنے کے الفاظ کی تعبیر و تفسیر تخلیقی عمل ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نظام کے مطابق نافذ فرماتے ہیں۔ چونکہ ذات خداوندی اعضاء سے پاک ہے۔ یا پھر وہ فرشتہ یا فرشتے جو روح پھونکنے کے ذمہ دار ہیں ان کے ذریعے ان روحوں کو اٹھایا گیا ہے۔ اور روح ایک غیر مادی امر ربی ہے لہذا سائنس اور دین دونوں سے یہ ممکن ہے۔ اہم امر، انسانی عہد برائے اقرار و وفا ہے، جسکا ذکر فرما کر اسکی اہمیت بتائی گئی ہے۔ پھر اسکی تجدید اہمیت اور تنفیذ کیلئے، انبیاء، رسل اور کتب بھی نازل فرمائیں تا کہ لوگ حق کو پہچانیں۔ نیک عمل کریں اور نجات پا جائیں اور قیامت کو بہانہ نہ بنا سکیں۔ اسکے بعد انسانی گمراہی کو ذکر فرمایا کہ وہ شخص جسکو ساری استعداد حق اور معلومات حق یقین ہو پھر بھی شیطان کی پیروی پر لگ گیا۔ اسکا انجام جہنم اور تباہی پر ہوا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہنا چاہیے اور علم پر تکبر یا عبادت پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے درس عبرت مقصود ہے اس شخص سے مراد بنو اسرائیل میں سے بھی ہو سکتا ہے (بلعم بن باعوراء) اور حضور کے زمانے میں بھی کچھ افراد ہو سکتے ہیں ۔امیہ بن ابی الصلت /ابو عامر راہب ،جو توریت اور انجیل کے علم، اور حضور کی علامات کے باوجود انکار کر کے مخالفت کی اور کفر پر مرے۔ اللہ تعالیٰ گمراہی سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

اگلی آیات بھی گمراہی کے بارے میں ہیں۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴿۱۷۶﴾

اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان کے علم کے ذریعے بلند کر دیتے لیکن وہ زمینی (پستی) دنیا کیطرف راغب ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو

اسکی مثال اس کتے جیسی ہے کہ اگر تو اس پر سختی کی جائے تو وہ زبان نکال دے یا اگر تو اسے چھوڑ دے تو زبان نکالے رہے، یہ ایسے لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ یہ واقعات بیان کریں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

سَآءَ مَثَلًا ِالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴿۱۷۷﴾

(کتنی) بری مثال ہے اس قوم کی جنہوں نے آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

انسانی عمل کی اہمیت:۔

آیات مبارکہ میں اہم نکتہ انسانی ارادہ پر فیصلہ اور اس پر عمل ہے۔ سابقہ افراد کا ذکر ہے۔ جنکو علم اور آگاہی ملی۔ نیک اور بد، غلط اور صحیح کا پورا ادراک و علم رکھتے تھے نیکی کی راہ پر گامزن تھے۔ لیکن شیطان کے گمراہ کرنے اور اپنے نفس امارہ کی خواہشات کے حصول کے لئے اپنی منزل اور طریقہ عمل موڑ دیا۔ گناہوں کے مرتکب ہوکر واصل جہنم ہوئے۔ خواہشات کی پیروی میں کتے کے لالچ کی مثل ہے۔ جو ہر وقت، زبان لٹکا کر غذا کی طلب رکھتا ہے اور ہر جگہ سونگھتا پھرتا ہے۔ سردی ہو گرمی، زبان لٹکتی رہتی ہے یہ ان افراد کی مثال ہے جو صحیح راہ کے باوجود خواہشات کیوجہ سے گمراہی کیطرف چل پڑتے ہیں اور پھر اپنے اعمال کے سبب اپنی سزا کو بھگتتے ہیں یا بھگتیں گے یہ بڑا واضح پیغام ہے کہ عمل بہت اہم ہے اور عمل وہ اچھا ہے جس میں انجام کار اچھا ہو۔ اور غلط کام کرنے کو اپنی جانوں پر ظلم قرار دیا ہے کیونکہ برے اعمال کا انجام بھی برا ہوگا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دیتا ہے پس وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ ٹھہراتا ہے پس وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴿۱۷۹﴾

اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا وہ دل (دماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں

رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں وہ ان سے (حق کو سن نہیں سکتے) اور وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ ہیں وہی لوگ غافل ہیں۔

ہدایت اور انسانی عمل کا ذکر جاری ہے۔ ان اصحاب علم اور مذہبی سربراہوں کا انجام جو لالچ اور شیطان کے (غلط خیالات و خواہشات کے ذریعے) ورغلانے پر گمراہی پر چل کر برے انجام کو پہنچے۔

علماء سوء:۔

یہ علماء سوء (برے علماء) کی مثال ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازتا ہے یعنی عمل کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کیلئے گمراہی پسند نہیں فرماتا، اسلئے ہدایت کا سامان (انبیاء و کتب) ارسال کی ہیں۔ لیکن جس طرف انسان پکا ارادہ کرتا ہے اسی کے مطابق اسکو سامان مہیا کر دیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں دونوں اطراف (گناہ و ثواب) کے سامان موجود ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ انسانوں اور جنوں میں بہت سارے جہنم کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی اس راہ کا انتخاب کریں گے جو جہنم کو لے جائے گا۔

سمجھ اور عمل:۔

فرمایا کہ ان کو دل اور سمجھ دی گئی ہے۔ کان ہیں آنکھ ہیں (خواس خمسہ اور عقل) لیکن وہ ان کو اچھے اعمال کے لئے استعمال نہیں کرتے بلکہ گمراہی کیطرف جاتے ہیں۔ گویا وہ ان حواس کے فائدہ سے محروم ہیں اور حیوانوں کے طرح ہیں۔ آیت مبارکہ میں سمجھ اور علم کے لئے قلب کا لفظ استعمال فرمایا۔ جبکہ اس سے مراد دماغ ہے جہاں فہم و ادراک کا عمل ہوتا ہے۔ قلب کا لفظ اس وقت کے عوامی زبان کے مطابق سادہ مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا، تاکہ ہر آدمی خواہ اسکا علمی معیار کتنا ہی کم ہو اسکو سمجھ سکے۔ عقلاء کی اصطلاحات کے مطابق خطاب نہیں۔ اہل علم و عقل خود سمجھ جاتے ہیں اگر خطاب ان کے مطابق ہوتا تو عام لوگ اس سے غیر مانوس اور فائدہ نہ اٹھاتے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں کے ہاں عقل کا محل دماغ ہے۔ اکثر پرانے علماء کا خیال بھی یہی تھا، لیکن ادب و شاعری عمومی زبان یا عرف عام میں لفظ قلب یا دل کہا جاتا ہے۔ موجودہ سائنس میں دل اور دماغ اور ان کے عمل کی بڑی تفصیلی معلومات مل

چکی ہیں اب اس میں کوئی شک نہیں کہ سوچنے سمجھنے اور یادداشت کا تعلق دماغ سے ہے۔ مجرموں کو قیامت کے دن پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا اور پیشانی کے پیچھے دماغ کا وہ حصہ ہے جہاں غصہ کا مرکز پایا جاتا ہے اور غصہ گناہ کا ایک بڑا سبب ہے۔ عقل کا استعمال نہ کرنے والوں کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو قابل غور اور توجہ طلب ہے۔ اس سے انسان میں عقل کی وجہ سے امتیاز واضح ہوتا ہے۔ صحیح عقلمند وہ ہے جو زندگی کو اس دنیا کی عمر گزارنے سے آگے بھی دیکھ سکتا ہے ورنہ دنیا کی زندگی تک تو حیوان بھی گزارہ کر لیتے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لئے اچھے / خوبصورت نام ہیں۔ پس اسے ان ناموں سے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے پھر جاتے ہیں۔ عنقریب انہیں ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ﴿۱۸۱﴾

اور جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ان میں سے ایک جماعت ہے جو حق کی بات کرتے ہیں اور عدل پر فیصلے کرتے ہیں۔

اللہ کے نام اور پکارنا:۔

پچھلی آیات میں کفار اور جہنم میں جانے والوں کے اعمال کا ذکر تھا۔ عبادت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور دعا کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے پکارنے کا انداز بتایا ہے۔ روایات میں ہے جب مشرکین نے مسلمانوں سے اللہ اور رحمان دو نام سنے تو کہنے لگے مسلمان ایک خداوند کی بات کرتے ہیں اور ان کے دو نام ہیں کیا دو خدا ہیں۔ آیت مبارکہ میں اللہ کی صفات اعلیٰ کے مطابق اسکے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسکے نام اسکی شان کے مطابق اعلیٰ صفات کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے اوپر کوئی اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیشہ اعلیٰ ترین (صفت) مبالغہ کا صیغہ اللہ کی صفات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور کم صفات کا استعمال ممنوع اور بے ادبی ہے۔

اللہ کو پکارنا ایک اسکی یاد کا اظہار ہے اور دوسرا کسی تکلیف یا ضرورت پر اسکی مدد کی طلب ہے اور دعا کا معانی ان دونوں صورتوں کو شامل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو اسکے

ناموں سے پکارنے کی ہدایت کی ہے۔ قرآن اور احادیث میں اسماء باری تعالیٰ کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مظہر ہیں۔ ان کی تعداد ننانوے ہے۔ ان اسماء کے احترام میں اس کو افراد پر استعمال کرنا ادب کے خلاف ہے۔ ان اسماء کے علاوہ کسی اور نام سے بھی پکارنا، یاد کرنا بھی ادب کے خلاف ہے۔ ناموں کے علاوہ یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے اور آیت میں حق سے پھرنے کا مفہوم ملتا ہے۔ نام کا استعمال ایک با معنی طریقہ سے ہونا چاہیے۔ نام کسی چیز پر دلالت کرتا ہے اور وہ ذاتی اور صفاتی دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ اس طرح ناموں کی تعداد کئی ہزار تک بھی ہو سکتی ہے۔ مختلف مذاہب اور زبانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے لئے مختلف الفاظ یا نام منتخب کئے ہیں۔ اسطرح ناموں کی تعداد کئی ہزار تک بھی ہو سکتی ہے۔ سائنس میں بھی، کائنات کے امور بھی، جو سائنس دان مذہب پر یقین نہیں رکھتے، صرف فطرت (نیچر) کی بات کرتے ہیں لیکن اسلام میں اللہ تعالیٰ کے اسماء جو معانی اور خصوصیت ہمیں بتاتے ہیں اس سے بڑھکر کوئی اور الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اوصاف بیان نہیں کئے جا سکتے۔ ہر کیفیت، قدرت، صفت خواہ وہ کسی طریقہ پر استعمال کئے جائیں یہ الفاظ ہماری سمجھ کے لئے ہیں۔

دعا کے آداب کو بھی ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ دعا کسی بھی عبادت کا نچوڑ ہوتا ہے۔ ادب، مناسب الفاظ، عاجزی اور مناسب اوقات و مقامات بہت اہم ہیں۔ جنکی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ (تفصیل سورۃ بقرہ 157) احادیث مبارکہ میں ہے کہ دعا کے وقت اسکے قبول ہونے کا یقین رکھنا چاہیے اور بسا اوقات اس میں تاخیر یا دعا کا قبول نہ ہونا۔ دعا کرنے والے کی مصلحت یا فائدہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بچاتا یا آخرت میں بلند مقام دینا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ایسی بہت سی خواہشیں ہماری جو پوری نہیں ہوتیں اگر وہ اس وقت پوری ہو جاتیں تو زندگی اور تلخ و مشکل بن جاتی۔ اگر ان امور پر غور کیا جائے تو ہماری زندگی کی کافی پریشانیاں اور نفسیاتی (ذہنی) بیماریاں ختم ہو جائیں۔ زندگی میں رونق اور خوشی آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف طبی سروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے زیادہ عمر، زیادہ اچھی صحت پاتے ہیں۔

دعا کے بعد اگلی آیت بہت اہم ہے کہ جو انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان

میں ایک جماعت دنیا میں حق اور انصاف کے لئے کوشش کرتی ہے اور اسے نافذ کرتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری امت کا خاصہ ہو گا، کہ وہ معاشرتی عدل و انصاف کو نافذ کریں گے اور عدل کے مقابلے میں کسی بھی رکاوٹ کو ہٹا دیں گے، حق کی بات کریں گے۔ آپ اور آپ کے خلفائے راشدین نے اسے ثابت کر دکھایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو گی جو سب سے بڑا گروہ ہو گا وہ سچے عقائد پر ہو گا۔ لہٰذا بڑے گروہ کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اسطرح اختلاف میں بھی کمی آئے گی۔

حدیث مبارک ہے (بحوالہ مسلم شریف) حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا۔ (عدل و انصاف) اور جو ان کو ناکام کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے گا (موت) اور اس طرح (دین اور حق پر قائم) ہوں گے۔ ایک اور حدیث مبارکہ بروایت ہے ابن ماجہ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے کہا کہ بیشک میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گی اور جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (بڑا گروہ / اکثریت) کے ساتھ رہو۔

ہم دیکھتے ہیں کے جو معاشرے سچ، عدل اور انصاف کو اپنے اندر نافذ کرتے ہیں۔ وہ امن، ترقی اور خوشحال پر ہوتے ہیں اور جو اسکو چھوڑ دیتے ہیں وہ پریشانی، بدحالی اور فساد کو شکار ہو جاتے ہیں۔ امت مسلمہ کو ضروری ہے کہ وہ اس کا اپنے معاشروں میں نفاذ کو خاص اہتمام کرے۔ اللہ ہمیں حق اور انصاف کا بول بالا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اور ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾

اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں اور میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾

کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر جنوں نہیں وہ صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔

آیت مبارکہ میں کفار کے اعمال کے بعد مشرکین مکہ اور غیر مسلموں کے حالات جو ہم عمومی طور پر دیکھ رہے ہیں ان کا ذکر ہے کئی قومیں اللہ کو نہ ماننے والی بھی ترقی کرتی رہتی ہیں۔ ان کی ترقی کی ایک وجہ وہاں عدل اور حقوق کے اہتمام سے ہے۔ جو مخلوق خدا کے حقوق سے تعلق رکھتی، اسکی وجہ سے ان کو معاشی ترقی دی جاتی ہے اور حقوق اللہ کے معاملہ میں ان کو آخرت میں جہنم ملے گی۔ اسطرح ان کو ڈھیل مل جاتی ہے کہ انہیں اسکا احساس نہیں ہوتا۔ اور ان پر عذاب جو کہ حقوق اللہ کی وجہ سے آنا تھا بہت دیر سے آتا ہے۔ دوسری وجہ جو قومیں حقوق انسانیت میں بھی حق اور عدل سے دور ہوتی ہیں ان کو عارضی طور پر چھٹی مل جاتی ہے۔ وہ اپنی سماجی یا معاشی ترقی کی بناء پر ظلم، نافرمانی میں آگے بڑھتی ہیں اور پھر تباہی اور عذاب کا شکار بن جاتی ہیں۔ ایسی امتوں یا معاشروں کی مدت انتظار زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ مسلمان بھی اپنی اسلام پر بے عملی کی وجہ سے عذاب الٰہی کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ اگر زیادہ بدعملی ہو تو دونوں (دنیا و آخرت) میں عذاب ملتا ہے۔ یہ نظام اللہ کے نظام کو حصہ ہے اور تمام امتوں، قوموں، زبانوں کو شامل ہے۔ اسلئے امتوں کا عروج اور زوال کا عرصہ طویل ہوتا ہے اور بالآخر اللہ کی نافرمان قومیں تباہی کا شکار ہوجاتیں ہیں۔ دوسری آیت میں کفار مکہ کے مختلف الزامات کو ذکر ہے، چونکہ حضور ﷺ انسانوں میں سب کے لئے برابر عدل و انصاف، غریبوں کے حقوق، مظلوموں کی دادرسی، وعدوں کی پابندی اور اسکے ساتھ بتوں کے بجائے خدائے واحد کی عبادت کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہ مکہ میں مشرکین مکہ کے رواج اور عادات کے سراسر خلاف تھی۔ اس وجہ سے قرآن مجید کے کلام کو مجنوں کا کلام کہا اور انہیں بھی جن زدہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کس طرح یہ غلط بات کرتے ہیں، کیا وہ غور نہیں کرتے کہ کلام کیا ہے؟ کیا اسکے حقائق ہیں اور کیسی اس میں منطق ہے۔ اگر غور اور عقل کریں تو ان کو حقائق سمجھ آجائیں گے۔ اس پر غور و فکر کی اہمیت اور قرآن و اسلام کو سمجھنے میں عقل و علم کے استعمال کی اہمیت واضح فرما دی گئی ہے۔ اور آج سائنس کی دنیا جہاں ایک سمجھ و عقل کے استعمال کا شور مچا ہوا ہے۔ اسلام کا ایک ایسا مذہب ہے جو تمام دوسرے مذاہب سے انسانی عقل و علم کے استعمال میں خواہ عبادات ہوں معاملات یا عقائد سب میں توازن، عقل و فہم کی اعلیٰ بنیادوں پر ثابت و

قائم ہے۔ اسلام میں ایمان بغیر علم و تحقیق کے بھی ہو سکتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ اعلیٰ تعلیم و عقل کا استعمال ہو، لیکن عقل سلیم اور سمجھ سے ایمان کا مرتبہ زیادہ مضبوط اور اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد مذہب پر عمل اسان ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق آیات الٰہی میں غور و تفکر عبادت ہے اور اس کے بعد مذہب بذریعہ وراثت نہیں بلکہ بذریعہ چاہت بن جاتا ہے۔

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۸۵﴾

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور جو کچھ (چیز) بھی اللہ نے پیدا کیا ہے نہیں دیکھتے اور قریب ہے کہ ان کی مدت مکمل ہو چکی ہو (یعنی مدت قریب ہو) پھر اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَ يَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۸۶﴾

جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے ہدایت دینے والا کون ہے اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑے رکھتا ہے تاکہ بھٹکتے رہیں۔

پچھلی آیت میں غور و فکر، عقل و سمجھ کیلئے کہا تھا۔ اس آیت میں جن چیزوں پر غور کرنا ہے ان کی وضاحت کی ہے۔ یہ آیت مبارک سائنسی علم کی اہمیت، مخلوق کے ذریعے خالق کے وجود پر دلیل کے لئے دعوت دیتی ہے۔ کہ وہ آسمانوں، زمین اور پھر جہاں تک ہمارا علم و عقل پہنچتا ہے یعنی زمین پر ہم دیکھیں کہ اشیاء، حیوانات پرندے، موسم، بادل، پانی، گیسز، معدنیات یہ سب کیسے؟ کیوں؟ اور کس کے لئے ہیں۔ جب ہر ایک کیڑا اور جراثیم منظم طور پر نظر آتا ہے تو یہ ساری کائنات کیسے بغیر منصوبہ بندی، کنٹرول کے وجود میں آگئی۔ یہ سب اللہ وحدہ لاشریک پر دلیل اور ثبوت ہیں۔ پھر ساتھ موت کے وجود کی حقیقت بتلائی، کہ پہلے اسکے آدمی ختم ہو جائے ، اچھا فیصلہ پر عمل کرے۔ ورنہ موت کے بعد تو عمل کرنے کا موقع ختم ہو جاتا ہے۔ ان سب دلائل، عقلی و علمی، پھر انبیاء کی تعلیم، کتب الہامی کا وجود۔ انبیاء کا کردار۔ انسان کے اندر خود عقل کے باوجود جو لوگ اللہ کے منکر ہیں، یا اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے، تو گویا ان کو خدا نے ہی گمراہ کر دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اسکی مخلوق گمراہی

میں بھٹکے۔ لیکن تمام وسائل اور معلومات کے باوجود جب انسان گمراہی کی طرف جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے (بندے کو) اسکے اختیار کے تحت چھوڑ دیتا ہے اور پھر جہنم اس کا ٹھکانہ بن جاتا ہے۔ اللہ ہمیں اس عذاب اور برے ٹھکانے سے بچا۔ آمین۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

یہ (کفار) آپ سے قیامت کے بارے دریافت کرتے ہیں کہ اسکے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ فرما دیں کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اسے اپنے مقررہ وقت پر اس (اللہ) کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمینوں پر زبردست حادثہ ہے وہ تم پر اچانک آجائے گی۔ یہ لوگ آپ سے (ایسے) سوال کرتے ہیں گویا آپ اسکی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو محض اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قیامت:۔

اسلامی عقائد میں قیامت، حساب و کتاب اور بعد از حساب جنت و جہنم بہت اہم ہیں اور دنیا کے اعمال خیر اور شر کے سب سے بڑے محرک اور مانع ہیں۔ کفار اس عقیدہ، دوبارہ زندگی یا اس زمینی زندگی پر قیامت یعنی ایک دن، بڑے ناگہانی زلزلے کی صورت میں ختم ہوجانے کو غلط سمجھتے ہیں اور یقین نہیں کرتے تھے۔ اس پر اعتراض کرتے اور اس کا مذاق کرتے ہوئے کہتے کہ کب یہ آئے گی۔ آتی کیوں نہیں، کیوں ہمیں آپ ڈراتے ہیں؟ اسکے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اسکا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی اسکا ٹائم اور خصوصی دن، لمحہ جانتا ہے اور اسی نے ہی مقرر کیا ہے۔ اسلئے اسکے بارے میں تاریخ نہیں بتا سکتا۔ قیامت کو خفیہ رکھنے میں وہی حکمت ہے جس طرح موت انسان کے لئے خفیہ رکھی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شدید بیماری کے بارے مریض کو نہیں بتایا جاتا کہ کہیں موت سے پہلے خوف سے مر نہ جائے۔ نبی ﷺ

نے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، اسکے تحت اثار قیامت، یعنی آمد نے پہلے نشانیاں احادیث میں بتائیں ہیں۔ جن میں ایک حدیث مبارک درج ذیل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ جب لوگ حکومتی ملکیت کو ذاتی ملکیت سمجھ لیں گے۔ اور امانت کو اپنا ایک تحفہ جانیں گے اور زکوۃ کو ایک جرمانہ یا سزا سمجھیں گے اور دین کو روزگار کے طور پر پڑھیں گے اور آدمی اپنی بیوی کو والدین پر ترجیح دے گا، اپنی ماں کو نظر انداز کرے گا۔ دوست قریب ہوں گے اور والدین دور کر دیے جائیں گے، مسجدوں میں جھگڑے ہوں گے اور قوم کے سربراہ فاسق وفاجر لوگ ہوں گے (بدکردار) اور قوم کے سردار گھٹیا لوگ ہوں گے۔ اور لوگوں کی عزت، ان کے خوف (برائی کے خوف) کی وجہ سے کی جائے گی۔ گانے اور ناچ ہر جگہ عام ہوں گے۔ شراب کا پینا عام ہو گا۔ موجودہ لوگ پرانے لوگوں کو برا کہیں گے، پھر سرخ آندھی، زلزلے، طوفان، اور زمین کے دھنسے کے واقعات عام ہوں گے اور یہ تسبیح کے دانوں کی طرح گرتے رہیں گے۔ اوراسطرح قیامت قریب آجائے گی اسکے علاوہ بھی بہت ساری احادیث علامات قیامت پر ہیں۔

قیامت کے بارے میں پہلے لوگ اسے ایک مذہبی فکر (عقیدہ)، سمجھتے تھے مگر آپ سائنسدان جو کائنات پر تحقیق کر رہے ہیں اسکے قائل ہیں کہ ایک دن یہ دنیا ونظام ختم ہو جائے گا۔ قیامت کا عین وقت اللہ کی ذات جانتی ہے۔ یہاں غائب کا علم سے مراد وہ معلومات ہیں، جن کا علم اس شخص کو نہ ہو۔ غائب اور حاضر، وجود کی نسبت سے نہیں بلکہ علم یا معلومات سے ہے۔ جب سے انسان کو مصنوعی عقل یا دماغ کا انکشاف ہوا ہے۔ معلومات کا ذخیرہ رکھنے کا معاملہ بہت آسان ہو گیا ہے۔ موجودہ (2019) اطلاعات کے مطابق یاداشت محفوظ کرنے کا ایک چپس جسکا سائز 20 نینو میٹر (ایک نیو میٹر کا میٹر کا ایک بلین 1000000000 / 1 حصہ ہے) 128 گیگا بائٹ رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ڈی این اے قطرہ پر تیرہ سال کی ایچ ڈی ویڈیو ریکارڈ ہو سکتی ہے۔ عام انسان کا موجودہ دماغ اسکی استعداد 10 / 1 حصہ سے بھی کم استعمال ہو رہا ہے۔ یہ انسانی معلومات کے جاننے اور رکھنے کے ذرائع ہیں۔ فرشتے جو کہ روشنی سے ہیں، انکی استعداد اس سے کئی گنا بلند ہے۔ جسے ہم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے

حساب و کتاب و تصورات سے بھی بہت بلند و بالا ہے۔ یہ ذرائع قدرت کے نظام کا بہت ہی معمولی حصہ ہیں جسے انسان نے اب ہزاروں سال بعد دریافت کیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

کہہ دیجئے: جب تک اللہ نہ چاہے میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع اور نقصان پہچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت ساری بھلائیاں (اچھی چیزیں) جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں یقین کرتے ہیں۔

قیامت اور علوم غیب کے بعد، جو فرمایا وہ بہت قابل غور ہے کہ میں تو اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میرا تو سب کچھ اس ذات کے کنٹرول میں ہے جس نے مجھے ہدایت کی ذمہ داری دی ہے۔ ہر انسان دولت، آرام، کے لئے خواہش رکھتا ہے۔ اسکا ذکر فرمایا، لہٰذا یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہیں۔ میں تو اسکے احکام کے مطابق لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینے والا ہوں۔ اچھے اعمال پر اللہ تعالیٰ سے انعام اور نافرمانی کی صورت میں عذاب اٹھائیں گے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے پھر جب مرد نے اس عورت کو ڈھانپ لیا تو خفیف سا حمل ہوا، جسے وہ لے کر چلتی رہی جب وہ بھاری ہو گیا تو دونوں اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ اگر تو ہمیں اچھا تندرست بچہ عطا فرما دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور جب اس نے انہیں تندرست بچہ عطا کیا تو دونوں اس میں جو انہیں عطا فرمایا اس کے لئے شریک ٹھہرانے لگے۔

اللہ تو ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند تر ہے۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ﴿۱۹۱﴾

کہ (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کو ایسوں کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔

وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴿۱۹۲﴾

اور نہ وہ ان (مشرکوں) کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں۔

آیات مبارکہ میں قیامت اور اللہ کی قدرتوں کا ذکر کے بعد کفار کے مشرکانہ خیالات و اعتقادات کے بارے میں ذکر فرمایا۔ اس میں انسانی تاریخ اور انسانی نفسیات اور کردار کی تصویر دکھائی ہے۔ حضرت آدم جنت میں تنہا تھے چونکہ عقل و علم تھا اسلئے تنہائی کا احساس ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم کے جسم سے پیدا فرمایا یعنی دونوں کے جسم ایک ہی مادے اور ساخت کے ہیں تاکہ زیادہ انس و پیار رہے۔ اسکا حوالہ حدیث مبارکہ میں ہے اسکے بعد حضرت آدم و حوا مل کر جنت میں رہنے لگے۔ چونکہ جس پر پردہ تھا۔ اعضائے مخصوصہ پردے میں تھے اسلئے جنسی رغبت نہیں تھی۔ جب گندم یا ممنوعہ درخت کا پھل کھایا، اعضائے مخصوصہ (جنسی) ظاہر ہوئے ،ایک نئی کیفیت تھی۔ شرم سے آپ نے خود کو پتوں سے ڈھانکنا شروع کر دیا اور پھر اس نادانستہ غلطی کی سزا میں زمین پر اتارے گئے۔ زمین پر آنے کے بعد غذا اور لباس کا بندوبست اللہ نے فرمایا (عقل، ذرائع، جانور و زراعت اور الات وحالات مہیا کر دے)۔ انسانوں کو پھیلانا تھا، ساتھ ہی جنسی خواہش بھی شروع ہو گئی۔ جنسی عمل میں تسکین کے ساتھ حمل بھی شروع ہو گئے ،تاکہ نسل انسانی بڑھے۔ اسی حمل کا ذکر ہے کہ ابتداء چند ماہ تک تو عورت کو احساس نہیں ہوتا۔ جب جان پڑ جاتی ہے پھر بوجھ اور حرکت کو وجہ سے حاملہ (مادہ) گھبرا جاتی ہے اور پھر اپنے خاوند کے ساتھ مل کر تسلی و سکون کے لئے دعا کرتی ہے۔ اے اللہ جو کچھ پیٹ میں ہے سلامت نکلے، کہیں نکلنے میں میری جان یا اسکی جان ختم نہ ہو جائے۔ پھر

یہ حمل اپنے اختتام پر بچے کی ولادت کی صورت میں دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ بچہ اللہ کے فضل سے صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے۔ لیکن انسان پھر شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اللہ کے فضل و کرم کو بھول کر دوسرے عوامل پر اپنا اعتماد یا اعتقاد کر لیتا ہے۔ اور گمراہی کیطرف چل پڑتا ہے۔ مشرکین مکہ کے اکثر بچوں کے نام بتوں کے ساتھ تھے۔ حضرت آدمؑ اللہ کے نبی تھے آپ کی اولاد بھی اسلام پر تھی۔ لیکن جسطرح شیطان نے قتل وفساد کی بنیاد رکھوادی اس طرح مختلف اوہام بھی پیدا کر کے اللہ کی وحدانیت سے دور کر دیا۔ انسان نے زندگی کے آرام و انعامات کو، اللہ کے بجائے مختلف مخلوقات کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا اور خدا کو بھول گیا۔ اور جن اشیاء پر اعتقاد کر رہا تھا وہ ساری اپنے وجود میں دوسروں کی محتاج تھیں۔ اسکو آیت میں بیان فرمایا، جو انسانی تاریخ اور دور حاضر کا حصہ ہے۔ چونکہ حمل کی ابتداء حضرت آدم و حوا سے ہوئی تھی، کچھ مفسرین نے اسطرف خیال کیا ہے، جو کہ اسلئے مناسب نہیں کہ نبی سے اسطرح کے واقعات ممکن نہیں اگرچہ بعد میں آنے والے انسان (اولاد) حق سے ہٹ گئی تھی اس لئے بعد میں انبیاء تشریف لائے۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہارے حق میں برابر ہے خواہ تم انہیں بلاؤ یا خاموش رہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

بیشک جن (بتوں) کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح (مخلوق) ہیں۔ پھر جب ان کو پکارو تو انہیں چاہیے کہ تمہیں جواب دیں اگر تم (اپنے دعوی میں) سچے ہو۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں۔ یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں؟ کہہ دیں (اے کافرو) تم اپنے (جھوٹے خداؤں) شریکوں کو بلا لو

پھر میرے خلاف سازشیں کرو مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

آیات مبارکہ میں انسانی عمل اور اس وقت معاشرہ میں کفار مکہ کی کیفیت کا ذکر ہے۔جو آج بھی کئی معاشروں میں موجود ہے۔ انسان اپنے وہم گمان خیال اور شیطانی وسوسوں کی بنا پر ان چیزوں پر جلد اعتماد کر لیتا ہے جو بظاہر نظر آرہی ہوتی ہیں۔یہی چیز بت پرستی کا سبب بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کفار مکہ کی ذہنی کیفیت بیان فرمائی کہ یہ جانتے ہوئے کہ وہ بت جن پر وہ اعتقاد رکھتے ہیں محض مورتی ہیں۔ بول نہیں سکتے، ہل نہیں سکتے انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔اس کے باوجود وہ آپ کی حق کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے۔اپنی ضد پر تکبر کی وجہ سے اڑتے ہیں۔ آپ ان کو یہ چیلنج بھی کر دیں کہ وہ اور انکے بت آپ کے خلاف جو کرنا چاہیں کریں وہ کچھ کر نہیں سکتے۔ امور اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس دعویٰ میں ناکامی کے باوجود بھی وہ کفر پر اڑے رہیں گے۔اور یہی حقیقت تھی صرف فتح مکہ کے بعد مکہ کے کفار کے خیالات بدلے اور اسلام قبول کیا۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب (قرآن) نازل فرمایا اور نیکوں کی مدد فرماتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور جنکو تم ان کے سوا پکارتے (یا پوجتے) ہو نہ وہ تمہاری مدد اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر آپ انہیں (کفار) کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

کفار کی ذہنی کیفیت کی حالت بیان فرمائی ہے، کہ اس تبلیغ کے باوجود وہ قبول نہیں کر رہے لہذا آپ پریشان نہ ہوں وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں، لیکن ان کی عقل اور سمجھ ختم ہو گئی ہے گویا کچھ نہیں سن رہے۔ لہذا آپ پریشان نہ ہوں اور ان کو

بتا دیں کہ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ اور تمام نیک کام کرنے والوں کی وہ مدد کرتا ہے۔ یہ حالت حضور ﷺ کے لئے پریشان کن تھی کہ کئی سالوں کی تبلیغ کے اچھے نتائج سامنے نہیں آ رہے تھے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴿۱۹۹﴾

(اے نبی) آپ درگزر کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴿۲۰۰﴾

اور (اے مخاطب) اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ تجھے ابھارے تو اللہ سے پناہ طلب کیا کر۔ بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴿۲۰۱﴾

بیشک جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی ہے جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال آتا ہے تو انہیں سمجھ آ جاتی ہے اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (غلط کو سمجھ لیتے ہیں)۔

قرآن مجید نے انسانی معاشروں میں انسانی کرداروں کی تصویر کھینچی ہے۔ کسطرح خیالات توہمات سے گمراہی کیطرف چل پڑتا ہے پھر اس میں بالکل گم ہو جاتا ہے اور تمام حقائق اور ہدایات پر توجہ نہیں کرتا لیکن دوسری طرف ایسے بھی انسان ہیں جو حق کو سمجھتے ہیں اور جونہی ایسے خیالات یا توہمات پیدا ہوتے ہیں فوراً چونک جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ یہ منفی قوت، غلط انداز فکر میں شیطان کا ہاتھ ہے اور اس خیال کو رد کر دیتے ہیں۔ برائی کی طرف نہیں جاتے اللہ تعالیٰ نے ہمیں برائی سے بچنے کے لئے ہدایت فرمائی ہے اور راستہ بتایا ہے۔ یہ وہ طریقہ جو اللہ نے اپنے نبی کو بتایا ہے کہ جب تبلیغ اور نیکی کی دعوت کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل رہا ہو تو مایوس ہونے یا گھبرانے یا دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان سے درگزر کرنے کی ضرورت ہے۔ ساتھ بھلائی کی بات اور دعوت دینی ہے اور بحث مباحثہ، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنی ہے تاکہ حالات فتنہ و فساد کی طرف نہ جائیں اور مزید دعوت کا راستہ یا بھلائی پھیلانے کا موقع ختم ہی نہ ہو جائے۔ کس قدر بہترین طریقہ علاج دیا ہے۔ جب

بھی کوئی منفی انداز پیدا ہو یا کوئی اور آدمی اس کا سبب بنے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے شیطان اور اسکے اسباب سے پناہ مانگنی چاہیے اور ان خیالات کے مقابل اچھے خیالات, اللہ کے احکام اور حضور ﷺ کے طریقہ حیات کو دیکھنا اور اپنانا چاہیے۔ یہ بہترین علاج ہے اسی طریقہ سے برائی سے آگاہی اور رکاوٹ پھر غلط خیالات سے نجات ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے درگزر کیلئے کئی احادیث میں ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا طاقتور وہ ہے جو غصے کو کنٹرول کرے۔ ایک حدیث جو کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ اللہ کی طرف سے انتقام لیتے۔ (بخاری، مسلم، ابو داود) آپ نے اپنی امت کے لئے اسان راستہ اختیار کرتے۔ آپ نے اپنے سب مخالفین جن میں حبار بن الاسود جس نے حضرت زینب کو زخمی کیا۔ ابو سفیان جو مخالفت میں آگے تھے، وحشی قاتل حضرت حمزۃ، ہندہ (زوجہ ابو جہل)، عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین)، صفوان بن معطل، عکرمہ بن ابو جہل، عمیر بن وہب، ان سب نے آپ کو دلی تکالیف دیں تھیں مگر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو سبکو آپ نے معاف کر دیا۔

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴿۲۰۲﴾

اور جو ان کے بھائی ہیں (گمراہی میں) وہ انہیں گمراہی کی طرف (وسوہ اندازی سے) کھینچے رکھتے ہیں اور اسمیں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

اب دوسری طرف گمراہی میں جانے والوں اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کی کیفیت بیان کی ہے کہ انکو انکے برے ساتھی اور شیطانی خیالات ذرا بھی دوسری طرف سوچنے کی فرصت نہیں دیتے۔ اور گمراہی کی طرف کھینچے رکھتے ہیں۔ اور انجام کار ان کا پھر تباہی ہی ہوگا۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۲۰۳﴾

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے (تو) وہ کہتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے (نشانی) کیوں نہیں لائے۔ کہہ دیں میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھے وحی کیا جاتا

ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف دلیل ہے، ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توغور سے سنو اور (خاموش) رہو (غور کرو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

پچھلی آیت میں کفار مکہ کی گمراہی کی طرف دوڑ کا ذکر تھا۔ اس دوران اگر حضور ﷺ سے کوئی نئی وحی نہیں آتی یا معجزات سامنے نہیں آتے تو کہتے ہیں کیوں معجزہ یا وحی نہیں سناتے۔ مقصد صرف وقت ضائع کرنا تھا۔ ان کے اس خیال کو رد کیا کہ یہ معجزات نشانیاں اللہ کے حکم سے آتی ہیں اور قرآن مجید خود ایک بہت بڑی دلیل ہے ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

تلاوت کیسی اور کسطرح ہو؟

قرآن مجید کی اہمیت کو مسلمانوں کے لئے واضح کیا کہ جب یہ تلاوت ہو رہی ہو، چونکہ اللہ کا کلام ہے، اسکو توجہ سے سنو پھر اس پر غور و فکر کرو۔ احکام، واقعات نصائح کو سمجھو اور اس پر عمل کرو، اسلئے قرآن مجید کی طرف توجہ واجب ہے اور اونچی آواز میں پڑھنے والے کو اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ اسکی بلند آواز کی تلاوت سے دوسرے لوگ اگر کسی مصروفیت کی بنا پر توجہ اور غور نہیں کر سکتے تو ان کے گناہ کا ذمہ دار پڑھنے والا ہو گا۔ کیونکہ وہ بلند آواز کی بجائے خاموشی سے پڑھ سکتا ہے تاکہ کوئی اپنا کام چھوڑنے پر مجبور نہ ہو۔ ایک اہم موضوع ہے آج سے سو سال پہلے کتابیں قلمی ہوتی تھیں اور بہت کم کتب ملتی تھیں اسلئے لوگ بہت آسانی سے قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے۔ پھر تعلیم کی کمی تھی اگر کوئی پڑھا لکھا ہوتا تھا تو صرف فارسی اور عربی میں جسکا تناسب ہی بہت کم تھا۔ پھر جب پرنٹنگ ایجاد ہوئی اور قرآن مجید کے نسخے دستیاب ہوئے تو لوگوں کے لئے عربی یا فارسی پڑھنے کے مقابلے میں بچپن میں قرآن مجید کی عبارت پڑھنا آسان تھی کیونکہ اس کے لئے حفاظ کی صورت میں استاد موجود تھے۔ اس طرح تمام علاقوں میں قرآن مجید کو ناظرہ (دیکھ کر پڑھنے) کا رواج ہو گیا۔ چونکہ دیکھ کر پڑھنے سے اگرچہ سمجھ تو نہیں آتا تھا مگر صرف الفاظ کی معمولی برکت ہوتی تھی۔ اس کو امام

مسجد حضرات نے نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، کے طور پر لوگوں کو ترغیب دی اور جو احادیث فضیلت کی بنا پر پڑھ کر سمجھنے اور عمل کرنے کی تھیں ان کو اس سلسلہ میں بتانا شروع کیا۔ آپ دیکھیں جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو تمام کافر اور مسلم سب اسکو سمجھتے تھے۔ ان کے سمجھنے کے باوجود اس پر غور کرنے کا حکم ملا ہے اور اسکا ثواب تو اس وقت ہے جب پڑھنے والے کو پتہ چلا کہ اللہ کیا فرما اور حکم دے رہے ہیں۔ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ اللہ کا کلام صرف الفاظ کی صورت میں بولا جائے اور اسکے مفہوم سمجھنے کی کوشش ہی نہ کیجائے اور پھر عمل کیا ہو گا؟

آجکل حالات مختلف ہیں تعلیم عام ہو چکی ہے۔ تمام زبانوں میں تراجم موجود ہیں اب لکھے پڑھے آدمی پر فرض ہے کہ قرآن مجید کی عربی متن کے ساتھ اسکا ترجمہ بھی ضرور پڑھے تاکہ اس کو پیغام سمجھ آسکے۔ یہ عمل تمام غیر عرب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے ورنہ قرآن مجید سے بے پرواہی اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کرنے کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔

سارے فضائل اسی وقت ہیں جب قرآن مجید کے پیغام کا بھی پتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ موجودہ حالات میں جو قرآن مجید کے ساتھ مسلمان کر رہے ہیں اسے ایک غیر مسلم مفکر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

1۔ عمل کی کتاب تھی، دعاؤں کی کتاب بنا دی۔

2۔ سمجھنے کی کتاب تھی، صرف پڑھنے کی کتاب بنا دی۔

3۔ زندوں کو دستور تھا، مردوں کے لئے منشور بنا دیا۔

4۔ مردہ قوموں کو زندہ کرنے کتاب آئی تھی

5۔ مردوں کو بخشوانے میں لگا دی۔

اے مسلمان تو نے کیا کیا۔؟ بقول اقبال مرحوم:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر | اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴿۲۰۵﴾

اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو، عاجزی وزاری اور پست آواز میں بھی پکار کر، صبح و شام (یاد کرو) اور غافلوں میں سے نہ ہو

جاؤ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ یَسْجُدُوْنَ۩ (۲۰۶)

بیشک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں (اسکا قرب نصیب ہے) وہ اسکی بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور اسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

ذکر کے آداب:۔

پچھلی آیات میں قرآن مجید اور اس کے آداب کا ذکر تھا۔ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے آداب کا ذکر ہے کہ اس کو کسطرح یاد کیا جائے۔ آیت میں ذکر کے آداب کے بارے ہے، کہ خاموشی کے ساتھ اور زیادہ اونچی آواز نہ ہو اور عاجزی ہو۔ گڑگڑاہٹ ہو، اخلاص ہو، ریا نہ ہو۔ دوسروں کی تکلیف کا سبب نہ بنے اور دن میں صبح و شام بھی، سارا دن اس کی یاد سے دل شاد رہے۔ جو ذکر زبان سے کر رہا ہے، اسکے معنی سے واقف ہو۔ تاکہ دل معنی کی طرف متوجہ ہو اور ذہن عظمت و جلالت میں ڈوب جائے۔ اگر خالی زبان سے کیا دماغ معنی کے تصور سے خالی ہوا تو ذکر بے سود ہے (فی نفسک کے مطابق نہیں)۔ یاد اور قرب، تکبر کا ذریعہ نہ بنے۔ بلکہ عاجزی اور خوف، محبت پر غالب رہے۔ سر سجدے میں جھکا رہے۔ احادیث مبارکہ ان اصولوں کو واضح کرتی ہے حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں اور میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر ایک جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں (الصحیح المسلم)۔ سبحان اللہ کس قدر اپنی مخلوق سے محبت کا انداز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی

علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر میں تھے مسلمان بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہے تھے نبی ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے، تم سننے والے اور قریب کو پکار رہے ہو، جو تمہارے ساتھ ہے ۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا لا حول ولا قوة الا بالله (گناہوں سے بچنا اور نیکی کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے)۔ پھر آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی راہنمائی نہ کروں میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ، آپنے فرمایا "لا حول ولا قوة الا باللہ, اللہ کے قرب کے حصول میں اسکی یاد اور عبادت بہت اہم ہے۔ اور اسکے مقرب بندے ہوں یا فرشتے۔ سب تکبر سے دور ہوتے ہیں۔ عبادت کرنے میں اپنا اعزاز سمجھتے ہیں اور اسکے دربار میں ہر وقت سر بسجود رہتے ہیں۔ وہ آیات جہاں سجدے کا حکم ہے وہاں سجدہ کیا جاتا ہے۔ آیت مبارکہ بھی اسی حکم میں ہے اسلئے "السجدہ" لکھ دیا جاتا ہے۔ تلاوت کے وقت سجدہ ادا کرنا بہتر ہوتا ہے لیکن بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

بفضل اللہ سورۃ اعراف مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو قبول فرمائے اور اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔و ما توفيق الا بالله العظيم۔

سورہ انفال

تعارف:۔

سورہ انفال مدینہ شریف میں نازل ہوئی ترتیب کے لحاظ سے اٹھاسی نمبر ہے۔اس کے دس کوع اور پچہتر آیات ہیں۔ اس کا موقعہ نزول غزوہ بدر ہے اور اس کے تفصیلی حالات اس سورت میں زیر بحث رہے ہیں

مدینہ شریف پہنچنے کے بعد نبی علیہ السلام نے معاہدوں کے ذریعے تمام غیر مسلموں سے تعلقات بہتر بنائے اور اہل مدینہ نے آپ کو اپنا سربراہ کے طور پر قبول کر لیا۔ قریش اس سے آگاہ تھے اور وہ مسلمانوں کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی اپنی حیثیت منوانا چاہتے تھے۔اس لیے شام کی شاہراہ تجارت پر اپنی نگاہ رکھتے تھے تاکہ بوقت ضرورت قریش کی معاشی ناکہ بندی ہو سکے۔اسی دوران ایک بہت بڑا قافلہ شام سے تجارت کے بعد واپس آ رہا تھا اور حضور علیہ السلام, اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ وہ قافلہ تو نکل گیا اور اس کے دفاع کے لیے آنے والے لشکر سے مقابلہ بدر کے مقام پر ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اللہ تعالی کی مدد کے مختلف طریقوں، کا ذکر فرمایا۔نیند کا آنا، بارش کا ہونا،پانی پر کنٹرول کرنا،لشکر کے افراد کا اندازے سے کم ہونا، یہ سارے وہ اسباب تھے جنہوں نے مسلمانوں کی قوت و طاقت میں اضافہ کیا۔اس کے علاوہ بھی تائید خداوندی فرشتوں، کی صورت میں آئی جو کہ غیر مرئی مخلوق ہیں۔

مال غنیمت کا ملنا،اس کی تقسیم کے احکامات بیان ہوئے,مال کی تقسیم کی تفصیل اور بالخصوص معاشرے میں کمزور افراد کے لیے رقم مخصوص کی گئی۔ نبی علیہ السلام کی بحثیت سربراہ مملکت کے اخراجات کے لیے بھی کچھ حصہ مخصوص کر دیا گیا۔قیدیوں کے بارے احکامات اور دفاعی حیثیت کی مضبوطی کے بارے حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے ہمت اور بہادری کا ایک معیار مقرر کیا گیا، کہ وہ دوگنی قوت کا مقابلہ کر سکیں۔ اسلام، آخرت اور انصاف کی بلندی کیلئے، جدوجہد کی اہمیت واضح کی۔ کفار کے مقابلہ کی اجازت دی۔ وہ جنہوں نے مسلمانوں کی زندگی تنگ کر رکھی تھی ان سے دفاع کی اجازت دے کر ان کو کمزور کرنے کا حکم دیا تاکہ اسلامی سلطنت پر امن طریقہ سے رہ سکے۔

معاہدوں کی اہمیت پر زور دیا حتیٰ کہ اگر مسلمان بھی کسی ایسے ملک میں ہوں، جن سے معاہدہ ہو وہاں مسلمانوں کی اس ملک کے خلاف مدد کرنے کو عہد کی پابندی کی وجہ سے منع کر دیا۔ بد عہد اقوام کو سزا دینے کی اجازت دی۔ اپنے دفاع کے لیے پوری طرح تیاری اور اہتمام کو فرض قرار دیا۔ وراثت اور معاملات کے لئے اسلام کے تعلق کو نسبی تعلقات سے زیادہ اہم قرار دیا۔

وہ لوگ جنہوں نے مقصد کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں، ان کے اعتراف کے طور پر ان کے درجات کی بلندی کا اعلان فرمایا گیا اور ہجرت کی اہمیت واضح کی، اسلامی اخوت کی تاکید کی گئی۔ سورت کے احکام سماجی دفاعی لحاظ سے انتہائی اہم ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱

آپ سے (اے رسول)! اموال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت کا مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝۲

ایمان والے تو صرف وہی لوگ ہیں، کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَؕ۝۳

یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌۚ۝۴

یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے مراتب ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے۔

آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کو نہ صرف واضح فتح ہوئی جس میں ستر کے قریب کفار مارے گئے جو بڑے اسلام دشمن سردار تھے، ستر کے قریب گرفتار ہوئے اور بہت سارا مال ومتاع، جو کفار بڑے غرور کے ساتھ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر دیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے خلاف ہوا چونکہ مال غنیمت زیادہ ملا اور مسلمانوں کے تین گروہ ہوگئے، ایک دشمن کو تعاقب میں تاکہ دوبارہ واپس نہ آئے، کچھ لوگ جو کفار مال غنیمت چھوڑ گئے تھے اس کو اکٹھا کرنے لگ گئے اور کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کہ کہیں دشمن کے کچھ افراد چھپ کر ان پر حملہ نہ کردیں، پھر جب رات پڑی تو اکٹھا کرنے والے سمجھے، وہ حقدار زیادہ ہیں اور دوسرے دشمن کا پیچھا کرنے والے کہتے، کہ انہوں نے دشمن کو مڑ کر مال لے جانے کی مہلت نہ دی اور حضور علیہ السلام کی حفاظت اہم کام تھا اس طرح اختلاف رائے میں مسئلہ پیدا ہوا۔ جس کو آیات مبارکہ کے ذریعے حکم دیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔

قانون کی حکمرانی:۔

اسلام سے قبل مال غنیمت کو جلا دیا جاتا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مال غنیمت میں لالچ کو ختم کیا جائے۔ دوسری طرف یہ نقصان تھا کہ سارا مال جو بڑی مشکل سے بنتا تھا وہ ضائع ہوجاتا اور اس طرح مقامی یا گروپ سطح پر نقصان ہوتا۔ اسلام نے اس مسئلہ کا حل اس خوبصورتی سے کیا کہ ایک طرف سے مشکل سے پیدا کردہ معاشی اثاثے، انفرادی طور پر یا اجتماعی طریقہ سے حاصل کیے گئے ہوں، وہ بچ گئے اور دوسری طرف یہ سارے اموال ان افراد کے اندر تقسیم کے لیے پریشانی کا سبب بننے کے بجائے ریاست کے حوالے کیے گئے۔ جو چیز اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، ریاست کی ملکیت ہوجاتی ہے، ریاست خرچ کرتی ہے۔ یعنی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کی دنیا پر نمائندگی خلیفہ کرتا ہے۔ اس لیے اسے خلیفہ کہا جاتا ہے۔ عادل حکمران کو اسی لئے خدا کا سایہ کہا جاتا ہے اور پھر اسی کی تقسیم کا اختیار خلیفہ یا حکمران وقت کو ملتا ہے۔ خلیفہ کی ذات کو کلی اختیار نہیں بلکہ اس کو عمل کرنے کی پابندی ہے اور وہ عامۃ الناس اور اللہ کے ہاں اپنے عمل کے لیے جوابدہ ہے۔

حضور علیہ السلام کی ذات ریاست کی نمائندہ بھی ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے متصرف (اختیار والے) ہیں۔ آپ کا عمل بھی احکام خداوندی کے مطابق تھا۔ احادیث مبارکہ میں اس کا نظام وضع کر دیا گیا اور چونکہ اس وقت سرکاری فوج نہیں تھی۔ اس لیے اس وقت مجاہدین کو اس میں حصہ دیا جاتا تھا۔ اب جب کہ سرکاری فوج موجود ہے تو یہ حکومت کی ملکیت ہوں گے اور بالخصوص دفاع کے شعبہ کو جائے گی۔

اعلیٰ لیڈر شپ:۔

اس موقع پر لیڈر شپ کی اعلیٰ مثال دنیا میں پیش ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد ابی وقاص فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں ان کے بھائی عمیر شہید ہو گئے۔ انہوں نے سعد بن العاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تلوار اپنے پاس رکھنے کی اجازت مانگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے یہ نہ میری چیز ہے کہ کسی کو دے دوں اور نہ آپ کی ملکیت ہے، اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو، اس کا فیصلہ جو اللہ فرمائیں گے اسی کے مطابق ہو گا۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ مجھے تلوار نہ ملنے کا دکھ ہوا، لیکن حکم ماننے پر مجبور تھا لہذا اسے مال غنیمت میں جمع کرا دیا۔ آیات کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بلایا اور آپ نے وہ تلوار ان کو دیدی۔ یہ ہے لیڈر شپ کا کمال۔ لیڈر بھی سب کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، احکام الٰہی کے آنے سے پہلے آپ صوابدیدی اختیار بھی استعمال کر سکتے تھے لیکن آپ نے نہیں کیا، بلکہ مساوات کی مثال قائم کی۔ پھر جب یہ حکومت کی ملکیت ہوئی، جس کا اعلان وحی الٰہی کے ذریعے ہو گیا تھا، تو آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دے دی۔ یہ وہ لیڈر شپ تھی جس میں ہر فرد کو آپ کی ذات بابرکات پر یقین اور اعتماد تھا اور جان قربان کرتے تھے۔ حقیقی لیڈر اپنے ساتھیوں کے دلوں میں بستا ہے اور اپنے کردار کے ذریعے ان کو گرویدہ کرتا ہے۔

مومن کی صفات: اللہ تعالیٰ نے مومن کی صفات کا ذکر فرمایا ہے وہ بہت اہم ہیں۔

خوف خدا:۔

خوف خدا ایسا خوف، جس میں ادب کا امتزاج اور محبت کی چاشنی ہے۔

یہ خوف ایسا ہے جو نفسیاتی مسائل پیدا نہیں کرتا بلکہ سکون قلب عطا کرتا ہے۔ اعمال میں زیادتی کا باعث بنتا ہے۔ کارکردگی کو بڑھاتا ہے اور یہ خوشی، غمی ہر حال میں ساتھ ہوتا ہے۔

ایمان:۔

مومن کی خصوصیت ایمان کے ساتھ ہے اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا سبب اللہ کے کلام، احکام کو سمجھنا اور عمل کرنا ہے۔ گناہ سے نفرت ہوجاتی ہے۔ ایمان کی کیفیت ایک اساسی اور ابتدائی ہے جو قبول و انکار کی ہے۔ قبول پر مسلمان ہے اور انکار پر کافر ہے۔ پھر دوسرے درجات ہیں جن میں کمی وبیشی انسان کے یقین محبت میں کمی و اضافہ کے ساتھ ہوتی رہتی ہے اور مرتبہ ومقام اس پر متعین ہوتے ہیں۔

توکل:۔

اللہ پر توکل, اللہ کی ذات پر بھروسہ اور بھروسہ نہ صرف تمام احوال میں ہے بلکہ اس کے ساتھ محنت بھی ہے۔ احادیث میں ہے کہ توکل کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی ضروریات، مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کرکے بیٹھ جائے، بلکہ مادی اسباب و آلات کو اصل کامیابی کے لیے کافی نہ سمجھے، بلکہ پوری محنت وہمت، مادی اسباب اور تدابیر کو استعمال کرنے کے بعد، معاملات کا نتیجہ اللہ کے سپرد کردے۔ سمجھے کے اسباب بھی اسی اللہ نے پیدا کئے ہیں اور ان کے ثمرات بھی وہی دیگا اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا(اجملو فی الطلب وتوکلو الیہ) پوری محنت کرواپنے مقصد کے لیے، اور اللہ پر توکل کرو۔

نماز کو قائم کرنا:۔

نماز کو اپنی زندگی میں قائم کرنا۔ اس کا مطلب نماز کو پڑھنا نہیں بلکہ آداب و شرائط کے ساتھ اس طرح بجالائے کہ اس کا قول و فعل اس کے گواہ ہوں کہ وہ ذاتِ خدا سے ڈرتا اور اسی کی عبادت کرتا ہے۔ اگر یہ کیفیت نہ ہو تو نماز ظاہری طور پر ہو جائے گی، لیکن برکات سے محروم رہے گا۔ یعنی بے حیائی اور برائی، کردار میں ختم نہیں ہو گی۔ جو قبول نہ ہونے کی علامت ہے۔

ع　تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:۔

ایمان اور عبادات کے بعد معاشرے میں مومن کے کردار کے اہم پہلو کا ذکر ہے۔ مومن معاشرے میں روحانی یا اخلاقی طور پر ہی نہیں بلکہ معاشی اور معاشرتی طور پر بڑی برکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اپنے مال کو جو علم کی، دولت، یا جسمانی قوت، کی صورت میں ہو، انسانیت کے فائدہ کیلئے بغیر کسی لالچ اور معاوضہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور یہ فائدہ پہنچانا، ہی اللہ کے لیے خرچ کرنا ہے۔ یہ سارے انسانوں کے لئے ہے، البتہ ضرورت اور قربت کے پیش نظر رشتہ دار، ہمائے اور آپ کے ہم خیال مذہبی بھائیوں کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ ان خصوصیات کے حامل افراد کو درجات مغفرت اور رزق کریم کی خوشخبری دی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَۙ﴿۵﴾

جس طرح آپ کا رب، آپ کو، آپ کے گھر سے حق کے ساتھ باہر نکال لایا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَؕ﴿۶﴾

وہ آپ سے امر حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی بحث کرنے لگے جیسے وہ موت کی طرف ہانکے جارہے ہوں اور وہ موت دیکھ رہے ہیں۔

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَۙ﴿۷﴾

اور یاد کرو جب اللہ نے تم کو دو گروہوں میں سے ایک غلبہ اور فتح کا وعدہ کر رہا تھا تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے، مگر اللہ کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَۚ﴿۸﴾

تاکہ حق، حق ہو اور باطل، باطل ہو کر رہے، انکار کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴿۹﴾

اور وہ موقع جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، جواب میں اس نے فرمایا میں تمھاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴿۱۰﴾

بس یہ بات اللہ نے تمہیں خوشخبری بتا دی تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں، مدد تو اللہ کے سوا کسی طرف سے نہیں ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

مدینہ شریف پہنچنے کے بعد وہاں کے سیاسی اور انتظامی معاملات جس میں مواخات، (انصار ومہاجرین میں بھائی چارہ) اور پھر میثاق مدینہ، جس میں مدینہ کے تمام مذاہب اور قبائل کے لوگ شامل تھے، ہوا۔ آپ اہل مکہ کے ارادوں سے بے خبر نہیں تھے اس کے متعلق آگاہی رکھتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ ابو سفیان کی سربراہی میں جس میں مکہ کا ہر گھر شریک تھا اور اس کا سرمایہ پچاس ہزار دینار اس وقت کے مطابق تھا (دینار کا وزن ساڑے چار ماشے سونا کے برابر تھا)۔ آج کل کے حساب سے کروڑوں روپے کی مالیت تھی۔ اور اس قافلہ کی حفاظت کے لیے قریش کے ستر جوان سردار تھے، جن میں عمر بن العاص، مخزمہ بن نوفل مشہور ہیں۔ قافلے کی اہمیت کو جانتے ہوئے اس تجارتی قافلہ کی ناکامی اہل مکہ کو معاشی طور پر تباہ کردے گی، آپ نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رکھی تھی اور جب یہ پتا چلا کہ اس مقام پر پہنچنے والا ہے اور وہاں اس کو روکا جا سکتا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا کچھ صحابہ نے تیاری نہ ہونے کی وجہ سے اس کو کینسل کرنے کا مشورہ دیا، کچھ نے کہا کہ یہ موقع ہے کفار مکہ کو معاشی طور پر ختم کیا جائے تاکہ وہ تنگ نہ کر سکیں۔ چونکہ یہ جماعت ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے تھی، اس لئے سب کی شمولیت بطور جہاد لازمی نہیں تھی، حضور نے کہا کہ جن کے پاس سواریاں ہیں چلیں۔ جنگ کی خاص تیاری نہیں تھی اور آپ ان صحابہ کو جو فوری طور پر ساتھ جا سکتے تھے لیکر چل پڑے جب بیئر سقیا پہنچے، تو آپ نے پوچھا کہ کس قدر افراد ہیں تو پتہ چلا کہ 313 ہیں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوئے کیونکہ اصحاب طالوت کی تعداد اتنی تھی۔ صحابہ کے پاس اس وقت ستر اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر تین افراد باری باری سواری کرتے تھے۔

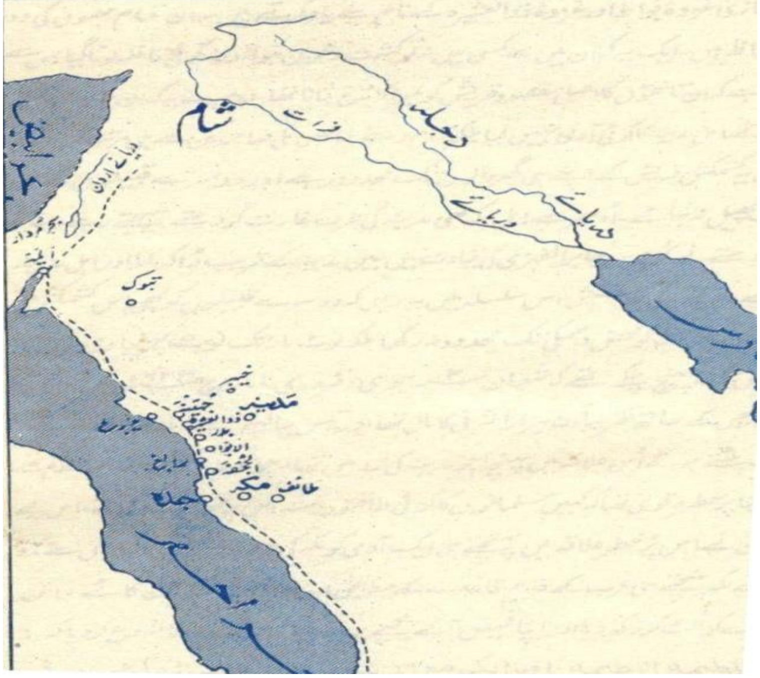

تجارتی راستہ برائے قافلہ مکہ۔ نقشہ تفہیم القرآن

لیڈرشپ کا معیار:۔

نبی علیہ السلام کے ساتھ دو ساتھی حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ حضرات عرض کرتے کہ آپ سوار ہوں ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ آپ ﷺ کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں، اس لیے اپنی باری پر آپ ﷺ بھی پیدل چلتے۔ یہ لیڈرشپ کا معیار جو ہمارے نبی علیہ السلام نے دنیا کو دیا اور سب سے بڑے لیڈر مانے گئے۔ (بحوالہ سو دنیا کے عظیم لیڈر۔ جون مئیکل)

قافلے کا انچارج ابو سفیان بن حرب، ایک چالاک شخص تھا۔ وہ جانتا تھا مدینہ شریف میں مسلمان ہیں اور قافلے کا راستہ مدینہ کی قریب سے گزرتا ہے، جب وہ حدود حجاز میں پہنچا تو اس نے حفاظتی تدبیر کی۔ اس نے ایک آدمی کو تیز رفتار اونٹنی دے کر مکہ بھیجا کہ وہ کچھ افراد کے ساتھ قافلہ کی حفاظت کو آئیں تاکہ مسلمانوں حملہ نہ کریں۔

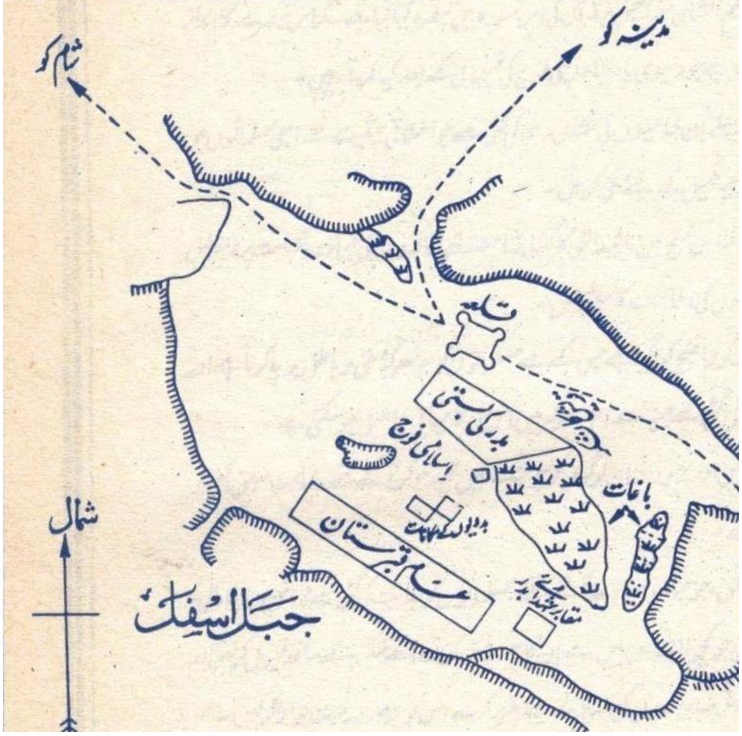

(نقشہ جنگ بدر بحوالہ تفہیم القرآن)

اور اس کے بعد احتیاطاً اپنا راستہ بدل کر بدر کے بجائے لمبا راستہ ساحل کے ساتھ والے راستے سے مکہ کی طرف روانہ ہوا اور بعد میں ایک شخص کو اس کی اطلاع پر بھیجا کہ ہم لوگ دوسرے راستے پر جا رہے ہیں لہذا وہ واپس ہو جائیں۔ پہلے شخص نے جب پیغام پہنچایا تو مکہ والے پہلے ہی بہت مخالف تھے۔ ابو جہل نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو بھڑکا کر ایک لشکر تیار کر لیا جو ایک ہزار نوجوان دو سو گھوڑے، چھ سو زرہیں، گانے والی لڑکیاں، طبلے اور ڈھول لے کر بدر کی طرف روانہ ہو گیا، ابھی وہ بدر کے پاس نہیں پہنچے تھے کہ انہیں دوسرا پیغام بر، ملا اس نے پیغام دیا کہ قافلے نے راستہ بدل دیا ہے اور مدینہ کی طرف کے بجائے ساحل کی طرف سے آ رہا ہے۔ لیکن ابو جہل اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ سوچا کہ کیوں نہ مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے۔ ادھر نبی علیہ السلام نے بھی مختلف لوگوں کو مکہ کے قافلے کے بارے میں معلومات کے لئے بھیجا آپ اس وقت مقام بدر پر پہنچ چکے تھے، پتہ چلا کہ ابو سفیان نے قافلے کا راستہ بدل لیا ہے اور ادھر ایک لشکر جو ابو سفیان کی حفاظت کے لیے نکلا تھا، بدر کی طرف آ رہا ہے حالات اب بالکل مختلف تھے آپ جنگ کے لیئے نہیں آئے، بلکہ

قافلہ روکنے کے لیے آئے تھے لہذا صرف تین سو تیرہ افراد چند گھوڑے اور اونٹ تھے۔

اعلیٰ لیڈرشپ اور دفاع:۔

آپ ﷺ کا ہمیشہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے اور پوری معلومات حاصل کرتے اور مخالفین کے ہر حالات کے بارے معلومات رکھتے تھے۔ مشورہ کیا کہ اس موقع پر کیا کیا جائے۔ اب قافلہ تو نکل گیا تھا، صرف دو راستے تھے کہ مدینہ لوٹ جائیں اور وہاں کفار کے مقابلے کا لشکر تیار کریں یا یہاں رہ کر تھوڑے سے افراد کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ انصار میں سے ایک صحابی نے مشورہ دیا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے اور تعداد میں بھی کم ہیں اس لئے واپسی بہتر ہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق کھڑے ہوئے آپ نے عرض کی کہ جس طرح آپ حکم دیں اسی طرح کریں گے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سب نے عرض کی، حضور نے دعا دی، انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ اٹھے انہوں نے بھی عرض کی آپ جس طرح حکم دیں گے اسی طرح ہم کریں گے آپ کہیں گے تو ہم یارسول اللہ سمندر میں گھس جائیں گے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گی۔ اس کے بعد ساری قوم کا مورال آپ نے انتہائی بلند فرما دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر غلبہ کی بشارت دی ہے اور یہ دو جماعتیں قافلہ یا لشکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں مشرکین کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں ہو (تفسیر مظہری۔ ابن کثیر) یہ تھی ہمارے نبی علیہ السلام کی اعلیٰ لیڈرشپ جس کے لئے دنیا آج بھی ترس رہی ہے، چند خصوصیات:

(1) آپ ہمیشہ مکمل معلومات حاصل کرتے اور تمام امکانات کو پیش نظر رکھتے جس طرح قافلہ اور مکہ کے بارے۔

(2) جس معاملہ میں آسانی اور کامیابی بہتر ہوتی اس کو اختیار کرتے جس طرح کے قافلہ کے لیے سفر شروع کیا۔

(3) دوران عمل بھی معلومات اور حالات کا جائزہ لیکر کسی بھی امکانی تبدیلی کے لیے تیار رہتے، جس طرح سفر کے دوران بھی قافلہ کے بارے معلومات اور مکہ کے بارے معلومات رکھیں۔

(4) حالات کی تبدیلی میں اپنے ساتھیوں کو آگاہ رکھتے ان کے مشورے لیتے اور مشورے پر فیصلہ کرتے۔

(5) ہمیشہ وہ فیصلہ کرتے جس میں اعلیٰ مقاصد، مستقبل کے فوائد شامل ہوتے مثلاً بدر کے موقع پر جنگ کی ترجیح زیادہ بہتر تھی تاکہ مدینہ کے لوگ محفوظ رہیں اور عرب مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں۔

(6) نصرت خداوندی پر بھرپور کوششوں کے ساتھ بھروسہ رکھتے اور دعا سے مدد ربانی طلب فرماتے تھے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَؕ﴿۱۱﴾

جب یاد کرو اللہ نے اپنے طرف سے اونگھ (مختصر نیند) دے کر بے خوفی اور اطمینان عطا کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور شیطان کی نحوست دور کردے۔ تمہارے ارادے مضبوط کردے اور تمہارے قدم جما دے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍؕ﴿۱۲﴾

اور جب یاد کرو تمہارا رب نے فرشتوں کو حکم بھیجا کہ تمہارے ساتھ ہوں، ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہوں پس تم ان کی گردنوں اور جوڑ جوڑ پر وار کرو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۱۳﴾

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرے، اللہ اس کے لیے سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴿۱۴﴾

یہ عذاب ہے اس کا مزہ چکھو اور بے شک انکار کرنے والوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

آیات مبارکہ جنگ بدر کے واقعات سے متعلق ہے جب فیصلہ ہو گیا کہ فوج کا مقابلہ کیا جائے تو آپ بدر میں پانی کے پاس رک گئے، قریش اس سے پہلے پہنچ چکے تھے، صحابہ میں حضرت خباب بن منذر اس علاقہ سے واقف تھے اور انہوں نے حضور سے سوال کیا کہ آپ اس پانی کے پاس رک گئے ہیں کیا یہ اللہ کا حکم ہے یا آپ جنگی اعتبار سے فیصلہ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا یہ اللہ کا حکم نہیں میرا اپنا فیصلہ ہے اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ حضرت خباب نے عرض کی کہ ایک اور پانی کا مقام ہے جس میں پانی بھی زیادہ ہے اور فاصلہ بھی کم ہے۔ آپ نے مشورہ قبول فرمایا اور اگلے پانی کے مقام پر پڑاؤ کر دیا اور پانی پر قبضہ کر کے ایک حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اور ایک سائبان بنایا گیا جہاں حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر تھے حضرت معاذ اس دروازہ کی حفاظت پر مامور تھے۔

مسلمان تھکے ہوئے تھے دوسرے صبح کو معرکہ ہونا تھا اور رات کو عبادت کا خیال تھا لیکن اللہ تعالی نے سب پر نیند غالب کر دی اور ہر صحابی سو گیا اور اونگھتا رہا، صرف حضور نماز تہجد میں تھے اور اونگھ آئی اور فوراً جاگ گئے اور حضرت ابو بکر کو فتح کی خوشخبری سنائی، یہ نیند اللہ کی نعمت تھی اسکے بعد صبح کو سارے صحابہ تازہ دم تھے۔ رات کو اللہ تعالی نے بارش برسا دی مسلمانوں کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئی ریتلی زمین بیٹھ گئی مسلمانوں کے لیے بھاگنا اور چلنا آسان ہو گیا اور کفار کی طرف زمین دلدل بن گئی اللہ تعالی ان دو نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ بارش اور نیند نے ساری سستی ختم کر دی تھی حرکت ریت کے بیٹھنے کی وجہ سے آسان ہو گئی اور مسلمانوں کی ہمت اور ارادہ میں بہت جوش اور ولولہ آ گیا۔

فرشتوں کی مدد:۔

ساتھ فرشتوں کی مدد کی صورت بھی تھی کہ ہمت اور ولولہ بہت زیادہ تھا اور مسلمان حملہ اور جواب حملہ کے لیے بے قرار تھے اور یہ ولولہ دراصل فرشتوں کی مدد تھی۔ جذبہ، بہترین منصوبہ بندی اور بے جگری سے مقابلہ، یہ سب اللہ کے فضل اور اسباب ہیں جس طرح شیطان برے خیالات پیدا کرتے ہیں اسی طرح فرشتے اعلیٰ خیالات، جذبات پیدا کرتے ہیں جو مدد ہے۔ کچھ روایات میں مثالی صورتوں کو بھی

دیکھا گیا کہ وہ بھی ساتھ تھے۔ یہ بات سائنسی طور پر اب ناممکن نہیں، نہیں۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے اسکی تعبیر ناممکنات سے تھی۔ اب جدید ٹیکنالوجی نے، جس میں روشنی، آواز، بجلی اپنی حالت مقناطیسی لہروں کے ذریعے بدل کر پھر وہی حالت اختیار کر لیتی ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ جو مخلوق نور (لائٹ / انرجی) سے پیدا شدہ ہے، وہ صورتیں اور آوازیں بدل سکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کا نظام جو انسانی دریافت کردہ نظام سے کئی گناہ زیادہ اعلیٰ ہے اسکے لئے کیا مشکل ہے۔ صوفیاء کے نزدیک مثالی اجسام پہلے ہی ذکر کیے گئے ہیں۔ مثالی اجسام کی مثال ایسی ہے جس طرح کسی بڑے ڈیجیٹل اشتہار کو جو قد آدم ہو، اس میں انسان باتیں کرتا کھیلتا یا کوئی واقعہ اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں، سکرین اس قدر بڑی ہو کہ ہمیں یہ پتہ نہ چلے کہ اسکی حدود کیا ہیں۔ دیکھنے والا ایک مرئی اور غیر طبعی وجود کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اس کی آواز بھی سنتا ہے۔ یہی مثالی اجسام ہیں جو اولیاء کرام اپنی ملاقاتوں کے تذکرہ کے بارے میں تحریر یا بیان کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام نے بھی اپنے مشاہدات غزوہ بدر کے موقع پر ارشاد فرمائے ہیں۔ جو بھی ہو اور جس طرح کی کیفیت یا صورت تھی وہ ساری اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی۔ روایات میں ہے کہ حضور نے اپنے سائبان کے باہر کھڑے ہو کر دعا مانگی اور طوالت دعا کی وجہ سے آپ کی شانہ مبارک سے چادر پھسل گئی، جسے حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے شانہ مبارک پر دوبارہ رکھ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ زیادہ فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے آیت مبارکہ میں اس کا ذکر تستغیثون سے ہے اور وعدہ پورا ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَۚ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ میدان جنگ میں کفار (انکار کرنے والوں) سے ہو تو میدان سے نہ بھاگو۔

وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جو کوئی جنگی چال یا اپنی جماعت فوج سے ملنا چاہتا ہو، اس کے علاوہ جو شخص جنگ سے بھاگے گا وہ تو اللہ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ

لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾

پس تم نے (اے مسلمانو) ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا تھا اور (اے نبی) جب تم ان پر مٹی پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھی تاکہ ایمان والو پر احسان (بڑا اجر) فرمائے۔ بے شک اللہ ہر بات کو خوب سننے والا اور ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

بدر کے واقعات اور جنگ کے احکام کا ذکر ہے، مسلمانوں کو حکم ہے جب مقابلہ ہو تو مضبوط ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے اور میدان سے بھاگنا (آیت کے مطابق) گناہ کبیرہ ہے۔ جس کی سزا جہنم ہے خواہ دشمن دگنا ہی کیوں نہ ہو۔ پہلے تو مومنوں کو ایمان کی وجہ سے کفار (انکار کرنے والوں) کے خلاف جنگ میں اونچا معیار رکھا گیا تھا، لیکن بعد میں دوگنا تک اجازت رکھی گئی ہے۔ البتہ جنگ میں جنگی چال نہایت اہم ہے۔ اس لیے اگر جنگی چال مقصد ہے کہ دوسری طرف جہاں حملہ شدید ہو سکتا تھا، اس طرف سے حملہ کیا جائے تو آدمی جگہ بدل سکتا ہے اور میدان سے نکل سکتا ہے۔ اگر کوئی حصہ اکٹھا ایک جگہ موجود ہے، اس سے ملنا ہے تاکہ زیادہ صحیح کمک (افراد) مل کر حملہ کریں تو اس طرح میدان سے نکل سکتا ہے۔ ہاں اگر دشمن کی تعداد دگنی سے بھی زیادہ ہے تو بھاگنے کے بجائے آگے جانے یا زیادہ نقصان سے بچنے کا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔

مسلمان کی لڑائی کا مقصد معاشی یا علاقہ پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم یا دبدبہ قائم نہیں کرنا، اسلامی جنگ کی بنیاد دفاع ہے البتہ اگر ہمسایہ ملک وہاں کے مسلمانوں کو تنگ کرتا ہے، تو اسے اطلاع دے کہ وہ اپنا رویہ تبدیل کرے، ورنہ جنگ ہو گی۔ اگر پھر وہ رویہ تبدیل نہیں کرتا اور مذہب کی بنیاد پر تنگ کرتا ہے تو پھر لڑائی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی تیاری اور جذبہ کے ساتھ اور مقصد وہاں کی آبادی کو انسانی حقوق اور اللہ کے نام لینے والوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ جنگ احد اور غزوہ حنین میں جو لوگ غلط فہمی میں یا اچانک حملہ کی وجہ سے پیچھے ہٹے تھے، اللہ تعالی نے ان کو معاف کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر ایک دفعہ حملہ میں واپس آئے اور انہوں نے نبی علیہ السلام سے توبہ کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تم اس

کو بھاگنے کی بجائے پلٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کرو یہ ارادہ فوج اور لڑائی میں بڑا اہم ہے، ہر فوج میں مورال (جذبہ) بہت اہم ہوتا ہے، کوئی فوجی اس وقت میدان جنگ سے بھاگتا ہے جب اس کا جذبہ دفاع یا مقصد سے محبت ختم ہو جاتی ہے۔ مسلمان سپاہیوں میں انکا جذبہ، مقصد اعلیٰ سے محبت، ان کی اہم قوت ہے اس لئے جب میدان سے پلٹے تو بھی اس کا مورال خوفزدہ اور ہارے ہوئے انسان کے بجائے ایک نئی قوت سے حملہ کرنے والے انسان کا ہوگا، جو بدلہ لینے کے لئے پوری قوت رکھتا ہے اس لیے۔

شہادت ہے مقصود مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اور یہی جذبہ حضور علیہ السلام کی اعلیٰ لیڈرشپ اور اللہ کی رحمت، فرشتوں کی مدد کی صورت، میں میدان بدر میں مسلمانوں کے کام آیا۔ یہ سارے اسباب چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے اس کامیابی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ ذکر کیا یہ ایک مسلمانوں کے لئے اللہ کی رحمت و معیت کا اعزاز ہے، اور پھر اصحاب بدر کے لیے کلی عمومی معافی ہے۔ اس کی ایک دلیل وہ واقعہ ذکر فرمایا جو کہ بدر کے موقع پر ہوا۔ روایات میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ٹیلہ سے کفار مکہ کے لشکر کو دیکھا اور آپ نے اللہ سے نصرت و مدد کی دعا کی۔ حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ مٹھی بھر کر ریت ان کی طرف پھینکئے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی قوت و طاقت سے کفار کے نوجوانوں کو کمزور کر دے گا اور آپ نے اسی طرح ریت یا مٹی کو اٹھایا اور وہ کفار مکہ کی طرف پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی / ریت ایک تیز ہوا کی طرح یا بگولا کی طرح اٹھا کر کفار مکہ کے لشکر کی طرف پہنچایا اور اس کی وجہ سے تمام کی آنکھوں میں ریت پڑ گئی جس کی وجہ سے آنکھ سے دیکھنا مشکل ہوگیا (آنکھ میں اگر ریت کا ذرا پڑ جائے بہت تکلیف ہوتی ہے) اس طرح کفار مکہ کے لڑنے والوں کی قوت کمزور ہوگئی۔ جب صحیح نہیں دیکھیں گے تو ضرب / نشانہ کیسے لگائیں گے۔ یہ اللہ کی مدد اور نصرت کا واضح ثبوت ہوا جس کا ذکر اسی آیت میں ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی محبت یا آپ کے اعمال کی قبولیت کا اتنا درجہ بلند فرمایا کہ اسے اپنا عمل قرار دیا، جس طرح پہلے قتال میں فرمایا ہے۔ کفار مکہ کے ناکامی احکامات الٰہی سے انکار اور حضور علیہ السلام سے دشمنی تھی جس کی وجہ سے انہیں شرمناک شکست ہوئی۔

ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہ تو تمہارے ساتھ معاملہ ہے اللہ، کفار (انکار کرنے والوں) کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۹﴾

(ان کافروں سے کہیے) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو، تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم انکار سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر لوٹ گئے (کفر کی طرف) تو تمہیں سزا دیں گے اور تمہارا گروہ (کتنا بڑا ہو) تمہارے کام نہ آئے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

بدر کا موضوع جاری ہے کفار مکہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور غرور ختم ہو گیا۔ آیات مبارکہ اہل مکہ کے لیے غور کا پیغام ہے کہ تم اسباب کے باوجود شکست کھا چکے ہو۔ لہٰذا اسلام میں آجاؤ اور مگر تم نے وہی اسلام دشمنی جاری رکھی تو اللہ مومنوں کو عزت اور عظمت عطا فرمائے گا۔ تاریخ نے دیکھا کہ کفار مکہ بالاخر پریشان و ناکام ہوئے اور کعبہ شریف کو مسلمانوں نے بتوں سے پاک کر دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے اعراض نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں کی طرح یا مثال نہ ہو جانا جنہوں نے کہا (دھوکے کے ساتھ) ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿۲۲﴾

بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ گونگے اور بہرے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۲۳﴾

اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو ان کو وہ ضرور سنا

دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیرتے۔

آیات مبارکہ، بدر کے واقعات کے ساتھ احکام الٰہی اور اسی طرح نبی علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کو فرض قرار دیتی ہیں اور پوری توجہ سے عمل کرنے کا حکم ہے۔ پھر جو لوگ احکام کو سنتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو حیوانات کی مثال دی ہے کہ سنتے ہیں لیکن عقل و فہم نہیں رکھتے اور دلائل کے باوجود آخرت کو نہیں سمجھتے۔ جو لوگ احکام الٰہی کو سنتے ہیں لیکن توجہ نہیں دیتے، عمل نہیں کرتے، ان کے عمل نہ کرنے کی کیفیت کو بیان فرمایا۔ کہ وہ تبلیغ و دعوت کے باوجود ہمیشہ انکاری رہیں گے اور شیطان کے کہنے پر عمل کریں گے۔ اس لئے تمام وسائل اور معلومات کے باوجود اپنے کو محروم رکھتے ہیں۔ عقل و فہم کی اہمیت اور استعمال نہ کرنے کا نقصان واضح کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ(۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فورا) حاضر ہو جبکہ رسول تمہیں بلائیں جو تمہارے لئے زندگی ہے، بیشک جان لو اللہ تعالی انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اطاعت نبوی:۔

پچھلی آیت کے احکام کی دوبارہ تاکید ہے کہ رسول جب بلائیں سستی نہ کریں فوراً حاضر ہوں۔ علماء نے نبی علیہ السلام کی تابعداری واجب قرار دی ہے، اس لیے حدیث مبارکہ قانون اسلامی کا ماخذ ہے۔ فقہ میں، نماز میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو نماز (فرائض) توڑ کر حاضر ہونا اس آیت سے لازم قرار دیا ہے اور یہ عمل احادیث (واقعات) سے ثابت ہے، اسکے علاوہ احادیث کی روشنی میں والدہ کے بلانے پر بھی نفل نماز کو توڑنے اور حاضر ہونے کا حکم ہے البتہ فرض نماز کو نہ توڑا جائے۔

انسانی جان کی حفاظت:۔

اگر نماز قائم رکھنے میں کسی کی جان کو خطرہ ہو مثلاً بچے کے گرنے کا خطرہ، مخبوط الحواس، اندھے کے گرنے کا خطرہ، تو نماز کو توڑ کر انسان کو بچانا لازمی ہے۔ کیونکہ نماز تو بعد میں بھی ادا ہو سکتی ہے لیکن انسان کی جان کی تلافی ممکن نہیں۔

اطاعت نبی اس لیے کہ نبی علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ میں انسانیت کے لیے زندگی ہے۔ انسانی معاشرے کو درحقیقت جس عدل و انصاف، مساوات، حقوق اور فرائض کا جو خوبصورت اور انسانی مزاج کے مطابق نظام، اسلام نے دیا ہے اور جس کو نبی علیہ السلام اور آپ کے خلفائے راشدین نے اسلامی تاریخ میں نافذ کر کے دکھایا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ چالیس سال کے اندر ایک بہت کمزور اور اور جاہل قوم دنیا کی عظیم قوم بن کر دنیا کے لیڈر بن گئے۔ اس نظام نے ایک طرف روم اور دوسری طرف کسریٰ (ایران) کی حکومتوں کو شکست دی۔ اس نظام کا ماخذ قرآن حدیث اور آپ کے خلفائے راشدین اور بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اعمال ہیں۔

دل کا پھرنا:۔

نبی علیہ السلام اکثر دعا مانگتے تھے، اے دلوں کے پھیرنے والے! کنٹرول کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین اسلام پر ثابت قدم رکھ۔ اور ایک دفعہ آپ نے مثال بیان فرمائی کہ گویا جس طرح کوئی چیز انگلی سے پھیری جاتی ہے اس طرح انسانی دل بھی، یعنی خیالات بدل سکتے ہیں۔ یہاں دل سے مراد دماغ یعنی لُب ہے اور یہ خیالات منفی سے مثبت اور مثبت سے منفی ہو کر حق سے باطل اور باطل سے حق کی طرف پھر سکتے ہیں۔ انکے سارے ذرائع یا اسباب، حالات اور ماحول، سب ذات باری تعالیٰ کا پیدا کردہ اور اسکے کنٹرول میں ہے۔ اس لیے ہر وقت اس کی حفاظت کے لئے اس کی اعانت طلب کرنی چاہیے۔ اسی مفہوم کی بہت ساری دعائیں نبی علیہ السلام سے منقول ہیں۔ جن کا بامعنی ذکر بہت اہم ہے۔ ان سب امور کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت و ضرورت ہے۔ کیوں کہ موت کے بعد پھر زندگی اور پھر حساب و کتاب ہوگا۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

اور اس عذاب سے ڈرو جو صرف ان لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے

ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

حق کی اتباع، جو رسول ﷺ انسانیت کو دے رہے ہیں، کی تاکید کے بعد، اجتماعی طور پر معاشرے میں نیکی پھیلانے ،برائی کو روکنے اور انسانیت کی بھلائی کی ذمہ داری سارے معاشرے کو سونپی ہے۔اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں فرائض میں سے ہے اور فرض کفایہ ہے۔حکومت اور افراد سب اس کے ذمہ دار ہیں اور قانون کی نظر میں مساوات اور قانون کی بلا تفریق تنفیذ بہت ضروری ہے۔اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ معاشرہ میں بدکاروں کو روکا جائے ورنہ اللہ تعالی کا عذاب سب پر نازل ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند احادیث اس موضوع پر تحریر ہیں کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے اس اہم فریضہ سے غافل ہیں (جامع البیان)۔

قوانین کی بنیاد وحی الٰہی کیوں؟

حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی شریف کی حدیث میں اللہ کی حدود نافذ کرنے میں سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح کی ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لئے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے نام اوپر والی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض کا نام نچلی منزل کا نکلا، نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے۔پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہوگی اور اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک دیا تو وہ بھی نجات پائیں گے اور نچلی منزل والے بھی (بخاری ترمذی / مسند احمد / الصحیح لابن حبان / سنن کبریٰ

احادیث مبارکہ ،انسانیت کی رہنمائی کے لئے ایک اہم ذخیرہ ہدایت ہے۔ اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے انسانوں کی فطرت اور مسئلے کیسے پیدا ہوتے ہیں کا نقشہ بیان فرمایا ہے۔

(1) قرعہ اندازی کا مطلب ہے انسانوں کی فطرت مختلف ہے۔کچھ کسی طرف

مائل ہیں اور کچھ دوسرا مزاج رکھتے ہیں یہ تقسیم انسانی بس میں نہیں بلکہ معاشرے کا حصہ ہے جو اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے پھر دوسری طرف شیطان منفی خیالات کو ایک ملمع سازی کر کے دماغوں میں بٹھا دیتا ہے۔ جس طرح حدیث میں مقصد تھا کہ اوپر والوں کو زحمت نہ دیں بلکہ آرام کے پیش نظر نیچے سے سوراخ کریں اس میں ایک معمولی فائدے کے بدلے تباہی ہے۔اس لیے ایسے خیالات جو منفی ہوتے ہیں اور بظاہر نظر نہیں آتے ان سے بچنا ضروری ہے، انسان کے لیے ان سے بچنا بڑا مشکل عمل ہے اس لیے قانون الہی جس کا کلی ماخذ انسان نہیں بلکہ انسان کا پیدا کرنے والا ہے وہ صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کا سارا قانون، وحی الہی پر نہیں بلکہ اس میں ساٹھ فیصد اجماع، قیاس اور اجتہاد کی صورت میں بدلتے حالات کے مطابق انسان کا تیار کردہ ہوتا ہے۔ صرف حقیقی رہنمائی وحی الہی ہے۔ آج کل کے دور میں جنسی مساوات اور جنسی عمل میں آزادی اس کا ایک شاخسانہ ہے جس کے اندر تباہی کا طوفان بند ہے۔

اچھائی پھیلانا اور برائی کو روکنا:۔

(2) حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا، جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ مٹائیں، اللہ تعالیٰ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا (متعدد کتب الاحادیث)

(3) حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص اللہ سے ڈر اور جو تو کام کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے۔کیونکہ یہ کام تیرے لئے جائز نہیں، پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا، تو اس کا وہ کام، اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا۔جب انہوں نے اس طرح کیا، تو اللہ تعالی نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے۔ پھر اللہ تعالی نے فرمایا: بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے کفر

کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان میں لعنت کی گئی کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے وہ جو کرتے تھے وہ برا کام تھا۔ (المائدہ 78)۔ پھر آپ نے فرمایا ہر گز نہیں!! بخدا، تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرنا، ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا، پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا، جس طرح ان پر کی۔ (سنن ابی داود / سنن ترمذی)۔

(4) حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالی کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں ان سب پر عذاب پہنچتا ہے پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری)

اہم نکتہ کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جاتا ہے اور دنیا و آخرت، کسی ایک میں اس کا بدلہ مل جاتا ہے، اللہ تعالی مخلوق، یعنی انسان کے لئے ظلم و عذاب پسند نہیں فرماتے، مگر انسان کے اعمال اس کا سبب بنتے ہیں۔ کتب احادیث میں اس موضوع پر کئی ابواب موجود ہیں۔ بد قسمتی سے مسلمان معاشرے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ناکامی کی وجہ سے اللہ تعالی کے عذاب کا شکار ہیں۔ اس کی صورتیں معاشی (بے روزگاری مہنگائی) اور سماجی (امن و امان) سیاسی (بد کردار حکمران) کی صورت میں مل رہی ہیں۔ مسلمانوں کے اعمال، اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ ہیں، اللہ تعالی اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کرو جب تم کم تعداد تھے۔ زمین پر کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں ختم نہ کر دیں اللہ نے تمہیں پناہ دی تمہاری مدد کی اور قوت دی اور پاک چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور جانتے بوجھتے اپنی امانتوں

میں خیانت نہ کرو۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔

غزوہ بدر کے اموال کا ذکر ہے۔ مسلمان مکہ میں بہت کمزور تھے۔ حضور علیہ السلام کی ذات کو بھی خطرہ تھا۔ آپ نے ہجرت فرمائی اور پھر مدینہ شریف میں بھی ابتدا میں مسلمان کافی کمزور تھے، تمام قبائل سے میثاق مدینہ ہو چکا تھا۔ انصار اور مہاجرین میں مواخات بھی تھی، لیکن مسلمان اقلیت میں تھے اور مسلمانوں کی معاشرتی، فوجی، قوت تسلیم نہیں کی گئی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے، جو کہ جنگ کا مقصد کے بجائے قافلہ پر قبضہ کرنے کے لیے نکلے تھے، جنگ کی اور وہ بھی مستعد اور تیار لشکر کے ساتھ جو کہ تین گنا بڑا تھا، سخت مقابلہ پڑا لیکن اللہ کی رحمت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس کے بعد مسلمان فوجی اور سماجی قوت بن گئے جن کے وجود کو خطرہ ختم ہو گیا اور ان کی قوت تسلیم کر لی گئی۔ پھر اس کے بعد تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمان عرب کی بڑی طاقت بن گئے، تاریخ میں مسلمان نصف صدی کے اندر دنیا کی عظیم طاقت بن گئے۔ اللہ تعالی نے رزق کی نعمتوں کا ذکر کیا، اس میں مال غنیمت بھی ہے جو پہلے حرام تھا، پھر معاشی اور سیاسی ترقی، جس میں اسلام کی حکومت عرب سے نکل کر سارے ایشیا اور افریقہ، یورپ تک پھیل گئی۔ اللہ تعالی کی شکر گزاری کی جائے اور صحیح شکر گزاری وہ ہے جس میں نعمت کا احساس ہو اس نعمت کی قدر و عزت ہو۔ اللہ کی شکر گزاری کا طریقہ اللہ کے احکام پر عمل ہے۔ جب تک مسلمان اللہ کے احکام پر بالخصوص معاملات کا اہتمام کرتے رہے، اس کی رحمت کے مستحق رہے اور جب اللہ کے احکام اور نبی علیہ السلام کے کردار اور تعلیمات کو چھوڑ دیا تو پھر دنیا میں رسوا اور غلام ہو گئے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

خیانت:۔

اگلی آیت میں اس کی اہمیت اور واضح کر دی کہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ

خیانت نہ کرو۔ اللہ اور رسول سے خیانت ان کے احکام کو پورا نہ کرنا ہے۔ ساتھ حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔ یہ آیات بہت اہم ہیں۔ اسلام میں امانت بہت اہم ہے اور اس کا مفہوم بھی وسیع ہے۔ اس میں حقوق اور فرائض، مالی معاملات سب شامل ہیں، قرآن مجید میں متعدد آیات اور احادیث مبارکہ میں بہت تفصیل اور تاکید کے ساتھ امانت داری کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا یا منافق (جو اسلام کا دعوی کرتا ہے مگر عمل نہیں کرتا) کی تین نشانیاں ہیں (1) بات کرے تو جھوٹ بولے (2) وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس سے خیانت کرے (صحیح البخاری)۔ ایک اور حدیث ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت مت کرو (ابو داود)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ نے فرمایا: تمہارے دین میں جو چیز سب سے پہلے گم ہو گی وہ امانت ہے اور آخر میں نماز گم ہو گی۔ ثابت بنانی نے کہا، ایک شخص روزے رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، لیکن جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ امانت ادا نہیں کرتا (المعجم الکبیر)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں اگر کوئی آدمی لمبی نماز پڑھتا ہے لیکن اس کے معاملات کردار صحیح نہیں تو اس کی نماز مقبول نہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی، بے شک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے (سورۃ العنکبوت بحوالہ روح المعانی)

خیانت کے اسباب اور علاج:۔

اللہ تعالی کی شکر گزاری اور امانتداری کے بعد وہ اسباب ذکر کیے ہیں، جو انسانوں کو ان کے معاملات میں بے ایمانی، دھوکہ دہی، خود غرضی کی طرف لے جاتے ہیں اور ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ آیت مبارکہ میں ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد، تمہارے لئے آزمائش ہے۔ اس آیت میں چند احکام اور حقائق بڑے واضح ہیں۔ انسان بحیثیت نفس اپنے لیے بڑھائی، مرتبہ، دولت، آرام کا طلبگار رہتا ہے۔ اکثر اوقات اپنے مفاد میں دوسروں کے مفاد اور حقوق کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی ذات کے بعد

انسان کو اپنی اولاد کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ان کے آرام اور مفاد کے لیے وہ نیا سلسلہ شروع کر دیتا ہے اور حتیٰ کہ پھر اس پر بڑھاپا آجاتا ہے اور کمزور ہو کر خود ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کو قرآن مجید نے واضح کیا ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا ہے کہ ان خواہشات کی تکمیل میں حق کو نہ چھوڑا جائے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے اور اگر ذاتی زندگی اور اولاد کے لئے کوشش کے باوجود ساری خواہشات پوری نہیں ہورہیں، تو ناجائز اور ناحق ذرائع استعمال نہ کیے جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھی جائے کہ وہ دنیا اور آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا مالک وخالق ورزاق ہے، اس کے ہاں بہت زیادہ رکھا ہوا ہے، جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ انسانی خواہشات اور محبت اولاد ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب ہونا ہی کامیابی ہے اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے۔ قرآن پاک میں نہ صرف انسانی مشکل اور اس کے اسباب کا ذکر ہیں بلکہ علاج بھی بتا دیا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہیں انکار کرنے والوں (کفار) سے الگ کر دے گا، تمہاری غلطیوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور کفار (کفر کرنے والے) منصوبہ کرتے تھے کہ تمہیں قید کریں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ بھی منصوبے بناتے تھے اور اللہ بھی منصوبہ بنا رہا تھا اور اللہ کا منصوبہ سب سے بہتر کامیاب ہے۔

آیات مبارکہ مومنین کے لیے خوشخبری ہے کہ اگر وہ نفس امارہ کو کنٹرول کریں، اللہ کے حکم پر عمل کریں اور تقوی و پرہیزگاری (گناہوں سے بچنا) اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے معمولی گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور بخش دیں گے بڑے بخشنے والے ہیں۔ اگلی آیت میں کفار کے منصوبہ کا ذکر ہے جب انہوں نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرتے دیکھا اور پتہ چلا کہ مسلمان مدینے میں مکہ کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں ہیں اور بڑھ رہے ہیں تو

انہیں خطرہ ہوا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت نہ ہو جائے اسطرح انہوں نے حضورؐ کو ایک گروپ کی صورت میں جس میں مکہ کے تمام قبائل کے افراد شامل تھے مل کر شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، تاکہ آپ کی دیت آپ کا قبیلہ بنو ہاشم، تمام قبائل سے طلب نہ کر سکے۔ اس منصوبے کے ساتھ آپ کے گھر کے گرد گھیرا کر لیا گیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کی خبر دی۔ آپ نے حضرت ابو بکر کے ساتھ پروگرام وانتظام کر رکھا تھا۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اور آپ نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر پھینکی۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ جو گھر کے باہر کھڑے رہے ان کو نظر نہ آسکا اور آپ ﷺ رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکل گئے۔ وہ بار بار دیکھتے رہے کہ آپ سو رہے ہیں۔ جب صبح آپ ﷺ نہیں نکلے تو جا کر معلوم ہوا کہ حضرت علی ہیں۔ جب اپ کے بارے میں پوچھا، تو حضرت علی نے لاعلمی ظاہر کر دی اور آپ ﷺ کی مکہ کے گرد و نواح میں تلاش شروع کر دی۔ اس طرح کفار مکہ کا مکر یا منصوبہ ناکام ہوا اور حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہنچ گئے۔ تفصیل کے لئے سیرت النبی کی کتب کا مطالعہ کریں۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴿۳۱﴾

اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو بھی اس (کلام) کی طرح (مثل) کہہ سکتے ہیں یہ تو پرانی داستانوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴿۳۲﴾

اور جب انہوں (کفار) نے کہا اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو (اس کے انکار پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔

قریش مکہ کے سردار، اسلام کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ خاص کر نصر بن حارث ایک تاجر اور سردار جو دوسرے ممالک ایران شام جاتا تھا اور ان کے قصے اور واقعات بیان کرتا تھا۔ قرآن مجید کے مقابل وہ قصے بیان کرتا، پھر ان لوگوں سے

کہتا دیکھو میرے قصے حضرت محمد ﷺ کے قرآن سے بہتر ہیں یا نہیں؟ اس لئے اس کے بجائے میرے پاس آکر میری باتیں سنو، اسی طرح وہ یہ بھی کہتا کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے، تو ہم اس کو نہیں مانتے، ہم پر بیشک عذاب نازل ہو اور کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ جس کے بارے ہمیں ڈرایا جاتا ہے کوئی پروا نہیں جب بھی عذاب آجائے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک آپ ان میں موجود تھے اور نہ ہی اللہ ان کو عذاب دے گا جبکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

آیات مبارکہ میں کفار مکہ کے سوالات کا جواب فرمایا، کہ جب تک نبیؐ موجود ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں کرتا۔ مقصد یہ ہے کہ مخلوق کو مکمل موقع دیا جائے اور جب وہ نافرمانی کی انتہا کو پہنچ جائیں، اس نبی اور رہبر کو برداشت نہ کریں اور نکال دیں تو پھر وہ اس قابل نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے یہ عنایت فرمائی ہے کہ وہ استغفار کریں گے تو غضب خداوندی سے محفوظ رہیں گے۔ حضور علیہ السلام اس آیت مبارکہ کے اس حصے کو، جس میں استغفار کا ذکر ہے، ایک بہت نعمت قرار دیا ہے، جو آپ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی امت محمدیہ کو میسر رہے گی۔

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور کیوں نہ ان کو اللہ عذاب دے جب کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور اس کے اولیاء (حفاظت کرنے والا) ہونے کے اہل بھی نہیں۔ اسکے اولیاء (والی) تو صرف پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں مگر ان میں اکثر (اس حقیقت کو) جانتے ہی نہیں۔

وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور بیت اللہ میں ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں، جو تم کفر کرتے تھے اس کی وجہ سے عذاب چکھو۔

آیات مبارکہ میں عذاب نازل نہ ہونے کی وجہ نبی علیہ السلام کا وجود تھا اور جب آپ وہاں سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تو اب کفار مکہ اس معافی سے محروم ہو گئے۔ ادھر انہوں نے مسلمانوں کو بیت اللہ میں عبادت سے بھی محروم رکھا ہوا تھا۔ خود ان کی نماز بھی بتوں، سیٹیوں اور تالیوں کا مجموعہ تھی بالخصوص جب مسلمان نماز پڑھتے کفار ان کے آگے پیچھے تنگ کرنے کے لیے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے لہٰذا اب ان کو عذاب چکھایا گیا۔ اور وہ غزوہ بدر میں ان کی ذلت آمیز شکست کی صورت میں تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

بیشک کافر لوگ اپنا مال و دولت اس لئے خرچ کرتے ہیں یہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ پس اس طرح وہ خرچ کرتے رہیں گے پھر ان کے حق میں حسرت و ندامت بن جائے گا اور مغلوب کر دیے جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ دے اور ڈھیر بنا دے گا پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے گا یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کفار کی ذہنیت اور اسلام دشمنی کو بتایا جا رہا ہے، کہ وہ اپنے ذرائع اور طاقت اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، یہ انسانی ضد کا اظہار فرمایا ہے، کہ ضد میں انسان اندھا اور عقل سلیم کے استعمال سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے سارے اخراجات، جدوجہد، اس کی ناکامی اور افسوس پر ختم ہوگی۔ وہ دنیا میں ناکام اور آخرت میں بھی دوزخ میں جائیں گے۔ یہ ساری جدوجہد اس لئے کہ اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے علیحدہ کرے۔ ان کے اچھے اور برے کردار اور اثرات کا لوگوں کو احساس ہو۔ برے اعمال والے سارے لوگ اکٹھے ہو کر دوزخ میں پھینک دیے جائیں گے۔ اسلام میں جب بھی جنگ کی جاتی ہے تو مقصد انسانی فلاح ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

آپ کہہ دیں! اگر وہ (برے اعمال) سے باز آجائیں تو ان کے پہلے والے گناہ جو گزر چکے ہیں بخش دیئے جائیں گے اور اگر پھر وہی (برے اعمال) کریں تو پھر گزشتہ اقوام کا طریقہ گزر چکا ہے (یعنی عذاب دیا جائے گا)۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

تم ان (انکار کرنے والوں) کے ساتھ جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہ جائے اور سب دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو بیشک اللہ اس عمل کو جو کر رہے ہے خوب دیکھ رہا ہے۔

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر انہوں نے اطاعت سے منہ موڑا تو جان لو کہ بے شک اللہ ہی تمہارا مددگار (حمایتی) ہے۔ بہتر حمایتی اور بہتر مددگار ہے۔

آیات مبارکہ میں کفار کو اسلام کی ترغیب دی، کہ اسلام میں داخل ہوں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے بشرطیکہ دوبارہ پھر کفر اور گناہوں کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ اگر لوٹ گئے تو ان کا بھی انجام پہلی امتوں کی طرح تباہی ہو گا۔ کفار کے ظلم و ستم کے مقابلہ کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو مکہ شریف سے نکال دیا گیا اور مدینہ شریف میں بھی امن سے نہیں رہنے دیا گیا۔ تمام جنگیں مدینہ شریف میں ہوئیں۔ بالآخر مسلمان مضبوط ہوئے تو حج کے لئے گئے اور پھر جب حج نہ کر سکے، اسکے بعد معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی تو مسلمان باہر نکلے اور بالآخر کفار مغلوب ہوئے۔

آیات کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دی ہے۔ مسلمان جہاں بھی رہیں بے خوف ہو کر رہیں اور نقصان دینے کا سلسلہ اور فتنہ ختم ہو جائے۔ لوگوں کو اسلام قبول کرنے میں کسی کا خوف نہ ہو۔ اس سے بڑا فرق واضح ہے کہ اسلام میں جبر نہیں۔ ہاں دوسری طرف اسلام یہ چاہتا ہے، کہ کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اسے

ظلم اور نقصان کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح مشرکین اور کفار مکہ نے مسلمانوں کی زندگی تنگ کر رکھی تھی اور دو دفعہ لوگوں نے ہجرت کی۔ مدینہ شریف جب مسلمان مضبوط ہوئے اور فتح مکہ کے بعد اسلام فوجی وسیاسی اور سماجی قوت بن کر ابھرا تو مسلمانوں کو سکون ملا۔ جو لوگ اسلام کی مخالفت نہ کریں ان کو تنگ کرنا منع ہے۔ یہی حکم کہ اگر وہ باز آجائیں تو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حکم یعنی نفاذ اسلام صرف جزیرہ نما عرب کے لئے تھا۔ وہاں غیر مسلم سے قتال (جنگ) لازمی تھی۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں اور جہاں سے خطرہ تھا اس طرف سے دفاع کیا جاتا رہا۔ خصوصی طور پر عرب نبوت کا منبع اور مرکز تھا۔ اس لئے وہاں مسلمانوں کا بلا خوف اسلام پر عمل کرنا ضروری تھا۔ البتہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ محنت و دیانتداری، انصاف اور حقوق کا خیال رکھتے ہوئے جس طرح پہلے سو سال کے اندر اسلام دنیا کی عظیم طاقت بن گیا اور مسلمانوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اسی طرح سائنسی علوم، انسانی حقوق، انصاف ، مساوات، اور محنت کر کے پرانا مقام حاصل کریں۔ اور اگر محنت، قرآن وحدیث کی تعلیمات بالخصوص حقوق اللہ، حقوق العباد اور معاشرہ میں عدل پر عمل نہیں کریں گے تو مسلمانوں کے معاشرے بھی ظلم سے بھر جائیں گے اور ناکام ہوں گے۔ جس طرح کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں۔ بجائے اسلام ایک طاقت ہو خود مسلمان مجبور اور مقہور ہوگئے ہیں۔ پچھلے سو سال میں غلامی میں جکڑے گئے ہیں، ابھی تک مجبور ہی ہیں۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۴۱)

اور اے مسلمانو جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تمہیں حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت داروں کے لئے، یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور جو ہم نے اپنے بندے رسول پر فیصلہ کے دن نازل کیا اور جب دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فلاحی ریاست:۔

آیات مبارکہ میں مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر ہے۔ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور پھر اس کے استعمال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اس وقت ریاست کو دیا گیا۔ ریاست کے پاس نبیؐ کے زمانے میں متعین ملازم فوج نہیں تھی جو کہ ریاست میں امن و امان، سرحدوں کی حفاظت کرتی۔ ضرورت کے وقت پر اعلان کیا جاتا، لوگ اپنی ذاتی سواری، سامان حرب اور اپنے زندگی کی مصروفیات کو چھوڑ کر میدان میں آجاتے اور نہ صرف اپنی سواری سامان خرچ کرتے بلکہ جان بھی قربان کر دیتے۔ اس بنا پر یہ مال جو اللہ اور اس کے رسول کا تھا اس کا 4/5 (چار حصے) ان کے لیے تھا تاکہ ان کی ضروریات اور ان کے نقصان کی تلافی ہو۔ پھر جب ایک مستقل فوج بن گئی تو یہ حصہ ان کے اخراجات کا حصہ بن گیا اور باقی پانچواں حصہ 1/5 اللہ اور اس کے رسول نے اس طرح تقسیم کیا اس کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی مد میں تھا یا خلیفہ کے اخراجات کے لیے استعمال ہو سکتا تھا دوسرا حصہ آپ کے جو رشتہ دار تھے جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی تیسرا حصہ یتیموں چوتھا حصہ غریبوں اور پانچواں حصہ مسافروں کے لئے تھا۔ یہ سارے اخراجات سماجی انصاف اور معاشرتی ترقی کے لیے تھے۔ حضور کی وفات کے بعد آپ کا حصہ بھی ریاست کے باقی حصوں پر منقسم ہو گیا۔ حضور کے خاندان کے افراد غربت اور زکوٰۃ کے استحقاق کے باوجود زکوۃ سے محروم کر دیے گئے۔ لہٰذا ان کی سماجی اور معاشی اور

غربت مٹانے کیلئے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مخصوص کر دیا گیا۔ کچھ علماء نے اس کو بھی دوسرے حصوں کے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ سارے اہتمام ایک فلاحی ریاست کیلئے بنائے تھے۔ جہاں غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور مسافروں کو حفاظت اور مدد دی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین، اپنے مصارف کے لیے کتنی رقم استعمال کرتے تھے وہ معلومات موجود ہیں کہ آپ صرف ضرورت کی انتہائی کم تر معیار پر اپنے لئے رقم مخصوص کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو آپ کی پیاری اور اس وقت صرف زندہ بیٹی تھیں) نے ایک خادم کی بیماری کی وجہ سے درخواست کی۔ تو آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق حضرت علی، رضوان اللہ علیہم انتہائی معمولی اخراجات بیت المال (سرکاری خزانہ) سے وصول کرتے تھے جن سے گھر کا چلنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ تاریخ ایسی مثالیں دینے سے قاصر ہے۔ اکثر اوقات غیر مسلم نبی کریم ﷺ کے ذرائع آمدن پر اعتراض اٹھاتے ہیں جو کہ لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ جب تک آپ مکہ میں تھے حضرت خدیجہ ایک مالدار خاتون تھیں آپ معاشی طور پر مستحکم تھے، مدینہ شریف میں غزوہ بدر تک مالی حالات شدید رہے، جو عرصہ ایک سال کا تھا۔ غزوہ بدر کے موقع پر مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور اس کا پانچواں حصہ آپ کے اخراجات کے لیے مخصوص تھا لہٰذا آپ کا گزارہ ہو جاتا تھا بلکہ وہ بھی آپ صدقہ کر دیتے تھے۔ آیات میں فوجوں کے مقابلے کا حوالہ مقام بدر میں مسلمانوں اور کفار مکہ کی فوجوں سے ہے اور کامیابی کا فیصلہ بھی کفر اور اسلام میں اس دن ہوا تھا۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌۙ (۴۲)

اور جب تم قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نچلی جانب تھا اور اگر تم مقابلہ کا وقت معین کرتے تو پہنچنے کے وقت ضرور مختلف ہو جاتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ نے اس کام کا فیصلہ کیا ہوا تھا، اس کو پورا کر دے تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے (سامنے واضح طور پر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے (کامیاب ہو) وہ دلیل سے

زندہ رہے اور بیشک اللہ بہت ہی سننے والا اور بہت ہی جاننے والا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

یاد کیجیے! اور جب اللہ نے خواب میں کافروں کو کم تعداد میں دکھا رہا تھا اور اگر ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور ہمت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ نے تمہیں سلامت رکھا بے شک وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) کم دکھائی تاکہ (اللہ) اس کام کو پورا کر دے جو اس نے فیصلہ کیا ہوا ہے اور اللہ کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ فوج سے ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو خوب یاد کرو تاکہ تم فلاح (کامیابی) پاؤ۔

اسباب فتح اور جنگی نفسیات:۔

آیات مبارکہ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئیں اور جنگی کیفیات اور نفسیات کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو کافروں کی تعداد کم دکھائی دی، کیونکہ فاصلہ تھا اور صحیح تعداد معلوم نہیں تھی۔ صرف معلومات کا ذریعہ نگاہوں سے دیکھنا تھا اور اس کی لوکیشن (پڑاؤ) ایسی تھی کہ کم نظر آتے تھے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ مسلمانوں کو ہوا کہ ان کی ہمت جو پہلے تھی اس میں اور بھی اضافہ ہوا۔ انکو کفار کی قوت کی بنا پر زیادہ کی توقع تھی لیکن وہ کم نظر آئے۔ جس کی وجہ سے اعتماد اور ہمت میں اضافہ ہوا۔ دوسری طرف صرف کفار جن کو مسلمانوں سے خطرہ تھا ان کو مسلمانوں کی تعداد بھی کم نظر آئی، جو تھی بھی کم۔ اس سے ان میں غیر ضروری اعتماد آیا جس کی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو ختم کرنا بہت آسان ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالی نے ایک اعصابی و نفسیاتی کیفیت کی اہمیت واضح

فرمائی۔ ان سے مقصد اللہ کے فیصلے، کہ حق کو کامیابی اور کفر کو ناکامی ہو، ثابت کرنا تھا۔ یہ فتح بدر کے بعد ہو گئی۔ مسلمانوں کو کافی مال غنیمت ملا، کافی کفار قید ہوئے۔ ان سے فدیہ لیا گیا اور پھر مسلمانوں کی تنظیم اور اخلاق بھی کفار کو دیکھنے میں ملا۔ مسلمان نہ صرف مدینہ و مکہ، بلکہ حجاز میں ایک سیاسی و انتظامی حکومت کی مالک بن گئے۔ پھر آیت میں ایک اور اہم نکتہ فرمایا کہ جب میدان جنگ ہو تو ثابت قدم رہو۔ کمزور ہمت نہ رہو۔ نفسیاتی دباؤ میں نہ آؤ اور دفاعی جنگ نہ لڑو بلکہ آگے بڑھ کر فاتح کی طرح لڑو۔ ساتھ ہی سارے اسباب کو استعمال کرو اور اللہ کو یاد کرو کہ اسباب اس نے بنائے ہیں اور آخری فتح اس کی مدد سے ہوتی ہے۔ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی دماغ میں یاد ہے اس کے ساتھ تعلق ہے، جس میں ادب اور خوف کی آمیزش، محبت کی چاشنی اور ہر وقت کا تعلق ہے۔ اس سے مراد رسمی نماز نوافل نہیں ان کے مقررہ اوقات ادائیگی ہیں جو فرض، سنت اور مستحب ہیں۔

اس کے ساتھ اعصابی طور پر بھی ذکر کے بعد اطمینان ہو جاتا ہے اور آدمی کا اعتماد اور قوت بڑھ جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہر دفعہ جنگ کے لئے بہترین دفاعی طریقہ اختیار فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ چھوٹی چھوٹی چوٹیوں پر رات کو آگ روشن کر دیں، تا کہ اہل مکہ اس کو مسلمانوں کے کیمپ تصور کریں، اور تعداد میں اضافہ نظر آئے۔ غزوہ خندق میں خندق کے ذریعے دفاع کا طریقہ اپنایا، غزوہ تبوک میں آگے جا کر سرحدوں پر حملہ آور کو روکنے کا بندوبست کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسباب کو بہترین طریقہ پر استعمال فرمایا اور اللہ کی نصرت کی دعا کی، ثابت قدم رہنے کی ہمیشہ تاکید فرمائی اور ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ ہر حال میں اپنے جانثاروں کے ساتھ رہ کر اعلیٰ لیڈرشپ کا ثبوت دیا۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص دو آدمیوں سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے اور جو تین کے مقابلے سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں (المعجم الکبیر)۔ اس سے واضح ہوا کہ بہادری مرنے کا نام نہیں بلکہ کامیابی کا نام ہے۔

ایک اور حدیث مبارک بروایت حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے

عافیت کا سوال کرو جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو اور اگر وہ چلائیں تو تم خاموش رہنا (تبیان القرآن)۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مخالفت نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

کامیابی اور کامرانی کے اصول:۔

آیات مبارکہ میں کامیابی کا راز بتایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بنیادی احکام جو واضح ہیں، ان کی اطاعت کرو۔ اسلام کے قوانین میں تقریباً ساٹھ فیصد قوانین قرآن مجید اور حدیث پاک (حضور کے اعمال) سے بڑے واضح ہیں اور باقی قوانین جہاں واضح حکم یا عمل متواتر نہیں ہے، اس کے لیے اجماع اور اجتہاد کے ذریعے امت چل رہی ہے۔ یہ سہولت انسانی معاشرت میں تبدیلی یا توسیع کو کور کرنے کے لئے دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ جس چیز کا حکم ہے وہ اتحاد ملت ہے اگر اتحاد ہوگا تو امت کو کامیابی ہو گی اور امت کی عظمت برقرار ہو گی۔ اس کے ساتھ سارے عمل میں صبر بہت ضروری ہے۔ مشکل حالات میں صبر اور اختلافات، جب ایک بڑی امت ہو گی تو اختلاف بھی ہوں گے۔ اس صورت میں آپس میں صبر اور پھر صبر کا اہم جزو برداشت ہے، جس کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ خاصیت ہر ایک مسلمان کے لیے عادت کی طرح ہونی چاہیے۔ یہ انفرادی طور پر اور لیڈر شپ کے لیے بھی انتہائی اہم ضرورت ہے۔ اگر اسلام کے احکام پر بالخصوص عمومی حقوق، انسانی، سماجی حقوق کا نفاذ صحیح طور پر نہیں ہوگا تو اتحاد امت میں بھی دراڑیں پڑیں گی اور صبر بھی ختم ہو جائے گا اور بالآخر امت کمزور ہو جائے گی۔ یہ ہم گزشتہ تین سو سال سے دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان زوال کا شکار ہیں اور بڑی طاقتوں کے سامنے سرنگوں ہیں۔

اتحاد کیوں کر؟

اتحاد کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار تاکید آئی ہے اور نبی علیہ السلام نے بھی تاکید فرمائی ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں وراثت نہیں بلکہ رئیس حکومت یا

خلیفہ کا انتخاب جس کی ابتدائی مثال شورائی نظام ہے، حضور علیہ السلام نے اپنا رسمی طور پر جانشین مقرر نہیں کیا، اسی طرح دوسرے خلیفہ کے لئے حضرت ابو بکر نے اپنی رائے دی، لوگوں نے اختلاف کیا، آپ نے اپنے دلائل دیئے اور پھر اکثریت کی موافقت کرنے پر حضرت عمر کو نامزد کیا گیا، پھر حضرت عمر نے بھی کوئی نامزد نہیں کیا بلکہ شوریٰ کے فیصلے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان کے بعد بھی حضرت علی کا انتخاب شوریٰ کے مشورہ سے ہوا اور پھر حضرت علی کے بعد حضرت امام حسن کا انتخاب بھی مشورہ کے بعد ہوا۔ اس وقت شوریٰ ہی ایک اعلیٰ جمہوری نظام تھا۔ مواصلات، تعلیم اور انتخابات کے لئے سمجھ بوجھ صرف شہروں کے لوگ زیادہ رکھتے ہیں اور وہ سماجی مسائل اور مشکلات کا شکار ہوتے تھے اور ہیں۔ آج کل کے دور میں ووٹنگ ایک بہترین طریقہ ہے۔ اگرچہ معاشی پسماندگی اور جہالت کی وجہ سے مطلوبہ صحیح نتائج نہیں ملتے لیکن پھر بھی اتنی بڑی مخلوق کا غلطی کی طرف جانا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو اور حدیث مبارکہ ہے جس کا مفہوم ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ موجودہ دور میں بڑی وسیع حکومتیں ایک اچھے انتخابی نظام کی وجہ سے چل رہی ہیں جس کی بڑی مثال ریاستہائے متحدہ امریکا، چین ہیں۔ پھر آزاد حکومتوں کے اتحاد کی مثال یورپ کے ممالک کی یورپی یونین کی مشترکہ حکومت ہے جو کہ معاشی مقاصد کے ساتھ سماجی مقاصد اور سیاسی مقاصد میں بھی ہم آہنگی پیدا کر رہی ہے۔ مسلمان ممالک جن کا مذہب اور کلچر ایک ہے۔ صرف زبانوں کا اختلاف ہے وہ آزادی کے ساتھ اتحاد بھی قائم کر سکتے ہیں یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب امت مسلمہ کے حکمران شورائی طریقہ انتخابات یعنی جمہوریت اور لوگوں کی حق انتخابات اور فیصلہ کا احترام کریں۔ طریقہ وراثت سے علیحدہ ہو جائیں۔ تعلیم کو عام کریں اور سماجی انصاف کا اہتمام کریں۔ بد قسمتی سے ان خصوصیات کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام امت مسلمہ پریشان حال ہے۔

آیت میں تنازع اور جھگڑا سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اختلاف ایک فطری عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ (اختلاف امتی رحمتہ) اختلاف امت کے لئے رحمت ہے۔ اختلاف سے نیا متبادل اور نئے گوشے کھلتے ہیں۔ البتہ فیصلہ اکثریت کا سوچ بچار

کے بعد ہو اور پھر نفرت اور جھگڑا نہ کیا جائے۔ جھگڑے کا سبب ہی نفرت اور ضد ہے۔ جسے حضور نے متعدد احادیث کے ذریعے منع فرمایا ہے کیونکہ یہی جھگڑے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنا زور دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے تمام کاموں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

اور یاد کرو جب شیطان نے ان کے کاموں کو، ان کے لیے خوشنما بنا دیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بے شک میں تمہارا ساتھی ہوں اور جب دونوں لشکروں کا آپس میں مقابلہ ہوا, تو وہ الٹے پاؤں بھاگ گیا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے بے شک اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اسلام میں جنگ، طریقہ اور مقصد:۔

آیات مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب ابو سفیان قافلہ کو بچا کر ساحل کے ساتھ نکل گیا۔ اس نے دوسرا قاصد مکہ روانہ کیا اور ابو جہل کو پیغام بھیجا کہ تم اب واپس چلے جاؤ۔ ہم مسلمانوں کے علاقہ سے نکل آئے ہیں لہذا اب فوج کی ضرورت نہیں۔ ابو جہل لشکر لے کر مکہ سے باہر آچکا تھا اور بدر کی طرف رواں دواں تھا۔ اس نے کہا اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے۔ جب تک وادی بدر نہ پہنچ وہاں ہم اونٹ ذبح کریں گے شراب پئیں گے اور ہماری باندیاں ہمیں جوش دلانے والے نغمے سنائیں گی اور جب بھی عرب ہمارا ذکر کریں گے تو ہم سے خوفزدہ ہوں گے۔ ہماری شان و شوکت کے قصے بطور مثال بیان کریں گے۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اس طرز فکر سے روکا ہے کہ تم اس طرح کی جنگ کے لئے نہ نکلو۔ اتراتے اور تکبر کرتے ہوئے۔ غرور اور اس کا مقصد لوگوں کو ڈرانا ہو۔ کیوں کہ اس طرح جنگ کا مقصد نہ تو دفاع، انسانیت کی فلاح یا انسانی کی حقوق کی حفاظت ہے۔ بلکہ یہ نو آبادیاتی طرز فکر، طاقت کا نشہ اور دوسروں پر قوت اور دھاک بٹھانا ہے۔ جبکہ مسلمان اپنے دفاع، ظلم کو روکنے، انسانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے جنگ کرتا ہے۔ تاکہ ہر انسان کو مرضی کے مطابق اللہ کے قوانین پر عمل کرنے کی آزادی ہو، اگر کوئی ادمی جھگڑا نہیں کرتا اور فساد نہیں پھیلاتا تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اس مدافعانہ جنگ میں تکبر، فسطائیت اور ظلم کا انداز اختیار کرنے سے منع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ مقابلہ اللہ کے دشمن سے ہے۔ اسلام کا فلسفہ جنگ تمام ملکوں کے نو آبادیاتی یا معاشی ومادی سلطنت کے لئے نہیں، بلکہ مسلمانوں کو محفوظ رکھنے اور ساتھ والے ملک میں مسلمانوں کو ظلم سے بچانے کے لئے ہے۔ جنگ کا سبب بھی آیت میں ہے کہ اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے خلاف ہے۔

شہادت ہے مقصود مطلوب مومن   نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جنگ کیوں؟

آیت میں جو ظلم تکبر کرنے والے ہیں انکی جنگ کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ شیطان، ان کے دماغ میں تکبر اور اور قوت کا زعم ڈال دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس طاقت زیادہ ہے اور وہ مخالف کو کمزور سمجھتا ہے۔ اس طرح جلد ہی حملہ کر دیتا ہے۔ لیکن میدان جنگ میں وہی کامیاب ہوگا جسکے اندر لڑنے، دفاع کرنے یا قبضہ کرنے کی قوت و صلاحیت ہوگی۔ اور یہ صرف بامقصد جنگ کے لئے ہوسکتی ہے۔ پھر وقت آنے پر جنگ کے خیالات دینے والا شیطان، تو صرف خیال ہوتا ہے۔ لیکن میدان جنگ میں وہ قوم، لوگ جو محض معمولی مقاصد کے لئے لڑتے ہیں اور جذبہ سے محروم ہوتے ہیں ناکام ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو سزا ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی جنگ میں حق اور باطل، ظلم اور عدل کا فیصلہ ہو جائے، بلکہ یہ سلسلہ، روز و شب کی طرح چلتا ہے، لیکن آخر کار حق، انصاف اور انسانیت کی فتح ہوتی ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے کہہ رہے تھے کہ ان کو ان کے دین نے ورغلا رکھا ہے اور جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو بیشک اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾

اور اگر آپ دیکھیں جب فرشتے کافروں (انکار کرنے والوں) کی جان نکالتے ہیں اور وہ ان کی چہروں اور پشتوں پر مارتے اور کہتے ہیں آگ کا عذاب چکھ لو۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۙ ﴿۵۱﴾

اور یہ (عذاب) ان (اعمال) کے بدلہ میں ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

وہ لوگ جو دل سے مسلمان نہیں تھے۔ حضور علیہ السلام اور مسلمانوں سے کینہ رکھتے تھے

بظاہر مسلمان نظر آتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان اتنے کیوں جذبہ جنگ میں آگے ہیں اور سمجھتے تھے کہ مذہب نے ان کو ورغلا دیا ہے کہ موت کی شدت کو بھول گئے ہیں۔ حالانکہ مسلمان تو صرف اللہ کی محبت میں اور اللہ پر توکل کرتے تھے اس لئے اسباب پر سارا انحصار نہیں کرتے۔ اس کے بعد اللہ کے احکام سے انکار کرنے والوں کی موت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ ان کی موت کے وقت وہ میدان جنگ ہو یا گھر اس میں ان پر عذاب ہوتا ہے۔ موت یعنی روح کے نکلتے وقت ایسا لگتا ہے جیسے چہرے اور پیٹھ پر درے مارے جارہے ہیں لیکن وہ بات نہیں کرسکتے۔ اس قدر شدید کیفیت ہوتی ہے اور انہیں آگے عذاب اور تکلیف نظر آرہی ہوتی ہے۔ یہ عذاب ان پر اعمال کی وجہ سے ہے، جو وہ اپنے خالق کے حقوق (حق عبودیت) سے انکار کرتے ہیں، اس کے احکام جو سارے انسانی فلاح کے لیے ہیں ان سے انکار کرتے ہیں اور ان کا انکار محض ان کی نفسانی خواہشات اور شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت اور انبیاء کی رہنمائی پر عمل نہیں کرتے، اس طرح اپنے اوپر جزا و سزا کے تحت ظلم کرکے سزا کے مستحق بنتے ہیں۔ یہ سب انکے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اعمال کس قدر اہم ہیں اور اس دنیا میں ہمیں اپنے محدود وقت میں اپنی اصلاح کے لیے کام اور نیک اعمال میں پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ آخرت میں میں کامیابی ہو۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۵۲﴾

(ان کافروں کا حال) قوم فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے حال جیسا ہے، انہوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث (عذاب میں) پکڑ لیا۔ بے شک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌۙ﴿۵۳﴾

یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ، اللہ کسی نعمت کو بدلنے والا نہیں جو اس نے دی ہے، یہاں تک کہ لوگ از خود حالت نعمت کو بدل دیں، بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴿۵۴﴾

یہ (عذاب بھی) قوم فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے دستور کی مانند ہے۔انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا، سو ہم نے ان کی گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر ڈالا اور ہم نے فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب کے سب تھے ظالم تھے۔

آیات مبارکہ کفار (اہل مکہ) کی شکست کے اسباب کا ذکر ہے اور کفار مکہ کے کردار کو فرعون کے کردار سے مماثلت دی ہے کہ اہل مصر نے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کیے۔ حضرت موسیٰ کی بار بار تنبیہ پر توجہ نہ دی اور بالاخر اپنے زعم طاقت میں دریا میں ڈوب کر ختم ہو گئے اس سے پہلے بھی اقوام اسی طرح انبیاء کی دعوت ٹھکرا کر تباہ ہوئیں

تقدیر امم:۔

اللہ تعالیٰ نے آیات مبارکہ میں قوموں کی تقدیر یعنی عروج و زوال بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس کی محنت یا اس کے کام پر انعامات سے نوازتا ہے۔اس کا یہ انعام ان پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس انعام کے لیے تگ و دو اور اس کے مستحق رہتے ہیں، جب ان کا کردار اس نعمت یا انعام کے مطابق نہیں رہتا، تو وہ اپنے اعمال کی وجہ سے اس نعمت سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔انکے برے اعمال ان کی تباہی اور تنزلی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ عروج و زوال یہود کی کہانی، مختلف عیسائی حکومتوں کے ادوار,اور خود امت مسلمہ کی کہانی ہے۔ حضور ﷺ وفات کے بعد تیس سال کے عرصہ میں اسلام اپنے طریقہ حیات، معاشرہ میں عدل و انصاف، حقوق کی پاسداری، سماجی و معاشی مساوات و عدل، کمزوروں اور محتاجوں کی حفاظت کی وجہ سے دنیا کا خوبصورت ترین معاشرہ بن گیا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد کے تمام تہذیبوں، رومیوں اور ایرانیوں کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ ان کے معاشرے بھی اس میں ضم ہو گئے۔ پہلے سو سال کے اندر اسلام دنیا کی اس وقت کی مہذب ترین قوم، ترقی یافتہ افراد کا معاشرہ، سماجی یا معاشی انصاف کا بہترین نمونہ تھا۔پانچ سو سال کے بعد جب مسلمانوں نے اسلام کے احکام کو نظر انداز، حکمران وقت اپنی ذاتی خواہشات پر آ گئے،

انسانی حقوق و عدل و انصاف پر توجہ دینے کی بجائے ذاتی عیاشیوں اور اقتدار کے لیے سب اصول قربان کر دیے، اقتدار کی ہوس، اخلاق کی تباہی نے مسلمانوں کو پستی کا شکار کر دیا۔ ان کی سلطنت ختم ہوئی، پھر بالآخر ہند میں انگریزوں کے غلام بن گئے۔ جنوبی یورپ، سپین میں بھی ختم ہو گئی پھر مشرقی یورپ میں حکومت عثمانیہ ختم ہو گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمان ممالک یورپ کے ماتحت ہو چکے تھے۔ اسلامی ملکوں کے معاشرے اس تنزلی کے وقت، عدل و انصاف، انسانی حقوق اور مخلص قیادت سے محروم ہو چکے تھے۔ ان کے حکمران دنیا کے عیاش ترین افراد تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر دیا، آج بھی یہی حالت ہے۔ یہی آیت نمبر 53 کا نچوڑ ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾

بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾

یہ (وہ) لوگ ہیں جن سے آپ نے (کئی دفعہ) عہد لیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے اور وہ نہیں ڈرتے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾

پس اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں، ان کو دھتکار دیں تاکہ ان کے پیچھے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور تم کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو، تو ان کا عہد اسی طرح (برابر، برابر) ان کی طرف پھینک دیں، بے شک اللہ عہد توڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

عہد کی اہمیت اور معاہدے:۔

انسان کے اس رویہ کا ذکر ہے، جب اس کا کردار حیوانات سے بھی گر جاتا ہے اور وہ کیفیت و حالت یوں ہے کہ انسان اللہ کے احکام سے انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ قوانین و

اصول انسان کی فلاح کے لیے ہیں اس لیے ان سے انکار، انسان کو انسان کی عظمت اور خلیفۃ اللہ سے گرا کر انتہائی کم درجہ پر لے جاتا ہے۔ جس کا مصداق کفار مکہ تھے۔ جن کے اخلاق انتہائی گر گئے کہ وہ اسلام کے نور سے اپنے آپ کو محروم کر رہے تھے۔ برے اخلاق کا ایک نہایت اہم حصہ وعدہ کو توڑنا ہے۔ جو کہ ایک دھوکا ہے۔ معاملات میں انتہائی برا اور بڑا گناہ ہے۔ یہود بنی قریظہ کا واقعہ ہے کہ میثاق مدینہ کے باوجود انہوں نے جنگ کے موقعہ پر کفار مکہ کو اسلحہ فراہم کیا، جبکہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنے کا معاہدہ تھا اور جب کفار کو شکست ہوگئی تو معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ نہیں کریں گے۔ اسکے بعد غزوہ خندق کے موقع پر پھر توڑ دیا اور مسلمانوں کی مخالفت کی۔ غزوہ خندق کے بعد حضور ﷺ نے ان کو نکل جانے کا حکم دیا، یہ اسلئے حکم ہوا کہ جو لوگ وعدہ توڑتے ہیں اور اپنے عہد کا پاس نہیں رکھتے وہ قابل اعتبار نہیں رہتے۔ کسی وقت بھی شدید دھوکہ دے سکتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سارا معاشرہ یا ساری فوج یا حکومت تہس نہس ہو سکتی ہے۔ اس لیے ان کو دھتکارنا چاہیے۔ ان کو اعمال کی سزا ایسی دینا چاہیے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو، اور اپنا بھی محفوظ طریقے سے دفاع ہو۔ معاشرہ، حکومت یا فوج کو کوئی نقصان نہ ہو۔ الفاظ تثقفنهم میں ثقفت کا مطلب ہے، جب پوری مہارت کے ساتھ کسی چیز کا ادراک ہو جائے یعنی جب جنگ کے موقع پر قابو پایا جائے۔ فشرد هم میں تشرید کا معنی ہے مضطرب پریشان اور تتر بتر کر دینا، یعنی اس قدر قوت جمع کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ پھر بدعہدی کر کے نقصان دے سکیں۔ یہ اس لئے کہ دوسرے افراد، ریاستیں یا لوگ اپنے معاہدوں کا اہتمام کریں اور عہد شکنی نہ کریں۔

اسلام میں معاہدہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالی نے عہد کے توڑنے والوں کو خائن (بددیانت) قرار دیا ہے اور اسے ناپسند فرمایا ہے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ اگر فریق ثانی نے عہد شکنی نہ کی ہو اور نہ عہد شکنی کرنے کی علامت یا آثار ہوں تو پھر بغیر اعلان کے معاہدہ ختم کرنا یا توڑنا جائز نہیں اور معاہدہ کی مدت پوری کرنی ضروری ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن اس کی عہد شکنی کے برابر جھنڈا نصب کیا جائے گا اور سنو! امیر المسلمین کی عہد شکنی سب سے بڑی ہے۔ (الصحیح المسلم باب الجہاد)

حضرت عنبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ، جس میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاہدہ توڑ کر حملہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے جس شخص اور کسی قوم کے درمیان کوئی عہد ہو، تو نہ وہ کوئی گرہ باندھے اور نہ ہی کوئی گرہ کھولیں حتیٰ کہ معاہدے کے آخری مدت گزر جائے یا ان کی طرف ان کا عہد برابر پھینک دے (سنن ابی داود)۔ حضرت معاویہ نے یہ سن کر افواج واپس بلا لیں اور حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اگر فریق مخالف نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور پھر تلافی نہیں کی بلکہ اس کا رویہ مخالفانہ اور غیر مصالحانہ ہے اور عہد شکنی دوبارہ یقینی ہے تو معاہدہ ختم کیا جا سکتا ہے اگر چہ مدت پوری بھی نہیں ہوئی۔ اسکے اعلان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی کیونکہ وہ خلاف ورزی کر چکا ہے۔

رئیس حکومت کی عہد شکنی:۔

حکومت کے سربراہ کی عہد شکنی بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اس کی عہد شکنی کا نقصان ایک عام فرد کے مقابل بہت زیادہ ہے کیونکہ رئیس مملکت اپنے عہد کو (اپنے مرتبے سے) پورا کرنے پر ہر طرح کی طاقت وقدرت رکھتا ہے جبکہ ایک آدمی مجبور بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی عہد شکنی کی کئی صورتیں ہیں۔ (ا) اپنی رعیت سے کیے گئے وعدے پورے نہ کرے

(ا) دوسرے ممالک سے وعدے پورے نہ کرے یا خلاف ورزی کرے۔

(1) امانت میں خیانت کرے۔

(2) جو مسلمانوں نے اسے سربراہی سونپی ہے اس کو پوری طرح نہ کرے اپنے فرائض صحیح طور پر ادا نہ کرے۔

(3) مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرے۔

(4) سرکاری خزانہ بیت المال میں خیانت کرے۔

(5) قومی خزانہ کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرے۔

اگر سربراہ مملکت خیانت کریں گے۔ معاہدے کا اہتمام نہیں کریں گے تو دوسری اقوام و ممالک مسلمان ممالک کا اعتبار نہیں کریں گے اور مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ

خراب ہو گی۔ دوسری طرف مسلمانوں کا بھی فرض ہے جب ایک امیر المسلمین کو منتخب کیا ہے اس کی پوری مدد کریں اس کو تسلیم کریں اس کے خلاف بغاوت نہ کریں اور اتحاد ملت میں فساد نہ پیدا کریں۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور کفر (انکار) کرنے والے اس گمان میں ہرگز نہ رہیں کہ وہ نکل گئے (بچ کر) بیشک وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور (اے مسلمانو) ان (دشمن) کے لیے تم جس قدر ہو سکے قوت تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے بھی، اس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراتے رہو اور ان کے سوا دوسروں کو بھی (چھپے ہوئے) جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ (دشمن) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

دفاع کی اہمیت اور طریقہ دفاع:۔

جنگ کا موضوع جاری ہے۔ احکام الہٰی سے انکار کرنے والے اپنی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ اگر کسی وجہ سے ایک دفعہ سزا نہ ملی تو دوسری دفعہ ضرور ملے گی لہذا ان کا خیال کہ وہی طاقت والے ہیں غلط ہے۔ مسلمانوں کو اپنے دفاع سے غافل نہ رہنے کا حکم ہے۔ انہیں اپنا دفاع ہر طرح سے مکمل اور بہترین کرنا چاہیے۔ ہر وقت مستعد اور کسی بھی ناگہانی صورت کے مقابلہ کے لیے تیار رہیں ان کی طاقت اس قدر ہو کہ ان کے مخالف ان سے خوف کھائیں اور انہیں ترنوالا نہ سمجھیں۔ دشمنوں کے بارے بھی بتایا کہ دشمن سامنے اور

چھپے ہوئے دونوں طرح کے ہوسکتے ہیں۔ لہذا صرف سامنے والے دشمن کے لحاظ سے تیاری کافی نہیں بلکہ چھپے ہوئے کو بھی زیر غور رکھنا ضروری ہے۔ دفاع پر خرچ کرنے کی اہمیت واضح کی ہے۔ کہ دفاع پر خرچ ضائع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اسکا بدلہ عطا کرتا ہے۔ دفاع مضبوط ہونے کی وجہ سے امن داخلی وخارجی رہتا ہے۔ تجارت محفوظ رہتی ہے۔ بین الاقوامی احترام ہوتا ہے۔ دوست زیادہ بنتے ہیں ان سب امور کے معاشی فوائد ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کیطرف سے انعام ہے۔ طریقہ دفاع میں قوت مدافعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ دشمن کو شکست کا خوف ہو۔ یہ اس وقت ہوگا جب مسلمان ممالک کی افواج کی ٹریننگ اور ٹیکنالوجی بہتر ہوگی یعنی Deterrent ہوگا۔ اس دور کے گھوڑے، تیر اندازی اور آج کے ٹینک، توپخانہ، میزائل اور ہوائی جہاز ہیں۔ ان میں مسلمانوں کو آگے بڑھنا بہت ضروری ہے اور اگر وہ دفاعی سامان میں دوسرے ممالک کے محتاج ہوں گے تو دفاع کیا کریں گے کسی اور پر منحصر ہوگا۔ دفاعی معاملات میں خود انحصاری بہت ضروری ہے۔ اسلام نے گھوڑوں پر زکوۃ نہیں لگائی کہ وہ دفاع کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے تیر اندازی کو ہمیشہ پسند فرمایا اور اس کی تعریف کی، اسی طرح گھوڑے رکھنا، گھڑ سواری، نیزہ بازی یہ سارے کھیل جو دفاع کے لئے بہت اہم ہیں ان کو پسند فرمایا اور کئی احادیث میں ان کی ترغیب دی گئی آج بھی امت مسلمہ کو چاہیے کہ لازمی دفاعی سروس ہو تاکہ ہر نوجوان ابتدائی دفاع اور شہری دفاع سے واقف ہو اور اس کا اہتمام کرے۔

مخالفت کے اسباب:۔

دشمن کی تعریف میں آیت مبارک میں لفظ آیا ہے "کہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراتے رہو"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے دشمن وہ نہیں جو کسی زبان، قوم یا معاشی مفادات کی وجہ سے ہوں۔ بلکہ اسلامی ریاست کی مخالفت "انسانیت کے اصولوں" پر ہے۔ کہ وہ خدا کے دشمن ہیں یعنی جہاں انسانیت مشکل میں ہو اور جہاں خدا کے وجود کو نہ مانا جائے وہ اسلام کے دشمن ہیں لیکن اگر وہ امن میں ہیں اور مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے تو مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگلی آیت میں اس کا واضح حکم فرمایا۔

مخالفت یا صلح پسندی:۔

آیت مبارکہ (61) میں واضح حکم فرمایا اگر وہ امن چاہیں تو ان کے ساتھ امن رکھا جائے اور دشمنی کی فضا نہ پیدا کی جائے۔ بلکہ مضبوط دفاع کا بندوبست کرکے اللہ پر توکل کی جائے اور امن کو پورا پورا موقع دیا جائے۔ اصولی طور پر اسلام صلح جوئی کو ترجیح دیتا ہے۔ لیکن جب یہ ممکن نہ ہو تو امن کے لیے جنگ بھی ضروری ہے،۔ اگر مسلمان کمزور ہو ں تو مال دے کر بھی صلح کرنی چاہیے تاکہ زیادہ نقصان نہ ہو۔ اگر صلح میں مصلحت ہو تو مال لے کر بھی صلح کر سکتے ہیں۔ اگر طاقت وقوت ہے اور دشمن صلح نہیں کرتا اور نقصان کرنے پر تلا ہے تو پھر یقیناً صلح جائز نہیں۔ اگر کوئی ملک ،مسلمان کو مذہبی آزادی نہیں دیتا تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ وہاں فساد نہ کریں اور وہاں سے ہجرت کرکے مسلمان ملکوں میں نقل مکانی کریں۔ مسلمان ملکوں کا فرض ہے کہ ان کو وہاں آباد کریں اور اگر وہ ملک نقل مکانی بھی نہیں کرنے دیتا، تو مسلمان ملک کا فرض ہے اس کے لیے کوشش کرے اور جنگ اسی وقت کرے جب اس کے پاس وسائل ہوں۔ اگر وسائل نہ ہوں تو جنگ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس طرح مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان ہوگا۔ مسلمانوں میں حقیقی قوت اسی وقت ہوگی جب مسلمان ملکوں میں اللہ کا نظام یعنی انسانی حقوق, معاشی مساوات, سماجی حقوق, حق عدل و انصاف کی سہولت کا پورا پورا اہتمام اور نظام ہو اور اسی صورت میں اللہ کی نصرت اور مدد بھی مسلمانوں کو ملے گی اگر اسلام کے حقوق العباد کا انتظام موجود نہ ہوگا تو اللہ کا فضل قطعاً شامل نہیں ہوگا بلکہ عذاب کا خطرہ ہر وقت منڈلائے گا۔

جنگی قیدی:۔

اسلام میں جنگی قیدی تھے۔ جنگ بدر، اسلام کی پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے کفار مکہ کے لوگوں کو قید کیا جو سخت دشمن تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان کو فدیہ لے کر اور اور چند کو جن کے وسائل نہیں تھے بغیر فدیہ کے مہربانی کرکے رہا فرمادیا تھا۔ اسلام انسانیت پسند ہے اسلام نے جاہلیت کے ایام کے غلاموں کو بھی آزاد کر دیا اور ان کے لیے غیر مسلم کے مقابلے نکاح میں ترجیح دی۔ ایسے بہت سارے لازمی اور اختیاری اسباب بنائے جن میں غلام کو آزاد کرنا ضروری ہو گیا۔ اس زمانہ میں لوگ دوسری قوموں کے ساتھ جنگ میں جن عورتوں کو جن کے خاوند مر جاتے یا جو دونوں قید ہو جاتے ان کو غلام بنا لیتے تھے۔ چونکہ دشمن بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی

سلوک کرتا، اس لیے مسلمانوں نے بھی ایسے ہی سلوک کی اجازت دی، لیکن ترجیح انسانی آزادی کو دی۔ حضرت عمر فاروق نے جب ایران فتح کیا تو وہاں کے باشندوں کو وہاں کی زمین دے کر جزیہ کے تحت امن دیا اور وہ اسلامی حکومت کے دفاع سے بھی بچ گئے۔ اسی طرح خیبر میں حضور نے وہاں کی زمین ان کو جزیہ کی بنا پر مزارعت اور آزادی دے دی۔ اب جبکہ غلامی یورپی اور افریقی ممالک میں بھی ختم ہو چکی ہے تو اس کا تصور کہ اسلام اسے کرے گا انتہائی لاعلمی ہے۔ اسلام انسانیت کے حقوق، احترام اور مساوات کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا علمبردار، عدل و انصاف کا نقیب ہے۔ حسن عمل اور کار خیر میں تمام انسانوں اور قوموں سے آگے ہے، اس لیے ایسا اسلام پر دھبہ لگانا، اسلام کی روح کے منافی ہے۔ کسی آیت میں جنگی قیدی کو غلام بنانے کی ہدایت نہیں کی گئی، بلکہ ان کو فدیہ لے کر رہا کرنے کی ہدایت دی۔ اگر نبی کو علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو رواج کے مطابق جہاں جنگ میں مخالف کو غلام بنا دیتے تھے غلام بنایا لیکن جس طرح پہلے ذکر کیا ہے کہ جنگ بدر میں چھوڑ دیا گیا۔ قیدی بنانا رخصت کا عمل تھا یعنی اجازت تھی اور چھوڑنا عزیمت تھی کہ اعلیٰ انسانی اقدار کا عمل تھا۔ جس طرح آیت میں ہے (جزا ئ سئیت سئیتہ مثلھاوممن عفافا صلح فاجرہ۔ سورۃ الشوریٰ 40) اور برائی کا بدلہ اس کی مثال برائی ہے پھر جو شخص معاف کر دے اور (برائی کی) اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔ لیکن مستامن (امن طلب کرنے والے) یا امن دیا گیا ہو، اہل ذمہ، عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا، کچھ حالات میں وہ قیدی جو خطرناک ہوں ان کے قتل کے بھی احکام، ضرورت ہوتے ہیں اور انکا حکم اس آیت میں ہے کہ "جہاں مشرکین کو پاؤ قتل کرو، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو واقعی خطرہ ہوتے ہیں۔"

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾

اگر وہ چاہیں گے کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بے شک آپ کے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے طاقت بخشی۔

وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾

اور اسی نے ان مسلمانوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی، اگر وہ سب کچھ جو زمین میں ہے خرچ کر ڈالتے تو بھی آپ ان کے دلوں

میں الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان محبت و الفت پیدا فرمادی، بیشک وہ بڑے غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۶۴﴾

اے نبی! آپ کے لیے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کرلی، اللہ کافی ہے۔

جنگ کا مضمون جاری ہے پچھلی آیت میں جنگ اور امن و صلح کی بات کی تھی ۔اب نبی علیہ السلام کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اگر آپ کے مخالف ،انکار کرنے والے، آپ کو دھوکہ دیں تو آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے ساتھ آپ کے مخلص ساتھی ہیں اور پھر ان سے بڑھ کر اللہ تعالی کی ذات کی مدد و نصرت شامل ہے۔ تو آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ساتھیوں کی محبت و الفت کا ذکر یوں فرمایا کہ اللہ نے مہاجرین اور انصار جو ایک قبائلی معاشرہ کا حصہ تھے۔ ایک مکہ معظمہ کے رہنے والے یہاں سارا ماحول تجارتی تھا، انداز فکر و حیات مختلف تھا، دوسری طرف اہل مدینہ کے قبائل جن کا رہن سہن زرعی معاشرہ تھا، یہاں کے دو مشہور قبائل اوس و خزرج کے درمیان قدیمی دشمنی تھی اور دونوں قبائل میں سے چند افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ یہود کے ساتھ کئی سالوں سے رہ رہے تھے اور ان سے عرب متاثر تھے۔ پھر ان دو مختلف المزاج اور مختلف قبائل کے افراد نے اخوت اور بھائی چارہ قائم کیا جس کی مثال آج تک دنیا نہیں دے سکی۔ ہر اہل مدینہ مسلمان نے اپنی آدھی جائیداد، مال، گھر مکہ سے آنے والے دوسرے بھائی کے حوالہ کردیا، حتی کہ ان کی خوشی و آرام کی خاطر اگر دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر اس بھائی کے حوالے کر دی۔ یہ سارا نظام مواخات اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ تھا اور اس میں آپ کی ذات بابرکات کی رہنمائی شامل تھی۔ اس طرح کی محبت و اخوت آج تک دنیا نے نہیں دیکھی اور ایسی اخوت و مؤدت مادی فوائد کے ذریعہ حاصل نہیں کی جا سکتی ۔ یہ صرف اللہ تعالی کا فضل و کرم تھا اور نبی آخر الزمان کی رہنمائی تھی۔ اس کے علاوہ اللہ کی نصرت کے لئے اخلاص سے بھرا عمل، احکام کی اتباع کے ساتھ اسلامی معاشرہ کا وجود بہت ضروری ہے، ورنہ کوئی ادمی اللہ کی رحمت کا مستحق اور مومنین کے اعلی درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴿۶۵﴾

اے نبی: آپ ایمان والوں کو قتال (جنگ) کی ترغیب دیں۔ اگر تم میں سے جنگ میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کفار (انکار کرنے والوں) پر غالب آئیں اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ کافروں (انکار کرنے والوں) میں سے ایک ہزار پر غالب ائیں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے (یعنی آخرت اور ایمان کی)۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴿۶۶﴾

اب اللہ نے تم پر تخفیف (بوجھ ہلکا) کر دی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کفار پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیات مبارکہ جنگ کے موضوع پر ہیں۔ غزوہ بدر کے احوال کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے ایمان، ان کے جذبہ، اللہ سے محبت اور اپنے مشن سے لگاؤ، کی وجہ سے ان کی جسمانی اور اعصابی قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ روایات میں ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی جس میں ایک مومن، صابر اور یہاں صابر کی تعریف یہ ہے کہ میدان کارزار میں ثابت قدم رہنے والا، گھبرانے والا نہ ہو، چوکس اور چوبند ہو اس صورت میں ایک مسلمان دس غیر مسلموں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ آیت میں معیار تھا۔ عمومی طور مسلمان تمام کفار کے ساتھ مقابلوں میں کافی کامیاب اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔لیکن ایک اور دس کے اعلان کے بعد صحابہ کرام کو گھبراہٹ ہوئی، اگر کسی وجہ سے اس معیار سے گر گئے تو کیا ہو گا؟ پھر دوسری آیت آئی جس میں دس کے بجائے دو کا معیار مقرر کیا گیا۔

قوت کی وجوہات: مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ میں دونوں طرف کی افراد کی قوت دفاع اور قوت حملہ میں فرق تین وجوہات پر ہے، جو بہت اہم

ہیں۔ مومن جب میدان جنگ میں ہے تو وہ اس زندگی کے مقابل دوسری زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور شہادت یعنی موت اس کے لئے ایک اعزاز ہے۔ جب کہ ایک غیر مسلم دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دیتا ہے اور وہ موت سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اس جذبہ سے محروم ہوتا ہے جس جذبہ کے تحت ایک مسلمان لڑتا ہے۔ دراصل یہ جنگ کے مقصد کا فرق ہے کہ مومن کے سامنے اللہ کی رضا اور اسلام کی ترویج، تاکہ دنیا کو اسلام کی فلاح مل سکے جبکہ دوسرے شخص کے سامنے ایک عام عمل ہے۔ غیر مسلم کے سامنے مقصد جنگ صرف دفاع ہے۔ اس لیے وہ دفاعی سامان پر بھروسہ کرتا ہے اور اس سامان میں کمی آجائے تو کمزور ہو کر گھبرا جاتا ہے، جبکہ ایک مومن چونکہ اس کا مقصد دفاع کے ساتھ، ایک ذات کی رضا، اسکے حکم کی تعمیل اور انسانیت کی بھلائی ہے، اس لئے وہ اسباب کا بھرپور استعمال کرتا ہے، لیکن کسی کمی کی صورت میں گھبراتا نہیں، بلکہ امداد ربانی کی پوری توقع رکھتا ہے۔ تیسرا عمل ایک نفسیاتی اطمینان ہے مومن اپنے یقین اور جذبہ کی وجہ سے مطمئن ہوتا ہے، کامیابی کے حصول کے بغیر اس کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان سب اس کے بہت بڑے محرک اور اطمینان کے ذریعے ہیں۔ جبکہ ایک غیر مسلم ان اعلیٰ اقدار سے محروم ہوتا ہے اس لئے فوری طور پر اس میں گھبراہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ صبر اور ثابت قدمی سے وہ محروم ہوتا ہے۔

یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو پہلے ایک مقابلہ دس اور بعد میں ایک کے مقابل دو کے ساتھ مقابلہ کا معیار مقرر گیا۔ اس آیت کے بعد صحابہ کرام کو اطمینان مل گیا اور فی الواقعہ مسلمانوں نے اپنے سے کئی گنا لشکروں کو شکست دی اور سب سے اہم خاصیت اسلامی لشکر میں صبر اور قوت برداشت ہے جو ثابت قدمی کا سبب بنتی ہے اور دونوں آیات میں اس صفت کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے پاس قیدیوں (دشمن) کو رکھے جب تک زمین میں اچھی طرح کچل نہ دے (توڑے) تم دنیا کے اسباب

وآرام چاہتے ہو اور اللہ کے پیش نظر آخرت کے لئے ہے اور اللہ

بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴿۶۸﴾

اگر اللہ پہلے سے فیصلہ نہ کر چکا ہوتا، تو تم کو اس کے لینے پر بڑا

عذاب پہنچتا

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۶۹﴾

پس تم کو جو مال غنیمت ملا ہے اس میں سے کھاؤ حلال اور پاک ہے

اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان

ہے۔

آیات مبارکہ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئیں اور غزوہ بدر کی احوال کے بارے احکام میں دو امور اہم ہیں۔ ایک فتح جس میں ستر کے قریب قریش کے نامور سردار مارے گئے، دوسری ستر قیدی ہوئے۔ جو بڑی آن بان کے ساتھ سامان لے کر آئے تھے، بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کے قبضہ میں وہ سامان آیا۔ اس سے پہلے قوموں میں مال غنیمت کی اجازت نہیں تھی بلکہ وہ جلا دیا جاتا یا اسے آگ جلا دیتی۔ اس موقع پر صحابہ نے سامان کو اکٹھا کیا اور یہ خیال تھا کہ جس نے جو لیا اس کا ہو گیا اور جلدی میں چیزیں اکٹھی کر لیں گئیں۔ جب کچھ صحابہ نے چیزوں کو اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی تو آپ نے منع فرما دیا اور آیت مبارکہ کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کو مال غنیمت کا اختیار مل گیا۔ اس موقع پر غنیمت میں جلدی کو اللہ تعالی نے پسند نہیں فرمایا، لیکن اس کو معاف کر دیا گیا۔ دوسرا معاملہ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا تھا۔ سب قیدی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، جنہوں نے ان کی زندگیوں کو تنگ کر کے ہجرت پر مجبور کر رکھا تھا۔ رواج کے مطابق ان کو قتل کر دیا جاتا، جس طرح جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔ نبی علیہ السلام معاملات میں ہمیشہ جمہوری انداز اختیار فرماتے اور اپنے احباب سے مشورہ کرتے، اس موقع پر بھی آپ نے مشورہ کیا، اکثر صحابہ نے تین بنیادوں پر فدیہ لینے کی رائے دی، اس میں حضرت ابو بکر صدیق بھی شامل تھے۔ (1) موجودہ مالی مسائل اور نئی سلطنت میں اخراجات کی وجہ سے

نقدی کی ضرورت تھی اور اسے فدیہ کے ذریعے ان مسائل کو حل کیا جا سکتا تھا۔(2) ان افراد میں امکان تھا کہ لوگ بعد میں مسلمان ہو جاتے جس طرح بہت سارے اس کے بعد مسلمان ہو گئے۔(3) اہل مکہ پر ایک طرح کا احسان تھا، کہ ان کے ظلم کے مقابل اسلام اور مسلمان انسانیت پسند ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر آپ نے یہی فیصلہ کیا کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کی رائے تھی کہ جس طرح ان لوگوں نے اسلام دشمنی کی ہے، ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ان کا کوئی بھروسہ نہیں پھر یہ دشمنی کریں گے۔

کفار قیدیوں کی رہائی، دراصل ستر نامور کفار کے قتل کے بعد ہوئی تھی۔ لیکن آیت میں فرمایا گیا کہ دشمن کی قوت کو ختم کرنا ضروری ہے اور یہ بھی قتل کر دیے جاتے تو ان کی قوت اور بھی ختم ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے جلدی فیصلہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا اور یہ تنبیہ ان نوجوان مجاہدین کی رائے کے خلاف تھی اور اس نقطہ نظر کے خلاف تھی کہ فوائد حاصل کیے جائیں لیکن تمام امور کو معاف کر دیا گیا اور شرکائے بدر کو عظیم تر درجہ عطا فرمایا گیا۔

آیات مبارکہ کے چند اہم ہدایات واضح ہیں۔ 1. اسلام دشمن افراد یا قوم جو بالفعل مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور جنگ کر رہی ہو اس کی طاقت ختم اور پارہ پارہ کرنا ضروری ہے ۔ تاکہ مسلمان مملکت امن کے ساتھ رہ سکے۔ 2. مالی فوائد کو دفاعی فوائد پر ترجیح نہیں دینی چاہیے کیونکہ قومی مفاد و سلامتی، مضبوط دفاع سے منسلک ہے۔ 3. اشیاء کا استعمال پاک صاف اور حلال طریقہ سے ہونا ضروری ہے اور تقویٰ ایک اہم عنصر ہے جو ہر وقت مسلمان میں ہونا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

اے نبی! آپ ان سے جو آپ کے ہاتھوں میں قیدی ہیں کہہ دیجئے کہ اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں بھلائی جان لی تو تمہیں اس مال سے بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا جا چکا ہے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور اگر وہ آپ سے (اے نبی) خیانت کرنا چاہیں تو یقیناً اس سے قبل
اللہ سے خیانت کر چکے ہیں۔ (اس لیے) اس نے ان میں سے بعض کو
آپ کے قبضہ میں دے دیا اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

آیات مبارکہ میں بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ ایک بڑی وجہ فدیہ لینے کی یہ تھی کہ قتل کے رواج کے باوجود ان لوگوں کو زندگی دی گئی، جبکہ انہوں نے مسلمانوں کی مخالفت کی اس کا ان پر اچھا اثر ہوگا اور یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان میں سے کچھ افراد نے اسلام کا اعلان بھی کر دیا۔

عظیم لیڈر وہ ہوتے ہیں جو انصاف دیتے ہیں. رشتہ داری ان کے اصولوں کو کمزور نہیں کرتی نہ ہی انصاف کے آڑے آتی ہے۔ اس کی ایک مثال حضرت عباس بن عبد المطلب کی رہائی اور فدیہ تھا۔ نبی علیہ السلام نے ان سے نہ صرف ان کا فدیہ لیا چونکہ وہ مالدار تھے اس لیے ان سے عقیل بن ابی طالب، نوفہ ابن حارث، عتبہ بن محرم کا فدیہ دینے کے لئے حکم دیا۔ انہوں نے گزارش کی کہ ان کے پاس 20 اوقیہ سونا تھا جو کہ مال غنیمت میں گیا ہے وہی فدیہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے دل میں اسلام قبول کر لیا تھا مگر قریش ان کو، جناب عقیل بن ابی طالب کو زبردستی لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں چونکہ اب مخالف ہو کر آئے ہیں اس لیے آپ کا بیان قبول نہیں۔ وہ مال غنیمت اور ہے اور فدیہ علیحدہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس مزید مال نہیں۔ آپ نے انہیں بتایا کہ کفار کے لشکر کے ساتھ آتے وقت آپ نے اپنی بیوی کو (ام فضل) کے پاس جو رکھا ہے وہ موجود ہے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو حضرت عباس نے کہا واقعی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس کے بارے میرے اور میری بیوی کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا۔ یہ تھا انصاف کہ چچا ہونے کے باوجود ان سے وہی برتاؤ ہوا جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ تھا۔

یہ چند قیدی جو دل میں اسلام کے لیے رجحان رکھتے تھے۔ ان کے لئے مشکل تھی کہ مسلمان بھی ہونا چاہتے تھے اور ادھر مالی جرمانہ فدیہ بھی دے رہے تھے۔ ان کے لئے فرمایا گیا اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے لہذا اگر یہ دیا ہے تو اس کے بعد رزق میں اضافہ ہوگا۔ حضرت عباس کہتے ہیں میں نے بیس اوقیہ سونا دیا لیکن بعد میں

میرے پاس بیس ملازم تھے جو میرا کاروبار چلاتے تھے اس قدر دولت کی فراوانی ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس کے ساتھ دوسری امکانی صورت واضح کر دی کہ اگر یہ لوگ وہاں جا کر اسلام یا مسلمانوں کی مخالفت کریں گے تو کوئی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کو پہلے، ان پر غلبہ دیا ہے پھر بھی دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے وطن چھوڑ دیے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے گھر بار نہ چھوڑے تو تمہیں ان کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے معاملات میں تم سے مدد چاہیں، تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے مقابلہ میں (مدد نہ کرنا) کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح و امن کا معاہدہ ہوا اور ان کاموں کو جو تم کر رہے ہو اللہ خوب دیکھنے والا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم ایسا (آپس کا تعاون مدد) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی حقیقت میں سچے مسلمان ہیں انہیں کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴿۷۵﴾

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے گھر بار چھوڑ دیے (ہجرت کی) اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کی تو وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

بڑا مرتبہ / بڑی قربانی:۔

آیات مبارکہ بدر کے موقع پر اور بعد کے مہاجرین و انصار اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے معاملات پر ہیں۔جن مہاجرین نے مدینہ شریف میں غزوہ بدر کے بعد، صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی، جائیداد رشتہ دار اولاد سب مکہ میں تھے ان کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس کے ساتھ وہ انصار مدینہ جنہوں نے اپنی جائیداد، گھر، ازواج کو طلاق دے کر مہاجرین کو گلے لگایا اور اخوت کی تاریخ رقم کی ان کا مرتبہ اللہ کے ہاں ان کی قربانی کی وجہ سے بہت بڑا ہے۔ اسکے مقابل جو لوگ اپنی جائیداد، رشتہ داروں کی وجہ سے مکہ میں رہے تھے۔اگرچہ یہ مسلمان تھے۔ لیکن چونکہ وہ مدینہ شریف میں اسلامی مملکت کے لیے نہ تو تقویت کا باعث بنے بلکہ ایک طرح کی کمزوری تھی۔کیونکہ ان کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ پریشان رہتے تھے۔ ان کا مرتبہ ان عظیم المرتبہ مہاجرین کے مقابلے میں کمتر ہے۔ ان دنوں ان حالات کی وجہ سے ضروری تھا کہ ریاست مدینہ مضبوط مسلمان محفوظ ہوں ،اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق بسر کریں۔جب مکہ فتح ہوگیا تو ہجرت کی ضرورت ، لہذا اہمیت بھی ختم ہوگئی۔ اس وقت کفار اور دشمن اسلام آپس میں متحد تھے لہذا مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ اگر کہیں مسلمان ہیں جو مجبور ہیں اور اپنی آزادی کے لئے مدد طلب کر رہے ہیں تو دوسرے مسلم ملک کو ان کی مدد کرنی فرض ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی اپنے مذہب کے مطابق گزارنے کی آزادی رکھتے ہوں اور اس کام کے لیے مسلمان حکومت کو، مجبور مسلمانوں کو ظلم و ستم سے محفوظ کرنا واجب ہے۔ہاں اگر اس قوم یا ملک سے معاہدہ ہے تو معاہدہ کی پابندی سب سے مقدم ہے۔ معاہدے کی خلاف ورزی بہت بڑا جرم ہے۔

معاہدے اور امن:۔

حضور نبی علیہ السلام نے معاہدوں کی شدید پابندی کی۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ گیا تو اسے مکہ والے واپس نہیں کریں گے اور اگر کوئی مسلمان مکے سے مدینہ گیا اس کو مکہ واپس کیا جائے گا۔ اسی موقع پر ایک صحابی ابو جندل بن سہیل بیڑیوں کے ساتھ آکر مل گئے، جن کو ان کے والد نے اسلام لانے پر قید کر رکھا تھا۔ مگر آپ ﷺ معاہدہ پر دستخط کر چکے تھے اس لیے انہیں واپس کر دیا اور تسلی دی، اللہ بہتر فرمائے گا۔ وہ صحابہ کرام اس وقت شرائط پر پریشان بھی تھے۔ اس کے بعد بھی کچھ مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ شریف آئے مگر آپ نے معاہدہ کی بنا پر مدینہ شریف رہنے کی اجازت نہ دی اور تسلی دی کہ معاہدہ کی پابندی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کریں گے۔ اس سے ایک بڑا اہم قانون واضح ہے کہ مسلمان جو غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں ان کی شہریت یا ان کو وہاں قیام کی اجازت (ویزا) اس حکومت کے قانون کی پاسداری کے عہد کرنے پر ملتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کسی قسم کے فساد کو وہاں، اسلام یا اللہ کی نام پر جنگ یا اس قسم کی کوشش کرنا خلاف عہد اور جرم ہے۔

ہجرت:۔

اگر ادمی کو اسلامی طرز زندگی اور اللہ کی رضا چاہیے، تو ہجرت کی مثال واضح ہے۔ وہاں سے نکل کر کسی اور ملک میں منتقل ہو کر مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اس ملک میں فساد حرام ہے اور وعدہ کی خلاف ورزی بھی ہے۔ فساد سے اسلام کے بارے برا اثر پڑے گا۔ اسلام فساد کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اصل مرتبہ ہجرت میں یہ ہے کہ زندگی میں گناہوں کو ترک کر کے اللہ کی محبت میں زندگی گزار دے۔

مذہب کے نام پر جنگ:۔

ایک اہم اصول شریعت ہے کہ مذہب کے نام پر جنگ، انفرادی طور پر منع ہے۔ اس کا مقصد بڑا واضح ہے کیونکہ انفرادی طور پر جنگ، ذاتی مفادات کی جنگ ہوتی ہے۔ مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی حکومت ہو۔ جہاں اس کا حکم چلتا اور مسلمان اکٹھے ہوں اور اگر مسلمان ایک علاقہ میں اکٹھے اور آزاد ہونے کے باوجود اسلامی قانون یا طریقہ زندگی پر عمل نہیں کرتے، تو ان کے مسلمان ہونے کے دعوے میں کوئی حقیقت نہیں۔ اسلامی جنگ صرف اسی امیر یا خلیفہ یا رئیس مملکت (یعنی ریاستی قوت) کے ساتھ مل کر

اس کے حکم کے مطابق لڑی جائے گی انفرادی عمل کو فساد کہا گیا ہے۔(لا منعہ بدون الامام و جماعۃ المسلمین۔کتاب السیر الھدایہ)

مکہ شریف میں رہنے والے غیر مسلم اور مدینہ شریف میں رہنے والے مہاجرین آپس میں رشتہ دار تھے، لیکن اسلام کی وجہ سے دور ہو گئے۔ حتیٰ کہ جنگوں میں مخالف شریک ہوئے۔ اس اصول پر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان رشتہ کو ختم کر دیا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ ساتھی نہیں بنیں گے، کیونکہ مذہب کی بنیاد، زبان، قبیلہ، رشتہ اور علاقہ سے بڑھ کر ہے۔ مذہب کا تعلق، رشتہ داری یا علاقہ سے زیادہ گہرا اور پائیدار ہے۔ بالخصوص اسلام کا رشتہ جس کی بنیاد اللہ اس کے رسول کے احکام ہیں، بہت بلند ہے۔ مسلمانوں کے آپس میں اتحاد اور محبت پر زور دیا ہے اور یہی ان کی عظمت کا سبب ہو گی۔

الحمدللہ سورۃ انفال مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس تمام تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دے اور خطا سے محفوظ فرما کر توشہ آخرت بنائے۔آمین یا رب العالمین والسلام و الصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین۔

سورۃ توبہ

تعارف:۔

یہ سورت دوناموں سے مشہور ہے ایک توبہ اور دوسرا البرأتہ چونکہ اس میں دو موضوعات کا ذکر ہے اور اہم ہیں اسلیے ان کے ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ اس کی ابتدا میں بسم اللہ تحریر نہیں کی گئی جو کہ دو سورتوں کے درمیان بطور فاصل یعنی علیحدگی کے لئے تحریر کی جاتی ہے۔ اس میں مختلف روایات ہیں، لیکن زیادہ قابل قبول یہی ہے کہ چونکہ لکھا ہوا نہیں تھا اس لیے حضرت عثمان نے تحریر نہیں کیا، لیکن علیحدہ سورت ہے اس لیے اس کا نام تحریر کیا گیا۔ موضوعات کے لحاظ سے سورۃ انفال کے قریب ہے اور موقع نزول کے اعتبار سے بھی وہی عرصہ ہے۔

اس سورت میں سولہ رکوع اور ایک سو انتیس آیات ہیں اور کلمات کی تعداد چار ہزار اٹھتر ہے۔ یہ سورت مدنی سورتوں میں سے ہے۔ موضوع سے پتہ چلتا کہ غزوہ تبوک (سن نوھجری) کے سال نازل ہوئی۔ ابتدائے سورہ اہم موضوع ہے جو کہ کفار کے اور حج سے متعلق ہے۔ چونکہ اس وقت حج کی قیادت حضرت ابو بکر کر رہے تھے اور وہ مدینہ سے نکل چکے تھے، اس کے بعد احکام نازل ہوئے، جن کے اعلان کے لیے حضور نبی علیہ السلام نے سیدنا علی کرم اللہ کو بھیجا اور انہوں نے کفار کے متعلق احکام کا اعلان کیا۔ اس میں معاہدوں کی پابندی کی اہمیت ظاہر فرمائی اور کفار کے وجود سے کعبہ شریف کو پاک فرمادیا۔ حج پرانے طریقہ پر تھا۔ اس موقع پر سب کے سامنے ان احکام الٰہیہ کا اعلان ضروری تھا اور کعبہ شریف میں توحید کا پرچم ہمیشہ کے لئے لہرادیا، دوسرا موضوع بھی بہت اہم ہے۔ یہ غزوہ تبوک کے سفر اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات کے بارے ہے، یہ غزوہ بہت اہم تھا، بلخصوص پہلے مرحلے میں تین ہزار مجاھدین نے بڑی فوج (ایک لاکھ) کو روک دیا۔ جب قیصر کے حملے کرنے کی اطلاع مل رہی تھی تو دوبارہ انتہائی نامساعد حالات کے باوجود تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر آپ حدود کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے وہاں کافی انتظار کیا لیکن قیصر روم مقابلہ کے لئے نہیں آیا۔ ان واقعات نے اسلام کی قوت اور دھاک سارے عرب اور ساتھ حدود والے ممالک پر بٹھادی اور تمام قبائل جوق در جوق اسلام کے تحت آ گئے۔

ایک طرف سے خانہ کعبہ مشرکین سے پاک ہوچکا تھا، دوسری طرف اسلامی سلطنت جزیرہ نما عرب میں قائم ہو چکی تھی بلکہ اسکی حدود شام کے علاقے اور ایران کے ساتھ علاقوں تک پہنچ چکی تھیں۔ یہ قبائل جو پہلے ان دو حکومتوں کے ماتحت تھے اب مسلمان حکومت کے تحت آ گئے۔ وہ مسلمان جو ایمان کے باوجود اس موقع پر پیچھے رہ گئے تھے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا گیا۔ لیکن استطاعت رکھنے والے مومنین کو معاشرتی طور پر تنہا کر کے ان کا بائیکاٹ اس وقت ختم ہوا جب ان کی توبہ قبول ہوئی۔ منافقین کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ منافقیں اور کفار کی سازشوں کو کنٹرول کرنے کا حکم دیا تا کہ اسلامی مملکت کو دھوکہ بازوں اور مخالفین سے کوئی خوف نہ رہے، لیکن اس کے ساتھ اخلاق، معاہدوں پر پابندی اور امن وسلامتی کے طلبگاروں کے لئے ترغیب کا بھی حکم دیا گیا۔ غیر اسلامی تمدن اور مذہب رکھنے والوں کو ان کے مذہب کی آزادی دی گئ لیکن اسلامی مملکت کے اندر فساد وفتنہ کی قوت سے محروم کر دیا گیا تا کہ امن وامان خراب نہ کر سکیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَؕ ①

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دستبرداری (برات) کا اعلان ہے ان مشرکین کے لیے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے (وہ قائم نہ رہے)۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

بس (اے مشرکو) تم ملک میں چار ماہ اور چل پھر لو اور جان لو کہ اللہ کو ہر گز عاجز نہیں کر سکتے اور بیشک اللہ عنقریب منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍۙ ③

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کو اعلان عام ہے کہ اللہ مشرکین سے بے نیاز ہے۔ اور اس کا رسول بھی۔ اب اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور جو منہ پھیرتے ہو تو جان لو کہ تم ہر گز اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور اے نبی! آپ انکار کرنے والوں کو سخت عذاب کی خوشخبری سنادیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدت معاہدہ پوری کرو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم (حسب اعلان) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ انہیں پکڑ لو اور قید کر لو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ تعالی بڑا

بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۟﴿٦﴾

اور اگر مشرکوں میں کوئی بھی پناہ کا طلب گار ہو تو اسے پناہ دیں، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر آپ اسے جائے امن تک پہنچا دیں یہ اس لئے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

غیر مسلم (مشرکین) سے معاملات کے اصول:۔

سورۃ اور آیت مبارکہ کا شان نزول بہت اہم ہے، مکہ سن اٹھ ہجری میں فتح ہوا۔ اس کے بعد کچھ قبائل اسلام کے خلاف اکٹھے ہوگئے اور حنین کا معرکہ بھی اسی سال واقع ہوا، جس کی وجہ سے اکثر قبائل اسلام کی قوت کے قائل اور ماننے والے ہوگئے، لیکن رومی علاقوں کے قبائل اور رومی، اسلام کے مخالف ہوگئے اور مخالف قبائل کے لوگ بھی شکست کے بعد رومیوں کی طرف دیکھنے لگے۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کے اردگرد مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی اور غیر مسلموں کو جان و مال کی امان بھی دیدی گئی۔ فتح مکہ معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہوا۔ کچھ قبائل، بنی حمزہ اور بنی مدلج کے ساتھ معینہ مدت کے معاہدے تھے۔ کچھ قبائل کے ساتھ معاہدہ ہوئے لیکن مدت متعین نہیں تھی۔ کچھ قبائل کے ساتھ کوئی معاہدہ ہی نہ تھا۔ یہ سارے قبائل غیر مسلم تھے۔ اکثر کے ساتھ تجربہ بڑا تلخ رہا۔ وہ موقع پاتے ہی اسلام کے خلاف کھڑے ہوجاتے۔ وہ مشرکانہ عقائد پر رہنا پسند کررہے تھے۔ سورۃ توبہ میں کچھ احکام نازل ہوئے۔ جنہوں نے مخالفت کی ان کے مقابلے کا حکم ہوا۔

سورۃ براۃ میں تفصیلی احکام آئے کہ جن سے معاہدہ ہے، اسلام کے اصولوں اور انسانیت میں عہد و پیمان کے احترام کے باعث جب تک وہ معاہدہ نہ توڑیں مسلمان اس پر قائم رہیں، لیکن اگر وہ معاہدے کے پابند نہیں رہے اور درپردہ مخالفت کی، تو ان کو چار ماہ کی مہلت دی جائے۔ یہ اسلام کی انسانیت پسندی کا ثبوت تھا. کہ چار ماہ سال کا ایک تہائی حصہ ہے جو مہلت کے لیے کافی ہے۔ اور دوسرے مشرک عرب تھے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا یا کسی قسم کا کوئی بھی معاہدہ نہیں تھا۔ اس کے بارے بھی حکم ہوا کہ چار ماہ تک وہ اسلام یا حکومت اسلامی قبول کرلیں یا پھر انکار کی صورت

میں مکہ سے باہر منتقل ہو جائیں۔ خانہ کعبہ میں جو عمومی کفار کے طریقہ عبادت اور حج کا طریقہ چل رہا تھا اس کو ختم کرنا اور کعبہ اللہ میں مشرکین کا دخول بند کرنا تھا۔ جب یہ احکام نافذ کیے گئے، تو بھی انسانیت کے اصول کے تحت سال کے تیسرے حصہ کے برابر (چار ماہ) کی مہلت دی گئی کہ متبادل انتظام کر لیں۔ مقصد ظلم ،استحصال یا ختم کرنا نہیں تھا ورنہ اتنی طویل مدت دینا صحیح نہیں ہوتی۔ دراصل فتح مکہ کے بعد آٹھ ہجری کو حج کو جاہلیت کے طریقہ پر ادا کیا گیا۔ جبکہ اسلام کا مکہ شریف پر کنٹرول تھا اور ساری جاہلیت کی رسوم پر حج ہوا۔ اگلے سال نو ہجری میں نبی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ کیا، جب آپ حج کیلئے روانہ ہو چکے تھے تو احکام کا نزول ہوا۔ نبی علیہ السلام نے حضرت علی شیر خدا کو روانہ فرمایا تاکہ اس حج کے موقع پر منی اور عرفات کے مقام پر ان احکامات کا اعلان عام کریں تاکہ تمام عرب اور مشرکین کو اس کا پتہ چل جائے۔ جو حضرت علی شیر خدا نے کیا۔ مقصد یہ تھا کہ کعبہ اللہ کو مشرکین سے پاک کیا جائے اور اسلامی حکومت کا صحیح قیام عمل میں لایا جائے۔ ائندہ حج اسلامی طریقے پر ادا کیا جائے۔ ان تمام امور کے ساتھ مشرکین و منکرین سے مقابلہ کی صورت میں پوری قوت کا استعمال ضروری قرار دیا، تاکہ نرمی اور اخلاق کو کمزوری نہ بننے دیا جائے۔ تمام احتیاطی حفاظتی تدابیر کی جائیں ۔ قوت اور برتری کو برقرار رکھا جائے۔ ان تمام امور کے باوجود اگر کوئی مشرک یا مخالف پناہ کی درخواست کرتا ہے تو اسے پناہ دی جائے اور اس کو اسلام کی معلومات مہیا کی جائیں، وہ جہاں جانا چاہے، اسے اس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دیا جائے۔

ان قوانین کے نفاذ میں اسلامی اقدار اور اخلاق کا اہتمام ضروری ہے، صلح اور جنگ میں اسلام، نصیحت اور خیر خواہی کو مقدم رکھتا ہے، کیونکہ اسلامی حکومت کا مقصد دولت و طاقت کا حصول نہیں، بلکہ انسانیت کی حفاظت کرنا۔ توحید الٰہی لانا، صالح معاشرہ قائم کرنا ہے ،تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی ہو۔ حکمران کی ذات کی عظمت یا ملک کی عظمت مقصود نہیں، اس لئے تاکید کی، کہ اگر تم مشرکانہ امور سے تائب ہوئے (چھوڑ دیے) تو دنیا و آخرت میں کامیابی، ورنہ ناکامی و تباہی ہے۔ یہ بھی آیت

میں فرمایا کہ ان کو علم نہیں ،اس لئے یہ مخالفت و غلطی کر رہے ہیں، ان کو معلومات پہنچانا ضروری ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ کہ ان سے نفرت، تکبر، اور سختی کے بجائے، محبت، رواداری سے معاملہ کیا جائے، تاکہ معلومات کا فائدہ اٹھا سکیں اور اگر ان کو یہ پسند یا ان کا انتخاب نہیں تو ان کو ان کے لئے امن والی جگہ پر پہنچا دو اور ان سے ظلم و زیادتی نہ کی جائے اس کا یہ بھی فائدہ کہ جب افراد نظام کو قبول نہیں کرتے تو سلامتی اسی میں ہے وہ جہاں جانا چاہتے ہیں، وہیں ان کو پہنچایا جائے تاکہ بعد میں نقص امن یا دوسری مشکلات سے بچا جا سکے۔

اگر ہم ان تعلیمات پر غور کریں تو یہ بہت اہم اور انصاف پر مبنی ہیں۔ مکہ مکرمہ، بیت اللہ تھا۔ جسے حضرت ابراہیم نے دوبارہ تعمیر کیا اور حج کا سلسلہ شروع ہوا۔ عرب ان کی نسل ہونے پر ناز کرتے تھے، لیکن دوسری طرف مکمل طور پر بت پرستی میں آچکے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مکہ اسلامی حکومت کے کنٹرول میں تھا، لیکن اسلامی حکومت کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے تحت ۸ اور ۹ ہجری تک دوسرے عرب افراد کو جاہلیت کے طریقے پر حج سے منع نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ طریقہ حج اسلام کی تعلیمات اور مقصد کے خلاف تھا۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسول نے مشرکین کے اعمال سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا۔ مشرکین کے وجود سے، مکہ کو جو کہ امن کا شہر تھا، پاک قرار دیا۔ ویسے عرب کے اندر اسلامی حکومت میں غیر مسلم افراد قیام پذیر تھے، اور وہ عسکری دفاعی خدمات سے مستثنیٰ کر دیے گیے۔ اسکے بدلے وہ جزیہ دیتے تھے۔ چونکہ حج فرض ہو چکا تھا اس لیے کسی مشرک کا، اسلام کے کنٹرول کے بعد ننگے بدن کے ساتھ طواف اور جاہلی رسوم سے حج کرنا اسلام کے بالکل خلاف تھا، اس لیے اس کا اعلان کر کے اور مناسب وقت دے کر اس کو ختم کر دیا۔

ان آیات سے تشدد کی تعلیمات کا اخذ کرنا صحیح نہیں۔ اس وقت کے حالات مشرکین، اور یہودیوں کی شدید مخالفت پر اسلامی حکومت کے نئے نئے قیام کے لیے ضروری تھا۔ کفار و مشرکین کی طاقت کو جبکہ وہ کھلم کھلا اسلام کے خلاف ہوں تو ان کو علیحدہ اور کمزور کرنا ضروری تھا، ورنہ اسلامی حکومت خود قائم نہ رہتی۔ اس کے باوجود چار ماہ کی مہلت، امن کے طلبگاروں کے لئے، سلامتی اور اسلام کی تعلیمات کے بارے آگاہی اور

پھر انہیں ان کے امن کی جگہ تک رسائی دے کر، اسلام نے انسانیت پسندی اور انصاف کا عظیم ثبوت دیا ہے۔ تاریخ نے ثابت کیا کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد عرب میں پرانی روایت نے پھر سر اٹھالیا اور سختی کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا۔ ساتھ ہی قبولیت کا معیار بھی بتادیا، کہ دل سے قبول کریں اور احکام پر عمل کریں۔ جس کے دو اہم عمل، عقیدہ کے طور پر نماز، اور سماجی و معاشی طور پر زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔ یہی معیار تھا جس پر خلیفہ اول نے سمجھوتہ نہیں کیا اور منکرین زکوۃ کے خلاف جنگ کی۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾

(بھلا) مشرکین کے لیے اللہ کے ہاں اور اس کے رسول کے ہاں کوئی عہد کیوں کر ہو سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے سو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں، تم ان کے ساتھ قائم رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾

بھلا کیسے ہو، یہ (مشرک) اگر تم پر غلبہ پا جائیں، تو نہ تمہارے حق میں کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی عہد کا، وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں (عہد توڑنے والے ہیں)۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾

انہوں نے آیات الٰہی کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرلی پھر اسکی راہ (دین) سے لوگوں کو روکنے لگے، بے شک بہت ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾

مشرک کسی مومن کے حق میں نہ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، نہ عہد کا اور یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴿۱۱﴾

اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم اپنی آیتیں سمجھنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

آیات مبارکہ کا نزول وہی موقع ہے اور ان آیات میں مشرکین مکہ اور دشمنان اسلام کا فکری اور عملی کردار کے بارے میں بتایا ہے۔ اسلام نے جو معاہدوں سے برأت کا حکم دیا تھا اس کی وضاحت ہے۔ یہ مشرک دل میں مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے اور اگر ان کو موقع ملے تو مسلمانوں کو تباہ کر دیں۔ کسی رعایت، رشتہ داری۔ دوستی کا لحاظ نہ رکھیں، یہ کلام حرف بحرف صحیح تھا۔ مشرکین کا قبل از فتح مکہ یہی رویہ تھا۔ یہ معاہدے محض ضرورت اور کمزوری کی بناء پر کرتے ہیں، لہٰذا ان کے مقابلے میں تیاری پوری ہونی چاہیے۔ یہ تو دفاعی کام تھا، لیکن اگر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو ان کے ساتھ بھائیوں کی طرح معاملہ کرنا چاہیے۔ ہر طرح کے مساوی حقوق اور خدمات مہیا کرنی ہوگی۔ کسی قسم کی نفرت یا تفریق سے منع کیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد مختلف قبائل جو غیر مسلم تھے، آئے اور اسلام کی حاکمیت قبول کی۔ نبی علیہ السلام نے ان کے سرداروں کو تبدیل نہیں کیا، بلکہ آپ نے فتح مکہ اور اس کے بعد فراخ دلی کا مظاہرہ فرما کر سب اسلام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر سینکڑوں افراد ایسے تھے جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی تھی مگر آپ نے انہیں معاف کر دیا۔ سوائے دو تین افراد کے جن کا جرم ناقابل معافی تھا اور ان کی سزا کا حکم پہلے سے ہو چکا تھا۔

دین میں شمولیت کے لیے معیار مقرر فرمایا، کہ نماز (توحید و رسالت) اور زکوۃ (سماجی خدمات و حقوق) کو قبول کریں، ساتھ ہی فرمایا کہ ان احکام کی تفصیل اہل علم وعقل کے لئے ہے کہ ان سے انسانیت کا فائدہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اسلئے یہ قرار دیا، کہ جو لوگ ایک ہی کلمہ اور قبلہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کو کافر کہنا غلط ہے۔ البتہ متاخرین علماء نے اس کے ساتھ اور عقائد کی بھی کوئی شروط لگا رکھی ہیں۔ یعنی اگر فرائض یا

ختم نبوت سے منکر ہے تو خارج از اسلام ہوگا۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴿۱۲﴾

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن و (تشنیع) کریں تو ان کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، تاکہ وہ اپنی حرکتوں (فتنہ بازی) سے باز آجائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۳﴾

کیا تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم سے پہلے چھیڑ (ابتدائے جنگ) کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس (خوف) کا زیادہ حقدار ہے، تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۴﴾

تم ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا، اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور ایمان والوں کے دل ٹھنڈا کرے گا۔

وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿۱۵﴾

اور ان کے دلوں کا غصہ دور فرمائے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول کرے گا، اللہ بڑے علم والا، بڑی حکمت والا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۶﴾

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم یوں ہی (بغیر امتحان) کے چھوڑ دیے جاؤ گے۔ حالانکہ (ابھی) اللہ نے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ کے سوا، اس کے رسول کے سوا، اور اہل ایمان کے سوا، کسی کو رازدار نہیں بنایا، اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

آیات مبارکہ اسی مضمون کے مطابق احکامات پر مشتمل ہیں، صلح حدیبیہ پھر مشرکین مکہ کی بدعہدی، نبی علیہ السلام نے بدعہدی معاف نہیں کی اور چڑھائی کردی،

فتح مکہ پر قتل وغارت اور بدلہ لینے کی بجائے سب کو معاف کر دیا۔ دوسرے قبائل بھی اس کے بعد اسلام کے ماتحت ہو گئے، اس کے بعد حنین کا واقعہ پیش آیا، جو مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے، جہاں مسلمانوں کو سخت مزاحمت ہوئی۔ یہ آیات ان واقعات پر مشتمل ہیں۔ مسلمانوں کو مضبوط دفاع کا حکم دیا تاکہ دبدبہ قائم ہو اور کوئی حملہ کی جرات نہ کرے۔ ساتھ ہی اخلاق اور انسانیت کا حکم دیا۔

طعن و تشنیع اور علمی تنقید:۔

قتال یعنی لڑائی کا حکم اس وقت ہوگا، جب کفار کے سردار اپنے معاہدے کو توڑ دیں اور اسلام پر طعن و تشنیع یعنی اہانت اور تحقیر کریں۔ اس کو بدعہدی کے برابر قرار دیا۔ لیکن علما نے غیر مسلموں کو احکام و مسائل میں تحقیق و تنقید کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس لیے اسلامی مملکت میں غیر مسلم کو علمی تنقید کی اجازت تو ہے مگر طعنہ زنی اور تحقیر و تشنیع کی اجازت نہیں۔ ان احکام کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی زیادتی، بدعہدی سے باز آجائیں۔ ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ ان کو مقاصد کے اختلاف اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر محرم راز نہ بنایا جائے۔ اس سے مراد اہم ریاستی سطح پر ہے، انفرادی طور پر معاملات مختلف ہیں۔ لیکن حکومتی درجہ پر احتیاط ضروری ہے، اور مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر وہ احکام الٰہی پر عمل کریں گے تو انہیں کامیابی ہوگی۔ لیکن آزمائشیں بھی ہوں گی بلخصوص نئے ہونے والے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے کسی قبیلہ کو اس کے غیر اسلامی ہونے پر نہیں بلکہ ان کی بدعہدی یا حملہ یا مسلمانوں کے خلاف عملی اعمال، کی بنا پر سزا دی۔ اسلامی حکومت کی قوت کا مقصد ملک گیری نہیں، بلکہ ایک مہذب تہذیب و تمدن، جو انسانیت کی حفاظت کے لیے ہو، قائم کرنا اور دفاع کو اتنا مضبوط بنانا ہے۔ کہ کوئی بھی حملہ کرنے کا نہ سوچے اور نہ ہی مداخلت کرے یعنی طعن و تشنیع کرے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ فِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

یہ مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مساجد آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں (اقرار کرتے ہیں) ان لوگوں کے سارے اعمال ضائع گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ کی مسجدیں تو صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ پس امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۱۹)

کیا تم نے (محض) حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کے عمل کو اس شخص کے برابر کر دیا، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اور اس نے اللہ کی راہ میں جدوجہد کی، یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ (۲۰)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے ما ل اور جانوں سے جہاد کرتے رہے، وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بلند ہیں اور وہی لوگ ہی مراد (بلند مقام) پر پہنچے ہوئے ہیں۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۙ (۲۱)

ان کا رب انہیں اپنی طرف سے رحمت کی اور رضا اور (ان جنتوں) باغوں کی خوشخبری دیتا ہے یہ ان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں ہیں۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۲۲)

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

آیات مبارکہ مسلمانوں کی فتح مکہ کے بعد واقعات , معاشرتی تبدیلی اور اسلامی احکام کے نفاذ کی بارے میں ہیں۔ اسلام میں انسانیت کا اہتمام، انسانی آزادی اور مساوات کے جو اصول قائم کئے اور دنیا کو دیے، وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے بعد تمام اسلام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ خانہ کعبہ سے بت گرا دیے۔ کیونکہ اسلام کا پہلا مقصد انسان کو بتوں کی عبادت سے پاک کرنا اور حقیقی خدا کا بندہ بنانا تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی دو سال تک مشرک مکہ میں رہے اور عرب آ کر جاہلیت کے مطابق طواف و عبادت کرتے رہے، اس سے منع نہیں کیا گیا۔ یہ

عمل اگرچہ اسلام کے خلاف تھا کہ اللہ کے گھر میں بت تو ختم کر دیے مگر عبادت توحید الٰہی کے مطابق نہ تھی۔ اس سال حج بھی عرب قبائل نے اپنے طریقوں سے کیا جو اسلام سے مختلف تھا۔ لیکن مسلمانوں نے طاقت کے استعمال کی بجائے دعوت و تبلیغ کے طریقہ کو ترجیح دی اور اسے طاقت سے فوری طور پر تبدیل نہیں کیا گیا۔

مشرکین مکہ اپنے آپ کو کعبہ کا خادم سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ بہت سارے مسلمان ہوگئے اور کچھ ابھی مسلمان نہیں تھے۔ دوسری طرف دوسرے قبائل جاہلیت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ یہ عمل اسلام اور اسلامی تحریک اور تبدیلی کے خلاف تھا جو پچھلے اٹھارہ، انیس سالوں پر محیط تھی۔ اس لیے مشرکین کے طواف اور مکہ شریف سے علیحدہ ہونے کے احکام کے بارے دلائل فرمائے ہیں کہ صرف حجاج کی خدمت کا کرنا کوئی نیکی نہیں بلکہ اللہ کے گھر سے بڑھ کر نیکی اللہ پر ایمان ہے۔ صفائی و مرمت کو ایمان سے بڑھ کر جاننا غلط ہے۔ اسی وجہ سے ان پر پابندی لگا دی گئی تاکہ توحید و رسالت اور کفر و شرک علیحدہ ہو جائے۔ مسلمانوں کی کوشش قربانیاں، ہجرت، مال یہ سب قربان کرنے والے اور مکہ میں رہنے والے اگرچہ کعبہ کے خادم رہے ہوں برابر نہیں۔ اللہ کے نزدیک جو اس کے احکام کی تعمیل میں کسی خوف یا غم کی پروا نہیں کرتے اور ان کا مقام بہت بلند ہے۔

آیات مبارکہ میں چند اصول واضح ہیں۔

1. مساجد کا احترام و اہتمام نیک عمل ہے۔

2. احترام سے بڑھ کر جس مقصد کے لیے مسجد بنائی گئی، یعنی عبادت، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔

3. مساجد کے اہتمام میں عبادت کے لیے استعمال، ضروری اور اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

4. عبادت سے بڑھ کر اسلام کی بقا اور اسلام کا وجود ہیں، جس کے لیے وقتی طور پر عبادت میں تاخیر یا کمی کی جا سکتی ہے جیسے صلاۃ الخوف یا نماز کا قضاء ہو جانا لیکن ایمان کا وجود، جذبہ ہر وقت ضروری ہے۔

5 مساجد کی مرمت، اصلاح و تعمیر میں غیر مسلموں کی امداد، اگر وہ خود

برضا و رغبت دے تو قبول کی جا سکتی ہے، لیکن زبردستی وصول کرنا گناہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو: تم اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کرتے ہوں اور تم میں سے جو شخص بھی انہیں دوست رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

آپ کہہ دیں، اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (اولاد) اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار، اور تمہارے اموال جو تم نے کمائے اور کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جد وجہد (جہاد) سے زیادہ پیارے ہیں، تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم عذاب بھیجے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

فتح مکہ کے بعد لوگ اسلام میں جوق درجوق شامل ہوگئے۔ لیکن جس طرح پہلی آیت میں تھا، کہ اللہ تعالیٰ ضرور امتحان لے گا تاکہ کمزور ایمان اور قوی ایمان میں فرق پتہ چل جائے۔ اس کے بعد کچھ مسلمان جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، ان کے کافی رشتہ دار ابھی اسلام کے بجائے کفر و شرک پر قائم تھے، اکثر اوقات اسلام اور کفر کے معاملات میں اختلاف ہوتا، جس کی وجہ سے مفادات کا تضاد ہوتا تھا، ان کی تربیت کے لئے حکم ہوا، کہ اپنے جان و مال، اولاد ان سب کا لحاظ ضروری ہے۔ اسلام میں ہر رشتہ دار کے لیے حقوق ہیں، اگرچہ والدین اسلام سے دور ہوں تو بھی ان کا احترام ضروری ہے، لیکن اسلام کے اصول اور جہاں کفر اور اسلام میں ایک کا انتخاب کرنا ہو وہاں اسلام کو اولیت اور اللہ کے احکام کی اہمیت اولین درجہ اور اس کے مقابل دوسرے مفادات نہایت قلیل ہیں۔ اگر اسلام کو جاننے کے باوجود، اللہ اور اس کے

رسول کے مقابل، دوسروں کی حاکمیت کو قبول کیا تو یہ منافقت اور ظلم ہوگا اور ظلم کا نتیجہ اللہ کا عذاب ہے۔ پھر فرمایا کہ ہدایت کے باوجود جو لوگ گمراہی، اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ کے خلاف زندگی کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں، وہ دراصل ظالم ہیں۔ کیونکہ نہ تو اپنے ساتھ اور نہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں۔ اس لئے اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے دور میں جن اصولوں پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی ،بعد میں نظام میں کمی آنے کے باوجود وہ تقریبا سات سو سال تک دنیا کی عظیم تہذیب و تمدن رہی اور جب مسلمانوں نے اس سے منہ پھیر لیا یا ان کی زندگیاں خاص طور پر حکمرانوں کی زندگی، اس کے خلاف ہوگئی تو اللہ کے عذاب نے ظالموں کو گھیر لیا، اور اللہ تعالی ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی　　　نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

بے شک اللہ نے بہت سارے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی، اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں بے غم کر دیا تھا، پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے سکی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی، چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے بھاگ گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اس نے لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جو کفر کر رہے تھے اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

پھر اللہ اس کے بعد جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے اور

اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تمہیں مفلسی (نقصان) کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

تم (مسلمانو) ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو نہ اللہ پر، نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دین حق (اسلام) اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ تابع (پناہ لینے والے) مغلوب ہو جائیں (یعنی جزیہ ادا کریں)۔

پچھلی آیت مبارکہ میں اسلام سے واضح محبت اور فرمانبرداری کا ذکر تھا، ان آیات میں اللہ تعالی اس کی فرمانبرداری اور امتحان میں کامیابی پر انعامات کا ذکر ہے، جس واقعہ کا واضح ذکر فرمایا وہ غزوہ حنین ہے، وادی حنین مکہ سے کوئی تیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ فتح مکہ کے بعد بہت سارے قبائل مسلمان ہو گئے، کچھ قبائل ابھی بھی مسلمانوں کے مخالف تھے، جن میں ہوازن اور بنی ثقیف تھے، یہ قبیلے تیر اندازی اور فنون حرب میں بڑے ماہر تھے۔ اسلام مخالف قبائل نے مشورہ کیا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب مکہ میں ہیں، کیوں نہ حملہ کر کے ان کو ختم کیا جائے۔ ان میں اہم جنگجو قبائل ہوازن اور بنو ثقیف تھے۔ نبی علیہ السلام بطور ایک لیڈر، دفاعی معاملات میں ہمیشہ تمام امور پیش نظر رکھتے، آپ نے حضرت عبد اللہ بن ابی حدرد کو تحقیق کے لئے وادی حنین بھیجا وہ وہاں کئی دن رہے اور واپس آ کر حالات سے آگاہ کیا، آپ ﷺ نے مقابلہ کی تیاری کا فیصلہ کر لیا۔

لیڈرشپ اور شجاعت:۔

چونکہ مکہ میں مقصد کوئی جنگ کا نہیں تھا، اس لیے اسلحہ کے لیے آپ نے مکہ میں صفوان بن امیہ جو کہ امیر تھا اور اس کے پاس کافی اسلحہ تھا، وہ ابھی تک اسلام نہیں لایا تھا آپ نے اس سے ادھار تیس یا چالیس زرہیں لیں اس کے علاوہ دوسرے مکہ کے افراد سے تیس یا چالیس ہزار درہم لئے اور واپس آکر آپ نے یہ قرض واپس کر دیا۔ یہ ماہ شوال کا واقعہ ہے۔ فتح مکہ، اواخر رمضان آٹھ ہجری میں ہوا اور شوال میں آپ حنین کے لیے روانہ ہوئے۔ دس ہزار صحابہ مدینہ سے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار صحابہ مکہ شریف میں جو نئے مسلمان ہوئے ساتھ ہو گئے، اس تعداد کو دیکھ کر بہت سارے صحابہ نے یقین کر لیا کہ فتح ان کی مٹھی میں ہے۔ ان کا تعداد پر بھروسہ بڑھ گیا، جسے اللہ تعالی نے پسند نہیں فرمایا۔ یہ صحابہ چونکہ نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے ان کے لیے یہ امتحان تھا اور ان میں اسلام کی محبت، فرماں برداری کا وہ معیار نہیں تھا جو کہ فتح مکہ سے پہلے والے مسلمانوں کا تھا۔ جس طرح پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ صحابہ جلد بازی میں آگے آگے تھے جب یہ وادی حنین پہنچے تو بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے تیر اندازوں نے جن کا نشانہ کبھی خطا نہ جاتا تھا ان پر حملہ کر دیا۔ ان کا کوئی تیر خطا نہیں گیا یہ صحابہ پیچھے ہٹ آئے اور بھگدڑ مچا دی۔

نبی علیہ السلام اس موقع پر ایک سفید خچر پر سوار تھے۔ آپ اپنی جگہ ڈٹ گئے۔ آپ کے قریب ایک سو اسی کے قریب صحابہ تھے۔ جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت اسامہ بن زید، وغیرہ رضی اللہ عنھم اور انصار صحابہ کرام تھے۔ آپ سراپا عزم و ہمت کی مثال بنے رہے، بلکہ ایک شعر بھی ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ تھا: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں: ''انا النبی لا کذب۔ انا ابن المطلب''۔

جب بھگدڑ مچی تو حضور کے خچر کی باگ حضرت ابوسفیان بن حارث نے پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا لوگ کہاں ہیں؟ حضرت عباس کی آواز اونچی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ لوگوں کو آواز دیں اور آپ خچر کفار کی جانب دوڑا رہے تھے۔ حضرت عباس نے جب بلند آواز میں پکارا تو لوگ پلٹنے شروع ہو گئے اور لبیک کہتے ہوئے پلٹ

پڑے۔ آپ نے اس طرح انصار کو آواز دی اور وہ لوگ فورا پیچھے پلٹے اور اکٹھے ہوگئے، آپ خچر سے جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے اور کفار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تنور گرم ہے، اور فرمایا کچھ کنکریاں اٹھا کر دو، کچھ کنکریاں آپ کو اٹھا کر دیں گئیں. آپ نے یہ کنکریاں کفار کی طرف پھینکں اور فرمایا: رب محمد کی قسم! یہ شکست کھا گئے، حضرت عباس روایت کرتے ہیں، اس وقت لڑائی خوب زور و شور سے جاری تھی اور اس کے بعد کفار کا زور ٹوٹ گیا اور وہ بھاگنے شروع ہوگئے اور مسلمانوں کو فتح ہونے لگی، کفار کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل و عیال، سب مال کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا اور سارا لشکر تتر بتر بھاگ گیا، ان کے ستر سردار مارے گئے تھے، چھ ہزار قیدی ہوئے، کچھ بچے زخمی ہوئے، تو رسول اللہ نے سختی سے منع فرمایا کہ بچوں اور عورتوں کو بالکل نہ زخمی نہ حملہ کیا جائے۔

غزوہ حنین:۔

نبی علیہ السلام کی لیڈر شپ کی انتہائی اعلی مثال، تقریبا تمام غزوات، معاہدات اور معاملات میں رہی ہے لیکن خصوصی طور پر فتح مکہ اور غزوہ حنین میں اپ نے وہ اعلی نمونہ دیا جو دنیا کے قائم رہنے تک رہے گا۔ عین لڑائی میں آپ نے نہ صرف ثابت قدمی دکھائی بلکہ دوسروں کو حوصلہ دیا، اکٹھا کیا اور زور سے دفاع سے بڑھ کر اگلے حملہ کی رہنمائی کی۔ فتح مکہ کے موقع پر اعلی کردار اور معافی کا اعلان فرمایا، لڑائی کے بجائے جو لوگ گھروں میں تھے ان کو امان دی، اپنے دشمنوں اور مجرموں کو معاف کر دیا۔ جن سے غزوہ حنین کے لیے چیزیں مستعار لیں ان کو واپس کیں اور اپنے تمام وعدے پورے کیے۔ شیبہ بن عثمان جن کا والد اور چچا غزوہ بدر میں مارے گئے تھے وہ بھی حنین میں نبی علیہ السلام پر حملہ کرنے کی نیت سے آئے تھے اور تلوار لے کر جب نبی ﷺ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑے تھے تو ادھر ادھر آپ ﷺ کے گرد گھومتے رہے، کہ موقع پا کر حملہ کر دیں، آپ نے انہیں دیکھا، پھر بلایا اور آپ نے انکی سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی اللہ! شیبہ سے شیطان کو دور کر دے، وہ فورا تائب ہوئے اور دشمن پر حملہ کرنے نکل گئے۔ اسی طرح حضرت ابو بردہ بن نیاز نے بیان کیا کہ اس حنین کے سفر میں انہوں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں اور ایک شخص آپ کے پاس

بیٹھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا، کہ میں سو گیا تھا اور یہ شخص آیا اور میری تلوار اپنے قبضہ میں لے کر میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، اے محمد! اب بتلاو کہ کون تمہیں میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ میں نے جواب دیا، اللہ بچا سکتا ہے ۔یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ ابوبردہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس دشمن خدا کی گردن مار دوں، وہ دشمن کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بردہ خاموش رہو۔ اللہ تعالی میری حفاظت کرنے والا ہے، جب تک میرا دین سارے دین پر غالب نہ آجائے اور آپ نے اس شخص کو کوئی ملامت بھی نہ کی اور آزاد چھوڑ دیا۔

اللہ تعالی نے فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ان کو پریشانی و جانی شدید نقصان کے بعد ہمت عطا کی اور جنگ کا سارا نقشہ بدل دیا۔ بھاگنے والے مڑ کر حملہ کرنے والے بن گئے۔۔ (فرشتوں کی امداد کی تفصیل سورہ بقرہ میں درج ہے)۔ چھ، آٹھ یا دس ہزار افراد کو مختلف روایات ھیں، گرفتار ہوئے۔

اس جنگ کے بعد حنین کے رئیس مالک بن عوف اور اس کی قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک شخص نے آپ سے بنو ثقیف کے لیے بد دعا کی درخواست کی، کیونکہ ان کے تیر اندازوں نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ آپ نے دعا کی۔ اے اللہ: ثقیف کو ہدایت دے، اور ان کو یہاں لے آ۔ آپ کے پاس بنو ہوازن، جو کہ وادی حنین کے تیر اندازوں میں سے تھے، ان کا وفد جعرانہ میں آیا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے قیدی واپس کرنے کی درخواست کی تھی، آپ نے ان کو قیدی یا مال ایک چیز واپس کرنے کا اختیار دیا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ حضور اپنے اعلان کے مطابق ایک چیز دیں گے تو انہوں نے قیدیوں کی واپسی کو اختیار کیا، آپ نے خطبہ فرمایا: اور اپنے صحابہ کرام سے کہا کہ میں نے مناسب سمجھا ان کے قیدیوں کو، ان کو واپس کر دوں، تم میں جس کو یہ فیصلہ پسند ہو وہ ان کے قیدی واپس کر دے اور تم میں جو شخص اپنا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو، تو اس کے بعد اللہ جو ہمیں مال غنیمت عطا فرمائے گا، ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے تو وہ ایسا کرے۔ مسلمانوں نے کہا، ہم رسول اللہ کی خاطر، ان کے ادمی خوشی سے واپس کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا: ہم از خود نہیں جانتے تم میں سے کس نے خوشی

سے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی، تم واپس جاؤ اور ہمارے پاس ان لوگوں کو بھیجو جو تمہارے معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہ لوگ واپس گئے اور انہوں نے اپنے مختار ان کار اور معتمدین سے مشورہ کیا اور پھر واپس آکر رسول اللہ کو خبر دی کہ انہوں نے خوشی سے قیدی واپس کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

انسانی عظمت اور لیڈر شپ:۔

ان واقعات سے نبی علیہ السلام کی عظیم الشان لیڈر شپ، انسانی آزادی اور عظمت کا اہتمام، عوام الناس یا اپنے ساتھیوں کے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسانی عظمت و آزادی کے پیش نظر، آپ نے قیدیوں کی آزادی کو ترجیح دی ورنہ آپ دونوں سے انکار کرسکتے تھے یا لوگ غریب تھے آپ مال واپس کرکے قیدی رکھ سکتے تھے۔ لیکن انسانی آزادیوں کے احترام کے پیش نظر آپ نے قیدیوں کو آزاد کرنے کو ترجیح دی۔ آپ کے الفاظ مبارک تھے، یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آگئے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں۔

آپ نے اپنے ساتھیوں سے مکمل رائے لی اور پھر عمومی رائے کی بجائے انفرادی رابطہ کے لئے، انکے مختار (گروپ لیڈرز) کو بلایا اور دوبارہ ان کی آزادانہ رائے کا احترام کرتے ہوئے یقینی بنایا کہ وہ انفرادی رضامندی کے ساتھ شامل ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حقوق کے معاملہ میں مکمل اطمینان کرنا ضروری ہے۔ حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے یہ تجویز بھی دی سے اگر کوئی دل سے چھوڑنا نہیں چاہتا اور اب چھوڑ رہا ہے، تو اسے اس کے بدلے، جب دوبارہ مال غنیمت ملے گا تو اس کو مال دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں غلامی ختم ہو گئی۔ جب کہ یورپ اور افریقہ میں اٹھارویں صدی تک غلاموں کی بہت منظم تجارت ہوتی رہی۔ مسلمان، افریقہ اور یورپ کے قریب ہونے کے باوجود غلاموں کی تجارت سے دور رہے بلکہ اسے برا سمجھا جاتا تھا۔

مال غنیمت کو اس لیے رکھا، کہ یہ ان کے قبول اسلام سے پہلے حاصل کیا گیا تھا اور ان کے ہاتھوں مجاہدین اسلام کا نقصان ہوا تھا، اس لیے ان کو قبول اسلام پر تو معاف کر دیا گیا، لیکن جن کے شہدا ہوئے تھے یا جو شامل جنگ تھے ان کو مال غنیمت

تقسیم کر کے دیا گیا اور اسے واپس نہیں لیا جا سکتا تھا۔

آپ نے مکہ کے مفتوح قریش سے جو رقم اور اسلحہ ادھار لیا تھا، غزوہ حنین کے بعد ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم دوستوں سے مدد بھی لی جا سکتی ہے، لیکن وعدہ کی پاسداری فرض عین ہے۔ صحابہ نے بنو ثقیف کے لیے بد دعا کی درخواست کی کہ وہ تیر برسا رہے تھے لیکن آپ نے ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی۔ اسلامی جنگ یا جہاد کا اصل مقصود انسانی فلاح ہے۔ مقصد دشمن کو زیر کرنا نہیں، بلکہ انسانیت کی بہتری ہے۔ اس جنگ میں کفار کے ساتھ اہل و عیال بھی تھے، اس طرح کچھ بچے زخمی ہو گئے، اس کی اطلاع جب نبی علیہ السلام کو ملی اپ نے سختی سے بچوں یا عورتوں پر حملہ کرنے سے منع کر دیا۔

یہ تھی آپ ﷺ کی اعلی لیڈر شپ جس نے انسانیت کو انسان کے مقام سے آگاہ کیا، اور لیڈر شپ کا وہ نمونہ چھوڑا جو کہ رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ رہے گا۔ اسلئے آپ دنیا کے سب سے عظیم لیڈر مانے گئے ہیں (بحوالہ سو عظیم انسان، از مائیکل ہارٹ)۔ آپ کی زندگی کے اندر اسلام عرب کی بڑی قوت، تہذیب اور دین، بن گیا۔ آپ کا طریقہ زندگی آج بھی دنیا کے لیے کامیابی کا نمونہ ہے اور جو قومیں اس پر عمل کر رہی ہے وہ کامیاب ہیں۔

آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا کہ مشرکین کو آج کے بعد خانہ کعبہ میں داخلے کی اجازت نہیں، کیونکہ وہ اللہ کے علاوہ بتوں اور دوسرے خداؤں کو پوجتے ہیں اور یہ ان کے افکار، نجس ہیں، کعبہ شریف کی بنیاد اللہ تعالی کی عبادت اور اس کی وحدانیت کے لیے رکھی گئی، لہذا اب اسلام کا اعلان اور کامیابی مکمل ہو چکی ہے، اس لیے وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اسلامی فراخدلی:۔

صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین مکہ و عرب اپنے جاہلیت کے رواج کے مطابق عبادت اور حج کرتے تھے مسلمان اپنے طریقہ پر حج اور عبادت کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مکہ پر اسلامی اقتدار مکمل ہو گیا اور سارے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ غزوہ حنین کے بعد بنو ثقیف اور طائف کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے، لیکن اس کے باوجود حضور علیہ

السلام نے دوسرے کفار کو مکہ آنے سے نہ روکا اور نہ ان کے طریقہ عبادت یا طریقہ حج سے روکا۔ سارا سال یہی معاملہ چلتا رہا۔ نو ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی للہ عنہ حج کی قیادت کر رہے تھے، کیونکہ حج فرض ہو چکا تھا، ادھر کفار بھی حج کے لیے آئے ہوئے تھے، اس طرح اسلام کی عظمت اور اللہ کی وحدانیت کے خلاف تھا کہ اس کے گھر (کعبہ) میں اس کی علاوہ کسی اور کی عبادت ہو۔ اس لئے اس سے منع کر دیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے آیات کی تعلیمات کے مطابق اعلان فرمایا، کہ کوئی مشرک آج کے بعد خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، نہ ہی عبادت کر سکے گا، جس کا ایمان نہیں ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

عبادت گاہوں اور مساجد کا احترام:۔

اس بارے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں، کوئی غیر مسلم خانہ کعبہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو سکتا، لیکن کیا یہ تمام مساجد کے لئے ہے یا صرف خانہ کعبہ کے لئے تھا۔ اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق یہ صرف مسجد حرام کے لئے تھا اور دوسری مساجد میں غیر مسلم جب مسلمانوں کے تحت رہتے ہوں اور دین کی معلومات لینا چاہیں تو داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح مختلف موقعوں پر غیر مسلم مسجد نبوی میں آتے رہے، بعض کی نزدیک تمام مساجد کے لئے ہے، جیسے حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکم جاری کیے تھے۔ دراصل یہ انتظامی حکم ہے جس کے لئے مسلمانوں کے سربراہ کو دوسرے مساجد یا کفار سے معاملات کا زیادہ اختیار ہے۔ وہ کافر جو علی الاعلان جنگ کر رہے ہوں۔ ان کے لئے سخت منع ہے۔

مشرکین کی بدنی نجاست کی اتنی اہمیت نہیں جتنی ان کے اعمال اور نظریات کی ہے۔ یہ حکم، سکان مکہ کے لیے بڑا سخت تھا کیونکہ ان کی ساری معشیت تجارت پر تھی، مکہ شریف پہاڑی اور سنگلاخ زمین پر واقع ہے۔ یہاں زراعت کا نام و نشان تک نہیں، ساری معشیت اور تجارت حج کرنے والوں پر منحصر تھی اور اس کی بڑی تعداد مکہ سے باہر سے آنے والوں کی تھی۔ جب کفار کا داخلہ بند کر دیا گیا تو وہاں کے لوگوں کے لئے ایک فوری طور پر یہ فکر تھا کہ جب لوگ نہیں ائیں گے تو ان کی تجارت ختم ہو جائے گی۔ اس خدشہ کا جواب آیت مبارکہ میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی مزید وسائل پیدا فرما دیں گے اور رزق اور

تجارت کا خوف احکام خداوندی کی راہ میں نہیں آنا چاہیے۔ اللہ تعالی نے اس کا وسیلہ پیدا فرمایا کہ اسلام خطہ عرب میں اس قدر جلدی سے پھیلا کہ ایک ہی سال میں سارے عرب قبائل مسلمان ہو گئے۔ حج، عمرہ کی رونقیں اور بڑھ گئیں۔ عبادات اور احترام کا یہی تقاضا تھا، کہ غیر مسلم کو مسجد الحرام سے دور رکھا جائے۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے احترام کا بھی اسلام نے حکم دیا ہے۔ چونکہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رکھی تھی اس لئے حکم ہوا کہ اب مسلمانوں کو ان سے کوئی خوف نہیں کرنا چاہیے، اگر وہ اسلام کے مخالف ہوں تو ان کی کمر توڑی جائے اگر وہ مسلمانوں کی سربراہی قبول کرلیں تو ان کو رہنے اور حفاظت کی تمام سہولیات دی جائیں۔ نبی علیہ السلام نے مجوسی، یہودی نصرانی، صابی، سبکو امان دی اور ان سے جزیہ وصول کیا۔

جزیہ:۔

جزیہ وہ رقم ہے جو غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں سلامتی خدمات کے بدلے (ان کی حفاظت) کے لئے ادا کرنا پڑتی ہے، کیونکہ دفاعی خدمات سے مستثنیٰ ہیں، اس کی رقم، حکومت کا سربراہ، ہر فرد سے یا علاقہ کے معاشی حالات کے مطابق متعین کرتا ہے۔ جس طرح نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین نے بھی کیا۔ اس سے عورتیں، معذور افراد، بچے اور مذہبی عمارتوں میں متعین افراد، پادری وغیرہ مستثنیٰ ہیں (اگر عورت ملازمت یا کاروبار کرتی ہے تو اس سے لیا جائیگا) اگر کوئی غیر مسلم معاشی طور پر اتنا کمزور (ناقابل کمائی) ہو جائے تو وہ بھی مستثنیٰ ہے، بلکہ ریاست کی طرف سے امداد بھی دی جائے گی، جس طرح حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا تھا۔ جزیہ ایک حقیقی طور پر ٹیکس ہے اس کا مقصد آمدن نہیں بلکہ خدمات کا معاوضہ ہے۔ جو حفاظت کی خدمات کے مقابل لیا جاتا ہے، اسلئے عورتیں، بچے، معذور افراد، مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ دفاع کی خدمات کے قابل نہیں ہوتے بلکہ ان سب کا دفاع و حفاظت اسلامی حکومت کرتی ہے تاکہ امن وامان سے رہ سکیں۔ سپین، وسطی ایشیا یا ہندوستان، ہر جگہ جہاں بھی غیر مسلم تھے اسلام نے انہیں پناہ دی اور ان کے حقوق کا خیال کیا، کسی طرح انسانی تفریق معاملات میں نہیں رکھی گئی آپ ﷺ کی ہدایات تھیں کہ کسی پر اس کی

طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، جس شخص نے کسی غیر مسلم کے ساتھ ظلم کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں اس غیر مسلم کے ساتھ اس کے حق لئے کھڑا ہوں گا (تفسیر مظہری)۔ کس قدر انسانی عظمت کا اقرار اور انسانی مساوات کا اعلان ہے۔ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کو قبول نہیں کرتے ان کے لئے ملک سے ہجرت کا راستہ کھلا ہے، ایک معین مہلت تقریباً چار ماہ تک کی ہے (پہلے آیات میں ہے) جس کے اندر علاقہ سے باہر جا سکتے ہیں۔ مذہب کی تبدیلی مقصود نہیں، اور نہ کسی سے زبردستی مذہب تبدیل کرایا جا سکتا ہے۔ یہ صرف احکام الٰہی کا معاشرہ میں نفاذ میں باہمی تفرقہ بازی یا اختلافات کو کم کرنا ہے تاکہ داخلی فساد نہ ہو۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۳۰)

اور یہود نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا، مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کا قول جو منہ سے نکالتے ہیں، یہ ان لوگوں قول سے مشابہت کرتے ہیں جو پہلے کفر کر چکے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۳۱)

انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پچھلی آیات مبارکہ میں اسلام اور جزیہ کا ذکر تھا، آیات میں یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا، روایات میں ہے کہ وہ طویل عرصہ (سو سال سے زیادہ مدت) کے بعد جب یوروشلم گئے تو لوگ انہیں بھول گئے تھے۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا۔ یوروشلم پر بخت نصر کی تباہی کے

دوران تورات گم ہو گئی تھی، کہا جاتا ہے بخت نصر کے خوف سے زمین میں چھپا دی گئی تھی جس کا حضرت عزیر کو پتہ تھا۔ انہوں نے اسے نکالا لیکن کاغذ گل چکے تھے، انہوں نے اپنی یاداشت سے اسے دوبارہ تحریر کر کے لوگوں کو دی۔ جس کی وجہ سے انہیں لوگوں نے نبی جانا اور پھر بعد میں اللہ کا پیارا یعنی بیٹا بنا لیا، جو محبت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی حضرت عیسی کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ اس کی تفصیل سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ حالانکہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات توحید کی تھیں۔

اندھی تقلید اور تشدد:۔

اگلی آیت میں مذہبی رہنماؤں کے کردار کے اثرات کا ذکر فرمایا۔ یہ اگرچہ یہود اور نصاریٰ کے بارے ہے کیونکہ مشرق وسطیٰ کے اہم مذاہب اس وقت یہی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن دراصل اس کا تعلق انسانی نفسیات اور کردار سے ہے۔ اس لئے سب علاقوں کے مذاہب اور ان کے رہنماؤں پر لاگو ہوتے ہیں۔ آیات میں ان راہبوں اور زاہدوں کو رب بنانے کا ذکر ہے حالانکہ وہ نہ تو رب تھے، نہ ہی رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف وہ مذہب اور اپنے لیڈری کی بنیاد پر اپنی رائے پر احکام اس طرح دیتے اور ان پر عمل کرنا ضروری بنا دیتے ہیں، گویا کہ وہ خود رب ہیں، یہ وہ نکتہ ہے جس میں اندھی تقلید کو اللہ تعالی نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ جس قدر بڑا زاہد، عابد، عالم ہو اس کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ انکے احکامات یا تعلیمات کو ارشاد خداوندی اور تعلیمات رسول ﷺ کی روشنی میں جانچنا چاہیے۔ ہمارے علمائے حق نے ہمیشہ برملا کہا ہے کہ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے لہذا اگر ان کا کوئی قول بھی قرانی احکام یا مستند حدیث کے خلاف نظر آئے تو اسے چھوڑ دیا جائے (بحوالہ امام ابو حنیفہ و امام شافعی)۔ متعدد روایات سے ثابت کہ جب بھی کسی صحابی کو ان کے عمل کے خلاف ، قطعی حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا ذاتی عمل چھوڑ کر حدیث کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا، ہمارے متقدمین علماء و شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اب اس امت کے علماء و مذہبی پیشوا وہی کر رہے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور جس کی طرف اشارہ ایک حدیث میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ علماء اور صوفیاء اپنے طریقہ کو ہی اسلام اور فرض قرار دیتے ہیں۔ جس کی

وجہ سے عام لوگ جن کی قرآن مجید و حدیث تک رسائی نہیں یا مطالعہ نہیں کرتے، مذہبی پیشوا (علماء اور صوفیاء) کا ان کی تقلید پر اصرار کرنے کی وجہ سے فرقہ بندی اور تشدد نے جنم لیا ہے۔ یہی وجہ ہے آج ہر فرقہ، گروہ، اپنے لباس اور انداز پر مصر ہے اور عدم برداشت کا شکار ہیں۔ اس سے اتحاد بین المسلمین کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

حکمرانوں اور علماء کا اثر:۔

انسانی معاشرہ میں حکمران یا لیڈر خواہ انتظامی ہو یا علمی، ان کا معاشرہ کے لوگوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق لوگوں میں دو طبقے ایسے ہیں کہ اگر صحیح راستہ پر ہوں تو عوام الناس صحیح اور اگر غلط راہ پر ہوں گے تو عوام الناس گمراہ ہو جاتے ہیں، وہ علماء اور امراء (حکمران) ہیں۔ (صنفان من الناس إذا صلحا صلح الناس وإذا فسدا فسد الناس: العلماء والأمراء)۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴿۳۲﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ قبول نہیں کرتا، مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے، اگرچہ کفار (اسے) ناپسند بھی کریں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴿۳۳﴾

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (رسول) کو ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

مشرکین عرب یہود اور عیسائیوں کے اعمال کے بعد اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تسلی کے لئے اپنی عنایت کا ذکر فرمایا کہ اس نے اپنی ہدایت اور رحمت، نبی علیہ السلام اور قرآن مجید کی صورت میں انسانیت کے لیے عطا فرمائی اور مخالفین اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ یہ نور ہدایت ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالی اسے مکمل کریں گے اور پھر اس نور حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ نبی کریم نے اپنی زندگی میں زمین عرب پر اپنی کامیابی اور غلبہ کی تعبیر دیکھ لی تھی پھر آپ ﷺ کے وصال کے چند سال بعد قریبی ممالک ایران، شام اور مصر تک اسلام کا غلبہ پھیل گیا اور ایک سو سال کے اندر

اسلام دنیا کے بڑے ادیان پر غالب ہو گیا اور اس کا تمدن دنیا کے عظیم علاقوں جس میں ایشیا، یورپ، افریقہ کے علاقے شامل تھے رہا یہ تاریخی حقیقت آج تک موجود ہے۔

نبی علیہ السلام کی ذات بابرکت اسلامی کردار کا صحیح نمونہ تھی، آپ کا کردار یہ تھا کہ بحیثیت بادشاہ، آپ نے فقیر کی طرح زندگی گزاری، جب اس دنیا سے گئے تھے گھر میں کچھ نہ تھا۔ کردار میں صادق وامین، سب کے لئے برابر انصاف، اور حقوق کی ادائیگی، سب سے پہلے ادا کرنے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا وجود نور ہدایت تھا جس کا آیت میں ذکر ہے۔ اسلام دنیا میں انسانیت کے اعلی معیار کے لئے اللہ تعالی نے پسند اور نافذ فرمایا۔ مسلمان جب تک قرآن اور نبی علیہ السلام کے کردار کے مطابق احکام، حکمران اور علماء رہے، اس وقت تک اسلام کو عظمت حاصل رہی۔ درحقیقت اسلامی اقتدار کے حامل حکمران بمشکل ساٹھ سال رہے لیکن اس کا اثر اس قدر لمبا رہا کی تقریبا ایک ہزار سال تک اسلام دنیا کی عظیم حکومت اور تہذیب و تمدن رہا۔ لیکن پھر تیسری صدی (ہجری) کے بعد اس کے حکمرانوں کا کردار کمزور ہو گیا۔ جن حکمرانوں کے کردار اسلامی اصولوں اور نبی کریم کریم علیہ السلام کے مطابق تھے انہوں نے اسلامی سلطنت کو استحکام اور ترقی دی، جب مسلمانوں اور بلخصوص حکمرانوں نے، آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کے طریقہ زندگی، عدل پسندی، انسانی مساوات، جواب دہی، امانت، کو چھوڑ کر بادشاہی، ذاتی جاہ وجلال کو اپنا لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مسلمان علم وحکمت، سائنس اور تجارت میں کمزور ہوتے گئے۔ حتی کہ سولھویں صدی عیسوی میں دوسروں کے ماتحت ہو گئے اور آج جن حالات سے گزر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالی کی مدد اور نصرت اس وقت شامل حال ہوتی ہے جب اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ ایک حدیث مبارک ہے، کہ اگر دو طبقے کسی معاشرہ میں ٹھیک ہوں تو سارا معاشرہ ٹھیک ہوتا ہے اور اگر وہ خراب ہوں تو سارا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے وہ امراء اور علماء، یعنی حکمران اور اہل علم ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا، اہل علم نے تحقیق و جستجو چھوڑ دی اور حکمرانوں نے انصاف پرستی، انسانی مساوات اور اللہ کے ہاں جواب دہی سے غافل ہو کر اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔

جب تک یہ حالت رہے گی اس وقت تک مسلمان پریشانی میں مبتلا رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود کوشش کر کے نہ بدلے۔ (بحوالہ آیت مبارک)۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍۙ﴿۳۴﴾

اے ایمان والو! بیشک (اہل کتاب) اکثر علماء اور درویش، لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴿۳۵﴾

جس دن اس (مال) کو دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی اور پھر اس مال سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، پس چکھو مزا کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کر رہے تھے۔

ہدایت کے ذکر کے بعد اہل کتاب کے علما اور رھبان کے کردار کا ذکر کیا اور یہ کردار ان کے علاوہ، موجودہ دور کے علماء اور درویشوں پر بھی صادق آتا ہے۔ دولت کی محبت اور لالچ کسی بھی انسان کو پھسلا دیتی ہے۔ اس زمانے میں عام طور پر حکام یا اہل ثروت کے لیے احکام کی اہمیت کو نرم کر دیتے تھے۔ دوسری طرف عوام سے تحائف اور انعامات کی توقع رکھتے تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ اپنے مقاصد کے لئے چندے یا رقوم وصول کرتے، لیکن اس مقصد کے علاوہ استعمال کرتے تھے۔ اس طرح بجائے دین کی خدمت کے اپنے مفادات کا خیال کرتے۔ لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا کہ ان کی خدمت سے آخرت میں نجات ہو گی۔ اگر دیکھا جائے تو آج بھی اسی قسم کے حالات نظر آتے ہیں۔ ایسے کردار والوں کو سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

جو لوگ دولت جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں لوگوں کی بھلائی کے لیے خرچ

نہیں کرتے۔ان کی دولت جمع کرنے اور معاشرہ کے افراد کے حقوق سے بے پرواہئ کی سزا کے بارے بتایا گیا ہے۔ قران مجید کی کئی ایات میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس آیت کا مصداق تمام انسان ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پریشان ہوگئے۔ حضرت عمر نے کہا چلو میں تمہارے لیے اس معاملہ کو کشادہ کراتا ہوں۔ پھر انہوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، اے اللہ کے نبی: آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے۔تب رسول اللہ نے فرمایا، اللہ تعالی نے زکوۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ باقی تمہارا مال پاکیزہ ہوجائے اور وراثت تمہارے بعد والوں کے لیے فرض کی ہے۔(سنن ابی داود).

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کردی تو تم نے اس حق کو ادا کردیا جو تم پر واجب تھا(ترمذی شریف)۔جو لوگ زکوۃ نہیں دیتے ان کے لیے شدید سزا کا ذکر ہے، کیونکہ جسم کے اہم اعضا، پیشانی، کمر اور پہلوں پر داغنے کا فرمایا ہے۔زکوۃ کے علاوہ اگرادمی مزید محتاجوں اور ضرورتمندوں کو دیتا ہے تو اس کا اجر بہت زیادہ ہے کیونکہ وہ صدقہ ہے۔اس کی ترغیب بھی کئی احادیث میں ائی ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۳۶﴾

اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب میں بارہ ہے، جس دن سے اس نے اسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم (جنگ کی ابتدا) نہ کرنا اور تم تمام مشرکین سے اسی طرح جوابی جنگ کیا کرو، جس طرح وہ سب کے سب تم سے کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ بے شک پرہیزگاروں کی ساتھ ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۳۷﴾

آگے پیچھے ہٹا دینا (حرمت والے مہینوں کو) محض کفر میں زیادتی

ہے، اس سے وہ کافر لوگ بہکائے جاتے ہیں جو اسے ایک سال حلال گردانتے ہیں، اور دوسرے سال حرام ٹھہرا لیتے ہیں تاکہ (ان مہینوں) کا شمار پورا کر دیں جنہیں اللہ نے حرمت بخشی ہے اور اس کو حلال کر دیں جسے اللہ نے حرام فرمایا ہے، ان کے لیے ان کے برے اعمال خوشنما بنا دیے گئے اور اللہ کافروں کی گروہ کو ہدایت نہیں فرماتا۔

عرب پرانے رواج کے مطابق چار ماہ بطور حج، عمرہ کے لیے جنگ و جدال بند کر دیتے تھے تاکہ لوگ سفر کر سکیں۔ لیکن پھر جب قبائل کی جنگ ہوتی تو اسے تبدیل کر دیتے یعنی اگر محرم کا مہینہ ہوتا تو ایک اور نام دیکھ کر جنگ شروع کر دیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو اس کو محرم بنا دیتے۔ بعض اوقات گنتی میں مہینہ بڑھا دیتے۔ وہ یہ امور اپنی پسند کے مطابق کرتے تھے۔ دوسری طرف قرآن مجید نے بتایا کہ زمین و آسمان کے نظام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے کا نظام بنایا ہے۔ اس نظام شمسی جس میں سورج و زمین ہے۔ ایک سال کے دوران کائناتی نظام کے لئے لیے بارہ مہینوں پر مشتمل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بارہ مہینوں میں پھر وہی موسم آجاتا ہے اور بارہ بروج پر ماہرین فلکیات والے تخمینہ لگاتے ہیں۔ اسلام نے جنگ و جدال سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر دشمن مجبور کر دے تو جنگ کی اجازت ہے کیونکہ دفاع بہت اہم ہے۔ حرمت کے مہینوں کا خصوصی احترام کرنے کا حکم ہے کہ جنگ کی ابتداء نہ کی جائے۔ لیکن جنگ ہونے کی صورت میں اپنا دفاع اچھی طرح سے کیا جائے اور گھبرایا نہ جائے تاکہ کفار مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں۔

خیالات کا دھوکا (سراب):۔

دوسری طرف صرف منکرین حق (کفار عرب) کی ذہنی کیفیت کا ذکر کیا، کہ وہ ایک طریقہ جو جاری ہے اور نظام کائنات کے مطابق ہے، اس کو اپنے مفادات کے لئے بدل دیتے ہیں۔ شیطان ان کے لیے خیالات میں مختلف بہانے تجویز کرتا ہے جس کی بنا پر وہ یہ اعمال بد کرتے ہیں۔ دراصل اعمال بد کا محرک شیطان ہے۔ جو مختلف خیالات کے ذریعے غلط چیزوں کو ملمع سازی کر کے کوئی نکتہ (بظاہر صحیح خیال) نکال کر

انسان سے غلطی کروالیتا ہے۔ انسان اس غلط کام کو صحیح خیال کرتا ہے۔ یہی وہ دھوکا ہے جس کا ذکر بار بار قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ انسان کے گناہ پر تکرار کی وجہ سے اللہ تعالی اسے ہدایت سے محروم کردیتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ (۳۸)

ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا جب تم سے کہا جاتا ہے تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہوکر زمین کی طرف جھک جاتے ہو، کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی سے راضی ہوگئے ہو؟ پس دنیا کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں (بہت معمولی ہے)۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۳۹)

اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔

دفاعی منصوبہ بندی:۔

موقع نزول: فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد عرب کے اندر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی، آٹھ سال کی جدوجہد کے بعد مسلمان ایک سیاسی سماجی قوت بن چکے تھے۔ عرب اسلام کے احکام سے آگاہ ہورہے تھے اور کچھ سردار بھاگ کر ساتھ والی مملکتوں (رومی اور غسانی) میں پناہ لے کر وہاں کے حکمرانوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانے لگ گئے۔ جس کی وجہ سے قیصر روم نے اپنے علاقہ شام کی سرحدوں پر فوج اکٹھی کرنے اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ نبی ﷺ دفاعی امور پر توجہ دیتے اور مختلف معلومات حاصل کرتے۔ آپ کو یہ اطلاع شام سے آنے والے قافلوں سے ملی تو آپ نے فورا فیصلہ کیا کہ بجائے وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور راستے کے قبائل کو ملا کر اپنی طاقت بڑھاتے جائیں۔ یہاں منافقین اور یہود جنہوں نے پہلے بھی غزوہ خندق پر دھوکہ دیا یا پھر کوئی مشکل پیدا کریں۔ زیادہ بہتر ہے کہ احتیاطی دفاعی انداز اپنا کر مخالف کو سرحد پر ہی روکا جائے اور

قریبی قبائل کو بھی ساتھ ملایا جائے۔ گرمی کا موسم، فصلوں کی تیاری، لڑائی کا سامان مسلمانوں کے پاس بہت تھوڑا تھا اور سرحد بھی مدینہ سے کافی دور تھی۔ آپ نے علی اعلان تبوک کی طرف جا کر رومی حکومت (افواج) کو وہاں روکنے کا اعلان فرما دیا۔ منافقین بہانے بنانے لگے کیونکہ سفر لمبا تھا اس کے لیے سواریوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس اونٹ یا گھوڑے بہت کم تھے۔ جس کی وجہ سے غریب صحابہ کے لیے جانا مشکل تھا۔ اسی موقع پر حضرت ابو بکر اپنے سارے گھر کا سامان لے آئے اور پیش کر دیا۔ حضرت عمر آدھے گھر کا سامان لے آئے، حضرت عثمان نے تین سو اونٹ بمعہ سامان اور ایک ہزار دینار لائے۔ ان آیات مبارکہ میں اسی جہاد کی تاکید ہو رہی ہے۔

اسلام کی حفاظت کیسے؟

اس غزوہ میں تیس ہزار کے قریب صحابہ نے سفر کیا، منافقین نے بہانے بنائے اور کچھ صحابہ جو تیار بھی تھے رہ گئے۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر تم اسلام کی حفاظت نہیں کرو گے تو اللہ تعالی کسی اور قوم کو لے آئے گا اور مسلط کر دے گا۔ یہاں اسلام کی حفاظت سے مراد، آزاد اسلامی نظام کو معاشرے میں لاگو کرنا ہو گا۔ انسانی مساوات، عدل، سماجی و معاشی مساوات، جو کمزور اور محتاجوں کی دادرسی، امداد، اور خاندانی نظام، جس کا حکم اللہ اور اللہ کے رسول نے دیا ہے۔ اگر اس پر عمل نہیں ہو گا تو اللہ تعالی کسی اور قوم کو مسلمانوں پر مسلط کر کے، نافرمانی کی سزا دیں گے۔ تاریخ نے ثابت کیا، حضور کی وفات کے تقریبا پچاس سال بعد تک صحیح نظام رہا، اس کے بعد اس میں شخصی حکومت کی خرابی آ گئی اور مسلمان حکمران آہستہ آہستہ اسلام کے اصلی نظام سے دور ہوتے چلے گئے اور اللہ کی نظروں سے گر کر دنیا میں محکوم ہو گئے۔ جس کی تاریخ گیارھویں صدی ھجری سے شروع ہوتی ہے اور نو آبادیاتی نظام سے ہو کر آج تک جاری ہے۔ اسلام کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسلامی جمہوری (اہل علم و سمجھ عوام، کی رائے کا شورائی نظام) اسلامی اصولوں پر رائج ہو۔ مشورہ کے لئے جدید اور مناسب طریقہ، ووٹنگ (رائے شماری) ہے۔ حکمران، اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے والا اور جواب دہ ہو۔ ایسا ہوا تو اللہ کی مدد و نصرت شامل ہو گی ورنہ کبھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اموی، عباسی،

عثمانیہ، مغلیہ، دوروں کے حکمران جب عیاش ہو گئے تو ذلیل اور رسوا ہوئے اور اقوام عالم میں پیچھے رہ گئے اور امت کو غلامی میں دھکیل دیا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

آج بھی جو ہو ابراہیم کا ایماں پیدا　　آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جدوجہد اور بھلائی کرنے والے کو انعام اور گناہ و کاہلی کرنے والے کو سزا دیتا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم ان (رسول) کی مدد کرو گے پس اللہ نے ان کو مدد سے نوازا جب کافروں نے انہیں نکال دیا تھا (مکہ سے)، درآنحالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور انہیں ایسے لشکروں کے ذریعے قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے کافروں کی بات کو پست و فروتر کر دیا اور اللہ کا فرمان تو بلند و بالا ہے اور غالب، حکمت والا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

نکلو! تم ہلکے ہو یا بوجھل (ہر حال میں) اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہد وجہد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے (علم) رکھتے ہو۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اگر مال (غنیمت) قریب الحصول ہوتا اور سفر متوسط ہوتا تو وہ (منافقین) یقیناً آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن مشقت والی مسافت انہیں دور

دکھائی دیتی ہے اور عنقریب قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ضرور آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ واقعی جھوٹے ہیں۔

موقع نزول وہی ہے۔ پچھلی آیت کا مضمون جاری ہے۔ قتال یعنی دفاع اسلام کیلئے نکلنے کا حکم دیا ہے اور پھر کہا کہ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا خود اہتمام کرے گا۔ جس طرح ہجرت کے موقعہ پر وہ بالکل اکیلے نکلے تھے۔ اللہ نے ان کو کامیابی دی۔ جبکہ انتہائی پریشانی کا موقع تھا۔ یہ اشارہ غار ثور میں ہجرت کے دوران حضرت ابوبکر اور حضور ﷺ کے قیام کا ہے۔ جو تین دن آپ نے وہاں گزارے اور ہر وقت دشمن کا خوف سر پر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی اور طمانیت بخشی۔ مکہ کے قریب ہونے اور کفار مکہ کی انتہائی کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور ان کے ساتھی کی حفاظت فرمائی اور بسلامت مدینے پہنچے۔ لہٰذا اللہ کی ذات اسباب پیدا کر دیتی ہے جس طرح پچھلی آیت میں تھا کہ دوسری قوموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ نافذ کراتے ہیں۔ اسی طرح وہ مختلف اسباب بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جو اسلام کا نام لیتے تھے، لیکن عملاً اسلام کی عظمت و سربلندی بھی نہیں چاہتے۔ وہ منافقین ہیں جو جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں۔ ان کی اندرونی نفسیات بیان فرمائی، کہ مادی فوائد نظر آتے تو فوراً ساتھ ہو جاتے۔ اس کے علاوہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص نہیں تھے اس لیے بہانہ بنا کر پیچھے رہ گئے۔ پھر جھوٹی قسمیں کھا کر مزید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس طرح وہ ہلاکت کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر غور کریں تو یہ نفاق، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دھوکہ آج بھی مسلمانوں کے ساتھ چل رہا ہے اور حکمران اور عوام اسلام پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ غیر مسلم ان پر کسی نہ کسی صورت میں غلبہ حاصل کیے ہوئے ہیں۔

تبلیغ اور عمل:۔

اللہ کا حکم ہے اگرچہ کمزور ہو، ہلکے ہو یعنی مال کی، صحت کی، علم کی کمی ہے لیکن دین کی حفاظت اسلام کے احکام کو معاشرہ میں صحیح طور پر نافذ کرنے کے لئے حصہ ڈالنا ضروری ہے۔ لہٰذا کمی کا بہانہ بنانا صحیح نہیں ہے۔ جس قدر اور جس طرح کا حصہ ہے

ڈالا جائے اور اگر وسائل زیادہ ہیں تو وافر انداز میں حصہ ڈالنا ضروری ہے۔ دل میں جو غم یا خوف ہے کہ ہائے میرے وسائل کم ہو جائیں گے، کو ختم کرنا ضروری ہے۔ جو سماجی، معاشی یا بدنی رکاوٹیں ہیں، ان کے لحاظ سے اپنا حصہ ڈالنا ضروری ہے۔ یہ انفرادی حکم تشدد کی بنیاد پر نہیں اصلاح کی بنیاد پر ہے۔ جنگ اس وقت شروع ہو گی جب امیر المومنین (سربراہ حکومت) اعلان جنگ کرے گا۔ آج کل منظم فوج ہونے کے باوجود سول افراد کی ضرورت اور رول بڑا اہم ہے کیونکہ اسلام اور مسلمین کا دفاع ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴿۴۳﴾

اللہ بخشے تم نے انہیں رخصت کیوں دی یہاں تک کہ وہ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے جو سچ بول رہے تھے اور جھوٹ بولنے والوں کو جان لیتے۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴿۴۴﴾

وہ لوگ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ سے اپنے جان ومال سے جدوجہد (جہاد) نہ کرنے کی رخصت طلب نہیں کریں گے۔ اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴿۴۵﴾

آپ سے رخصت (جہاد نہ کرنے کی) صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴿۴۶﴾

اگر انہوں نے نکلنے (جہاد کے لئے) ارادہ کیا ہوتا تو وہ اس کے لیے ضرور سامان مہیا کر لیتے لیکن اللہ نے انکا کھڑے ہونا ناپسند کیا اور انہیں روک دیا اور ان سے کہہ دیا تم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴿۴۷﴾

اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے لیے شر اور فساد بڑھاتے اور

تمہارے درمیان فتنہ برباد کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے اور تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتوں پر توجہ کرتے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴿۴۸﴾

وہ بے شک پہلے ہی فتنہ پیدا کرنے میں لگے رہے اور آپ کے کام الٹ پلٹ کرتے رہے یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴿۴۹﴾

اور ان میں وہ شخص ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے (جہاد نہ کرنے کی) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے سن لو وہ فتنہ میں گر پڑے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ﴿۵۰﴾

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے وہ انہیں بری لگتی ہے اور اگر تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے کام میں (احتیاط) کو اختیار کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۵۱﴾

آپ کہہ دیجیے ہمیں کچھ نہیں پہنچے گا مگر وہی (پہنچے) جو کچھ اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر مومن کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر آیات نازل ہوئیں۔ اس وقت مدینہ میں مسلمانوں میں جو منافق تھے انکے رویہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ منافقین وہ افراد تھے جو اسلام سے قبل مدینہ میں اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ جب حضور تشریف لائے تو قبائل نے آپ کو سربراہ منتخب کر لیا۔ وہ بظاہر مسلمان تھے اور خوف کی وجہ سے برملا مخالفت نہیں کرتے لیکن

جب بھی ریاست کی مدد کی ضرورت پڑتی وہ کتراتے تھے۔ اس وقت جب آپ نے پکارا تو وہ مختلف بہانے بنا کر معذرت کرنے لگے۔ حضور ﷺ چونکہ ان کے کردار کو جانتے تھے، اس لیے ان کی معذرت قبول کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے ان کی منافقت کا پردہ اس وقت چاک نہیں ہوا۔ ایک منافق جد بن قیس سے جب آپ نے جہاد کا ذکر کیا، تو اس نے کہا میں عورتوں کو چاہتا ہوں اور رومی (شام کے علاقہ) کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں جہاد کے بجائے فتنہ میں پڑ جاؤں گا۔ اس کا آیت نمبر 49 میں ذکر ہے۔ یہ منافقین تھے جو اسلام کا نام لیتے تھے اور اندر سے مسلمانوں کے نقصان پر خوش ہوتے۔ ان کی اس کیفیت کو آیات نے واضح کیا ہے۔ پھر اللہ تعالی نے واضح فرمایا کہ ان کا نہ جانا مسلمانوں کے لیے بہتر تھا۔ کیونکہ وہ ہر وقت مسلمان ہو کر نبی ﷺ کے احکامات سے اختلاف کرتے۔ منفی انداز فکر کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اثرانداز کرتے۔ اچھے فیصلوں کو نظرانداز کر کے اگر کوئی تکلیف ہوتی تو اسے بڑھا کر بیان کرتے۔ اس عمل سے ساری فوج کے مورال پر برا اثر پڑتا۔ اس طرح مسلمان بدنیت ساتھیوں کے عذاب سے بھی بچ گئے۔ اللہ تعالی نے انفرادی کمی کے نقصان کے مقابل آستین کے سانپوں کے نقصانات کو واضح کیا ہے۔ پھر ایک منفی پروپیگنڈا کا اثر جو سادہ لوح انسان پر اثر کرتا ہے اسکی اہمیت اور اس کا حل فرمایا، کہ اگر تمام کوششوں کے باوجود مشکل حل نہیں ہوئی تو اس کو خندہ پیشانی تھی قبول کرنا چاہیے۔ اللہ پر بھروسہ کر کے ہمت نہیں ہارنی اور مزید بہتری کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو مقصد کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں وہ ناکامیوں یا مشکلوں سے نہیں گھبراتے اور یہی اعلیٰ لیڈرشپ کمال ہوتا ہے۔ اس طرح کے مسائل رہتی دنیا تک تحریکوں میں رہیں گے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖؗ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہہ دیجئے! کہ تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو (شہید یا غازی) اور ہم تمہارے لئے اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں سے پس انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں (تمہارے انجام

کو دیکھنے کے لیے)۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴿۵۳﴾

کہہ دیں! اگر تم خوشی سے یا مجبوراً خرچ کرو۔ وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔

وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴿۵۴﴾

اور ان سے ان کے صدقات (نفقات) کے قبول کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے منکر ہیں وہ نماز کی ادائیگی کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی اور بے رغبتی کے ساتھ۔ اور وہ جب خرچ (صدقہ) کرتے ہیں تو بددلی سے کرتے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۵۵﴾

پس آپ کو نہ تو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں ڈالیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ انہیں اس دنیا کی زندگی میں انہیں (چیزوں) کی وجہ سے عذاب دے اور ان کی جان جب نکلے تو وہ کافر ہوں۔

وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴿۵۶﴾

اور وہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہی (یعنی ساتھ) ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوفزدہ ہیں (اصل ظاہر نہیں کرتے)۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ﴿۵۷﴾

اور وہ کوئی پناہ گاہ یا غار یا سرنگ پالیں تو انتہائی تیزی سے بھاگ کر اس کی طرف پلٹ جائیں (وہاں چھپ جائیں)۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴿۵۸﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو صدقات کی تقسیم پر طعنہ زنی کرتے ہیں پھر اگر انہیں ان صدقات میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہوجائیں اور اگر نہ دیا جائے تو فوراً ناراض (غصہ) ہوجائیں۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴿۵۹﴾

اگر وہ لوگ راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول ہی نے عطا کیا تھا (تو کتنا اچھا ہوتا)، اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول عطا کرے گا بیشک ہم اللہ کی طرف بھروسہ (رغبت) کرنے والے ہیں۔

منافقت اس کے اثرات:۔

پچھلی دس پندرہ آیات مبارکہ منافقین کے کردار کا تجزیہ, معاشرے اور جذبہ اتحاد میں اس کے اثرات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ معاشرے میں تین طرح کے افراد ہوتے ہیں ،ایک ماننے والے، دوسری قسم اس کے مخالف انکار کرنے والے ،یہ دونوں طبقے نظریاتی یا دلی ارادے کی بنیاد پر ہوتے ہیں، ایک تیسرا طبقہ جو نہ ادھر ہے نہ ادھر،وہ منافقین کا ہے، وہ بظاہر ایک گروپ کے ساتھ ہوتے ہیں، لیکن دل میں وہ اس کے ساتھ نہیں ہوتے۔ منافقت ایک اعلیٰ درجے کے تعلق کا جھوٹا دعویٰ کرنا ہے۔ جبکہ فی الحقیقت وہ درجہ یا تعلق بالکل نہیں ہوتا اور صرف بناوٹ کی جاتی ہے۔ اس تعلق کی بنیاد عموماً اخلاقی یا مذہبی ہوتی ہے یہ ایک نچلے درجے کی ذہنی کیفیت ہے۔

آیات مبارکہ نے منافق کے طریقہ کار سے جو معاشرے پر اثر پڑتا ہے اور اس کا محرک کیا ہے، کا بڑا خوبصورت نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ منافقین کا طبقہ جو نہ ادھر نہ ادھر ہوتا ہے۔(1)۔ اسکا سبب اسکے ذاتی مفادات جو مالی یا سماجی طور پر ہوتے ہیں ۔یہ محرکات نظریاتی نہیں ہوتے اسلئے یہ بڑے جلد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جب فائدہ ملتا ہے، تو رائے بدل جاتی ہے اور جب مالی مفاد کم ہو جاتا ہے تو پھر رائے بدل جاتی ہے۔(2)۔ ارادوں میں کمزوری کی وجہ سے وہ برملا مخالفت نہیں کرتا لیکن جذبہ یگانت اور تعاون میں خیانت کرتا ہے، اور نقصان دیتا ہے۔ اسلئے ان سے بچنا ضروری ہے۔(3)۔ نظریہ نہ ہونے کیوجہ سے اپنے کردار پر ٹھیک قائم نہیں رہتا، قابل بھروسہ نہیں ہوتا۔ اور کسی اہم مشن کے لئے اعتماد کے قابل نہیں رہتا۔ انہیں اصولوں اور اعمال کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا ہوا وہ ساتھ نہ گئے ورنہ نقصان دہ ہوتے۔(4)۔ منافق انتہائی بہانہ باز ہوتا ہے اور جھوٹے موٹے بہانے بناتا ہے۔

منافقت کا علاج بھی بتا گیا کہ نظریہ کے ساتھ لگاؤ لگایا جائے۔ مفادات کے

عارضی پن کی حقیقت پہچانی جائے اور اس سے چھٹکارا حاصل کر کے نظریہ اپنایا جائے، اس نظریہ کے ساتھ نفع و نقصان پر بھروسہ کیا جائے اور کامیابی کو مقصود بنایا جائے۔ اسلئے فرمایا کہ بیشک ہم (مسلمان/مومن) عارضی حالات کے اتار چڑھاؤ سے بے پرواہ ہو کر اللہ کی طرف بھروسہ و رغبت کرنے والے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے ایسے ہی کردار کی تربیت دی ہے۔ منافقین کے ہاں اگر دولت ہے تو اسے کامیابی نہیں سمجھنا بلکہ وہ اپنا حساب دنیا میں دیں گے اور آخرت میں رحمت کے حصہ سے محروم رہیں گے۔ یہی اصول غیر مسلموں کے لئے بھی ہے، ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں دیا جائے گا۔ جو لوگ نماز صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرتے اور صدقات و خیرات نہیں دیتے۔ ان کے اعمال کو بھی نفاق کی علامت کہا گیا۔ احادیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ منافقین کی یہ علامت ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب لڑائی پہ آئے تو بدزبانی کرے (گالیاں دے) اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

بیشک صدقات (زکوۃ) غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جنکے دلوں کو اسلام کی طرف الفت دلانا ہے اور انسانی گردنوں کو آزاد کرانے کے لیے (غلامی ختم کرنا) اور قرض داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں جہدوجہد کرنے والوں پر اور مسافروں پر۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

پچھلی آیات میں منافقین کا صدقات کی تقسیم اور لالچ کا ذکر آیا۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے زکوۃ کے مصارف یعنی جہاں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جائے کو بیان فرمایا ہے۔ یہ قرآن مجید کی عظمت اور اسلام کی تنظیمی صلاحیت ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل ایک فلاحی ریاست کو قائم کیا۔ اسکی آمدن اور اخراجات کا باقاعدہ طریقہ کار منظم کیا تاکہ اس کا استعمال صحیح طریقہ سے ہو اور کوئی خرابی

پیدا نہ ہو سکے۔ زکوۃ اور صدقات کا مصرف سو فیصد فلاح اور معاشرے کے کمزور طبقات کے لیے مختص ہے۔ اس کا مقصد معاشرے میں سماجی تفریق کو کم سے کم کرنا ہے۔ زکوٰۃ بظاہر لگتا ہے کہ ایک شخص یعنی مالک مال کے لئے اچھی نہیں کیونکہ وہ اپنا مال دوسرے افراد کو دے رہا ہے۔ لیکن سماجی اور اخلاقی طور پر اس کے اہم فوائد ہیں۔

۱۔ اللہ کی محبت کا اظہار اور ثبوت ہے کہ اس کے حکم کی خاطر اپنا مال دے دیا جسے وہ رکھنا چاہتا تھا۔

۲۔ مال کی محبت اور مال صرف کرنے میں بخل کی عادت ختم ہوتی ہے اور مال کے ختم ہو جانے کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ اللہ کی نعمت یعنی مال کے وجود پر زکوٰۃ وصدقہ کی ادائیگی کر کے اظہار تشکر ہے۔

۴۔ زیادہ مال، زیادہ زندگی کی رنگینیوں، عیاشیوں اور پھر گناہ کی طرف لے جانے کا سبب بن جاتا ہے زکوٰۃ اور صدقہ سے اس کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

۵۔ کثرت مال غرور پیدا کر دیتی ہے زکوٰۃ وصدقہ سے اس میں کمی ہوتی ہے۔

۶۔ مال ختم ہو سکتا ہے لیکن نیکی کا ثواب رہے گا۔

۷۔ صدقات وزکوٰۃ سے معاشرے میں اصلاح وترقی ہوتی ہے۔ معاشی وسماجی تفریق میں کمی ہوتی ہے۔ امن اور سکون کو تقویت ملتی ہے۔ جرائم میں کمی آتی ہے۔ یہ ایک معاشی سماجی خدمات وبرکات کا طویل موضوع ہے۔

۸۔ رحم اور جذبہ شفقت میں زیادتی ہوتی ہے انسان اس طرح ایک انسان کو سہولت اور خدمت پہنچاتا ہے۔

زکوۃ لینے والے کی انا یا نفس کو مجروح ہونے سے بچانے کے لئے صاحب زکوۃ کا فرض ہے کہ وہ خود جا کر فقراء اور مفلس افراد کو پیش کریں تاکہ ان کو مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اور اگر حکومت کے ذریعہ مل رہی ہے تو اور بھی مہذب اور انسانیت پسند طریقہ ہے۔ یہ ضرورت مند کے صبر کا بدلہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ یا حکومت خود ان کو مالی امداد فراہم کرتی ہے۔

زکوۃ کے مصارف:۔

قرآنی آیت کے مطابق ترتیب یوں ہے

ا: فقراء جس کے پاس مال جمع نہ ہو۔
۲: مساکین، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہ فقیر سے زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ فقیر، مسکین۔ لہٰذا ان کی مکمل تعریف مشکل ہے۔
۳: زکوۃ کو اکٹھے کرنے والے کی تنخواہ لیکن وہ کوئی تحفہ یا اور طریقہ سے معاوضہ نہیں لے سکیں گے۔
۴: نئے مسلمانوں کو انکی مال معاونت تاکہ وہ اپنے حالات ٹھیک کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو عظمت و کامیابی دی تو یہ مصرف حضرت ابو بکر کے زمانہ میں ختم کر دی گئے بحرحال اب غیر مسلم جو مسلمان ہو یا غیر مسلم ممالک میں جو لوگ اسلام قبول کریں ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔
۵: غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے، اسلام نے غلاموں کو حق دیا کہ وہ اپنے مالک سے بات چیت کر کے آزادی لے لیں اور اس ضمن میں ریاست اور دولتمند افراد ان کو نقدی فراہم کریں تاکہ وہ اپنے مالک کو ادائیگی کر کے آزادی حاصل کر سکیں۔ یہ ایک انقلابی قانونی عمل تھا جس نے مسلمانوں میں غلامی کو ختم کر دیا۔
۶: مقروضوں کو ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے۔ اسمیں جس کا قرض اس کے مال و اسباب کے مقابل زیادہ ہوگا اس کو ترجیح دی جائے گی۔
۷: اللہ کی راہ میں اس سے مراد مجاہدین جو سرحدوں کا دفاع کریں یا مسلمانوں کا دفاع کریں بعض نے اس سے فلاحی کاموں کے لئے بھی لکھا ہے مثلاً راستے، سرائیں، پانی کا انتظام وغیرہ۔
۸: مسافروں کے لئے۔ مسافر بھی زکوۃ کے مستحق ہیں اگر انہیں سفر میں مشکلات پیش آجائیں۔ لیکن ترجیح یہ ہے کہ قرض لے۔ ہاں اگر اس کے پاس کوئی مالی ذرائع نہیں تو وقتی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے۔

زکوۃ کس طرح ادا کی جائے:۔

زکوۃ کسی ایک مصرف پر بھی ساری لگائی جا سکتی ہے اور تمام مصارف پر تقسیم کی جا سکتی ہے اس کی ترجیح میں علماء کا اختلاف ہے بہرحال اگر زیادہ مصارف پر تقسیم ہوگی تو اس کا فائدہ وسیع ہوگا اور بہتر تو یہی ہے کہ حکومت منظم

طریقے سے اس کو صحیح مصارف پر لگائے اور سماجی شعبہ میں جہاں زیادہ ضرورت ہے اسے ترجیح دی جائے۔

ایک اور اہم موضوع زکوٰۃ کے لیے انتقال ملکیت بحق مستحق زکوٰۃ ضروری ہے یا نہیں؟ یہ احناف (فقہ حنفی) کے ہاں ضروری ہے۔ لیکن اگر حکومت کے ذریعہ ہو تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ وہ ذمہ وار ہوگی لیکن ملکیت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے غیر مستحق افراد اور غلط استعمال کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ دوسری ذمہ داری صاحب زکوٰۃ کی ہے کہ وہ اس بات کا پورا خیال رکھیں کہ اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح طور پر صحیح جگہ ہو رہی ہے تاکہ اس کی ذمہ داری پوری ہو اور اللہ کے ہاں اس کا فریضہ بطریق احسن ادا ہو۔

فرضیت اور ضرورت: اسلامی ریاست کے مدینہ میں قیام کے بعد زکوٰۃ مدینہ شریف میں فرض ہوئی۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں زکوٰۃ بھی ہے اور قرآن مجید میں زکوٰۃ و صدقات کا ذکر سب سے زیادہ ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دنیا میں کمزور مخلوق سے کسقدر محبت کرتا ہے اور اسلام معاشی و سماجی تفریق اور طبقاتیت کے سخت خلاف ہے۔ اس وقت کے دور میں زکوٰۃ کا نظام انسانیت کے لئے انقلاب عظیم اور آج بھی یہ نظام انسانی مساوات کے لئے مشعل راہ ہے، جس پر ریاستیں اور حکمران معاشرہ میں سماجی انصاف، انسانی مساوات اور امن و سلامتی کو پھیلا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ہر معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ کوئی بھی صورت ہو۔

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور ان (منافقوں) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان کے کچے ہیں۔ کہہ دیجئے! کہ وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہر ایک کی بات سنتے ہیں، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

مسلمانو! تمہارے سامنے (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيْمُ﴿۶۳﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اس کے لئے دوزخ کی آگ (سزا) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ یہ زبردست رسوائی ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴿۶۴﴾

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو انہیں ان (منافقین) کی دل کی باتوں کی خبر دے دے گی۔ آپ کہیئے! تم مذاق کرتے رہو بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۶۵﴾

اور اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کے بارے میں) پوچھیں تو ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے۔ آپ کہہ دیجئے! کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿۶۶﴾

اگر تم عذر پیش کرو تم بیشک اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کر چکے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں (توبہ کی وجہ سے) تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے (مذاق کرنے پر اڑے رہے)۔

آیات غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں اور منافقین کے کردار کا ذکر ہے منافقین نبی علیہ السلام سے حسد و بغض اور لالچ کی وجہ سے مختلف اعتراض کرتے۔ چونکہ آپ اپنی

رحمت اور اس اصول پر کہ اسلام میں جبر نہیں اور جو کلمہ زبان سے پڑھ لیتا ہے وہ مسلمان کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ آپ ان کے ہر بہانہ پر جرح اور تنقید کرنے کی بجائے فراخ دلی کے وجہ سے کوئی اصرار نہ کرتے اور خاموش رہتے۔ جسے وہ اجازت سمجھ لیتے۔ چونکہ آپ کو ان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ تھا اس لئے آپ تنقید یا مباحثہ سے احتراز فرماتے تھے۔ منافقین اس نرم رویہ پر یہ کہنے لگے آپ کان کے کچے ہیں، اور سمجھا کہ نبی علیہ السلام ہر کسی کی بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کی اور ان کے اہل خانہ کے افراد کی نبی ﷺ سے محبت کا بھی ان کو خوف رہتا اور کہتے کہ اگر حضور ﷺ نے شک کیا تو قسم اٹھا کر تسلی دلائیں گے۔ اسکے ساتھ منافقین کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں وحی کے ذریعہ آپ کو ان کا پتہ چل جائے اور ان کے ساتھ معاشرہ اور خاندان میں واضح طور پر رسوائی ہو گی۔

احترام نبی:۔

آیت مبارکہ میں ان کے اس خود غرضانہ اور کمتر انداز فکر کو رد کیا گیا ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی نظروں میں رسوائی جس کا نتیجہ دائمی عذاب ہو گا۔ اس رسوائی جو معاشرہ میں تھوڑی مدت کے لیے ہو گی سے بدرجہا شدید ہے اور انہیں اس سے بچنا چاہیے تھا۔ ان آیات سے ہر مسلمان کا دل کے ساتھ نبی ﷺ کا احترام کرنے ضرورت ،اسکی اہمیت اور آپ کی توہین کفر ہے، واضح ہوتی ہے۔

عفوودرگزر:۔

ایک دفعہ کچھ منافقین نے دوران سفر آپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس کو اللہ تعالی نے آپ کو اطلاع کر کے ناکام بنا دیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے ان منافقین جو نفاق پر جمع ہوئے تھے ان کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے جب لوگ اکٹھے تھے تو اس بات کا ذکر کیا کہ جو لوگ اس بات پر جمع ہوئے ہیں وہ کھڑے ہو کر اعتراف کریں اور اپنے رب سے استغفار کریں حتی کہ میں بھی ان کی شفاعت کروں۔ جب وہ کھڑے نہیں ہوئے، تب نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ اے فلاں کھڑے ہو۔ حتیٰ کہ آپ سب کے پاس گئے پھر وہ کہنے لگے اعتراف کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اب کہہ رہے ہو، پہلے تمہاری شفاعت کرنے والا تھا اور اللہ قبول

فرمالیتا۔ میرے پاس سے نکل جاؤ (پھر ان سب کو نکال دیا) (بحوالہ تفسیر کبیر از تبیان القرآن غلام رسول سعیدی)۔

اختلاف اور تشدد:۔

کئی دفعہ صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ ان (منافقین) کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے۔ آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور ان کے اصحاب فتح یاب ہوتے ہیں تو وہ ان کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہمارا بدلہ اللہ ان سے لے گا۔اس سے ایک بڑا اہم نکتہ واضح ہے۔ اگر نبی علیہ السلام نے کلمہ گو منافقین کو جو پوری طرح اندرونی دشمنی کر رہے تھے، ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، تو ہم کیوں معمولی مذہبی اختلاف جو مستحبات یا مکروہات پر ہوتا ہے یا محض ذاتی ترجیح کی خاطر، کفر اور تشدد کی ترغیب دیتے ہیں۔ جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی تعلیمات کی بدترین خلاف ورزی ہے۔

مدینہ شریف میں منافقین نے ایک یہودی کے گھر کو مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کا مرکز بنالیا۔ جب معاملہ نہ رکا تو آپ نے گھر کو تباہ کرنے کا حکم دیا تاکہ یہود اور منافقین کو اس بات کا علم ہو جائے کہ مسلمان اپنا دفاع کر سکتے ہیں اور ہر بات سے آگاہ رہتے ہیں لیکن آپ نے کسی فرد کو سزا یا قتل کا حکم، جرم کے باوجود نہیں دیا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۶۷)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے (جنس) ہیں یہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر (بھلائی) سے روک لیتے ہیں انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے بھی انہیں بھلا دیا بیشک منافقین ہی نافرمان ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ (۶۸)

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کفار سے وعدہ کیا ہے کہ جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لیے موزوں ہے اور ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

تم ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے گزر چکے تھے وہ تم سے زیادہ قوت اور زیادہ مال و اولاد والے تھے۔ پس انہوں نے اپنے حصے کے مزے لوٹ لیے اور تم بھی اپنے حصے کے مزے لوٹ لو (دنیا کی زندگی کے) جس طرح انہوں نے جو تم سے پہلے تھے لوٹے تھے۔ تم بھی بحث میں پڑے ہو جسطرح وہ پڑے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور یہی لوگ خارہ (نقصان) اٹھانے والے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

کیا انہیں ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے خبر نہیں پہنچی یعنی قوم نوح، عاد، ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور ان بستیوں کی جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ اللہ ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (گناہ کرنے کی وجہ سے)۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (رفیق) ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں، نماز کو قائم کرتے، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت فرمائے گا بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

اللہ نے مومن مرد اور مومن عورتوں سے وعدہ کیا ہے، ایسی جنتوں کا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں نفیس قیام گاہوں (گھروں)میں رہیں گے، سدا بہار باغوں میں اور ان کے لیے اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے اور یہ عظیم کامیابی ہے۔

منافقین کی عادات کا ذکر جاری ہے اور ان آیات میں دونوں طبقوں یعنی منافقین اور مومنین کا اللہ تعالی نے موازنہ کیا ہے تاکہ اس کی مخلوق کو پتہ چل جائے کہ کون گمراہی پر ہے۔ قرآن مجید ہمیشہ دونوں اشیاء جو باہم متضاد ہوتی ہیں توضیح کے لئے موازنہ فرماتا ہے، تاکہ کوئی غلط فہمی نہ رہے اور پڑھنے والے اچھے نتائج کے لئے اچھے عمل کا انتخاب کر سکیں۔ حضور اکرم ﷺ اور مومنین کیلئے بطور تسلی پرانی امتوں کا ذکر فرمایا۔ انکے ہاں بھی نفاق تھا اور ان کے انجام کے بارے میں بھی بتایا کہ عذاب کے مستحق ہوئے لہٰذا یہ بھی (قوم عاد، نوح، ثمود، ابراہیم، مدین، جو عرب اور ساتھ کے علاقوں، شام / عراق اور فلسطین میں آباد تھے) عذاب کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ برائی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے اور بھلائی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، اس لیے تمام منافقین کا انجام دوزخ ہے۔ یہ سزا ان کے اعمال کا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالی اپنی مخلوق پر ظلم نہیں چاہتا۔ دوسری طرف مومنین جو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں، اللہ کی عبادت (نماز) پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے اعمال کے سبب اللہ تعالی ان پر نعمت فرمائے گا اور جنت کے محلات انعام کی صورت میں دے گا۔ جنت کے اوصاف مختلف احادیث میں ہمیں سمجھانے کے لیے مثال کے طور پر ہیں، ورنہ جنت اور دنیا کی اشیاء کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ان محلات اور باغات کے علاوہ جو مومنین اور مومنات کو بڑھ کر انعام خداوندی ہوگا، وہ اللہ کی رضا ہے، یعنی اللہ تعالی ان سے راضی ہوں گے اور کبھی ناراض نہیں ہوں گے، یہ بہت بلند مقام ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ ان نعمتوں میں رہیں گے۔ اے اللہ پاک ہمیں اپنے فضل سے ان میں شامل فرما۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اے نبی! آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ

هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

یہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے بے شک کلمہ کفر کہا اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے (نقصان دینے کا) ارادہ کیا جس کو نہ کر سکے اور وہ کسی اور چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے انہیں اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا، سو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا، ان کے لیے نہ زمین پر نہ کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان (منافقین) میں بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اس نے اگر ہمیں اپنے فضل سے مال عطا کیا تو ہم ضرور خیرات (صدقہ) کریں گے اور ہم ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

پس جب انہیں اپنے فضل سے مال عطا کیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے گئے اور (اپنے وعدے سے) روگردانی کرتے ہوئے پھر گئے (پیٹھ پھیر لی)۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس دن تک کہ جب وہ اس کے حضور حاضر ہوں گے کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے چھپاؤ اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور اللہ غیب کی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

جو لوگ (منافق) اپنی مرضی سے خیرات دینے والے مومنوں پر ان کے صدقات میں الزام لگاتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی محنت و مشقت کے سوا نہیں پاتے سو یہ تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

آپ خواہ ان (منافقین) کے لیے بخشش طلب کریں یا بخشش طلب نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں گے تو اللہ انہیں نہیں بخشے گا اس وجہ سے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

غزوہ تبوک اسلامی لشکر کے لحاظ سے سب سے بڑا تھا۔ مشقت اور گرمی موسم کے لحاظ سے بھی بڑا سخت سفر تھا۔ منافقین کا وجود مدینہ شریف میں آنے کے بعد پیدا ہوگیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی نفسیات میں حسد، کینہ، بغض، ضد، جب جاہ کس قدر اہم ہیں اور کس طرح انسانوں کو خراب کرتی ہیں۔ لہٰذا مسلمان جہاں بھی ہوں وہاں یہ مشکل ہوگی کہ کچھ افراد مخالف ہوں گے۔ یہ منافق طبقہ چونکہ آستین کے سانپ کی مثال ہے، ان سے بچنا ضروری ہے، جھوٹ، دھوکہ، غلط بیانی ، جھوٹی قسمیں ان کے کردار کا حصہ ہیں ان پر مکمل بھروسہ ناکامی کو دعوت دینا ہے۔

حضور ﷺ کا رویہ اور کردار کامیابی کیلئے بے مثال نمونہ ہے۔ آپ نے منافقین کے گروہ کے ساتھ جو رویہ رکھا وہی ایک لیڈرشپ کے لیے نمونہ اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔

1. آپ کو منافقین کے علم ہونے کے باوجود آپ نے انکے زبانی بیان اور قسموں کو قبول کیا۔
2. عمومی قانون کی عملداری میں مساوات کو قائم رکھا جس طرح منافق کے لئے دیت حاصل کی اور ایک منافق (جلاس بن کر سوید) کو قرض کی ادائیگی کے لیے رقم دی۔

3. صحابہ اکرام نے قتل کا حکم دینے کی گزارش کی، اس کے باوجود ان کو سزا نہیں دی گئی۔ ان کے اقرار پر بلکہ صرف اٹھا کر مجلس سے باہر نکال دیا۔
4. عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ کی گزارش پر قمیض بھی دی اور جنازہ بھی پڑھایا، جبکہ حضرت عمر نے مخالفت کی تھی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سینکڑوں منافق تائب ہو گئے۔

موجودہ دور میں ہر تنظیم یا گروہ میں ایسے افراد ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ رویہ قانون کے مطابق ہونا چاہیے اور انتظامی امور میں ایسے افراد کو دور رکھنا ضروری ہے تا کہ اجتماعی طور پر کوئی نقصان نہ ہو۔ اندرونی نفاق کو کم کرنا چاہیے تا کہ مزید نہ بڑھے۔ اسلئے عدل حقوق کا اہتمام ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا کردار دنیا میں کامیابی کے لیے ایک عظیم نمونہ ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾

رسول اللہ سے جدا ہو کر پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہو رہے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے اس گرمی میں نہ نکلو (لڑائی کیلئے)۔ کہہ دیجئے !کہ دوزخ کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھتے ہوتے۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

پس انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان کے اعمال کا بدلہ جو وہ کرتے تھے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس اگر اللہ آپ کو ان (منافقین) میں سے کسی گروہ کی طرف دوبارہ واپس لے جائے اور وہ آپ سے نکلنے (لڑائی میں ساتھ) کی اجازت چاہیں تو کہہ دیجئے: کہ اب تم میرے ساتھ کبھی بھی ہر گز نہ نکلنا اور تم میرے ساتھ ہو کر کبھی بھی دشمن سے جنگ نہ کرنا۔ تم پہلی مرتبہ پیچھے بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے تھے سو (اب بھی) پیچھے بیٹھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۸۴﴾

اور آپ (رسول) کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے کوئی مر جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمان ہونے کی حالت میں مرے۔

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۸۵﴾

اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دے۔ اور انکی جانیں اس طرح نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴿۸۶﴾

اور جب ایسی سورت (حکم) نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں دولت اور طاقت والے لوگ آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں ہم یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴿۸۷﴾

انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں، بچوں اور معذوروں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو کچھ نہیں سمجھتے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۸۸﴾

لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۸۹﴾

اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

اور دیہاتیوں میں سے کچھ بہانہ ساز رسول کے پاس آئے تاکہ انہیں رخصت مل جائے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ (گھر) میں بیٹھ رہے، عنقریب ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب پہنچے گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ ﴿۹۱﴾

ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ایسے لوگوں پر ہے جو اس قدر وسعت نہیں پاتے جیسے خرچ کریں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہیں نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں اور االلہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾

اور نہ ایسے لوگوں پر (الزام ہے) جب کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ انہیں کوئی سواری دیں۔ آپ نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ تمہیں سوار کروں، وہ اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھوں سے غم کی وجہ سے آنسو جاری تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

الزام کی راہ تو ان لوگوں پر ہے جو آپ سے رخصت طلب کرتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں وہ اس بات سے خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں اور معذوروں کے ساتھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ جانتے ہی نہیں۔

منافقین کے کردار کا ذکر جاری ہے کہ کس طرح وہ مالی طور پر صاحب استطاعت اور جسمانی طور پر صحت مند ہوتے ہوئے مختلف حیلوں اور بہانوں سے تبوک میں جہاد اور

دفاع سے جان کتراتے ہوئے پیچھے رہ گئے۔ اس کو اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے کہ وہ گرمی کے سفر کی مشقت اور اپنے باغوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا، جبکہ دفاع اسلام اور معاشرہ ایک زیادہ اہم فریضہ تھا۔ دوسری طرف مخلص مسلمان جو جذبہ ایمان سے سرشار تھے، وہ اپنی بدنصیبی پر آنسو بہا رہے تھے کہ ان کے پاس سواریاں برائے سفر نہیں، جس کی وجہ سے وہ جہاد میں شامل ہونے سے قاصر ہیں۔ ان کا جذبہ اخلاص بہت شدید تھا۔ اللہ تعالی نے ان دونوں کا موازنہ فرمایا کہ اخلاص والوں کے لیے عدم شمولیت کے ساتھ جنت اور اعلی انعام ہے اور ان منافقوں کے لئے جو معذوروں کی طرح بیٹھ گئے تھے، شدید نقصان میں رہیں گے۔ ان کا نقصان اس قدر شدید ہے کہ یہ روئیں گے لیکن ان کا چھٹکارا نہیں ہوگا۔ ان کے اس دنیا کے آرام اور دولت کی آخرت میں جنت کے انعامات کے مقابل کچھ حیثیت بھی نہیں، اگر ان کو حقیقت معلوم ہو تو یہ آنسو بہائیں۔

آنسو بہانے کے کئی مواقع ہوتے ہیں لیکن بہترین موقع، جب خوف خدا کے لئے بہایا جائے۔ کئی احادیث میں ذکر ہے کہ دنیا میں جس آرام کو ہم اتنی اہمیت دیتے ہیں اس کی آخری زندگی کے آرام کے مقابل کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے توبہ اور استغفار کو زندگی کا لازمی حصہ بنانا چاہیے۔

دفاع کرنے سے جسمانی طور پر جو لوگ معذور ہیں ان کو رخصت (معافی) حاصل ہے چونکہ اس وقت منظم فوج نہیں تھی اور ریاستی وسائل و ذرائع محدود تھے اس لیے سارا معاملہ انفرادی امداد اور تعاون پر چلتا تھا۔ عورتوں کو بھی ان کی گھر کی ذمہ داری اور جسمانی مسائل مثلاً ماہواری، حمل، رضاعت (بچوں کو دودھ پلانا)، کی وجہ سے رخصت ہے لیکن اس کے باوجود خواتین نے جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

منافقین کے نفاق، دھوکہ اور بہانہ سازی، مخلص مسلمانوں کا مذاق، ان تمام امور کی وجہ سے ان سے معاشرتی و سماجی معاملات میں ان کے رویے کے خلاف اعلان فرمایا کہ ان کے جنازے کو نہ پڑھایا جائے۔ (یعنی نبی ﷺ نہ پڑھائیں) یہ حضور ﷺ کے لئے بطور رئیس مملکت اور نبی وقت حکم تھا۔ جنازہ ایک اسلامی طریقہ ہے جو کہ مرنے والا غیر مسلم ہو تو اس کے لیے اس کا جواز نہیں۔ شریعت میں اگر کسی مسلمان کا رشتہ دار غیر مسلم ہو تو وہ اس کی تدفین میں شامل ہو سکتا ہے جو کہ اخلاقی طور پر صحیح

ہے۔ حضور ﷺ کے دور میں منافقین کا اعلان ہوا تھا۔ لیکن بعد میں اس کے بارے اجتماعی فیصلہ ہوا کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اس لئے ظاہری امور کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اگر ظاہری اطور میں خلاف اسلام عمل ہو رہا ہے اس کی سزا دی جائے گی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے قبیلے کا سردار تھا اور حضورؐ کی آمد سے پہلے سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بہت مخلص مسلمان تھے۔ اپنے والد سے کئی دفعہ حضور ﷺ کی محبت میں شدید اختلاف کیا، بلکہ غزوہ تبوک کے بعد اپنے والد سے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی معافی بھی منگوائی، ان کی درخواست پر آپ صلی اللہ وسلم نے اپنی قمیض عطا کی۔ آپ کے اس عمل کی وجہ سے قبیلے بنو خزرج جسکا سردار عبداللہ بن ابی تھا، بہت سارے منافق تائب ہو گئے۔

اگلی آیت بھی منافقین کے کردار کے بارے میں ہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

جب تم (مسلمان) ان کے پاس واپس ہو گئے (تبوک کے سفر سے) تو تم سے یہ (منافق) عذر پیش کریں گے۔ آپ کہیے کہ بہانے مت بناؤ ہم (مسلمان) ہر گز تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ بیشک تمہارے حالات سے اللہ نے ہمیں اطلاع کر دی ہے۔ اور ابھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس کئے جاؤ گے وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہتے تھے۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

یہ (منافق) تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو پس تم ان سے درگزر کرو۔ (پروا نہ کرو) بے شک وہ لوگ ناپاک ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے یہ بدلہ ہے ان کاموں کا جو وہ کرتے رہے ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو اللہ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

دیہاتی (گنوار) لوگ اپنے کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل کیے ان سے واقف ہی نہ ہوں اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

اور ان (منافق) گنواروں دیہاتیوں میں بعض ایسے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم (مسلمانوں) پر گردش زمانہ (دور مصیبت) کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر دور مصیبت آیا ہوا ہے اور اللہ

بہت سننے والا اور سب جاننے والا ہے۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

اور دیہاتیوں (گنواروں) میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ (اللہ کی راہ میں) کرنے کو اللہ کے قرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں جان لو بے شک وہ (خرچ) ان کے لیے قربت کا سبب ہے۔ عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

آیات مبارکہ میں منافقین کا طرز عمل ظاہر فرمایا کہ جب مسلمان واپس جائیں گے تو وہ اپنے احساس جرم کی وجہ سے جھوٹی قسم کھا کر بہانے بنائیں گے۔ مسلمانوں کی قوت کے سامنے وہ کمزور ہیں اس لیے یہ بہانے بنائیں گے اور تم ان کو در گزر کر دو۔ ان کی کوئی پرواہ نہ کرو تا کہ انہیں اپنے زائد یا غیر اہم ہونے کا پتہ چل جائے۔ یہ لوگ اپنے منافقانہ کردار کی وجہ سے ناپاک ہیں اور اس کی سزا اللہ تعالیٰ انہیں دے گا۔ حضور ﷺ نے اگر ان کو معاف کر بھی دیا تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا اور ان سے حساب لے گا۔ اس آیت سے سربراہ کو معاف کرنے کا اختیار ہے۔ وہ حالات کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے جو کہ ظاہری احکام، اعمال اور کردار پر منحصر ہو گا لیکن انصاف کے تقاضے پورے کرے گا۔

کچھ دیہات کے افراد کے رویہ اور کردار کو آیات میں بیان کیا ہے کہ وہ ضدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان کو علم کی دولت سے نوازا جائے۔ وہ دولت کی حرص کی وجہ سے اللہ کی راہ میں معاشرہ کی خدمت کے لیے خرچ کو ایک تاوان یا جرمانہ تصور کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تکلیف یا پریشانی کے منتظر رہتے ہیں۔ درحقیقت اللہ انہیں ان کی ناکامی کی صورت میں پریشانی میں مبتلا کرے گا اور دوسری طرف کچھ ایسے بھی دیہاتی مسلمان ہیں جو اللہ کے احکام پر عمل کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ کے قرب و محبت کا اظہار اور رسول کی برکت و قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں

اور ان کے عمل کے باعث اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ ہر گروہ کے افراد کے کردار کا موازنہ کیا ہے جو کہ اپنے اعمال کے مطابق اپنی سزا یا جزا پائیں گے۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ پیروی کی۔ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم کامیابی ہے۔

وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور تمہارے ارد گرد جو دیہاتی ہیں ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں اور مدینہ کے باشندوں میں بھی۔ یہ لوگ منافقت میں ماہر ہو گئے ہیں کہ تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں، ان کو ہم دوہری سزا دیں گے پھر ان کو شدید عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی غلطیوں گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے کچھ نیک اور کچھ برے ملے جلے عمل کئے ہیں۔ امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

آپ ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ وصول کر لو، جس کے ذریعے تم انہیں گناہوں سے پاک اور برکت (ایمان) دیں اور ان کے لیے دعا کریں ،یقیناً تمہاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین اور اللہ ہر بات کو سنتا اور

سب کچھ جاننے والا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۱۰۴﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات قبول کرتا ہے اور بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾

اور کہہ دو: تم عمل کرو سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور اہل ایمان بھی اور عنقریب ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان اعمال سے خبر دار فرمادے گا جو تم کرتے تھے۔

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ دوسرے بھی ہیں جو اللہ کے حکم کے لئے موخر رکھے گئے ہیں۔ وہ یا تو انہیں عذاب دے گا یا انکی توبہ قبول فرمائے گا۔

صحابہ کا اخلاص اور مقام:۔

آیات مبارکہ کا موقع نزول غزوہ تبوک کے تیاری اور سفر کے ایام ہیں۔ جن میں مختلف کرداروں کا ذکر ہے۔ ایک تو وہ مخلص مسلمان ہیں جن کو الاول اور السابقون کے لقب سے نوازا، کہ وہ پہلے اسلام میں آنے والے اور پہل کرنے والے ہیں جو مہاجرین میں ہجرت کرنے والے اور انصار میں بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانی کے افراد ہیں۔ اسی طرح غزوہ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ ہیں۔ وہ سراپا عشق و عمل کی مثال تھے، ان کے درجات کا ذکر فرمایا، کہ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ محبت اور تعلق کے مقام کی رفعت کا اظہار ہے۔ اعلیٰ جنت ان کا مقام ہے اور عظیم کامیابی ان کا مقدر ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کی تکریم کے بارے میں حکم دیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کو برا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کرے، تو وہ ان کے دیئے ہوئے ایک

مد یعنی نصف (ایک کلو گرام یا نصف) کے برابر نہیں (بخاری مسلم ترمذی)۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو برا کہتے ہیں تو کہو تمہاری شر پر اللہ کی لعنت ہو (ترمذی المعجم)۔ ان جاشنار صحابہ کے مقابل، معاشرہ میں منافق (افراد) بھی تھے۔ وہ منافق آستین کا سانپ تھے، جو ظاہر میں تو مسلمان لیکن ان کے دل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ صرف مدینہ کے اندر رہنے والے نہیں بلکہ مقامی علاقوں سے بھی ہیں اور اپنے نفاق میں انتہائی درجے تک پکے ہیں۔ جھوٹ بہانہ سازی، دکھلاوا، چرب زبانی ان کا وطیرہ ہے۔ ان کو ان کے اعمال کی دوہری سزا ملے گی۔ یعنی اس دنیا میں ناکامی اور شرمندگی ہوگی پھر آخرت میں بھی سخت عذاب ہوگا۔ جس طرح حقیقت میں یہی ہوا۔ غزوہ تبوک کے بعد وہ اپنی ناکامی اور اس مہم میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے انتہائی شرمندہ ہوئے ان کو نام پکار کر علیحدہ کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ کچھ افراد ایسے تھے جو مخلص تھے مگر اسباب کی کمی کی وجہ سے شامل ہونے سے رہ گئے تھے ان کے دل مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے تھے اور کچھ جسمانی معذوری کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں تھے۔ ان سب کو اللہ تعالی نے ان کے اخلاص کے پیش نظر معاف فرما دیا۔ لیکن کچھ اصحاب جو ایمان میں مکمل تھے اور وہ استطاعت بھی رکھتے تھے مگر دنیاوی امور میں پھنس کر کاہلی اور سستی کا شکار ہوگئے اور اس مہم سے رہ گئے۔ ان کو شدت سے احساس گناہ اور حضور ﷺ کے ہم سفر ہونے سے محرومی نے تڑپا دیا تھا۔ ان کی تعداد دس کے قریب تھی، جب حضور ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے۔ تو انہوں نے اپنی سزا کے طور پر اپنے آپ کو قبل از باز پرس، مسجد نبوی میں مقید کر دیا۔ ان کی تعداد سات تھی جنہوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ دیا۔ یہ ان کا اقرار، احساس ندامت تھا۔ ان میں مشہور حضرت ابولبابہ تھے۔ جب حضور ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کو رسیوں کے ساتھ ستون سے باندھا ہوا پایا اور پوچھا یہ کیوں؟ تو عرض کیا گیا کہ یہ یہاں رہ گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر باندھ دیا ہے، کہ نہ کھائیں گے نہ پیئں گے اور نہ گھر جائیں گے، جب تک ان کو معاف نہ کر دیں اور کھول دیں۔ آپ نے فرمایا میں ان کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک

اللہ تعالیٰ کی ذات حکم نہ دے۔

مکتب عشق کے دستور نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

محبت کے امتحانات بھی عجیب ہیں، یہ لوگ بندھے رہے کمزور نحیف ہو گئے۔ پھر جب ان آیات مبارکہ میں ان کی معافی کی تجویز آئی تو ان کو بتایا گیا۔ انہوں نے کہا جب تک حضور خود نہیں کھولیں گے ہم نہیں جائیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو کھول دیا۔ جب یہ کھل گئے تو سارے مال ومتاع کو اللہ کی راہ میں دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس مال و متاع کی محبت نے انہیں اس مقدس سفر سے محروم کیا تھا۔ حضور ﷺ نے انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی تسلی کے لئے لے لیا جائے اور آپ نے ایک تہائی مال صدقہ کے طور پر ان سے لے لیا اور بقایا ان کو واپس کر دیا۔ آج بھی استوانہ توبہ / اسطوانہ ابی لبابہ، مسجد نبوی میں زائرین کے سامنے اطاعت الٰہی اور اطاعت نبی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خاک وخون میں لت پت ہو کر کس قدر خوبصورت رسم کی بنیاد رکھی ہے اللہ ان پاک باز عاشقوں پر رحمت فرمائیں۔

واقعات سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

1. انسانی غلطی کا امکان ہر وقت ہے۔ اہمیت مجموعی کردار و عمل کی ہے، اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔
2. تلافی کے لیے غلطی کا اقرار، اس کا مداوا اور اخلاص عمل ضروری ہے۔
3. صدقہ دینا اور جو چیز اس کوتاہی کی وجہ بنی اس سے چھٹکارا بھی ضروری ہے تاکہ آئندہ کے لئے احتیاط اور بچا جا سکے۔

اس کے علاوہ تین حضرات جو اپنے گھروں میں تھے۔ ان کے ساتھ مقاطع ہوا اور بعد میں ان کی توبہ بھی قبول ہوئی اس کا ذکر آگے آیات میں ہے ابھی تک منافقین کے کردار کا ذکر ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ

اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴿١٠٧﴾

اور (منافق) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی تاکہ نقصان، انکار و کفر پھیلانے اور اہل ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کریں اور اس شخص کی کمین گاہ بنائیں جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی جنگ کر رہا اور وہ ضرور قسمیں اٹھائیں گے کہ ہم نے (اس مسجد کے بنانے سے) سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا اور اللہ گواہی دیتا ہے یقینا جھوٹے ہے۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴿١٠٨﴾

آپ اس (نام نہاد مسجد) میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ اس مسجد جس کی کی بنیاد پہلے دن ہی تقوی (خوف خدا) پر رکھی گئی ہے، حق دار ہے کہ اس میں کھڑے (عبادت کریں) ہوں، اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں پاک (ظاہر اور باطن میں) ہوں اور اللہ پاک بازوں سے محبت کرتا ہے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿١٠٩﴾

بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد تقوی (اللہ کے خوف) پر اور رضا کی طلب پر رکھی ہو، بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسی اسی کھوہ (غار) کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے والا ہے۔ پس وہ (عمارت) اس (بنانے والے) کے ساتھ ہی دوزخ کی آگ میں گر گئی اور اللہ ظلم کرنے والوں (ظالموں) کو ہدایت نہیں دیتا۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿١١٠﴾

ان کی عمارت جسے (مسجد کے نام پر) بنا رکھا ہے ہمیشہ (کے لئے) ان کے دلوں میں (نفاق کی وجہ سے) کھٹکتی رہے گی سوائے اس کے کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

آیات مبارکہ کا شان نزول ایک اہم واقعہ ہے جو منافقین نے مسلمانوں کی مخالفت کے لیے ایک دھوکہ کے بہانے سے کیا، جس کو تاریخ میں مسجد ضرار کہا جاتا ہے۔ مختصراً واقعہ یوں ہے کہ ابو عامر نامی ایک مدینہ شریف میں قبیلہ خزرج کا شخص تھا جو کہ عیسائی ہو گیا اور بائبل وغیرہ کے بارے علم حاصل کر کے راہب بن گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے قبیلے اور ساتھ والے علاقہ کے لوگوں میں عزت تھی۔ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ سے ملا اور آپ سے اسلام کے بارے میں سوالات کیے۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ جس کا اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں مخالفت کروں گا۔ غزوہ بدر میں اسکے لڑکے حضرت حنظلہ نے بڑے کارنامے دکھائے اور شہید ہوئے۔ وہ مگر بھاگ گیا اور مشرکین مکہ سے مل گیا۔ غزوہ احد میں وہ کفار کے ساتھ مل کر لڑا اور ہر لڑائی میں مسلمانوں کے خلاف غزوہ حنین تک لڑا، پھر وہاں سے بھاگ کر شام چلا گیا اور قیصر روم کو مدینہ پر حملہ کرنے کا اکسانے لگا۔ شام عیسائیوں کا مرکز تھا۔ ادھر اس نے اپنے قبیلہ کے منافقین کو خط لکھا کہ وہ قیصر روم کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے، اور منافقین کو ایک مرکز بنانا چاہیے، جہاں وہ اسلحہ رکھیں، مشورہ کریں اور میرے لوگ آکر وہاں رہیں گے اور مسلمانوں سے چھپانے کیلئے مسجد کے نام سے عمارت بنائی۔ بارہ افراد نے اس کے منصوبہ کے مطابق مسجد قائم کر دی۔ یہ مسجد قباء کے پاس ہی تھی اور بہانہ کیا کہ ضعیف لوگوں کو جانے میں تکلیف ہوتی ہے اس لئے ان کو سہولت ہوگی۔ وہاں مشورے شروع کر دیے۔ اس وقت مدینہ میں دو مساجد تھیں ایک مسجد نبوی اور دوسری مسجد قبا۔ اپنی مسجد کی منظوری کیلئے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس میں آکر نماز پڑھائیں۔ آپ اس وقت غزوہ تبوک کی تیاریوں میں تھے۔ آپ نے وہاں جا کر نماز پڑھانے سے معذرت کی اور کہا کہ تبوک سے واپس آکر آپ ان کی مسجد جائیں گے۔ تبوک کا سفر طویل تھا یہ تقریباً دو ہفتے جانے اور اتنا ہی وقت آنے اور پھر وہاں بھی آپ ﷺ نے تقریباً مہینہ یا بیس دن قیام کیا۔ مقام تبوک اور راستے میں منافقین کی حرکات و سکنات، ارادے، اقوال مسلمانوں پر زیادہ کھل گئے اور اسی دوران مختلف آیات نازل ہوئیں جن میں یہ آیات بھی ہیں۔ جب آپ ﷺ مدینہ شریف واپس پہنچ گئے تو

آپ ﷺ نے چند صحابہ اکرام کو حکم دیا کہ اس عمارت کو گرادیں اور انہوں نے اس کو گرا کر اس کی لکڑی وغیرہ جلادی۔ منافقین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ ایک مسجد برائے فلاح تھی، لیکن آپ کے حکم کے بعد مسلمانوں کو ان کے مقاصد کی اطلاع ہوگئی۔ جسکی وجہ سے منافقین بھی پریشان ہوگئے کہ کہیں ان کے خلاف کسی سزا کا حکم نہ آجائے ابو عمر شام میں ہی مر گیا۔ اس واقعہ سے جو اہم اسباق ہیں کہ

1. اگر منافقین اور اور اعدائے اسلام ملک یا علاقے کے اندر منظم سازش کرکے اور مقامی افراد کو ملا کر مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو بڑی احتیاط اور صحیح معلومات رکھنی ضروری ہیں۔
2. پھر ایسی عمارت جو منفی مقاصد کے لئے ہو لیکن اسے ایک مذہبی نام دیا جائے اس کو گرادینے کی اجازت ہے۔ بہت ضروری ہے کہ ہر ایسے منصوبے کو ختم کیا جائے جو اختلاف اور فساد کو ہوا دے اس لیے فرقہ واریت بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے مراکز کو ختم کرنا۔ اتحاد اسلامی کے لئے بہت ضروری ہے۔
3. غیر ملکی سازشوں سے آگاہ رہنا بہت ضروری ہے چونکہ اب وحی کا دروازہ بند ہے۔ ریاست کے اداروں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ہمہ وقت اگاہ اور تیار رہا کریں۔
4. غیر ضروری مساجد یعنی مسجد کے ساتھ اور مسجد بنانا، اسلامی نقطہ نظر سے اختلاف کو ہوا دینا ہے۔ اس لیے اس کی مذمت کرنا ضروری ہے اور ایسے افراد قابل احترام نہیں بلکہ اللہ کے ہاں قابل مواخذہ ہیں۔ اس مسجد کے ساتھ مسجد قباء تھی جس کی بنیاد اخلاص پر اور یہ پہلی مسجد تھی۔ اسی طرح مسجد نبوی بھی سراپا اخلاص کی بنیا پر موجود تھی اور ضرورت پوری ہو رہی تھی۔ اسکے ہوتے ہوئے ایک اور مسجد بنانے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ در پردہ مقصد اختلاف اور تفرقہ تھا۔ جس کو ختم کرنا ضروری تھا اس کا حکم دیا گیا۔ آج کل ہر فرقہ چندہ اکٹھا کرکے اپنی علیحدہ ساتھ ہی مسجد کے نام پر عمارت بنا کر معاشرے میں فرقہ واریت اور تشدد کو ہوا دے رہا ہے۔

مومنین کے کردار اور صفات کو واضح بیان کیا گیا ہے۔

1. یہ خوف خدا کے حامل افراد ہیں ان کے اعمال کا محرک تقویٰ (اللہ کا

خوف) جس کی بنیاد ناراضگی کا خوف اور رضا کی بنیاد محبت ہے۔

رضائے تو اگر اندر ہلاک من باشد   بیا بکش کہ مرادم بہ جز رضائے تو نیست

اگر محبوب تیری رضا میرے ختم کرنے میں ہے تو اسلئے مجھے ختم کر دیجیے مجھے تیری رضا کے سوا کچھ نہیں چاہیے جبکہ منافقین کا محرک دھوکہ اور ذاتی مفاد ہے۔

2. مومن کا کردار پاک وصاف ہوتا ہے وہ عمل اور نظریاتی پاکیزگی کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص ہیں، اس کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں۔ ان کے دل اور جسم بھی صاف ہوتے ہیں۔

3. اللہ تعالی ایسے کردار کے حامل افراد کو پسند فرماتا ہے جن کے اعمال اور نظریات پاک وصاف ہوں۔ ظاہر اور باطن، قول وفعل ایک جیسے ہوں۔

اللہ تعالی ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا کیونکہ ظلم کا طریقہ اللہ کے ہاں حرام ہے اور حرام کو اختیار کرنے والے اپنے گناہوں میں ہر صورت سزا پائیں گے اس لیے مومین کے کردار کی خصوصیات پیدا کرنا ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالی خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے لہذا اسکے احکام پر عمل کرنے میں نجات وبخشش ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بیشک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لیے جنت کے بدلے خرید لئے ہیں (اب) وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، سو وہ (حق کی خاطر) قتل کرتے ہیں اور (خود بھی) قتل کئے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی اور کون اپنے وعدے کو اللہ سے زیادہ پورا کرنے والا ہے۔ سو (ایمان والو) تم اپنے سودے پر خوشیاں مناؤ جس کے عوض تم نے (جان و مال) بیچا ہے اور یہی تو زبردست کامیابی ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۲﴾

توبہ کرنے والے، عبادت گزار، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، نیک بات کا حکم کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے، اللہ کی حدود (شریعت) کی حفاظت کرنے والے اور (آپ) ان ایمان والوں کو خوشخبری سنادیجئے۔

منافقین کے کردار کا موازنہ پچھلی آیت میں بیان فرمایا گیا یہی موضوع سورۃ میں اہم ہے کیونکہ ایک طرف ان کا کردار تھا دوسری طرف مخلصین اور یہ وقت اسلامی حکومت کے وجود اور دفاع کے لیے بہت اہم تھا۔

مومنین جنہوں نے ابتدا میں اسلام قبول کیا، مکی دور اور ابتدائی مدنی دور میں مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے۔ ان اہل ایمان کے دل عشق الٰہی اور حب نبی سے سرشار تھے۔ اس کیفیت کو خرید و فروخت کی مثال بیان کیا گیا ہے، جہاں ایک خریدار اپنی ملکیت دے کر کسی اور چیز کی ملکیت حاصل کرتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے، کہ وہ اپنی زندگی اس کے تابع، وسائل کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پابند کرکے اپنی ذاتی خواہشات کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ انہیں جنت اور اپنی رضا عطا فرماتا ہے۔ اس سودے کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سراسر کامیابی اور نفع کا سودا فرمایا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ زندگی اور اس کے ثمرات و آرام اللہ نے عطا کیے اور پھر ان کو اس کی راہ میں خرچ کرنے پر مزید انعام کا وعدہ فرمایا۔ یہ ایک خصوصی انعام ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حقیقت یہ ہے پہلی بیعت عقبہ کے وقت چھ افراد نے حضور ﷺ سے اسلام پر بیعت کی۔ یہ جمرہ عقبہ مقام پر ہوئی جو پہلے ایک پہاڑ کا حصہ تھا۔ اب میدان بنا دیا گیا ہے جسے جمرۃ عقبہ کہتے ہیں تاکہ حجاج کو جمرۃ میں آسانی ہو۔ دوسرے سال بارہ افراد جس میں سات نئے تھے اور اس سے اگلے سال ستر مرد اور دو عورتوں نے بیعت کی۔ یہ بیعت نبی علیہ السلام کے مدینہ میں ہجرت کے بعد اللہ کی وحدانیت اور آپ کی مکمل حفاظت پر لی گئی اور اس کے بدلے جنت کا انعام و اکرام عطا ہوا۔ اور اللہ سے

بہتر کون دینے والا ہے۔ کہ مومن اپنی جان مال کو اللہ کی خاطر ختم کردیتا ہے۔ یہ بیعت عقبہ ہو یا بیعت رضوان یا رومی حکومت کے مقابل دفاع کے لئے غزوہ تبوک کا سفر ،جان فروشی کے بغیر کچھ حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اور پھر مومن کا مقام تو مسلمان سے بلند تر ہے۔ اور یہ معیار اسلام سے پہلے انجیل اور تورات میں بھی اللہ تعالی نے مومنین کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

سن اے بنی اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے تو اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو (استثناء 5:6-4) (عہد نامہ قدیم)

جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا (متیٰ 19:29) (انجیل عہد نامہ جدید)

مومنوں کی صفات:۔

ان مومنین کی خصوصیات اور کردار کا ذکر فرمایا۔

1. **توبہ کرنے والے**، یہ نفس کی لذت سے دور ہو کر، اللہ کی محبت میں سرشار اور غیر اللہ کو چھوڑ کر، اللہ کے ساتھ زندگی لگا دینے والے ہیں۔
2. العابدون۔ عبادت گزار۔ اللہ کی کبریائی اور عظمت کے مقابل اپنی کمزوری کا اعتراف کرکے اور اس کی عبادت بغیر خوف اور توقع اجر (یعنی رضا کی خاطر) کرتے ہیں۔
3. الحامدون۔ حمد کرنے والے۔ اللہ کے کمالات، اللہ کے جلال، اس کے جمال اور کائنات کے اسرار کو دیکھ کر اس کی حمد وثناء کے انتہائی درجہ تک جانے والے ہیں۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے کس قدر خوبصورت الفاظ میں حمد وثنا کی ہے۔ اللّٰھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔
4. السائحون۔ یعنی سفر کرنے والے، قرب خداوندی، کمالات الٰہی کے مظاہرے کے لیے سفر، ہجرت پر رہنے والے جس طرح علماء سلوک نے فرمایا کہ

ان کے دل مدار محبت میں گھومتے ہیں اور عشق کے پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اور کہیں روزدار کی طرح غیر اللہ سے مکمل منہ موڑ کر اس کے جمال و جلال میں منہمک ہوجاتے ہیں۔

5. الراکعون (رکوع کرنے والے)۔ جھکے ہیں رکوع میں، اس کی صفات میں محو اور اپنی ذات سے عاری ہیں۔

6. الساجدون (سجدہ کرنے والے) وہ عاشق جو قربت کے طلبگار ہیں، عبادت کے اعلیٰ مقام پر رواں دواں ہیں۔ سجدہ عبادت کا اعلیٰ مقام ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے قریب سجدہ میں ہوتا ہے سو تم سجدہ میں بکثرت دعا کیا کرو۔

7. امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ اللہ کے احکام کے مطابق بھلائی اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ معاشرے میں اچھائی اور بھلائی کے فریضہ کی اہمیت کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں۔ ان کی زندگی دوسروں کے لئے مفید اور باعث برکت ہوتی ہے۔

8. الحافظون حدود اللہ: اللہ تعالی نے انسانوں کے لئے جو حدود اور قیود، انسانی اخلاق، معاشرت، رہن سہن، معیشت، نظام حکومت، عدل و انصاف، امن و دفاع میں مقرر فرمائی ہیں ان پر عمل پیرا ہیں۔ اپنے انفرادی یا اجتماعی عمل کو اسکے اندر رکھتے اور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

ان امور کی فضیلت متعدد احادیث میں ذکر کی گئی ہے۔ اسلامی معاشرے میں رہنے والے مسلمانوں کے کردار کا ایک اہم حصہ ہیں، گناہ سے بچنے کے علاوہ، اگر غلطی سے کچھ ہوجائے تو توبہ ضروری ہے۔ رزق حلال بہت اہم ہے اس لیے اس کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس (اللہ) کی حمد و ثنا کا دل سے اعتراف اور زندگی کے سفر میں اچھے اعمال کا ساتھ، جس میں بڑا عمل انسانی بھلائی اور علم کا حصول، پھر اسے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کے اجتماعی امور یعنی عدل، انسانی حقوق، مساوات معاشی اور سماجی انصاف کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حدود اللہ کو نافذ کیا جائے تاکہ انسانیت، دنیا میں بھی امن، سلامتی، ترقی، بھلائی اور خوشحالی

سے گزارہ کر سکے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں اور ان خصوصیات کے حامل افراد ہی کر سکتے ہیں۔ یہی بہترین کامیابی کا سودا ہے جس پر مومن ہمیشہ فرحان اور شادمان رہتا ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴿۱۱۳﴾

نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قرابت دار (رشتہ دار) ہو اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ مشرکین دوزخی ہیں۔

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴿۱۱۴﴾

اور ابراہیم کا اپنے باپ (عرفی) کے لئے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کیا تھا اور جب اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے حتٰی کہ ان کے لیے یہ بیان کر دے انہیں کس چیز سے بچنا ہے بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴿۱۱۶﴾

بے شک اللہ کے لیے ہی زمین و آسمان میں بادشاہت ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک و مددگار نہیں ہے۔

منافقین اور مشرکین کا ذکر جاری ہے۔ مشرکین کے بارے میں مسلمانوں میں شبہات تھے۔ جن کے قریبی رشتہ دار مسلمان نہیں ہوئے اور دنیا سے چلے گئے تھے ان سے ان کی محبت ایک انسانی جذبے کا حصہ تھی۔ جس کی وہ خواہش رکھتے تھے لیکن اللہ کے نافرمان ہونے کی وجہ سے جہنم ان کا مقدر تھی۔ اس لئے مومنین کو حکم ہوا کہ اپنی خواہشوں کو احکام الٰہی

کے مقابل اہمیت نہ دیں۔ جو اللہ کے مشرک و نافرمان تھے ان کا مقدر جہنم ہے۔ لہٰذا جس قدر بھی محبت ہو ان کی سزا نہیں بدل سکتی۔ حضرت ابراہیم نے اپنے والد کے بارے جو استغفار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات نے اس سے منع فرما دیا اور انہوں نے احکام الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا حالانکہ ان کا حلم و محبت شدید تھی۔ ان آیات کے ساتھ حضرت ابوطالب کے اسلام کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ آپ اپنے قدیم دین پر ہی فوت ہوئے اور حضرت عباس کی روایت کمزور ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابوطالب نے جس طرح حضور ﷺ کی پشت پناہی کی اور شعب ابی طالب میں وقت گزرا، اس سے آپ کا حضور ﷺ اور اسلام سے تعلق واضح ہے جس کی وجہ سے ان کا احترام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عادل، قادر، رحیم اور غفار ہے۔ رسول اللہ نے غزوہ احد پر جب آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا تو خون پونچھتے ہوئے فرمایا، اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ نادان ہیں۔ موجودہ غیر مسلموں یا منافقوں کو، ان کو گمراہی سے نکالنے کے لیے کوشش کرنی ضروری ہے اور دعا بھی کوشش کا حصہ ہے۔

اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و انصاف کا پھر ذکر فرمایا کہ وہ ذات جب تک مکمل آگاہی کا بندوبست نہ کرے، کسی کو گمراہی میں نہیں دھکیلتی۔ جب آگاہ کر دے تو پھر ان کے لیے سزا و جزا ہے، اسلئے جب لوگ کفر پر مر چکے ہیں۔ ان کے استغفار کی گنجائش نہیں۔ ایک نقطہ ہے کہ اگر اس سے منع نہیں کیا گیا تو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ اجازت موجود تھی اور ممنوع صرف اطلاع پر ہے۔ یہ عمومی حکم ہے، اعلیٰ تقوی کا معیار مختلف ہو گا۔

ایمان والوں کے خوبصورت انعام (جنت) اور دنیا میں انعام اور امتحان، سب اعمال کا نتیجہ ہیں اور زمین و آسمان پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور اس کی ذات ہر چیز کو جاننے والی ہے جب وہ سزا دے تو وہ کوئی بھی بچا نہیں سکتا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

بیشک اللہ نے بڑا فضل کیا نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں

نے تنگی (مشکل) کے وقت میں نبی کی اتباع کی جبکہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے پھر جائیں پھر اسنے توبہ قبول کی۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۱۱۸﴾

اور ان تین شخصوں پر، جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا (فضل کیا)، یہاں تک کہ ان پر زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی تھی۔ اور ان کی زندگیاں ان پر بوجھ بن گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے، اس کی ذات کے سوا کہیں پناہ نہیں مل سکتی، پھر اللہ نے ان پر فضل کیا کہ توبہ وہ بھی کریں۔ بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

غزوہ تبوک ایک انتہائی سخت معرکہ تھا۔ مسلمانوں کا مقابلہ رومی لشکر سے تھا۔ جن کی تعداد لاکھ کے قریب تھی۔ ان کی تیاریوں کی اطلاع شام سے آنے والے قافلے دیتے تھے۔ اسلامی ریاست اگرچہ حجاز میں قائم ہو چکی تھی لیکن نو خیز تھی۔ کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی وسائل بہت کم تھے اور داخلی طور پر منافقین، یہود سے بھی منفی پروپیگنڈہ زوروں پر تھا۔ جب لشکر کی تیاری ہو رہی تھی اور سفر شروع کرنا تھا، فصلوں (کھجور) کے پکنے کے دن، گرمی کا موسم اور پھر صحرا کا سفر جو بغیر سواریوں کے ممکن نہ تھا اور جن کی تعداد بہت کم تھی۔ منافقین جو اصحاب ثروت تھے، وہ پہلے ہی بہانہ بنا کر نہ جانے کی اجازت لے چکے تھے۔ سواری کی تنگی اس قدر تھی کہ دس افراد باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے۔ غذائی مواد کی اس قدر قلت تھی کہ کھجور کی گٹھلی چوس کر گزارا کیا جاتا۔ سڑے ہوئے جو تھے جن کو ناک پکڑ کر (اس کا لقمہ) کھاتے۔ شدت پیاس سے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کا پانی اور نچوڑ استعمال کرتے۔ پیچھے رہ جانے والوں میں معذور صحابہ کرام یا وہ جن کے پاس سواریاں نہیں تھیں تھے۔ جن کے دل اس مقدس جہاد سے محرومی کی وجہ سے سخت پریشان تھے اور کچھ صحابہ اکرام ایسے تھے جن کے پاس وسائل تھے اور جس دن یہ لشکر روانہ ہوا وہ تیار نہ ہو سکے اور پھر آج اور کل کر کے سستی کا شکار ہو گئے۔ بعد میں پیچھے سے جا کر ملنا دشوار ہو گیا۔ اپنی اس سستی پر ان کو جب حضور واپس

آنے کے قریب تھے اور اطلاع آرہی تھی کہ فلاں دن پہنچ جائیں گے سخت پریشانی ہوئی۔ انکی تعداد دس کے قریب بتائی جاتی ہے۔ جذبہ ایمان اور پھر اس جہاد اور دفاع مملکت اسلامی سے محرومی پر وہ سخت نادم اور پریشان تھے۔ ان میں سے اکثر نے جو سات کے قریب تھے سزا کے طور پر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا اور عہد کیا کہ جب تک حضور انہیں معاف کرکے نہیں کھولیں گے وہ بندھے رہیں گے۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ کمزوری سے غش کھا کر گر جاتے تھے۔ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو کھول دیا اور انہیں مبارکباد دی۔ اس کے علاوہ تین انصاری صحابہ جو باقی رہ گئے تھے لیکن انہوں نے اظہار ندامت کے طور پر اپنے آپ کو سزا نہیں دی تھی وہ۔

1. کعب بن مالک 2. مزارہ بن ربیعہ العمری 3. ہلال بن امیہ واقفی تھے۔ حضرت کعب بن مالک مدینہ سے باہر اپنے باغ میں رہتے تھے جو پک رہا تھا اور یہ ارادہ کے باوجود سستی کی وجہ سے رہ گئے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے جہاد میں شامل نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے اعتراف جرم کیا اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے وسائل مہیا کیے۔ آپ ﷺ نے سچ کہنے کو پسند کیا اور کہا چلے جاؤ جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق فیصلہ نہ فرمادے۔ لوگوں نے ان سے کہا حضور نے منافقین جن کی تعداد اسی کے قریب تھی۔ سب نے بہانے بنائے اور آپ نے معاف کر دیا تھا۔ میں بھی اسطرح بہانہ بنا لیتا مگر میں نے سمجھا کے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ آگاہ کر دیتے ہیں اور پھر آپ شدید ناراض ہوں گے۔ سچ سے امید ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو ان تین سے مقاطعہ کا حکم دیا۔

مرارہ بن ربیع کا بھی باغ تھا جس کا پھل پک رہا تھا انہوں نے بھی یہی خیال کیا کہ اس دفعہ نہ گیا تو کوئی بڑا جرم نہیں ہو گا۔ ان سے بھی حضور ﷺ نے یہی فرمایا کہ جاؤ جب تک تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ نہ فرمادے۔

تیسرے صحابی ہلال بن امیہ کے اہل و عیال اس دوران اکٹھے ہوگئے۔ خیال کیا کہ اس دفعہ اہل و عیال کے ساتھ گزار لوں۔ کیوں کہ عرصہ کے بعد آئے ہیں انہوں نے بھی اعتراف غلطی کیا اور ان سے بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ جب تک

تمہارے بارے میں اللہ تعالی کوئی فیصلہ نہ کر دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو ان حضرات سے مکمل مقاطعہ کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے یہ مسجد میں تو نماز کیلئے آتے تھے لیکن تمام صحابہ کرام ان سے علیحدہ رہتے اور کوئی بات چیت نہ کرتے۔ حتیٰ کہ خواتین نے بھی بائیکاٹ کر دیا۔ جو حضرات بیمار ہو گئے ان کی تیمارداری کی اجازت تھی لیکن خصوصی (زواجی) تعلقات نہیں تھے۔ ان حضرات کو حضور ﷺ کی ناراضگی اور اس جہاد سے محرومی کا شدت سے احساس تھا۔ اللہ تعالی سے توبہ کرتے رہتے تھے اور اپنی جان پر ندامت اور احساس گناہ سے ختم ہو رہے تھے۔ حضرت کعب ایک دن مدینہ کے بازار میں جا رہے تھے، ایک شامی نبطی ان کو ڈھونڈ رہا تھا وہ جب آپ سے ملا تو آپ کو شاہ غسان کا خط دیا۔ جو ایک ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی نے آپ سے بے وفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے۔ اللہ تعالی نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ نہیں رکھا۔ تم اگر ہمارے ہاں آنا پسند کرو تو آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ حضرت کعب کی روایت ہے کہ خط ملنے کے بعد مجھے شدید احساس ہوا کہ اہل کفر کو مجھ سے اس قدر توقع ہو گئی ہے کہ وہ مجھے بلا رہے ہیں (کہ ان سے مل جاؤ)۔ یہ خط آپ نے ایک دکان جس میں تنور لگا ہوا تھا اس میں میں جھونک دیا۔ ان حضرات کو اس قدر شدید احساس تھا کہ وہ اپنی زندگیوں سے تنگ تھے۔ پچاسویں روز اللہ تعالی نے ان کی توبہ قبول کی (بحوالہ آیت) اور حضور ﷺ نے ان کو اس کی خوشخبری دی۔ جس کی وجہ سے تمام اصحاب نے ان تینوں کو مبارک باد دی۔ ان کے لیے یہ دن زندگی کا حسین ترین دن تھا۔

صدقہ بطور کفارہ:۔

ان حضرات نے اپنی ساری جائیداد جس کی وجہ سے نہ شامل ہو سکے تھے، اللہ کی راہ میں دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کو نافذ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ صرف ایک تہائی (1/3) اللہ کی راہ میں دینے کی اجازت عطا فرمائی اور باقی ان کے پاس رکھنے کی تاکید کی۔ اس واقعہ سے صدقہ کی اہمیت اور جو غفلت یا ناکامی کا سبب ہے اس کا سدباب کرنا ضروری ہے، واضح ہوتا ہے۔ صدقہ گناہوں اور تکالیف کو کم

کرتا ہے، اسکے معاشی اور سماجی فائدے محتاج بیان نہیں۔ یہ اسلامی شعار کا اہم حصہ ہے۔

توبہ اور اخلاص:۔

ان صحابہ کا یہ اعزاز ہے کہ ان کے اخلاص کی وجہ سے توبہ کا ذکر قران مجید کی ایات کی صورت میں قیامت تک رہے گا۔ توبہ میں صحابہ کے ساتھ نبی ﷺ کا ذکر، صحابہ سے حضور ﷺ کی محبت اور صحابہ کی حضور ﷺ کے ساتھ شرف معیت کے طور پر ہے۔ اسلئے اس کا ترجمہ اللہ نے فضل کیاً ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توبہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء سب کا شیوہ رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "اللہ کی قسم میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ انبیاء کی توبہ ان کے درجات میں ترقی ہے۔ اللہ کے انعام و اکرام اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا کما حقہ شکر کسی بھی انسان کے لئے مشکل ہے۔ اس لیے توبہ بہت ضروری ہے۔ دونوں آیات میں رؤف رحیم اور تواب الرحیم کا ذکر فرما کر بخشش کی یقین دہانی اور توبہ کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔ اس واقعہ سے صحابہ کرام کے اخلاص، اللہ اور اس کے رسول (لیڈر شپ) سے محبت، صداقت قول اور احساس خطاء کے اعلی معیار کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالی کے ہاں یہ اعمال کس قدر مقبول ہیں وہ توبہ کی کیفیت اور شدت سے واضح ہیں۔ کسی بھی معاشرہ کی تنظیمی قوت اور کامیابی کے لیے اس کے افراد میں یہ خصوصیت بہت ضروری ہے۔

برکات غزوہ تبوک:۔

غزوہ تبوک کو اللہ تعالی نے تنگی کا وقت (ساعت العسرۃ) فرمایا، اس کی چند اہم خصوصیات ہیں۔

1. حضور ﷺ نے فیصلہ سے پہلے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اس کا پہلے اعلان تیاری کیا گیا جبکہ عمومی غزوات کے وقت آپ اپنے ابتدائی منصوبے کو مخفی رکھتے، تاکہ مخالفین تک اطلاعات منافقین کے ذریعہ نہ پہنچ جائیں۔ جانے والے راستے کو مخفی رکھتے۔
2. اس اعلان کا مقصد مسلمانوں کو ان کی اہمیت بتلاتا تھا کہ دفاع کے لیے کسی بڑی

طاقت سے خوف نہ کھائیں اور اپنے دفاع کے لیے پوری تیاری کریں۔

3. دوران سفر حضرت ابو بکر اور پھر تبوک پر حضرت عمر فاروق کے مشوروں کے مطابق فیصلہ فرماتے۔

4. اس سفر سے سخت جسمانی ٹریننگ ہوئی، گرمی، سواریاں کم، غذا کم تھی، اسی طرح کی ٹریننگ آجکل افواج کے لئے اہم ہے۔

5. دوران سفر آپ کی لیڈر شپ، قربانی اور مساوات، معجزات کا اظہار ہوا، تمام مواد غذائیہ اور ذرائع مواصلات / سفر مشترکہ طور پر سب کے لئے استعمال ہوئے۔

6. حدود شام پر پہنچ کر جنگ کی ابتداء نہیں کی بلکہ اپنی دفاعی قوت کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ عرب کے قبائل پر بھی اسلام کی قوت کا اظہار فرمایا۔

7. واپسی پر منافقین کے کردار پر اطلاع کے باوجود ان کے ظاہری اقوال پر ان کو معاف کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ شامل رہو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾

اہل مدینہ اور اردگرد کے دیہات کے لوگوں کو یہ نہ چاہیے (مناسب نہیں) کہ رسول اللہ کے ساتھ ہونے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں۔ یہ (حکم) اسلئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس لگتی ہے اور جو مشقت پہنچتی ہے اور جو بھوک لگتی ہے اور ایسی جگہ چلتے ہیں جہاں چلنا کافروں کو غضب ناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ قابو کرتے ہیں (فتح/مال غنیمت) تو ہر بات کے بدلہ ان کے لیے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۱﴾

اور (مجاہدین اسی طرح) جو کم یا زیادہ خرچ کرتے ہیں یا کوئی میدان (سفر) طے کرتے ہیں تو یہ سب ان کے لئے (نیک اعمال میں) لکھ دیا جاتا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کی بہتر جزا دے۔

سچ اور سچائی:۔

آیات مبارکہ میں پچھلے وہ اصحاب کرام جنہوں نے سچ بول کر اپنے آپ کو سزا دلوائی۔ وہ سچائی، اخلاص، تابعداری کی علامت بن گئے۔ ان کی تعریف کی گئی اور تمام مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ سچ کہیں سچائی اور بھلائی کو اپنائیں۔ سچوں کے ساتھ رہیں۔ نفاق، جھوٹ، دھوکہ دینے سے بچیں۔ بھوک، پیاس، سفر کی مشقت برداشت کرنی ہے، تا کہ اللہ کے احکام کو نافذ کیا جائے انسانیت کی بھلائی ہو۔ تمام مسلمانوں کو ان کا ساتھ دینا چاہیے اور مادی اعراض، ذاتی مفادات کو نظر انداز کر کے اجتماعی بھلائی اور مفادات کو ترجیح دینی ضروری ہے۔ اسکے بدلے اللہ تعالیٰ اس تنظیمی، دفاعی کارکردگی میں، ہر عمل کی جزاء، انعام واکرام کی صورت میں عطا فرمائے گا، جو دنیا میں کامیابی اور آخرت میں جنت کی صورت میں ہو گی۔ ان آیات سے دفاعی جہاد، نیکی کے لئے تنظیمی اہمیت اور ڈسپلن کی ضرورت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ ہر عمل چھوٹا ہو یا بڑا اسکی اہمیت واضح فرمائی۔

حضرت عبداللہ اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا: صدق (سچائی) کو لازم رکھو۔ کیونکہ صدق نیکی کی ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی ہدایت کرتی ہے ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا ہے حتٰی کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھا جاتا ہے اور تم جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں ایک بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری / مسلم / ترمذی)

حضور ﷺ نے جنگ کے موقع پر قومی سلامتی کے لیے کسی فرد کو جھوٹ بولنے کی اجازت (یعنی معافی) دی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ جنگ ایک چالاکی کا معاملہ ہے۔ اسی طرح دو آدمیوں کے درمیان صلح کی خاطر جھوٹ بولنا یا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے سخت مجبوری میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو

عادت بنا لیا جائے یہ صرف مجبوری کے لئے ایک دفعہ اجازت ہے ،ورنہ سزا کا مستحق ہو گا۔ جھوٹ کے نقصانات انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر بڑے واضح ہیں اور یہ ایک بہت نقصان دہ عادت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ یہ اس قدر بڑا گناہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور جب ختم کی اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا اللہ کے شرک کے برابر گناہ ہے (گناہ کبیرہ ہے) آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اور یہ آیت سورہ الحج ۳۰ بھی تلاوت کی، جسکا ترجمہ: کہ بتوں کی گندگی (عبادت) سے بچو اور جھوٹی بات کرنے سے بچو۔ (ابو داود، ابن ماجہ)

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ۠ (۱۲۲)

اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ (اللہ کی راہ میں) تمام مسلمان روانہ ہو جائیں (جہاد کے لئے نکل پڑیں) تو ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تا کہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تا کہ وہ گناہوں سے بچتے۔

موقع نزول بڑا اہم ہے۔ اس نے امت مسلمہ اور کسی بھی امت کے لیے انتظامی رہنمائی ہے۔ جب آیت میں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم ہوا اور پیچھے رہنے کو کمزوری اور معذوری تصور کیا گیا، تو تمام صحابہ کرام نے سفر کو ترجیح دی اور مدینہ النبی تقریباً خالی ہو جاتا۔ اس لیے حکم ہوا کہ تمام صحابہ کرام سارے کے سارے اکٹھے نہ جائیں بلکہ کچھ مدینہ النبی ٹھہر جائیں تا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و حکمت سیکھیں اس کے علاوہ جب یہ حکم ہوا کہ صرف ایک گروہ کو چاہیے کہ علم اچھی طریقہ سے سیکھیں (تفقہ) اور پھر دوسروں تک پہنچائیں اس سے یہ بھی واضح ہے کہ دوسرے تمام سائنسی وسماجی علوم بھی اسی طرح حاصل کئے جائیں تا کہ معاشرے میں ترقی ہو۔

علم کی ضرورت واہمیت:۔

قرآن مجید اور احادیث میں علم کی فضیلت پر کئی آیات اور احادیث موجود ہیں ایک حدیث کے مطابق ،طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے فریضہ کی طرح ہے۔ پھر علم کے فوائد کو عوام تک پہنچائیں۔ اس میں فقہ (علوم شریعت) بھی شامل ہے۔ فقہ میں قانون، اصول قانون، معاشیات اور انسان ضروریات کے تمام علوم اسکا حصہ ہیں۔ ریاضی کی تعلیم کے لیے بھی حکم دیا جسے شریعت میں فرائض کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ تقسیم وراثت کے متعلق ہے اور فریضہ کی طرح اہم ہے یہ ساری کی ساری حساب ، نسبت و تناسب پر مشتمل ہے۔ اس لئے مسلمان علماء، شریعت (فقہ) کے ساتھ، حساب (ریاضی)، جیومیٹری (فلکیات)، اور الجبرا تو مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ میڈیسن (طب)،ادب اور شاعری کے علوم سے بھی آراستہ تھے۔ دینی علوم قرآن وحدیث کے علاوہ متعلقہ علوم کی بھی مہارت رکھتے تھے۔

ریاستی ذمہ واری:۔

اسلامی ریاست میں تعلیم حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات غزوہ بدر کے قیدیوں سے تعلیم کے ذریعہ واضح ہے اور نبی ﷺ نے بہت سارے صحابہ کو مختلف زبانیں عبرانی۔ سریانی کی تعلیم کیلئے تاکید کی۔ صحابہ نے اس کو حاصل کیا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کو بھی بطور معلم قبائل میں بھیجا گیا۔

تعلیم اور اختلافات:۔

ان آیات سے اہل علم سے علم سیکھنا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا واضح ہے۔ کیونکہ ہر آدمی کے لیے مطلوبہ علمی معیار تک پہنچنا مشکل ہے اس لیے تقلید ایک اچھا عمل ہے۔ علماء میں اختلاف بھی علمی سطح کے اختلاف جو اصول اجتہاد، قوانین کی ترجیحات میں اختلاف کے سبب ہیں۔ لیکن ہر مجتہد اس بات پر متفق ہے کہ ان کا کوئی عمل اگر قرآن اور نبی ﷺ کے مکمل طور پر خلاف ہے تو اسے ترک کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے امت کی آسانی کے لیے مختلف اوقات میں مختلف عمل کیے ہیں تاکہ ہر ایک مزاج اور ضرورت کے مطابق سہولت میسر رہے۔

اجتہاد پر اصول کا اختلاف احادیث کے راویوں کے بارے بھی ہوتا ہے اسی طرح

قرآن مجید کی آیات میں الفاظ کی ترتیب اور معانی میں ترجیح کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ اس طرح نبی علیہ السلام کے اوقات عمل کی ترجیح کہ آخری ایام کا عمل اہم ہے یا درمیانی زندگی میں وغیرہ۔ لیکن یہ سارے اختلاف دراصل مسلمانوں کو سہولت میسر کرتے ہیں۔ لیکن یکسانیت کیلئے ایک اصول ضروری ہے، کہ ایک ہی طریقہ کو (یعنی کسی معتمد عالم) اپنایا جائے، جسے آدمی اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے بہتر سمجھتا ہو۔ یہ اختلاف وہی ہیں جن کو حدیث شریف میں رحمت کہا گیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے وہ نام نہاد مولوی جو علوم کے ابتدائی درجہ پر ہونے کی وجہ سے، یا ذاتی ترجیحات و مفادات یا اپنے استاد سے خصوصی محبت کی وجہ سے اکثر اوقات شدت اختیار کر لیتے ہیں، جو کہ اسلامی آداب اور تبلیغی نقطہ نظر سے انتہائی معیوب اور گناہ ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو تقلید کرتے ہیں انہیں بھی اندھی تقلید کے بجائے سوچنا اور غور و فکر کرنی ضروری ہے، ورنہ ادمی شیطان کے نرغے میں آدمی پھنس جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ تشدد، نفرت ہلاکت اور امت میں افتراق ہے۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو محفوظ فرمائیں۔

بچاؤ کی پالیسی:۔

آیت میں ایک اور اہم اصول کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب علم و حکمت کا فرض ہے کہ لوگوں کو بتائیں اور ڈرائیں تاکہ لوگ گناہوں سے بچیں۔ اگر مختلف صورتیں ہوں مثلا ایک صورت میں کسی عمل سے نفع حاصل کرنا ہے یا پھر کسی نقصان دہ عمل سے بچنا ہے۔ تو ان میں نقصان سے بچنے کو ترجیح دینی ضروری ہے۔ اگر فائدہ نہیں بھی ہوتا لیکن نقصان سے تو محفوظ رہے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو! تم کافروں (انکار کرنے والوں) میں سے ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر (قوت و بہادری میں) سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہیں۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾

اور جب بھی کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ تم میں سے کون ہے جس کے ایمان میں سورۃ نے اضافہ کیا ہے،

پس جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، سو اس (سورت) نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾

اور جن کے دلوں میں روگ (مرض) ہے اس سورت میں ان کی مرض (خباثت) میں مزید خباثت بڑھا دی اور ان کو موت بھی کفر کی حالت میں آتی ہے۔

اَوَ لَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے (منافق) کہ وہ ہر سال میں ایک دو بار مصیبت میں مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی سبق (نصیحت) حاصل کرتے ہیں۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ﴿۱۲۷﴾

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ (منافق) ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور اشاروں میں پوچھتے ہیں) کہ کیا کوئی (مسلمان) تمہیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے انکے دل موڑ دیے ہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ (عقل) سے کام نہیں لیتے۔

آیات مبارکہ، کفار اور منافقین جو سورت کا اہم موضوع ہیں کے بارے میں ہے۔ کہ جو کفار (انکار کرنے والے)، اسلامی ریاست کے قریب ہیں اور دشمنی کر رہے ہیں ان سے جنگ کرو تا کہ ہمسایہ دشمن کے نقصان سے محفوظ رہو اور جنگ اس وقت کرو جب تم میں قوت و طاقت ہو، یعنی پوری تیاری ہو اور لڑائی کا خوف مخالف یا دشمن کو ہو۔ جس طرح کے آج کل ممالک سیٹلائٹ ٹیکنالوجی یا نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے ذریعے دفاعی قوت رکھتے ہیں تا کہ مخالف ملک کو حملہ کرنے سے پہلے روک لیں یا ان کے حملہ کرنے کا خوف ہو، لیکن یہ کامیابی صرف اسی صورت میں ہوگی جب مسلمان اللہ سے ڈریں۔ تقویٰ اور پرہیزگار ہوں۔ بالخصوص حکمران اور اجتماعی طور پر معاشرہ میں اس کا وجود ضروری ہے ورنہ رحمت خداوندی سے محروم رہیں گے اور اقوام عالم میں زبوں حال ہوں گے واضح فرمایا کہ اللہ پرہیزگاروں کے

ساتھ ہے۔

جہاں دفاع کا بیان ہے وہاں ففتھ کالمسٹ (آستین کے سانپ) یعنی منافقین کا بھی ذکر ہے۔ ان کی عادات واعمال کا قرآن مجید نے نقشہ کھینچا ہے کہ وہ اللہ کے احکام پر توجہ دینے اور عمل کرنے کے بجائے اپنی خباثت کی وجہ سے مذاق اڑاتے ہیں۔ پھر ان کو مسلمانوں کے ردعمل کا خوف ہوتا ہے، اس لئے وہ چھپ چھپ کر اپنے گروہ کے اندر یہ حرکات کرتے ہیں اور بجائے سننے اور عمل کرنے کے اٹھ جاتے ہیں۔ ان کی یہ خباثت ان کے کردار کا حصہ ہے اور مشکلات و پریشانی جو ان کو ان کے ارادے ناکام ہونے کی وجہ سے ہے (مثلاً مسجد ضرار کو گرا دیا گیا یا ان کو مجمع سے نکال دیا گیا)۔ ان کے دوستوں، کفار اور یہود کو شکست ہوئی، سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس لیے جب وہ مریں گے تو اس زندگی کے آخری وقت بھی کفر میں مریں گے اور جہنم انکا ٹھکانہ ہوگا۔ یہ ان کی بے عقلی ہٹ دھرمی اور توبہ سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۲۸﴾

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق گزرتا ہے تمہاری فلاح پر بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴿۱۲۹﴾

اب اگر یہ لوگ منہ پھیرتے ہیں تو ان کو کہہ دو مجھے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ (توکل) کیا ہے، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

پچھلی آیت میں نبی ﷺ کے احترام اور ہر مشکل اور آسان اوقات میں ان کے ساتھ رہنے کا حکم تھا۔ ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے اور آپ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ بہت اہم ہیں۔

1. تمہارے جیسے ہیں یعنی انسان ہیں ان ہی کی زبان بولتے ہیں، ان کی طرح رہن سہن رکھتے ہیں، لیکن کردار میں صادق اور امین ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ انس اور مانوسیت

میں آسانی اور حکم کی تعمیل میں دشواری نہیں ہوگی۔ اگر نبی کسی اور مخلوق مثلاً جن و فرشتوں سے آتا، نہ تو مانوسیت ہوتی اور نہ ہی اعتماد ہوتا کیونکہ وہ غیر انسانی مخلوق ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔ یہ انسانیت کا اعزاز کہ اسقدر عظیم لیڈر (نبی) انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔

2. تمہاری مشقت میں پڑنا ان کو پریشان کر دیتا ہے، حضور ﷺ اپنے مبلغین سے فرماتے کہ لوگوں کو آسانی کا راستہ بتاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو آسانی دینے کے لیے آئے ہیں نہ کہ مشقت کے لیے۔ عبادات میں آپ ﷺ نے جو آسان طریقہ سے ہوسکے اس کا حکم دیا۔ لگاتار روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا میں مسواک کرنا پسند کرتا ہوں لیکن اسکا حکم اسلئے نہیں دیا کہ لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ مسلمانوں کی تکلیف کو آپ ﷺ اپنی جان کی تکلیف سے زیادہ محسوس کرتے اور ہمیشہ امت کی آسانی اور استغفار کے لیے دعا کرتے رہتے۔

3. امت کی فلاح پر آپ انتہائی حریص بھی ہیں۔ امت پر احکام میں آپ آسانی کے لئے ہمیشہ حریص رہے۔ اپنی زندگی انتہائی سادگی اور غربت کی حالت میں گزاری۔ جب کہ آپ کے پاس، آپ کی ذات کے لئے ایک رقم مختص تھی جو آپ امت کے ضرورتمندوں میں تقسیم کردیتے اور اپنے اہل خانہ کے ہاں کھانے کا بھی سامان نہ ہوتا۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا۔ سلام اس پر کہ جس کا بوریا بستر بچھونا تھا۔

نمازوں کو پچاس سے پانچ تک محدود کروایا۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت پر ایسا عمومی عذاب نہ آئے، جس سے کہ ساری امت ہلاک ہوجائے، پھر سوال کیا کہ میری امت پر ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو غیر ہو اور ہلاک کردے اللہ نے منظور فرمایا پھر آپ نے درخواست کی کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں اس سوال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔

آپ مومنوں اور مسلمانوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں۔ آپ کی ذات سراپا رحمت ہے اور رحمت العالمین آپ کا لقب ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہے۔

آپ کا کردار انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی آخری آیت میں فرمائی کہ آپ کی ان صفات کے باوجود اگر کفار منہ موڑتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے ذات الٰہی کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر توکل اور بھروسہ کیا ہے۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی عظمت، قوت اور سطوت کی دلیل ہے۔ احادیث مبارکہ میں جنت، دوزخ، عرش کرسی کے بارے میں ذکر ہے اور نبی علیہ السلام نے اس وقت لوگوں کی استعداد علمی کے مطابق ان کو تشبیہات کے ذریعے بیان فرمایا جن کو سمجھنا بہت آسان ہے اور حقیقت کے بھی قریب تر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے جیسے کسی صحرا میں انگوٹھی کا چھلا پڑا ہوا ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے صحرا کی فضیلت چھلے پر، کس قدر خوبصورت مثال ہے، ہمارا نظام شمسی کی صرف سماء ارضی (زمین کے قریب تر آسمان) کا کچھ حصہ ہے۔ ہمارے قدیم علماء نے بھی فلکیات کو جیومیٹری کے ذریعے فاصلوں کا اندازہ لگایا ہے جو کہ انکی علمی مہارت و تحقیق کا ثبوت ہے۔ یہ اندازہ دوربین یا برقی لہروں کے بغیر تھا جو جدید دور میں استعمال ہوتی ہیں۔ اور آجکل فاصلوں کو روشنی کے سالوں یا جو زمین سے سورج کا فاصلہ ہے اس کی اکائی بنا کر ماپا جاتا ہے جسے IAU کہا جاتا ہے جو 150 ملین کلومیٹر ہے آپ اس سے کائنات کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں جس کو آج تک انسان سمجھ اور جان نہیں سکا۔ سبحان اللہ العظیم۔

آخری آیت مبارکہ نہایت عظیم ہے برکات کا ایک سمندر ہے جتنا آپ غور کریں گے اتنا ہی ایمان مضبوط ہوتا ہے حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص نے ہر صبح اور ہر شام کو سات مرتبہ حسبی اللہ لا الہ الاھو، علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم (میرے لئے اللہ کافی ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اس پر توکل کی وہ بڑے عرش کا رب (مالک) ہے) پڑھا اس کے دنیا و آخرت کے کاموں میں اللہ کافی ہوگا (ابو داؤد)۔ یہ بڑا ضروری ہے کہ آیات یا اوراد مبارکہ،

کے معنی کو سمجھا جائے ان کو اپنے تخیل اور فکر میں شامل کیا جائے، تاکہ رحمت خداوندی اور محبت الٰہی میں اضافہ ہو۔

الحمدللہ سورۃ توبہ مکمل ہوئی یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اپنے نبی کریم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور ان کے طفیل اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر اسے عوام و خاص کے لیے مفید بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

سورۃ یونس

تعارف:۔

سورۃ یونس مکہ شریف کے قیام کے دوران نازل ہوئی۔ اس کی 109 آیات اور گیارہ 11 رکوع ہیں۔ اس میں 1832 کلمات ہیں اور 9099 حروف ہیں۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر اس سورت میں ہے اس لئے اس کا نام سورۃ یونس رکھا گیا۔ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل ہوتے ہیں، اس میں بھی قدرت اور مخلوقات پھر جزا سزا کا ذکر ہے۔

خشکی اور سمندر پر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں، نہ ماننے والوں کو بالآخر عذاب اور ماننے والوں کو آخرت میں خوشخبری ہے۔ اس دنیا کی نعمتوں، اس کی زینت کا ذکر جو فانی ہے اور اُخروی نعمتوں کے دوام کا ذکر ہے۔ حضور علیہ السلام کو جو تکالیف تبلیغ میں پیش آرہی تھیں، ان کے لئے تسلی دی ہے کہ تکالیف میں عزم واستقلال اور اللہ تعالیٰ پر یقین میں کامیابی ہے۔ ۔انبیائے سابقین میں حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون کے احوال ہیں اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کہ اگر وہ بچائے تو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور اگر نقصان پہنچائے تو کوئی نہیں بچا سکتا۔ پھر فرمایا کہ آپ اسلام کی تبلیغ وترقی کیلئے اپنی خواہش کی وجہ سے سب کو مسلمان جبراً نہیں بنا سکتے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب تابعدار ہوتے لیکن حکمت الٰہی نے اختیار دے کر انسان کو آزادی دی ہے جس پر اس کا حساب ہوگا۔

دین اسلام کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔تکالیف پر صبر کی تلقین فرمائی اور کامیابی کے انجام کی بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سب سے اچھے ہیں۔سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے نور اور حکمتوں سے ہمارے دلوں کو روشن فرمائیں۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾

الف۔ لام۔ را۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت سے لبریز ہے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

کیا یہ بات لوگوں کے لئے تعجب خیز ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مرد کامل کی طرف وحی بھیجی کہ گمراہ لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو خوشخبری دیں کہ ان کے رب کی بارگاہ میں اونچا مرتبہ ہے۔ کافر کہنے لگے (اس بات پر) بے شک یہ شخص تو بڑا جادوگر ہے۔

آیات مبارکہ کی ابتداء، چند ایسے حروف سے ہے جن کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔اس کی توجیہ کچھ علماء نے اپنے انداز سے کی ہے۔ عمومی طور پر یہ حروف ایک اسرار ہیں اور کلام کی عظمت پر ایک دلیل ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتداء میں اس کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے اور چونکہ یہ الفاظ اسرار ہیں اور عربوں کے لئے نئے تھے اس کی انہیں خبر دی گئی کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں۔ نہ قصے ہیں نہ سیاسی بیان یہ ایک حکمت و ہدایت کا سرچشمہ ہے، جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے اور جو اس کے احکام سے انکاری ہیں ان کے لئے عذاب ہے۔

جب کفار مکہ کو اسلام کا پیغام دیا گیا، تو وہ طبقہ جو اس نظام وحالات سے فائدہ اٹھا رہا تھا، مخالف ہو گیا اور جہاں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی مانتے تھے وہیں انہوں نے حضرت محمد ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ کیا کسی عام آدمی پر اللہ کی وحی یا کلام آسکتا ہے۔ اس کے لئے تو غیر انسان (کوئی مافوق الفطرت) ہونا ضروری ہے۔ اس وجہ سے وہ اس سے انکاری تھے چونکہ آپ انہیں دنیا میں اعمال کی بنا پر عذاب اور جزاء، اس کے ساتھ آخرت کے وجود، پھر حساب اور اس پر سزا و جزا کے بارے بتاتے۔ ان کو یہ ایک خیال لگتا اور خوبصورت کلام کو سن کر آپ کو وہ جادوگر کہنے لگے۔ آپ کے

پیش کردہ کلام سے متاثر ہوئے اور کہا یہ جادوگر کی طرح ایک عجیب چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا کہ انسان کی مانوسیت کے لئے انسان ہی کو نبی بننا ضروری تھا۔ ورنہ انسان، غیر انسان سے کس طرح سیکھ سکتا ہے یا مانوسیت پیدا کر سکتا ہے۔ جو سیکھنے کے لئے ضروری ہے۔ جاہلی معاشرہ میں دولت، انسانی عظمت کا معیار تھا جبکہ اخلاق و کردار بہت اہم ہے۔

نبی کی صفات:۔

نبی علیہ السلام کے پاس اس قدر دولت نہیں تھی لیکن آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کردارِ انسانی کا چرچا بطور صادق اور امین کے لقب سے سارے مکہ میں مشہور تھا۔ ایک نبی کے لئے اخلاق و کردار اصل صفات ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے قریش مکہ جاہلیت اور گمراہی کی وجہ سے دوسری مافوق الفطرت اور دولت، قبائلی سردار کو عظیم سمجھتے تھے۔ آپ کی صفات کا ذکر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ نے یوں کیا "آپ ﷺ انسانی عیوب سے مبرا پیدا ہوئے، آپ کی تخلیق حسین گویا آپ کی مرضی سے ہوئی" اور آج بھی آپ بطور انسان خیر البشر ہیں۔ مافوق الفطرت صفات کا آپ کی ذات بابرکات سے اتصال کرنا آپ کی عظمت اور آپ کی بے مثال کردار سے روگردانی کا اعتراف ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

لوگو تمہارا رب جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر عرش پر متوجہ ہوا نظام کائنات کے لئے وہی ہر کام (کائنات کے امور) کا انتظام فرماتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر (اس کے پاس) کوئی سفارش کرنے والا نہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو تم کیوں نصیحت نہیں سنتے۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

تم سب لوگوں نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ کا (یہ) وعدہ سچا ہے بے شک اسی نے پیدائش کی ابتداء کی اور اس کو دوبارہ

پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے نیک عمل کیے انہیں عدل کے ساتھ اجر دے اور جن لوگوں نے احکام کا انکار (کفر) کیا ان کے لئے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر (انکار) کرتے رہے تھے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۵

وہ ہے جس نے سورج کو روشنی کا منبع اور چاند کو منور کیا اور اس کی منزلیں مقرر کیں کی تاکہ تم سالوں (دنوں و مہینوں) کا شمار اور حساب معلوم کر سکو، اور اللہ نے یہ سب کچھ درست تدبیر و انتظام کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ کائنات کی نشانیاں تفصیل کے ساتھ لوگوں کو واضح کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۶

بیشک رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین اور آسمان میں پیدا کیا ہے اس میں اللہ سے ڈرنے والوں (متقی لوگوں) کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

وجود مخلوق سے خالق کی دلیل:۔

چونکہ کفار اللہ تعالیٰ کے حقیقی قوت اور تصور سے نا آشنا تھے، وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں توحید آخرت اور جزا سزا کے بارے میں بتایا تو ان کے لئے یہ ایک نیا پیغام تھا۔ یہ معلومات دراصل علمی درجہ کی تھیں لیکن اس وقت کے انسان علم سے نا آشنا تھے اور معاشرہ علمی پستی بلکہ سراسر لاعلمی پر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے عمومی شواہد کائنات کا ذکر کیا ہے کہ جس سے ذرا بھی غور و فکر کرنے والے انسان اپنے وجود اور کائنات اردگرد کی روزمرہ کے حقائق جیسے رات اور دن، سورج اور چاند، زندگی اور موت کو جانتا ہے۔ قرآن نے اس قدر خوبصورت انداز میں بیان کئے ہیں کہ فلسفہ سائنس یا جدید تحقیقات جس قدر وسعت اور ترقی اختیار کرتی

جائیں گی، نئی نئی معلومات کے دروازے کھلیں گے، لیکن ان کی بیان کردہ معلومات کے دائرے کے اندر رہیں گے اور قرآن مجید کی کسی معلومات کو غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ سائنسی معلومات علوم و شواہد کے ذرائع اور آلات کے ساتھ بدلیں گے اور پھر بھی قرآنی کائناتی حقائق کے اندر گھومتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ان کو چھ دن میں بنایا۔ یہ چھ دن انسانوں کے دن نہیں بلکہ قرآن کی معلومات کے مطابق ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے یہ ہزار سال ہمارا شمسی ہو یا قمری یا نوری سال ہے، جب سورج ہی نہیں تھا تو دن کا تصور وقت ہے، پیدائشِ کائنات کی یہ مدت سائنس اپنی معلومات کے مطابق جو انسانی ظن و معلومات کے تجزیے پر منحصر ہے تبدیل ہوتی رہے گی۔ کائنات کی صحیح معلومات آج تک حاصل نہیں ہوسکیں۔ جدید ریڈائی دوربین جو چین نے سکائی آئی (Sky Eye) کے نام سے 2019 میں نصب کی جس کا نصف قطر 500 میٹر ہے اس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس میں فٹ بال کے کئی گراؤنڈ آسکتے ہیں، اور کتنے سینکڑوں ستونوں پر قائم ہے وہ دنیا کی سب سے بڑی دوربین ہے۔ ابھی کائنات کہکشاؤں سے نکل کر بلیک ہول اور کہیں آگے جا چکی ہے۔ عرش کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق ہمیں نظر آنے والے ستارے، نچلے آسمان کا حصہ ہیں جس میں کہکشائیں نظر آتی ہیں۔ عرش کی وسعت کا اندازہ جو حدیث شریف میں آیا ہے اس کا ذکر سورۃ توبہ کی آخری آیات میں کیا گیا ہے۔

کائنات میں اجسام اور غیر اجسام کا وجود تدریجی اور غیر تدریجی، دونوں طرح سے ہوسکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں دونوں کے امکانات ہیں اور احادیث میں عموماً تدریجی ارتقاء کائنات کا ذکر ہے جس کو عمومی طور پر مدت کے حساب سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث مستند کتابوں کے علاوہ دوسری کتب میں ہیں لیکن چونکہ اسلامی احکام سے متعلق نہیں اسی لئے اتنی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

نظامِ کائنات اور دوسری زندگی:۔

انتظام و انصرام کے بارے فرمایا کہ کائنات کا انتظام فرماتا ہے۔ آیات میں یہ بھی آیا ہے کہ زمین کا نظام آسمان سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہم جانتے ہیں کہ

بارش، دھوپ، گرمی، موسم انتہائی اہم ہیں۔ ساری زراعت، صنعت کا دارومدار انہی پر منحصر ہے۔ ان کی ساری تدبیرو انتظام فضا میں ہوتا ہے۔ جب سے انسان نے فضا سے معلومات حاصل کرنا شروع کی ہیں، اس وقت سے موسم کے حالات بہت بہتر انداز میں بتائے جاتے ہیں۔ انسان، پرندے، حیوانات، درندے، حشرات الارض، پانی کی مخلوق، جنگلات اور پودے فصلیں پیدا ہوتی اور مرتی ہیں۔ اپنی ذات میں ابتداء و انتہاء کی داستان سناتی اور اہل عقل کیلئے جستجو اور غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اسی طرح انسان، جو زمین میں شواہد کے باوجود کچھ ایمان لائے اور کچھ لوگ نہیں لائے اور کچھ نے ذاتِ خداوندی سے انکار کیا۔ اس کے احکام سے بھی منکر ہوگئے۔ دنیا میں اپنی خواہشوں کی بنا پر عمل کرتے رہے۔ ان کو دنیا میں سزا نہیں دی گئی، کیونکہ دنیا میں زندگی کی مدت مختصر تھی اور دوسرا انکی اختیار کی آزمائش تھی کہ وہ کدھر جاتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کی سزا و جزا اس دنیا کی زندگی میں نہیں پاتے، کیونکہ اللہ کی رحمت ان کو عذاب سے بچائے رکھتی ہے اور عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ اچھائی کرنے والے، بھلائی کرنے والوں کو انعام دیا جائے اور ظلم کرنے والوں، نقصان دینے والوں کو ان کے عمل کی سزا دی جائے اور یہ سزا ان کو انسان نہیں دے سکتا کہ کمزور ہوتا ہے یہ سزا اس کو وہ ذات دے گی جس نے نہ صرف انسان کو بلکہ ساری کائنات پیدا کی اور اس کی سزا سے انسان کو کوئی بھی بچا نہیں سکتا۔ پھر انسان کو اس کی عبادت کا حکم دیا۔ وہی ذات ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ انسان کو چاہئے کہ کائنات کی دوسری مخلوق، سورج، چاند، ستارے، عظیم الخلقت تصوراتی مخلوق کی عبادت کو چھوڑ کر ذات خدا کی عبادت کریں۔

وہ نشانیاں جو ہر شخص اپنی زندگی میں دیکھتا اور ان سے متاثر ہے، وہ سورج چاند ستارے، رات، دن ہیں۔ جن سے ہم زندگی کا حساب لگاتے ہیں۔ سورج کی منزلیں یعنی سورج اور زمین کی گردش کے زاویے اور فاصلے اور اسی طرح چاند کی گردش اور زاویہ ہے، جن سے موسم اور چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے، مہینے کے دنوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ہر کسی شخص کے لئے جو تعلیم نہیں رکھتا، دیکھ کر تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ مہینہ کا کونسا دن (تاریخ) ہے۔ پھر فرمایا سارا انتظام ایک انتہائی درست اور خوبصورت طریقہ سے چل رہا ہے۔ جو اس کے خالق کا کمال ہے۔ اس لئے اس کے احکام پر عمل اور اس کی عبادت ہی صحیح

طریقہ ہے۔ آیات میں پہلی مرتبہ فرمایا ان حقائق کو دیکھ اور غور کر کے، نصیحت حاصل کرو۔ جو کلام نبی علیہ السلام بتا رہے ہیں اس پر عمل کرو اور عمل نہ کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔ پھر فرمایا یہ ڈرنے والوں (اہل یقین) کیلئے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جس قدر سائنسی تحقیقات آگے جا رہی ہیں وہ اسلام کے قریب ہیں۔ لیکن چونکہ سائنسدان جس ماحول میں ابتدائی تعلم سے گذرتے ہیں وہ مذہب سے دوری کی بنیاد پر ہے۔ اس لئے ان کے تحت الشعور میں لادینی کا عنصر مستقل طور پر قائم رہتا ہے اور وہ خالق کی ذات کے بجائے فطرت (nature) کا سہارا لیتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی پر خوش ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور وہ ہماری نشانیوں سے غافل ہو گئے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾

ان کے اعمال کے سبب ایسوں (ان) کا ٹھکانا آگ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کا رب ان کے ایمان کے سبب منزل دائمی جنتوں میں دے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

ان (محلات اور نعمتوں) میں ان کی دعا ہو گی "اے اللہ تو پاک ہے اور اس میں ان کا (جنتیوں کا) آپس میں (دعائے خیر) "سلام" ہو گا ان کی دعا کا اختتام اس پر ہو گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

پچھلی آیات میں کائنات میں اجسام اور دوسرے شواہد کے بعد افراد کا ذکر ہے، جو اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کا انجام دوزخ کی آگ ہو گی۔ اس کے مقابل جو ایمان لائے نیک اعمال کئے، ان کے اعمال کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ، ان کو اُخروی زندگی میں جنت کی نعمتوں سے نوازے گا۔ محلات جن میں نہریں اور باغات ہوں گے، ان کے مسکن ہوں گے۔ ان کی آپس، کے ایمان والے ساتھیوں سے جو جنت میں قیام پذیر ہوں گے، سلامتی کا پیغام ہوگا۔ ہر بار اللہ کی حمد وثنا اور شکر پر بات کا اختتام ہوگا۔

قرآن مجید جہاں اعمال کا موازنہ یا مقابلہ کرتا ہے، وہ اعمال کے اجر کا موازنہ سامنے رکھتا ہے تاکہ پڑھنے والے کو اثرات اور نتیجہ سے آگاہ کیا جاسکے اور کامیابی کیلئے انتخاب کر سکیں۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق جو اسلام اور کفر کے درمیان ایک واضح فرق ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، انسان مسلمان ہیں یا غیر مسلم ہے۔ لیکن کلمہ گو ہونے کے بعد بھی مسلمان منافق اور مجرم بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کو اس کے اعمال کی بنا پر جزا و سزا دی جائے گی اور یہ اس لئے ہے کہ جس طرح پچھلی آیت میں آخرت کی زندگی کا سبب اللہ نے جزا و سزا کے قیام اور عدل الٰہی کی وجہ بتایا ہے (بحوالہ آیت نمبر 4) تاکہ جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کا انہیں عدل کے ساتھ اجر دے۔

وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۱﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو (برے اعمال کی سزا میں) ان کو نقصان (سزا) پہنچانے میں اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ دنیا میں نفع کی طلب میں کرتے ہیں تو انہیں کب کی موت آچکی ہوتی لیکن جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲﴾

اور جب ایسے انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے یا بیٹھے یا کھڑے پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح چل دیتا ہے گویا اس نے کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے لئے انکے

غلط اعمال خوشنما کر کے دکھائے گئے جو وہ کرتے رہے۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾

اور بیشک ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایمان لاتے ہی نہ تھے۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو ان کے عمل کی سزا دیتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر (ان کا) جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اب کیسے عمل کرتے ہو۔

اعمال کا سراب اور سزا میں مہلت:۔

پچھلی آیات میں آخرت پر یقین رکھنے والے اور نہ رکھنے والوں کے احوال پھر ان کی سزا و جزا کا ذکر کیا گیا۔ ان آیات میں ان واقعات کا ذکر ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اعمال صالحہ نہیں کرتے لیکن پھر بھی دنیا میں ظاہری عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کے بارے ذکر فرمایا جو روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ ہر آدمی اپنے فائدے اور آرام کے لئے پوری کوشش کرتا ہے اور جس قدر جلدی ہو سکے اس کو حاصل کرتا ہے۔ انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی مثال انسان کا ذاتی کاروبار کے لئے جدوجہد ہے۔ جبکہ مشترکہ کاروبار کے لئے سست پڑ جاتا ہے اور پھر حکومتی ملازمت یا پبلک سیکٹر میں اور بھی انتہائی سست ہوتا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر کا پیداواری معیار، پبلک سیکٹر سے بہت بہتر ہوتا ہے اور اس کی وجہ ذاتی نفع کے لئے جدوجہد میں تیزی اور زیادہ کوشش ہے۔

دوسری طرف جب ذرا تکلیف آتی ہے تو انسان بہت جلد گھبرا جاتا ہے، ہر طرح تکلیف سے بچنا چاہتا اور پوری کوشش کرتا ہے لیکن جب ذرائع ختم ہو جاتے ہیں تو غیبی امداد پر بھروسا شروع کر دیتا ہے۔ یہ مصیبت بیماری ہو یا مالی پریشانی، تکلیف جب ختم ہو جاتی ہے۔ تو سابقہ حالت کو بالکل بھول جاتا ہے اور پھر اپنے کاموں جن میں اس کو مزہ یا آرام تھا مشغول ہو جاتا ہے۔ اپنی تکلیف مصیبت سے سبق نہیں سیکھتا

کیونکہ وہ آخرت میں جزا و سزا کے تصور سے عاری (خالی) ہوتا ہے۔ اس کو اس کے اعمال خوبصورت اور صحیح نظر آتے ہیں۔ انہی میں کھویا اور مشغول رہتا ہے۔ اپنے خالق کے احکامات کی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو سزا دینے میں اسی طرح جلدی روا رکھے، جس طرح انسان اپنے نفع و آرام کے لئے جلدی کرتا ہے۔ تو انسان کی زندگی بہت مختصر ہوتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اسے مزید ڈھیل دیتا ہے اور اس کی کوششوں کے مطابق اسے سہولت ملتی ہے جس کی وجہ سے وہ مکمل گمراہی میں گر کر ختم ہوجاتا ہے۔ اُخروی زندگی میں عذاب کا شکار بن جاتا ہے۔

کفار مکہ پر ایک اجتماعی عذاب کی صورت میں ایک لمبی مدت کا قحط آیا تھا۔ اس میں انہوں نے نبی ﷺ سے بارش کی دعا کی درخواست کی اور پھر جب بارش آگئی تو بھول گئے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے اور واقعات بھی ہیں، یہ واقعات انفرادی اور اجتماعی طور پر واقع ہوتے رہے۔ کوئی قوم جب اپنے عروج کے دوران اپنے خالق حقیقی کے احکام کو، اس کے حکمران بھول جاتے ہیں پھر اپنے نفس کی خواہشات پر چل کر عذاب کا نشانہ بنتے ہیں۔ ان اقوام کا عبرت کے طور پر قرآن مجید میں ذکر ہے۔ عاد، ثمود اور ایکہ کی قومیں جنہوں نے اللہ کے انبیاء کی تعلیمات سے انکار کیا، ان کو ٹھکرایا جس کے نتیجہ میں ان کی تباہی ہوئی اور کفار مکہ جو اَب نبی ﷺ کی تعلیمات سے انکار اور شدت سے مخالفت کررہے تھے ان کا بھی یہی رویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکش اقوام کو عروج کے بعد زوال دیا اور ان کی طاقت ختم کر کے دوسری قوم کو موقع دیا گیا اور یہی اب کفار مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ نبی کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار کو پرکھ رہا ہے کہ یہ کیا عمل کرتے ہیں۔ احکام الٰہی سے انکار کی صورت میں ان پر بھی تباہی اور ناکامی کا عذاب آئے گا۔

دوسری طرف قرآن مجید اور احادیث رسول میں مومنوں کی تکلیف کے وقت کردار کا ذکر آیا ہے۔ وہ صبر کرتے ہیں اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں اور راضی برضا رہتے ہیں۔ اگر ان کو اپنے اعمال میں کوتاہی نظر آئے تو اصلاح اور توبہ کرتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے خواہ وہ تھکاوٹ ہو قرض ہو یا بیماری حتیٰ کہ کوئی فکر جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو رہا ہو، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا

کفارہ بنا دیتا ہے (بخاری و مسلم)۔ مومنوں کو پریشانی بدحال نہیں کرتی اور مصیبت سے چھٹکارا یادِ خدا سے غافل نہیں کرتا۔ احکامِ الٰہی پر عمل دونوں زندگیوں میں کامیابی ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور لے آیئے یا اس کو بدل دیجیے۔ آپ کہہ دیں مجھے حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو فقط جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بے شک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کہیئے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہی میں اس (قرآن) کو تمہارے اوپر تلاوت کرتا اور نہ میں اس سے باخبر کرتا۔ بے شک میں اس (قرآن) کے نزول سے قبل تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

آیات مبارکہ انسان کی ناشکری اور خدائے حقیقی سے بے پرواہی کا ذکر ہے۔ قریش مکہ اسلام کی مخالفت میں مختلف بہانے کرتے اور کچھ سرداروں نے نبی ﷺ سے کہا یہ قرآن صحیح نہیں اس میں تبدیلی کریں یعنی نیا لائیں۔ ان کا مقصد آپ کے دعوی نبوت اور وحی کو پرکھنا یا جھٹلانا تھا۔ چونکہ وہ صرف دھوکہ کر رہے تھے اس لئے آیات مبارکہ میں ان کے سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی قبل از دعویٰ نبوت ہر مکی کے سامنے ہے۔ آپ صادق اور امین کے نام سے مشہور تھے، لوگوں کے اعتماد کی وجہ سے کعبہ شریف میں آپ نے حجر اسود نصب فرمایا۔ غرباء کے لئے حلف الفضول میں شریک ہوئے۔ اور یہ چند دنوں کی بات نہیں عمر کے چالیس سال اس پر گواہ ہیں لہذا آپ کی نبوت اور کلام الہی کو نہ ماننا غلط ہے۔ آپ نے کوئی علم کسی سے نہیں سیکھا اور

اس قدر غائب اور سابقہ امتوں، کائنات کے وجود کے بارے اطلاعات بتا رہے ہیں تو یہ ساری وحی اور کلام الٰہی ہے۔ نبی اپنے اللہ کی کیسے نافرمانی کر سکتا ہے اور اس طرح کے اعلیٰ کردار کا شخص کس طرح غلط بیانی کر سکتا ہے اگر وہ اپنی عقل کو استعمال کریں اور ضد اور تکبر چھوڑ دیں تو یقین حق ان کو سمجھ آجائے گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک مجرم لوگ فلاح نہیں پائیں گے

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور وہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، آپ کہئے کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔ اس کی ذات پاک ہے اور سب چیزوں سے جن کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہو، بلند و بالا ہے۔

بتوں کی سفارش:۔

پچھلے مضمون کو جاری رکھا ہوا ہے۔ کفار مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا ہے کہ کس قدر ظلم ہے اللہ کے شریک اور بت بنا کر اللہ کے برابر بنا دیا۔ یہ مشرکین اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اللہ کے نام کے بت اور دوسرے دیوتا مختلف صفات کے بنا کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بت ان کو قیامت کے دن اللہ کے پاس سفارش کر کے بخشوا دیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بے جان صورت انسان کے ہاتھ کی پیداوار ہے۔ کچھ بھی نفع یا نقصان نہیں کر سکتی پھر یہ کیسے ممکن ہے یہ اللہ سے گناہوں کی معافی دلا دے۔ ان کا یہ دعویٰ بہت بڑا جرم ہے۔ اور یہ ایسا جھوٹ نہ زمین پر اور نہ آسمان پر اس کی جگہ ہے، یہ ان کی غلط اختراع ہے جس کی

بنیاد شیطانی فکر و تخیل ہے۔ بت پرستی اور شریک عبادت کے گناہ سے بچنا فرض عین ہے۔ کہیں بت پرستی اور قبر پرستی تو نہیں مل رہی اس کا خیال ضروری اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ قبرستان پر جانا مفید ہے جو کہ موت اور دنیا کی بے ثباتی کی یاد تازہ کرتا ہے، مسلمان بزرگوں کی بخشش و درجات کے لئے صدقہ اور ایصال ثواب بھی اچھے امور سے ہیں۔ لیکن قبروں کے احترام میں غلو، جیسے سجدہ کرنا، جھکنا، چکر لگانا یا صاحب قبر کی نذر ماننا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ انبیاء یا اولیائے کرام کا کردار مشعل راہ کے طور پر بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا میں بطور وسیلہ ان کو پیش کرنے کی مشروط اجازت ہے (بحوالہ تبیان القرآن)۔ ذات خداوندی سمیع و بصیر ہے اور ہر خیال وخلش سے آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک جلی و خفی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور سارے لوگ ابتدا میں ایک امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک حکم مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور وہ کہتے ہیں اس رسول پر ان کے رب کی طرف کیوں کوئی نشانی نازل نہیں کی گئی؟ آپ کہہ دیجئے! غیب تو اللہ کے لئے ہے۔ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

دنیا میں اختلاف کے اسباب کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نبی تھے اور آپ کی اولاد مسلمان تھی۔ لوگ رزق کی تلاش میں دوسرے مقامات پر چلے گئے اور وہیں پھولے پھلے۔ مواصلات صرف زمینی (پیدل) تھے۔ اس لئے لوگوں کے تعلقات / روابط کم تھے اور اس طرح مختلف خیالات سے گمراہی پھیلی۔ مختلف زبانیں پیدا ہوئیں اور قبائل اور رواج مختلف پیدا ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں گمراہی پھیل چکی تھی اور طوفان نوح کے بعد پھر صرف مسلمان ہی

اس زمین پر رہ گئے اور پھر وہی سلسلہ ہوا جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا اور پھر ساتھ احکام نازل فرمائے۔ لیکن ان اختلافات کو پھلنے کا موقع اس لئے ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور سمجھ کی قوت دی ہے۔ پھر اس کے سامنے غلط اور صحیح کو بیان کر دیا تاکہ اس کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ اپنے فضل سے کارکردگی کی معین مہلت دے دی۔ اسی وجہ سے انسان کو فوری طور پر سزا نہیں ملتی بلکہ اسے اس کی مہلت زمین پر زندگی کی صورت میں ہے، پورا فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ پھر اس کی کارکردگی پر اسے جزا و سزا ملے گی۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا جس کی وجہ سے یہ اختلاف کا سلسلہ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ امت کا تعلق زبان، رنگ، نسل سے نہیں بلکہ نظریاتی اتحاد سے ہے۔ جب تک نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ ایک امت اللہ پر یقین رکھنے والی، اس کے احکام کے آگے سر جھکانے والی اور دوسری امت اپنی مرضی کے عمل کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ دونوں امتیں اسلامی اور غیر اسلامی، انسانیت میں ایک لیکن نظریات و اعمال میں مختلف ہیں۔ لیکن یہ اختلاف دشمنی کا نہیں جو امت حق پر ہے۔ اس کا فرض ہے کہ انسانی بھلائی کے نظریہ کے تحت دوسری امت کو اخلاق حسنہ اور حکمت سے دعوت دے۔ تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔ اگر دوسرے افراد یا قوم، سلامتی اور وجود کا خطرہ بن جاتے ہیں تو دفاع کا حق ہر شخص کو ہے۔ کفارِ مکہ نبی ﷺ سے کہتے کہ آپ کیسے نبی ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ نظر نہیں آتا۔ آپ کا گھر سونے کا بن جائے۔ ہمارے مُردوں کو زندہ کر دیں، سو ہم قرآن کو نہیں مانتے۔ اس طرح کی مختلف حجت بازیاں کرتے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے چلتی ہے اور میں بھی تمہاری طرح اللہ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔ ان مطالبات کا کوئی فائدہ نہیں۔

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ فوراً (ہماری مہربانی کو بھول کر) ہماری نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کہہ دیجئے یہ اللہ جلد سزا دینے والا ہے حیلہ کی۔ بے

شک ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جو بھی تم حیلے کر رہے ہو، اسے لکھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ (۲۲)

وہی ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلنے پھرنے (کی قوت) دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو لے کر موافق ہوا کے جھونکوں سے چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو اچانک ان کشتیوں کو تیز اور تند ہوا کا جھکڑ آ لیتا ہے اور ہر طرف سے ان مسافروں کو جوش مارتی موجیں آگھیرتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ طوفان میں پھنس گئے تو (اس وقت) دین میں مخلص ہو کر اسے پکارتے ہیں، کہ اگر تو نے ہمیں (طوفان سے) بچا لیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ٚ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۳)

پھر جب انہیں نجات دے دی تو وہ فوراً ہی زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں اے لوگو! بس تمہاری سرکشی و بغاوت کا (نقصان) تمہاری جانوں پر ہے، دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (اٹھالو)۔ بالآخر تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے، اس وقت ہم تمہیں اعمال سے خوب آگاہ کریں گے جو تم کرتے رہتے تھے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۴)

دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھنی ہوئی اس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں حتیٰ کہ عین اسی وقت جب کھیتیاں اپنی تازگی اور شادابی کے ساتھ لہلہانے لگیں اور ان کے مالکوں نے

یہ گمان کر لیا کہ وہ ان پر قادر ہیں تو اچانک رات یا دن کو ان پر ہمارا عذاب آگیا۔ پس ہم نے ان کھیتیوں کو کٹا ہوا ڈھیر بنا دیا جیسے کل یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے ہم اس طرح آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسانی نفسیات کا ذکر فرمایا ہے کہ انسان کو جب تکلیف ہوتی ہے تو فوراً گھبرا جاتا ہے۔ سارے ذرائع اسباب استعمال کرتا ہے اور جب پریشانی سے نکل جاتا ہے تو بھول جاتا ہے۔ اسے ایک مثال و واقعہ سے واضح کیا۔ سمندر میں سفر بادبانی کشتیوں سے ہوتا تھا ان کو بادبان لگے ہوتے تھے۔ جن کو ہوا دھکیلتی تھی اس طرح کشتی چلتی رہتی۔ جب طوفان آتا تو بادبانوں کو اتار دیا جاتا تاکہ کشتی الٹ نہ جائے اور پھر لہروں کا چڑھاؤ کئی فٹ ہوتا جب سفر نرم اور تیز انداز میں گزر رہا ہو تو سوار خوش ہوتے ہیں۔ جب طوفان آجائے تو بپھری لہروں کے سامنے کشتی بہت معمولی نظر آتی ہے اور خوف وہراس پھیل جاتا ہے۔ سب لوگ سہم جاتے ہیں اور اللہ سے غیبی امداد یعنی طوفان کے تھم جانے کا انتظار کرتے ہیں۔ اللہ کو نہ ماننے والے بھی پھر گڑگڑا کر دعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔

یہاں ایک سچا واقعہ بھی ہے، عکرمہ بن ابی جہل فتح مکہ کے موقع پر اسلام دشمنی میں مکہ سے بھاگ گیا اور اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث مسلمان ہو گئی۔ عکرمہ بھاگ کر مکہ سے باہر جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوا۔ کشتی سمندر کے طوفان میں پھنس گئی اس نے لات و عزیٰ کو خوب پکارا لیکن طوفان اور شدید ہوتا گیا۔ بالآخر اس نے کہا میں اللہ کو مانتا ہوں اور اس طوفان سے بچ گیا تو جا کر اسلام قبول کر لونگا۔ جس کے بعد طوفان تھما اور واپس آکر مسلمان ہو گیا۔ یہ ایک انسانی کیفیت اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہے۔ وہ پورے جتن کرتا ہے کہ جب کامیاب ہو جاتا ہے پھر مزید مکر اور دوسرے ذریعوں کو اہمیت دے کر مالک حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ ایسے موقع اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ تکلیف کے دوران کا رویہ اور عمل پھر جب تکلیف ختم ہو جائے اور حالات نارمل ہو جائیں تو رویہ اور عمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہ رویوں اور کردار میں اختلاف کی وجہ نظریاتی کمی ہے۔ جسے ہم ایمان کی کمی کہہ سکتے ہیں۔ آدمی دراصل اس کو اپنی چالاکی تصور کرتا ہے جو شیطانی فکر ہے، یہ مکر و فریب، یہ

حیلے بہانے سب اللہ کے نظام میں کرامن کاتبین (دو لکھنے والے فرشتے) ہر وقت ریکارڈ کر رہے ہیں۔ یوں جانیے کہ ویڈیو فلم بن رہی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ قیامت کے دن دکھائی جائے گی۔ اس رویہ کو اللہ تعالیٰ نے بغاوت فرمایا ہے۔ احکام خداوندی سے بغاوت کی سزا ضرور ملتی ہے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق ظلم اور بدعہدی دھوکہ وفریب کا وبال کرنے والے پر پڑتا ہے (بروایت حضرت عائشہ ابن مردویہ تفسیر مظہری)۔ ایک اور روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ صلہ رحمی اور لوگوں پر احسان کرنے کا بدلہ بھی اور ظلم اور قطع رحمی کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے۔ آدمی دنیا میں ہی ان کو دیکھ لیتا ہے۔ (بروایت ترمذی)

اسلامی معاشرے اور اقدار میں ان کا اہتمام بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے خوبصورت مثال دی کہ بارش سے باغ پھلے پھولے، فصل پروان چڑھی، لہلہاتے کھیتوں نے مالکوں کے دل خوش کر دیئے اور آمدن و خوشحالی کی آرزوئیں دلوں میں انگڑائیاں لینے لگیں۔ پھر یک لخت ایسی آندھی اور آفت آئی کہ سارا چمن و کھیت اُجڑ کر رہ گیا اور ساری آرزوئیں اور امیدیں خاک میں مل گئیں، دونوں مثالیں، سفر سمندر اور خشکی پر کھیتوں اور باغات کے واقعہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں اور ان سے عبرت نہیں پکڑتے اسی لئے فرمایا کہ یہ نشانیاں اہل عقل و سمجھ اور فکر کرنے والوں کے لئے ہیں۔

وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ ؕ وَ لَا یَرۡہَقُ وُجُوۡہَہُمۡ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے اچھا بدلا اور اس پر مزید بھی۔ ان کے چہروں کو سیاہی نہیں ڈھانپے گی اور نہ کوئی ذلت ہوگی یہی لوگ جنت والے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثۡلِہَا ۙ وَ تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَاۤ اُغۡشِیَتۡ وُجُوۡہُہُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّیۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اور جن لوگوں نے برے اعمال کمائے برائی کا بدلہ اس جیسا (برا) ہے اور

ذلت ان کو ڈھانپ لے گی ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہروں پر رات کی تاریکی چھا گئی ہے یہی لوگ ہیں آگ (عذاب) والے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

چونکہ انسان اللہ کی مخلوق ہے جسے اس نے قوت، عمل کا اختیار دیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں ان کی بھلائی کی خاطر سلامتی کی طرف راستہ دکھاتا ہے جو سیدھا اور آسان راستہ ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں، جو لوگ اس راستہ پر جو نیکی اور بھلائی کا راستہ ہے، چلتے ہیں، نیک اعمال کرتے ہیں، ان کو ان کے اعمال کا خوبصورت بدلہ ملے گا اور ساتھ مزید اضافہ یا انعام دیا جائے گا۔ ان کے چہرے روشن ہونگے کوئی خوف کی سیاہی نہیں ہوگی اور وہ جنت میں جائیں گے۔ اس انعام کی تفصیل کہ نیکیوں میں کئی گناہ اضافہ، جنت کے مقام ہیں۔ ایک حدیث بڑی خوبصورت ہے کہ ان اعمال کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے اہل جنت کو مشرف فرمائیں گے۔ جس کی کیفیت ولذت تمام انعامات سے بڑھ کر ہوگی اور یہ خصوصی انعام ہوگا (روح المعانی)۔ اب ان کا مقابلہ ان لوگوں سے کیا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر نہیں چلتے۔ نفس کی خواہشات اور برائی کے اعمال میں پھنس جاتے ہیں۔ لہٰذا برائی کا بدلہ برائی ہے یعنی عذاب پھر خوف کی وجہ سے ان کے چہرے قیامت میں سیاہ نظر آئیں گے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ عذاب میں ہوں گے اور انہیں اس عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا مَکَانَکُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَکَآؤُکُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ قَالَ شُرَکَآؤُہُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۸﴾

اور جس دن ہم ان سب کے سب (مجرموں) کو اکٹھا کریں گے پھر ان کو جنہوں نے شرک کیا ہم کہیں گے تم اور تمہارے شریک (معبود) اپنی جگہ ٹھہرو، ہم ان (مشرکوں اور معبودوں) کے درمیان علیحدگی کردیں گے اور ان کے شریک (معبود) کہیں گے تم مشرک صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ﴿۲۹﴾

پس اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان ہی گواہ کافی ہے بیشک ہم
تمہاری عبادت سے انجان (غافل) تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۠ (۳۰)

اس موقع پر ہر نفس (شخص) کو معلوم ہو جائے گا کہ جو اس نے پہلے کیا
اور وہ اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے جو حقیقی ان کا مالک ہے اور وہ باتیں
جو گھڑتے تھے (مشرک) ان سے گم (بھول) جائیں گی۔

آیات مبارکہ گمراہی اور ہدایت کے انجام کی کیفیت و حالت جو حساب و کتاب کے دن ہوگی بیان کر رہی ہیں۔ پچھلی آیات میں حق پر چلنے والوں کی کیفیت اور انجام۔ اسی طرح گمراہ ہونے والوں کی کیفیت اور انجام کا ذکر فرمایا اور اسی ذکر کو ان آیات میں بتایا۔ گمراہ افراد کے علاوہ جن کی عبادت اور جن کے احکام پر گمراہ عمل کرتے رہے وہ بھی اس دن ان کے ساتھ اکٹھے ہوں گے۔ دونوں، عبادت اور پیروی کرنے والے اور جن کی پیروی یا عبادت کی جاتی رہی، موجود ہوں گے اور ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ ہو جائیں گے۔ گمراہ افراد اور مشرکین کو ان کے معبود و راہنما کہیں گے کہ ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ تم ہماری عبادت یا ہماری پیروی کرتے ہو۔ اس بات پر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی گواہی دینگے، کہ ذات خداوندی ہماری گواہ ہے کہ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ تم ہماری عبادت کر رہے ہو۔ یہ کس قدر مایوس اور پریشان کن حالت ہے کہ عبادت یا پیروی کرنے والے سے اس کا راہنما جس کی وہ پیروی کر رہا تھا بالکل انکار کر دے گا اور اس کے عمل سے لاعلمی ظاہر کرے گا۔ یعنی ان کی اہلیت اس قدر کم ہے ان کو معلوم ہی نہیں کہ کون ان کی پیروی کر رہا ہے۔ یہ ایک ثبوت ہے کہ یہ مصنوعی خدا ہیں۔ اس صورت سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اس کی ذات کی عبادت کی جائے۔ روز حساب و کتاب ایسا ہوگا کہ ہر شخص اپنے تمام اعمال اچھے، برے، چھوٹے، بڑے دیکھ لے گا۔ تمام امور کا فیصلہ، ذاتی باری تعالیٰ عدل سے فرمائیں گے۔ یہ کیفیت اس لئے بیان فرمائی کہ ہم اس سے سبق سیکھ کر زندگی ھدایت خداوندی کے مطابق بسر کریں۔ اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ

مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۳۱﴾

کہہ دیجئے! تمہیں کون زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے۔ کون کانوں (سماعت) اور آنکھوں (بصارت) کا مالک ہے اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور کون مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون تمام کائنات کا انتظام کرتا ہے تو وہ ضرور کہیں گے, اللہ تو کہہ دیجئے! کہ تم کیوں (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴿۳۲﴾

پس یہ تم سب کا سچا رب (اللہ) ہے، تو کیا ہے حق کو چھوڑ کر سوائے گمراہی کے، تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۳۳﴾

اسی طرح ثابت ہوگئے آپ کے رب کے دلائل۔ ان پر جنہوں نے نافرمانی (فاسقوں پر) کی۔ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴿۳۴﴾

کہہ دیجئے کیا ہے کوئی تمہارے خداؤں (شریکوں) میں سے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہو اور پھر اسے لوٹاتا (ختم کرتا) ہو؟ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہے جو مخلوق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی لوٹائے (فنا کرے) گا، تم کہاں (گمراہی میں) بھٹک رہے ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴿۳۵﴾

کہہ دیجئے! کیا تمہارے خداؤں (شریکوں) میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہو۔ کہہ دیجئے! اللہ ہی حق کی طرف ہدایت (رہنمائی) دیتا ہے۔ کیا جو حق کی رہنمائی کرتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کی راہنمائی کی جائے۔ تمہیں کیا ہوا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴿۳۶﴾

اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں بے شک گمان کبھی یقین کا بدل نہیں بے شک وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ خوب جاننے والا ہے۔

دلائل توحید ذکر فرمائے ہیں۔ کفار مکہ جو بتوں اور مختلف کائناتی اشیاء کو معبود سمجھتے تھے۔ ان کو اللہ کے وجود کے ثبوت دیے ہیں۔ دلائل سائنسی اور تحقیقی ہیں جو آج بھی اسی طرح سچے ہیں جس طرح اس وقت تھے۔ صرف ایک غیر تعلیم یافتہ انسان کے لئے تھے اور یہی قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ ہر دور کے انسان کے علمی سطح کے مطابق دلائل کا درجہ ہے۔ یہ درحقیقت علمی، تحقیقی اور سائنسی ہیں ان کو ہم اب زیادہ تفصیل سے جانتے ہیں۔ ان کا ذکر ایک عام انداز میں بیان فرمایا کہ انسان کے اندر بصارت و سماعت جس پر سارے اس کے علم، کارکردگی کا دارومدار ہے کون دیتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر انسان سماعت و بصارت رکھتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو ان سے محروم ہوتے ہیں اور پھر یہ ساری کائنات جو انسان کے اردگرد اور انسان سے متعلق ہے، بڑے منظم انداز میں چل رہی ہے۔ کیسے چل رہی ہے اور کون چلا رہا ہے؟ اس میں انسان کا کوئی کردار نہیں۔ ان پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کوئی ذات وقوت ہے۔ جو بھی نام دیا جائے۔ اسی طرح انسان کے گرد کی اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ مثلاً بیج سے درخت، درخت سے بیج یا پھل، انسانی نطفہ یا حیوانی نطفہ جو بے جان ہوتا ہے اس سے انسانی یا حیوانی وجود بنتا ہے۔ مختلف فصل اور سبزیاں۔ یہ ساری چیزیں ایک معین وقت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ پیدائش اور ختم ہونے کا سلسلہ چل رہا ہے۔ انسان بھی اس کا حصہ ہے، یہ انتہائی سادہ، اہم اور واضح بات ہے کہ یہ تمام امور انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، سرانجام نہیں دے سکتا۔ اور بت تو انسان کے بنائے ہوئے پتھر ہیں وہ کیا کریں گے۔ اس لئے اشیاء جو خود بے حقیقت ہیں، ان کو اپنا راہنما یا معبود بنانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور یہ انسان ساختہ خدا، انسانیت کے لئے بھی کچھ بھی نہیں، جبکہ خالق حقیقی نے انسان کی رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل اور احکام نازل فرمائے۔ اتنے شواہد کے باوجود بھی انسان بھٹک جاتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس بھٹکنے کا سبب انسان کا ظن و گمان ہے۔ وہ محض اپنے تخیلات کی بنا پر کئی اشیاء کو اپنے دماغ میں تصور بنا کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ سارا تخیل و گمان

حقیقت سے دور ہوتا ہے اور شیطان کی پیداوار ہے، جو انسانی دماغ میں شیطان ڈال دیتا ہے۔ جس قدر انسان کا دائرہ اختیار ہے اس تک اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ ظن یہ ہے کہ کسی چیز کو بغیر کسی ثبوت کے حق یا صحیح سمجھ لیا جائے اور یہ وہ مقام ہے جبکہ گمان ظن کرنے والا اپنے دعوے پر کوئی ثبوت یا ٹیسٹ کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور اسے حقیقت سمجھتا ہے۔ یہ فیصلہ سازی میں بہت خطرناک ہے۔

جو گمان و ظن حقیقت سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، ان سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں ہی نجات ہے۔ ہاں اگر دلائل اور معلومات کی بنا پر اگر کوئی تخمینہ یا قیاس کیا جائے، اس میں بھی امکان خطا تو رہتا ہے لیکن حقیقت کے قریب ہونے کے امکان زیادہ ہیں۔ بہت اہم نکتہ بیان فرمایا کہ جب بھی انسانی دماغ میں کوئی خیال آجائے، اس پر فوراً عمل یا یقین نہ کیا جائے بلکہ اس پر غور و فکر کر کے حقیقت کی تلاش کی جائے۔ حقیقی خدا نے انسانوں کی ہدایت کا بندوبست کیا ہے۔ یہ اس کا مخلوق سے محبت کا اظہار ہے اور جو ہدایت دیتا ہے۔ اگر اس کی عبادت نہ کی جائے یا اس کے احکام پر عمل سے انکار کیا جائے تو کس قدر غلط انسانی فیصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز اور عمل جو لوگ کرتے ہیں، جانتا ہے۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۳۷﴾

اور قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے اور ان کی تفصیل کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی جانب سے ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۳۸﴾

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک سورت بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو (بھی) بلا لو اگر تم سچے ہو۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴿۳۹﴾

بلکہ انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم میں وہ احاطہ نہ کر سکے (جان سکے) اور ابھی تک اس کی اصل حقیقت بھی ان پر نہیں کھلی تھی، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھ لو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴿۴۰﴾

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

آیات مبارکہ میں قریش مکہ کی ضد اور کفر کا بیان ہے کہ وہ قرآن مجید اور نبی علیہ السلام کی نبوت کو جھٹلاتے تھے۔ قرآن مجید کو شاعر کا کلام یا قصہ گوئی کہتے۔ فرمایا کہ یہ آسمانی کتاب ہے، پہلے آسمانی کتب جو مختلف انبیاء پر نازل ہوئیں ہیں، ان کی تصدیق کرتی ہے یہ اس کی صحت کی دلیل ہے اس میں انسان سے متعلق امور کے احکام اور کتب کی تفصیل ہے یہ اللہ کی طرف سے ہے انسان اس طرح نہیں بنا سکتا۔ اہل مکہ کو چیلنج دیا گیا کہ اگر یہ انسانی تخلیق ہے تو تم بھی اس طرح کوئی بنا کر دو۔ جس کا تاریخ میں ثبوت ہے کہ وہ نہ کر سکے اور ان کی ضد کا یہ عالم تھا کہ وہ واقعات اور حقائق جو قرآن مجید بیان کرتا وہ ان کو بغیر سنے، سمجھے اور غور کیے جھٹلاتے اور انکار کرتے۔ قرآن مجید نے تاریخی واقعات سے بتایا کہ کئی قومیں اس سے قبل مشرق وسطیٰ میں تباہ ہوئیں جن کا ذکر قوم عاد و ثمود، لوط، ایکہ اور آل فرعون کی صورت میں موجود ہے۔ اور پھر نبی ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ کچھ لوگ ایمان لائیں گے اور کچھ نہیں لائیں گے اور مخالفت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ افترار کرنے والوں اور فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔ تسلی دی کہ آپ تبلیغ جاری رکھیں اور اس انکار سے پریشان نہ ہوں۔ یہ اس اختیار جو اللہ نے عقل و سمجھ دے کر انسان کو دیا ہے اس کا نتیجہ ہے۔

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۴۱﴾

اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہیں کہ میرے لئے میرا عمل اور

تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم ان کاموں سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ (۴۲)

ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں پھر کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ عقل نہ رکھتے ہوں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۴۳)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۴۴)

بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا مگر لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔

تبلیغ اور تشدد:۔

کفار مکہ کی اسلام دشمنی کا ذکر اور ہدایت اور انکار کی کیفیت کا بیان ہے۔ آپ ﷺ سے انسانی کیفیت اور رد عمل کا اظہار فرما کر تسلی دی اور دنیا بھر میں اصلاح و تبلیغ کرنے والوں کو بتایا کہ اس معاملہ میں انسان جو سنتا ہے، دیکھتا ہے، سمجھتا ہے، اپنی ضد اور اپنے گمان پر ڈٹ جانے کی وجہ سے اس کا رد عمل یا رویہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ نہ سن رہا ہے اور نہ دیکھ رہا ہے، بہرہ ہے اور اندھا ہے۔ مبلغ اور مصلح کو اس رویہ کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی الجھنا یا جھگڑنا چاہیے۔ ان سے نفرت کرنے کی بجائے بتا دینا چاہیے کہ وہ ہدایت یا بھلائی کی بات نہیں مان رہے تو اس کا نتیجہ ان پر ہوگا۔ مبلغ یا مصلح اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اور لوگ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ اور انکے رد عمل کو یوں سمجھے کہ وہ صلاحیتِ سمجھ سے محروم ہیں۔ ان حالات اور کیفیات میں جب لوگ اللہ کی ہدایت کو ٹھکراتے ہیں۔ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں تو گویا وہ اپنے لئے خود تباہی اور ہلاکت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ انسانوں کو عذاب نہیں دینا چاہتا مگر ان کے کردار اور اعمال اس کا سبب بنتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خراب معاشرے اس لئے خراب ہیں، کہ وہاں کے اکثر افراد کے کردار خراب ہیں اور اچھے معاشرے اس لئے اچھے ہیں کہ اکثر افراد کے کردار اچھے ہوتے ہیں۔

خراب معاشرے جہاں انسانوں پر ظلم، ناانصافی، دھوکہ، جھوٹ اور اللہ کے احکام کی نافرمانی ہو کیونکہ یہ سب اعمال اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہیں، ان پر تباہی اور ہلاکت آجاتی ہے۔ اس کی صورت معاشی و معاشرتی تباہی یا آسمانی آفات سے ہلاکت ہوسکتی ہے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴿۴۵﴾

اور جس دن وہ (اللہ) ان کو اکٹھا کرے گا (ان کو یوں لگے گا کہ) وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی بھر رہے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴿۴۶﴾

اور اگر ہم آپ کو (اے نبی) اس عذاب کا کچھ حصہ دکھا دیں جس سے ان کو ڈرایا یا آپ کی زندگی پوری کر (وفات) دیں تو انہیں ہماری (اللہ کی) طرف لوٹنا ہے تو اللہ ان کاموں پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۴۷﴾

ہر امت کے لئے رسول ہے تو جب ان کا رسول آگیا تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

کفار کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے، لیکن جب قیامت اور حساب و کتاب ہوگا تو اس عذاب اور دن کی طوالت کے مقابلے میں انہیں دنیا کی زندگی بہت معمولی وقت لگے گی۔ اس کیفیت میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ قیامت میں مختلف کیفیات ہوں گی۔ جب آئے گی تو آدمی اپنی اولاد کو بھی بھول جائے گا ۔پھر دوران حساب و کتاب ایک دوسرے کو جانیں گے اور الزام لگائیں گے۔ یہ ساری حالتیں عذاب اور پریشانی کی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں ان پر آپ عذاب دیکھیں گے۔ جس طرح کفار مکہ کو شکست ہوئی اور مکہ، طائف، خیبر، سب فتح ہوئے اور اگر اس دوران کوئی کمی رہ گئی یا آپ نہیں دیکھ سکے تو آنے

والے ایام میں بھی ان کو عذاب ملے گا اور اس کے بعد قیامت پر سب مکمل حساب کتاب ہے۔ سزا اور جزا دونوں اعمال پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر امت کو سزا و جزا سے پہلے ان پر ہدایت و اطلاع کے لئے اپنا رسول بھیجتے ہیں۔ وہ رسول پیغام پہنچا کر حق اور گمراہی واضح کر دیتا ہے اور یہ انصاف کا معیار ہے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو عذاب اُٹھائیں گے اور اگر اچھے اعمال کریں گے تو انعام کے مستحق ہوں گے۔ اس کے علاوہ قیامت کو بھی جب کوئی امت حساب و کتاب کے لئے کھڑی ہو گی تو ان کے رسول اور یا نبی ان کے ساتھ ہوں گے تا کہ حق پہونچانے کی گواہی دیں اور ان پر انصاف قائم ہو۔ تاکیداً فرمایا کہ ظلم نہیں ہو گا۔ حدیث شریف کے مطابق مسلمانوں کا حساب و کتاب پہلے ہو گا، آپ نے فرمایا اگرچہ ہم سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے اور تمام مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۴۸﴾

اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۴۹﴾

اے نبی کہہ دیجئے! میں اپنی جان کے لئے کسی نقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ نفع کا، مگر اسی کا جو اللہ چاہے، ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ (اس سے) ایک گھڑی (لحظہ) آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّا ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۵۰﴾

کہہ دیجئے بھلا دیکھو! اگر اس (اللہ) کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے (تو کیا بچاؤ کر لو گے) آخر کیا چیز ہے جس کے لئے مجرم جلدی کر رہے ہیں۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴿۵۱﴾

کیا پھر جب عذاب آجائے گا، تو پھر تم اس کا یقین کرو گے (ان سے اس وقت کہا جائے گا) اب مانا تم نے بے شک تم اسی کو جلدی مانگتے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

تَكْسِبُوْنَ﴿۵۲﴾

پھر جنہوں نے ظلم کیا ان سے کہا جائے گا، تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمھیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴿۵۳﴾

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا وہ عذاب واقعی سچ ہے۔ آپ کہہ دیجئے ہاں میرے رب کی قسم وہ عذاب سچ ہے اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

مشرکین و کفار مکہ، اسلام اور پیغمبر اسلام کی تبلیغ کی ضد میں آیات عذاب و جزا، قیامت، حشر ونشر کا مذاق اڑاتے اور ہر وقت مختلف مطالبات کرتے اور ہٹ دھرمی میں کہتے کہ کونسا عذاب ہے جس کے بارے میں ڈراتے ہو، وہ ہم پر کیوں نہیں آتا؟ سالہا سال سے ہم مخالفت کر رہے ہیں اور تم اب اسے کہاں سے لاؤ گے۔ آیات میں ان کی ہرزہ سرائی اور بدزبانی کا جواب ہے کہ یہ عذاب اور سزا برحق اور سچ ہے۔ کسی بھی قوم یا امت کے لئے، اس کے اعمال کی بنا پر عذاب کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وہ اس وقتِ معین سے نہ کبھی آگے اور نہ کبھی پیچھے ہوتا ہے۔ جب یہ عذاب آتا ہے، خواہ دن ہو، صبح ہو، دوپہر یا شام، اس سے بچا نہیں جا سکتا اور یہی پچھلی قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ سارے امور کا فاعل حقیقی اور فیصلہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ میں تو اپنے لئے بھی اپنے فائدے اور نقصان کے لئے اس کا سہارا لیتا ہوں، اسی کا بھروسا کرتا ہوں۔ لہٰذا مجھ سے یہ سوال کہ کب آئے گا اور کیوں نہیں آتا، غلط ہے۔ درحقیقت ساری کائنات کے امور کا انتظام اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہے۔ زمین، آسمان، انسان، حیوانات سارے اس کے تابع ہیں۔ تمام امور کا فاعل حقیقی وہی ہے، اس لئے اسی سے مدد مانگنی چاہیے اور اسی پر یقین کرنا چاہیے۔ کائنات کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کئے ہیں، اس لئے مسبب الاسباب (اسباب کا بنانے والا) اللہ کا نام ہے۔ ان اسباب کا استعمال اور اس سے فائدہ اٹھانا انسان کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ سارے وسائل انسان کے فائدے یا نقصان کا سبب بن سکتے ہیں۔ لہٰذا ان وسائل کا استفادہ

فاعل حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی ذات کی نفی نہیں بلکہ اقرار اور شکر ہے۔ ہدایت کے لئے اس نے انبیاء اور کتب نازل فرمائیں۔ زمین پر موجود اشیاء کو انسان کے تصرف میں دے کر انسان کے لئے آسانیاں مہیا کیں اور اسی طرح معاشرے میں ایک دوسرے کی مدد کی جاتی ہے۔

اللہ کا غضب و انعام سچ ہے۔ جب آئے گا تو چھٹکارا نہیں ہو گا اس لئے اس کو مانگنا غلط ہے کیونکہ عذاب خداوندی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جب عذاب آئے گا اس وقت توبہ اور ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یہ عذاب دنیا کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ یہی دنیا کی زندگی ہے جس میں اعمال صالحہ سے ہم اس دنیا و آخرت دونوں کو بہتر کر سکتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما آمین۔

وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴿۵۴﴾

اور اگر بلاشبہ ہر ظالم شخص کے پاس جو کچھ زمین میں ہو تو وہ اسے عذاب سے بچنے کے لئے ضرور فدیہ دے گا اور مجرم جب عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے اور ان سے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۵۵﴾

آگاہ رہو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خبردار بے شک اللہ کا وعدہ حق (سچا) ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۵۶﴾

وہی (اللہ) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

آیات مبارکہ پچھلے مضمون کی تکمیل ہے، قیامت کا منظر، حساب وکتاب اور کفار کی کیفیت کا اظہار فرمایا کہ اپنے اعمال کے نتیجہ میں (۱) انکار کرنے والوں کی حالت بہت پریشان اور ندامت والی ہو گی (۲) اور اس درجہ پر پہنچ چکی ہو گی کہ وہ ساری ملکیت اس عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دے دیتے (۳) عذاب سے اپنی شرمندگی کو

چھپائیں گے تاکہ دنیا میں جن لوگوں کے ساتھ فخر کرتے تھے ان کے سامنے بچ سکیں لیکن ان کے چہروں، اعضاء کی حرکات و کیفیات سے پتہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام آسمانوں اور زمین کی مالک ہے۔ اس کائنات کا ہر ذرہ اس کا تابع اور محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے جو آسمانی کتب میں مذکور ہیں بالخصوص قرآن میں وہ سچے اور برحق ہیں۔ زندگی اور موت دیتا ہے اسی طرح انسان بھی موت کے بعد اپنے خالق حقیقی کی طرف جائے گا۔ اس قدر عظیم طاقت اور قوت کے مالک اللہ تعالیٰ، اس دن ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کریں گے۔ آیات مبارکہ میں دو مرتبہ اس بات کی اطلاع دی کہ ان مجرموں کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور عدل کو پسند فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آگئی اور بیماری کی شفا وہ مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

کہہ دیجئے! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب ہے، سو اس کی وجہ سے وہ مسلمان خوشی منائیں، یہ اس (مال) سے بہتر ہے جس کو وہ کفار جمع کرتے ہیں۔

کفار مکہ کے ذکر، ان کی ہٹ دھرمی، عذاب کے ذکر کے بعد مسلمانوں پر انعام کا ذکر فرمایا۔ مسلمان مکہ میں کمزور تھے مالی اور سماجی لحاظ سے کمتر تھے اس کے مقابل کفار کے پاس ثروت اور سماجی مرتبہ تھا۔ ان حالات میں جو مسلمانوں پر انعام ہوا اس کا ذکر فرمایا۔ کفار کی دولت اور دنیا کی عزت کے مقابلہ میں مسلمانوں کو قرآن مجید کی صورت میں ہدایت اور رہنمائی جو عطا کی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اس نعمت کے چند خواص کا ذکر فرمایا۔

نصیحت موعظہ، شفا:۔

قرآن مجید ہدایت ہے، نصیحت ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کے گزارنے کے کامیاب اصول اور طریقے بتائے گئے ہیں جن پر عمل کر کے ایک صالحہ معاشرہ

قائم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں ترقی، انصاف، برابری، انسانی حقوق کی ضمانت ہے۔ مسلمانوں نے پہلے 40 سال میں جس طرح کا معاشرہ قائم کر کے دنیا پر ثابت کر دیا۔" وعظ کا مطلب کسی عمل کے نتیجہ میں یاد دہانی جو ڈرا کر یا فائدے بتا کر کی جاتی ہے، جس طرح ایک ڈاکٹر کسی مریض کو اس کے مرض کے نقصانات اور صحت کے لئے دوا کے بارے بتاتا ہے، تاکہ مریض مرض سے بچ کر صحت یاب ہو جائے۔ قرآن مجید اسی طرح معلومات وہدایت انسانیت کی کامیابی کے لئے فراہم کرتا ہے"۔ یہ احکام مالک کائنات کی طرف سے ہیں۔ کسی انسان کے تیار کردہ نہیں۔ اس لئے ان کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسانی امور کے متعلق احکام سراسر انسانی فلاح کے لئے ہیں۔ اس کی تفصیل نبی علیہ السلام نے بیان اور نافذ کر کے بتا دی ہے، شریعت کے مطابق حلال وحرام کا اہتمام ضروری ہے۔

قرآن مجید کو شفا بتایا کہ انسانی امراض خواہ جسمانی ہوں یا روحانی، ذہنی، ان سے قرآن مجید کی آیات اور ان پر عمل کرنے سے دور ہو جاتی ہیں۔ **موعظت** یعنی شریعت کے عمومی احکام پر عمل کرنے کے بعد انسانی ذہن میں اللہ کی خاص محبت، نبی ﷺ سے ایک خاص تابعداری کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات پر غور وفکر کرنے اور ان پر عمل کرنے سے مختلف بیماریاں جو کہ ذہنی ہوتی ہیں مثلاً حسد، کینہ، بغض، جھوٹ، تکبر سے آدمی نجات پاتا ہے۔ دوسری طرف صرف قرآن مجید پر پورا یقین اگر ہو تو کلمات قرآن مجید جو کہ کسی مشکل یا مرض سے متعلقہ آیات کا ذکر یا احادیث مبارکہ میں جس کے بارے بتایا گیا ہے اس کو بار بار ادا کرنے سے بھی انسانی جسم میں بیماری سے مدافعت مضبوط ہوتی ہے اور بالآخر آدمی صحت مند ہو جاتا ہے۔ علاج بذریعہ مذہب یقین (Faith Healing) موجودہ ذرائع علاج میں مستند طریقہ علاج ہے، جو مختلف مراکز میں کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ادویات / سرجری کے بجائے مذہبی یقین کی بنیاد پر دعا اور دم سے علاج کرنا ہے۔ یہ طریقہ علاج بہت قدیم ہے اور اس کو آزمانے کے بعد لوگوں نے تسلیم کیا ہے۔ کوئی وقت تھا یہی علاج تھا۔ جڑی بوٹی کا علم نہیں تھا۔ پھر جڑی بوٹیوں اور مزید تحقیقات کے ساتھ اور جدید ادویات کے ذریعے علاج زیادہ کامیاب اور عام ہو گیا ہے، لیکن ابھی تک علاج بذریعہ یقین موجود ہے۔ تمام مذاہب قدیم

ہندومت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بھی اس کی اجازت ہے۔ اس میں مختلف طریقے ہیں مثلاً رقیہ دم کرنا، پھونک مارنا، آیات لکھ کر استعمال کرنا، خاص الفاظ کا وظیفہ کرنا، کوئی منت ماننا، کسی سے دعا کروانا، ہر مذہب میں اس کی تعلیمات کے مطابق مختلف طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ اسلام میں آیات قرآنی جن کا خصوصی امراض یا مسائل کا ذکر یا تعلق ہے ان کا ورد یا کسی صاحب روحانیت سے قرآن مجید کی آیات کی تحریر کو بطور غذا استعمال کرنا یا صدقہ وخیرات دینا کا کتب حدیث میں ذکر ہے۔ لیکن یقین اللہ کی قدرت پر ہونا بہت ضروری ہے۔ جدید ہسپتالوں میں بھی روحانی علاج (Faith Healing) کے شعبہ موجود ہیں۔ دراصل کوئی بھی بیماری کا علاج، انسان کی جسم کے اندر سے شروع ہوتا ہے اور مختلف قسم کے ہارمون کی تعداد صحت اور مرض کے مطابق پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے جو پھر انسان کی مکمل صحت یا موت پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ہارمون کی پیدائش کسی داخلی عمل سے ہو سکتی ہے، اس میں انسانی ذہین کی کیفیت اور یقین کا ایک اہم رول ہے، ادویات کے ذریعہ بھی یہ کیمیائی توازن تبدیل ہو کر فائدہ مند ہارمون کی تعداد کو بڑھا سکتا ہے۔ اسی طرح روحانیت سے ایک ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسم میں صحت مند ہارمونز کی تعداد اور افزائش شروع کر دیتی ہے اور مریض صحت مند ہو جاتا ہے۔

جسمانی امراض کے علاوہ وہ ذہنی اور روحانی امراض کے لئے بھی ہے قرآن مجید کی آیات شفاء ہیں۔ اگر قرآن مجید کو غور سے پڑھا جائے جس طرح قرآن مجید میں حکم ہے کہ "لوگ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں" تو وہ آیات مبارکہ اور واقعات جو انسانی نفسیات کردار اور اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت سے متعلق ہیں، آدمی ان پر غور وفکر کرے تو یقیناً روحانی مدارج، اللہ پر توکل، انسانی مزاج میں سکون اور مخلوق سے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو بہت ساری نفسیاتی بیماریوں کے لئے بہترین علاج ہے۔ آیات مبارکہ کا بار بار پڑھنا یا ورد کرنا (تکرار سے پڑھنا)، بالخصوص ان کے مطالب سمجھتے ہوئے ایک بہترین تھراپی (علاج) ہے۔ قرآن مجید میں یہ بیان کردہ حقائق آج سائنس کی تحقیق سے بھی ثابت ہیں۔ ڈاکٹر محمد عتیق، ڈاکٹر شازیہ، ڈاکٹر رفعت محمود نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے، جس میں کافی

Faith Healing – Medicane, Health Care،معلومات درج ہیں اس کا عنوان یہ ہے

ہدایت:۔

قرآن مجید تمام انسانیت کے لئے ہدایت ہے بالخصوص اعمال خبیثہ اور اعمال مذمومہ سے آگاہی دی ہے۔ زندگی کے اصول عدل، مساوات، انسانی حقوق، حقوقِ معاشرت، تعزیراتی قوانین، سماجی اصول، معاشی قوانین و اصول ،انسانی فلاح و بہبود کے بارے میں ضروری حد تک واضح احکامات موجود ہیں۔ جو ان پر عمل کریں گے کامیاب ہوں گے اور جو ان پر عمل نہ کریں گے وہ خود اپنے اعمال کی وجہ سے پریشان ہوں گے۔ چونکہ مسلمان اور بالخصوص مومنین قرآن مجید پر اعلیٰ درجہ کا یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت سے انسانیت میں ظلم، جہالت سماجی اور معاشی ناانصافی کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اس کا ثبوت اسلامی تمدن نے پہلی صدی سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک ساری دنیا کو دیا۔ موجودہ مسلمانوں کی زبوں حالی، اسلام یعنی نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے طریقہ حیات جو کہ قرآن اور سنت پر تھا، سے دوری کی وجہ سے ہے۔ قرآن مجید میں اللہ ﷻ کے وجود اس کے واحدہ لاشریک معبود ہونے پر دلائل واضح ہیں، شرک اور عقائد فاسدہ سے انسانیت کو پاک کیا ہے۔

رحمت:۔

قرآن مجید انسانیت اور بالخصوص تمام مومنین کیلئے جو اس پر یقین کامل رکھتے ہیں، رحمت ہے۔ اس کا ثبوت ان کے اعمال و کردار کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے احکامات، قرآن مجید کی بیان کردہ مسلمان کی صفات، انسانی کردار میں صفات عالیہ کی تعلیمات بھی انسانیت کے لئے رحمت ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ نبی ﷺ کی ذات بھی انسانیت کی ہدایت، بشیر ونذیر اور روحانی بیماریوں سے شفا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں۔ ان انعام و اکرام پر مسلمانوں کو خوشی ہونی چاہیے، اصل مقصد احکام خداوندی پر عمل ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو اس نور ہدایت اور حاملِ قرآن نبی علیہ السلام کی تعلیمات سے اپنے آپ کو منور کرنے کی طاقت و ہمت دے۔ آمین

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (۵۹)

کہہ دیجئے! بھلا دیکھو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرایا۔ کہہ دیجئے! کیا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے، بیشک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

آیات میں کفار مکہ کے رویہ، ان کے عقائد بالخصوص جہالت اور شرک کا ذکر ہے۔ وہ اپنی رائے کو مذہب بنا کر دینِ ابراہیمی کا نام دینے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو رزق عطا کیا ہے اس میں اپنی پسند وناپسند کی وجہ سے حلال وحرام کی تبدیلی کرتے ہیں جو غلو ہے۔ اور اسے اللہ کی طرف سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ کیفیت آج بھی کچھ علماء، اصحاب طاقت کا طریقہ ہے جو کہ غلط ہے۔ یہ سراسر جھوٹ ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے بارے مختلف گمان اور تکذیب کرتے جو ان کے علم سے باہر ہے۔ پھر فرمایا! اللہ بڑے فضل والا ہے کیونکہ اتنے انسانوں کی نافرمانی کے باوجود ان کو دنیا میں زندگی کی ساری سہولت دی گئی ہے۔ لوگ اس مالکِ حقیقی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، کھانے پینے، لباس و مکان دیگر سامانِ آرائش و زینت کو حسبِ ضرورت استعمال کرنا چاہیے، بے جا خرچ سے بچنا چاہیے۔ اپنے مال میں ناداروں اور محروموں کے حقوق کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے بلاوجہ تنگ دستی اور بدحالی کی زندگی گزارنے کو ناپسند فرمایا۔

شکر گزاری:۔

عمر بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ اس بات سے محبت کرتا ہے اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دکھائی دے (سنن نسائی)۔ شکر گزاری کیا ہے، ایک ایسی صفت یا خاصیت ہے جس میں کسی کی بھلائی یا انعام کا اقرار کیا جاتا ہے اور اس بھلائی کا اعتراف اور اظہار

کیا جاتا ہے، شکر گزار ہونا ایک بڑی خوبی ہے جو انسانی زندگی کو بڑا خوبصورت بنا دیتی ہے۔ حسد و بغض جیسی مذموم عادات سے محفوظ ہو جاتا ہے، شکر کی وجہ سے اندازِ فکر اور رویہ بدل جاتا ہے۔ مثبت اندازِ سوچ اور طریقہ کے ساتھ زندگی میں ایک خوبصورت انداز پیدا ہو جاتا ہے، انسانوں کے ساتھ شکر گزاری سے تعلقات میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، نفسیاتی طور پر انسان مطمئن محسوس کرتا ہے، نفرت کے جذبات کم ہو جاتے ہیں، انسانی قدر اور خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے، ذہنی استعداد بڑھتی ہے۔ بحوالہ نفسیات ٹوڈے (Psychology Today)۔ یہ فوائد انسان کے شکر گزاری کے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق اگر کوئی آدمی انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کے شکر کی کیفیت انسانی شکر کے مقابلے میں بہت بلند ہے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے انسان پر بے شمار انعام و اکرام ہیں۔ جن کی مقدار، اہمیت، ضرورت اور فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اس کے شکر کی مثال اس طرح ہے جیسے ہوا میں پرندہ اُڑ رہا ہوتا ہے اور اس کے چاروں طرف سے ہوا اٹھائی ہوتی ہے، یہی کیفیت اللہ تعالیٰ کے انعام کی ہے اور اس صورت کی وجہ سے انسان سراپا شکر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات چاہتی ہے کہ انسان شکر گزاری کا متصف ہو جائے۔ اے اللہ! ہمیں شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۶۱)

اور اے نبی! آپ جس حال میں ہوتے ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو تو ہم سب پر گواہ ہیں، جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ایک ذرہ بھر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی، زمین میں نہ آسمان میں اور نہ کوئی چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی (چیز) مگر وہ واضح کتاب لوح محفوظ میں درج ہے۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚۖ (۶۲)

آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَؕ﴿۶۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُؕ﴿۶۴﴾

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی عظمت کے بارے انسانوں کو مطلع فرمایا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نبی علیہ السلام سے خطاب ہے کہ آپ کی تبلیغ کی ساری جدوجہد، تعلیم قرآن اور تمام احوال ہمارے سامنے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی مطلع کیا کہ ان کی زندگی کے سارے اعمال کس قدر ہی قلیل اور کمتر کیوں نہ ہوں اللہ کی ذات جانتی ہے۔ صرف انسانی اعمال ہی نہیں بلکہ ساری زمین اور آسمان پر (زمین و آسمان کے درمیان) جو کچھ بھی ہے ذات باری سے چھپا نہیں۔ یہ سارے امور، واقعات لوح محفوظ جسے کتاب مبین فرمایا میں درج ہیں۔ انسان کو اپنے اعمال کا ہر وقت محاسبہ کرنا چاہیے۔ ان کا حساب کتاب ہوگا،لوح محفوظ کی معلومات احادیث کی روشنی میں یہ ہے کہ ساری کائنات کی ابتداء سے انتہاء تک امور کی تفصیل موجود ہے۔ جس کی ایک دلیل ہے کہ اس ساری کائنات جو انسانی عقل و علم سے بہت ماوراٗ ہے، بڑے منظم طریقے سے چل رہی ہے۔انسان تو زمین کی معلومات بلکہ اپنی ذاتی معلومات سے بھی مکمل طور پر آگاہ نہیں۔ جدید سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ معلومات یا ڈیٹا کا ذخیرہ کوئی مسئلہ نہیں۔ سُپر قوانٹم کمپیوٹر کی ایجاد اور موجودہ ترقی کی رفتار کے پیش نظر آنے والے وقتوں میں بہت ترقی کی امید ہے۔ معلومات کو رکھنا، ان کو منتقل کرنا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ صرف ڈی این اے (DNA) کے قطرہ میں قدرت نے اس قدر معلومات رکھی ہیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسکی تفصیل سورت بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ سائنس میں جدید تحقیق سے جس قدر معلومات مل رہی ہیں اس قدر انسانی حیرت بڑھ رہی ہے اور ذات خداوندی کے دلائل مل رہے ہیں۔ لیکن مغربی سائنسدان چونکہ وجود خدا سے بچپن ہی سے محروم ہوتے ہیں اس لئے اسے قدرت کا نظام کہہ دیتے ہیں۔

اللہ کی قوت اور شان کے بعد ان افراد جو اس کے احکام اور محبت میں سرشار ہوتے ان کا ذکر ہے، ان کی تعریف اللہ کے ولی (ولی اللہ) سے کی گئی ہے۔ ولی، ولایت سے ہے، لغوی اعتبار سے قرب کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ قرب کسی بھی طرح کا ہو سکتا ہے۔ محبت کا، جگہ کا، دوستی کا، محب اور صدیق ہے اسی طرح بطور فاعل اس کا معنی منتظم، تصرف کرنے والا ہے۔

قرب ایک وہ ہے جو ہر انسان اور کائنات کے ذرّے کو اپنے خالق سے ہے۔ اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے، اسے قرب محبت کہتے ہیں، دو قسموں میں نام کا صرف اشتراک ہے۔ قرب محبت کے بے شمار درجے ہیں، ایک سے ایک بلند، ایک سے ایک اعلیٰ، ایمان شرط اول ہے۔ دولت ایمان کے حصول کے بعد اہل عزم وہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس بلند مقام تک پہنچ جاتے ہیں جس کا ذکر حدیث نبوی میں یوں ہے ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادت سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔“ اس قرب کا اعلیٰ مقام وہ ہے جہاں سرور کائنات نبیّنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں اور پھر انبیائے کرام ہیں۔ (تفسیر مظہری)

تصوف کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو۔ اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ اگر وہ محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ یہی مقام ہے جس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ اس عظیم مقام تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ قرآن کی تعلیمات نبی علیہ السلام کے طریقہ زندگی کی مکمل محبت کے ساتھ پیروی ہے۔ مومن فرائض اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے لیکن بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ خالق و مخلوق کا فرق قائم رہتا ہے۔

ایک دفعہ نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا، یہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ دکھائی دیں تو اللہ یاد آجائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نے فرمایا کتنے لوگ ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، وہ دو بوسیدہ چادریں پہنے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی (وہ اگر اللہ پر کسی کام کرنے کی) قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم سچی کر دے گا، ان میں براء بن مالک ہیں (ترمذی شریف)۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر — توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

گرد غبار آلود اور میلے کپڑوں والوں کو حقارت سے نہ دیکھو تمہیں کیا معلوم جو گرد وغبار اُڑ رہا ہے اس میں کوئی سوار جا رہا ہے۔

مقام رفیع کی عظمت وبرکت کا نتیجہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو کوئی خوف یا غم نہیں ہوگا۔ ساری دنیا کی دولت ان سے چھن جائے تو کوئی غم نہیں ہے۔ یوم قیامت بھی اللہ تعالیٰ انہیں خوف سے محفوظ فرمائے گا۔ اور اس ذات الٰہی کے قرب کی برکت سے وہ مطمئن رہیں گے۔ ان کے مرتبہ کا اظہار حدیث مبارک میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "اللہ کے بعض بندوں میں سے ایسے انسان ہیں جو نبی نہیں نہ شہید ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ نے استفسار فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں خبر دیں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں نہ ان کو کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے اور بے شک وہ نور پر فائز ہوں گے اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا۔ (ابوداود)

قرب الٰہی کے درجات کے مطابق کتب تصوف میں اولیائے کرام کے درجات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مختصراً یہ عظمت عملِ مسلسل، اخلاص، محبت اور اللہ کے فضل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

ؔ أحبُ الصالحين ولستُ منهم — لعل الله يرزقني صلاحا

ترجمہ: اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں۔ اس

امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

اولیائے کرام سے بعض اوقات ایسے کام ہو جاتے ہیں جو نارمل حالات میں نہیں ہوتے، ان کو کرامات کہا جاتا ہے۔ جدید سائنس ان چیزوں کو نہیں مانتی کیونکہ سائنس کی معلومات اسباب اور نتائج کے لئے جو مادی، طبعی شواہد ضرورت پڑتے ہیں وہ کرامات میں غیر معمولی کیفیت کی وجہ سے واضح نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ ماہر نفسیات جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے، محبت کی حقیقت، اس کی نفسیاتی طاقت کا اقرار تو کرتے ہیں اور شدید محبت کو O.L.D یعنی Obsessive Love Disorder کہتے ہیں اور اس کے اثرات پر یقین کرتے ہیں۔ مذہب پر یقین کرنے والے ماہرین نفسیات اور طبی ماہرین محبت کی کیفیت اور اس کے اثرات کو مذہبی نقطہ نظر سے بھی یقین کرتے ہیں۔ اس طرح کی معلومات کے لئے ''سوسائٹی برائے نفسیات مذہب اور روحانیت'' قائم ہے جو کہ واشنگٹن امریکا میں اس کا مرکز ہے اور سہ ماہی مجلہ شائع کرتی ہے۔ محبت کی حقیقت اور واقعات کو سب تسلیم کرتے ہیں خواہ مذہب پر یقین کرنے والے ہوں یا انکار کرنے والے ہوں، لیکن تشریحات میں دونوں مختلف ہیں۔ نفسیات میں اسلامی تعلیمات کی رہنمائی، کسی بھی ماہر نفسیات کے لئے نفسیاتی مسائل حل کرنے میں زیادہ آسان اور کامیاب ہے۔ انسان کی اندرونی کیفیت (قلبی اور ذہنی حالت) اور اطمینان کا حصول اس کے ذریعے زیادہ آسان ہے۔

وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾

اور ان کی باتوں سے آپ غمگین نہ ہوں، بیشک غلبہ اور عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

آگاہ رہو اللہ ہی کے لئے آسمان میں اور جو زمین میں ہے اور اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف غلط اندازے لگا رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

وہی ہے (اللہ) جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اس میں یقیناً

بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں (غور بھی کرتے ہیں)۔

آیات مبارکہ مکی ہیں۔ کفار کی دشمنی اور حضور کی تبلیغ میں مشکلات کے پیش نظر فرمایا کہ آپ غمگین نہ ہوں تمام قوت، طاقت، سرداری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، سنتا ہے۔ لہٰذا آپ کو کامیابی ہوگی، اللہ کی قوت کی دلیل کے طور پر فرمایا کہ جو کچھ انسان کائنات میں دیکھتا ہے زمین پر یا خلا (آسمان) میں ہے، اللہ کے زیر انتظام وملکیت ہے، لہٰذا جو اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں وہ غلط اور گمراہ ہیں اور حقائق کو نظرانداز کر کے صرف اپنے ذہنی تخیل اور گمان پر چل رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود اور قوت کے سائنسی دلائل دیئے کہ یہ رات دن سورج اور زمین کی حرکت، چاند کی حرکت، دن رات کے فوائد، جن کو ہم جدید میڈیکل سائنس میں جان چکے ہیں، انسانی جسم رات کو آرام چاہتا ہے وہ زیادہ سکون سے سوتا ہے اور دن کو متحرک رہتا ہے، اس کی استعداد بہتر ہوتی ہے۔ یہ سارے علمی حقائق ان لوگوں کے لئے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو غور وفکر اور تحقیق کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ دنیا کو وجود خدا تعالیٰ کے بارے بتا سکیں اور سمجھا سکیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا وہ (اولاد سے) پاک وہ بے نیاز (بے پرواہ) ہے۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ تمہارے پاس اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۶۹﴾

کہہ دیجئے (اے نبی)! بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے پھر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے، پھر ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ہم انہیں شدید عذاب کا

مزہ چکھائیں گے۔

آیات مبارکہ میں توحید باری تعالیٰ کا ذکر ہے پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے سائنسی دلائل دیئے ان پر غور کرنے کا حکم دیا، ان آیات میں اللہ کی ذات میں جو لوگ دوسرے افراد کو بطور اولاد شامل کرتے ہیں ان کی تردید کی ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالوں کی وجہ سے اللہ کی ذات پر یہ بہتان (اولاد) لگاتے ہیں اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں دنیا میں تو شاید اس کی سزا نہ ملے۔ کیونکہ اس دنیا میں مسلم، غیر مسلم، اچھے، برے، کالے، گورے، سب کے لئے وہی ذات خداوند، رزاق وخالق ہے اس لئے جو افراد یہاں اپنی سزا نہیں پاتے، لیکن اس دنیا کی زندگی کے بعد جب انہیں موت آئے گی تو اپنے کفریہ اعمال کے باعث سخت سزا دیے جائیں گے۔ وہ حقیقی واُخروی زندگی ہے جس کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ﴿۷۱﴾

اور آپ (اے نبی) انہیں نوح کا قصہ سنادیجئے جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تمہیں میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوارا ہے تو میں نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ چنانچہ تم اور تمہارے شریک مل کر میرے خلاف فیصلہ کرلو، پھر تمہارا فیصلہ تم میں سے کسی سے پوشیدہ نہ رہے، پھر مجھ پر نافذ کردو اور مجھے مہلت نہ دو۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۷۲﴾

پھر اگر تم (حق سے) پھر جاؤ تو میں نے تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا، میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوجاؤں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۷۳﴾

پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو نجات دی جو اس

کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے اور ہم نے انہیں (ان کا) جانشین بنایا اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھئے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۷۴﴾

پھر ہم نے اس (نوح) کے بعد کئی رسول ان کی (اپنی اپنی) قوم کی طرف بھیجے چنانچہ وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اس طرح ہم سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

کفار مکہ کی ضد، ہٹ دھرمی اور اسلام کی مخالفت، غریب مسلمانوں پر ظلم، نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کے لئے بڑی تکلیف دہ اور صبر آزما تھی۔ ان کی تسلی کی خاطر اللہ تعالیٰ پچھلے انبیاء اور قوموں کے احوال ذکر فرمائے، حضرت نوح علیہ السلام کئی سو سال تبلیغ کرتے رہے، ان کی قوم نے بہت ظلم کئے لیکن آپؑ اپنے مقصد میں ثابت قدم رہے اور جب دیکھا کہ یہ قوم حق کو قبول نہیں کر رہی تو دعا کی اور طوفان کے ذریعے وہ قوم تباہ ہو گئی۔ جو مسلمان تھے وہ آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے اور بچ گئے۔ اس واقعہ کے بعد صرف مسلمان اور مومن ہی رہ گئے تھے لیکن پھر لوگ وقت کے ساتھ شیطان کے گمراہ کرنے پر ایک اللہ کی عبادت کے بجائے دوسروں کی عبادت میں اور انسانیت پر ظلم میں لگ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء علیہم السلام کو ان کی اصلاح کے لئے بھیجا اور جو لوگ سمجھدار تھے وہ ایمان لے آئے اور جو لوگ شیطان کی پیروی، اپنے نفس کی پیروی کی صورت میں کرتے اور حق کے ہوتے ہوئے انبیاء کی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے پر مصرّ رہتے، تو اللہ ان کے اندر قبولیت حق کی قوت ختم کر دیتا ہے۔ دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اسی گمراہی میں وہ مر جاتے ہیں۔ دوزخ ان کا ٹھکانہ بنتا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ برے عمل پر اصرار انسان کو تباہ کرتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴿۷۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے

سرداروں کی طرف بھیجا، تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۷۶﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا انہوں نے کہا بے شک یہ تو یقیناً کھلا جادو ہے۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴿۷۷﴾

موسیٰ نے کہا! کیا تم حق کے بارے میں (جادو) کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا ہے تو کیا یہ جادو ہے؟ جادو کرنے والے کبھی کامیابی (فلاح) نہیں پایا کرتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۷۸﴾

کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس طور طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اس سے ہمیں پھیر دو اور تم دونوں کے لئے اس میں اقتدار (حکومت) ہو ہم تو تم دونوں کی بات پر یقین کرنے والے نہیں۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴿۷۹﴾

اور کہا فرعون نے (سرداروں سے) تم میرے پاس جتنے ماہر جادوگر ہیں لے آؤ

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴿۸۰﴾

پھر جب تمام جادوگر آگئے تو ان سے موسیٰ نے کہا پھینکو (دکھاؤ جادو) جو کچھ تم پھینکنے والے ہو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۸۱﴾

پھر جب انہوں نے پھینکی (رسیاں / لاٹھیاں) تو موسی نے کہا کہ: یہ جو تم نے دکھایا ہے جادو ہے بیشک اللہ جلد اسے ختم کر دے گا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے کام بننے نہیں دیتا۔

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۸۲﴾

اور اللہ حق (سچ) کو اپنے حکم سے حق کر دکھاتا ہے چاہے مجرم لوگ

کتنا برا سمجھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام فرعون کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا اور بنی اسرائیل پر شدید ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور اللہ کی وحدانیت و عبادت کی فرعون کو تبلیغ کی لیکن فرعون اور اس کے سردار آپ کے سخت مخالف ہوگئے۔ جو انہوں نے رد عمل کیا قرآن مجید نے اس میں انسانی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے جو ہماری زندگی کے لئے بڑا اہم ہے۔ فرعون اور اس کے سرداروں کا نقطہ نظر (۱) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پیغام حق سے اپنا اقتدار چاہتے ہیں (۲) کہ وہ فرعون کو ان کے آباؤ اجداد کے طریقہ سے ہٹانا چاہتے ہیں، یہ ان کے لئے قابل قبول نہیں۔ اس بات سے انہوں نے عوام کو بیوقوف بنانے کا بہانہ نکالا۔ دراصل وہ خود اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا خوف رکھتے تھے کیونکہ جو معجزے حضرت موسیٰ نے دکھائے، انہوں نے سب کے دل میں خوف پیدا کر دیا تھا اور اس خوف کو مقابلہ کی صورت میں دور کرنا اور اپنی برتری دکھانا چاہتے تھے۔ اقتدار اور قوت نے انہیں بہت متکبر کر دیا تھا اور انانیت پر ظلم و ستم کی وجہ سے اور خدائی کا دعوی کرنے کی وجہ سے وہ بڑے مجرم تھے۔ انہوں نے عوام کی ہمدردی لینے کے لیے یہ بہانا بنایا۔ انسان عام طور پر جس طریقہ کا عادی ہوتا ہے اس سے بدلنا پسند نہیں کرتا، اس لئے یہ دلیل اختیار کی گئی۔ ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں جہاں بھی تبدیلی یا اچھائی کے لئے کوئی قدم اٹھایا جائے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ جو طبقہ موجودہ حالات سے فائدہ اُٹھا رہا ہوتا ہے، اس کا شدید مخالف ہو جاتا ہے اور رد عمل شدید ہوتا ہے (۳) انہوں نے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا تاکہ ان کی کامیابی یقینی ہو۔

حضرت موسیٰ نے ان کے مقابلہ میں جو انداز اپنایا وہ مینجمنٹ کے لحاظ سے بہترین ہے، کہ مقابل کو اس کی ساری قوت لگانے دو تاکہ اس کی کمزوری اور طاقت دونوں سامنے آجائیں اور پھر ان کا مقابلہ کیا جائے اس طرح کامیابی کے امکانات زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی عمل / تکنیک بھول جائے تو اس کا توڑ نکال کر کامیابی آسان ہو جائے، اس لئے آپ نے انہیں دعوت دی کہ وہ پہلے اپنے کرتب دکھائیں۔ دوسری

بات آپ نے اچھائی و اصلاح کی بتائی کہ جادو کا عمل ایک دھوکہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اور انسانی کمزوری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اللہ اس کو جلد ختم کر دیتا ہے اور ساتھ بہت اہم پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، وہ ناکام ہوتے ہیں اور بالآخر انصاف، حق اور بھلائی کرنے والوں کو اللہ کامیاب کرتا ہے۔ اس لئے مجرم اور فسادی اپنے مفاد کے لئے نہیں چاہتے، لیکن اللہ تعالیٰ حق کی فتح کر کے دکھاتے ہیں۔ یہ پیغام ہے ان قوتوں اور افراد کے لئے جو حق عدل اور انسانی بھلائی کے معاشرہ میں جدوجہد کرتے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴿۸۳﴾

پس موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا ان (حضرت موسیٰ) پر اور کوئی ایمان نہیں لایا، اس کے درباریوں (سرداروں) سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں اور بے شک فرعون زمین مصر پر متکبر (سرکش) تھا اور بیشک وہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا۔

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم واقعی فرمابردار ہو۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَۙ﴿۸۵﴾

چنانچہ انہوں نے کہا ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال۔

وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۸۶﴾

اور تو ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۸۷﴾

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں کچھ گھر بناؤ اور تم اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالو اور نماز قائم کرو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ نے کہا ہمارے پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں شان و شوکت اور مال و زر دے رکھا ہے تاکہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال و زر کو برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک وہ دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔

آیات میں حضرت موسیٰ کا ذکر ہے چونکہ عرب میں عیسائیوں کے مقابلے یہودیوں کی تعداد اور اثر ورسوخ بھی زیادہ تھا اس لئے عیسائیت کے مقابل ان کی آیات زیادہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کی دعوت اور کوشش کے باوجود کم لوگ بنی اسرائیل سے ایمان لائے کیونکہ قبطی امراء (فرعون) کی قوم کا بہت خوف تھا۔ وہ بنی اسرائیل پر ظلم کرتے تھے اور فرعون کے امراء اقتدار کی وجہ سے بڑے متکبر تھے۔ تکبر کی لعنت میں اقتدار کا بڑا عمل دخل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ پر یقین اور اس پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی اور دعا کی اللہ ان کو ظالم اور انکار کرنے والوں سے نجات دے اور محفوظ رکھے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ نماز کو قائم کریں اور اللہ کو یاد کریں، گھروں میں نماز پڑھیں تاکہ قبطیوں کے ظلم سے محفوظ رہیں اور انہیں کامیابی ہو گی۔

انسان عام طور پر قوت جسمانی یا دفاعی سے جلدی مرعوب ہوتا ہے اور پھر اکثر لوگ ان مشہور انسانوں کے طریقے کو اپنا لیتے ہیں۔ عام طور پر طاقت کسی کو مرعوب کرنے کا زیادہ اہم سبب ہے۔ اس کے علاوہ دولت جس کا اظہار مکان، لباس، سواری کے ذریعہ ہوتا ہے یہ سارے اسباب قبطیوں (فرعون کے امراء) کے پاس تھے۔ اسی کے سبب وہ بنی اسرائیل پر ظلم کرتے تھے۔ اس ظلم کو ختم کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ان کے لئے بددعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

مندرجہ ذیل امور انسانی نفسیات اور اعمال کے بارے واضح ہوتے ہیں:۔

(۱) انسان اقتدار اور دولت کی وجہ سے متکبر ہو جاتا ہے اور گمراہی کی طرف چل پڑتا ہے۔

(۲) متکبر شخص ظلم کرنے سے نہیں گھبراتا۔

(۳) انسان عموماً خوف کی وجہ سے کمزور ہوجاتا ہے۔ صرف صاحب ایمان اور یقین والے لوگ ہی اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۸۹﴾

اللہ نے کہا ہاں یقینا تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی چنانچہ تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی پیروی مت کرو جو علم نہیں رکھتے۔

آیت مبارکہ میں جن امور کی تاکید کی گئی ہے وہ بہت اہم ہیں۔ پہلی تو خوشخبری تھی کہ حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کی دعا جو انہوں نے فرعون کی تباہی کے لئے کی وہ قبول ہوگئی۔ پھر جن امور کی اہمیت واضح فرمائی وہ یہ ہیں:۔

(۱) تبلیغ یا کسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہمت اور ثابت قدمی بہت ضروری ہے۔

(۲) ہمیشہ فیصلے کرتے وقت یا کسی کی پیروی کرنے سے پہلے امور کا علمی جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ اندھی تقلید یا جاہل کی پیروی سے سختی سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے علم اور اس کا استعمال مسلمان اور انسان کے لئے ضروری ہے۔ علم سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کے لئے فائدہ مند ہیں۔

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴿۹۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کی فوجوں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ وہ غرق ہونے لگا تو پکار اُٹھا میں ایمان لاتا ہوں۔ بے شک اس ذات کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴿۹۱﴾

(اللہ نے فرمایا) اب (ایمان لایا ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴿۹۲﴾

سو آج ہم نے تیرے (بے جان) جسم کو بچا لیں گے تا کہ تو اپنے بعد والوں
کے لئے عبرت کا نشان بن جائے اور بے شک بہت سے لوگ
ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

بنی اسرائیل کا ذکر اس سے پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے سمندر پار کر لیا اور جب فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کو قید کرنے کے لئے آرہا تھا اور دریا کے درمیان میں پہنچے تو دریا مل گیا اور سارا لشکر غرق ہو گیا۔ غرق ہوتے وقت فرعون کو اپنی بے بسی کا پتہ چل گیا اور اعتراف کیا کہ وہ خدائے بنی اسرائیل کو مانتا ہے کہ وہی خدا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے ظلم اور فساد کرنے کی وجہ سے قبول نہیں فرمایا اور اس کی لاش دریا سے باہر پھینک دی تا کہ لوگ دیکھ کر یقین کر لیں یہی وہ فرعون ہے جو کل خدائی کا دعوی کرتا تھا اور آج صرف لاش کے سوا کچھ نہیں۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ لوگ جھوٹے خدائی دعویٰ سے توبہ کریں اور حضرت موسیٰ کے دعوت توحید کو سچ جان لیں، جبکہ اکثر لوگ غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے غافل رہتے ہیں اور غلطی کا احساس نہیں کرتے۔

وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ دیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ
چیزوں سے رزق دیا پھر انہوں نے (آپس میں) اختلاف نہیں کیا
حتیٰ کہ ان کے پاس علم آگیا۔ بے شک (اے نبی) آپ کا رب روز
قیامت ان کے درمیان جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ
کرے گا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾

پھر اگر تم (پڑھنے والے) اس کتاب کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے
تمہاری طرف نازل کی تو ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے
ہیں، یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے
اور تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۹۵﴾

اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہوجانا جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی ورنہ تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَۙ﴿۹۶﴾

بے شک جن لوگوں کے بارے آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَ لَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴿۹۷﴾

خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب (بھی) دیکھ لیں۔

مذہبی اختلاف کا فیصلہ:۔

آیات مبارکہ بنی اسرائیل اور کفار مکہ کے عمل کے بارے میں ہیں۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے ظلم سے نجات دلائی پھر وہ فلسطین میں آباد ہوئے۔ توریت کی تشریح میں علماء نے آپس میں اختلاف شروع کر دیے اور ان کے اختلاف کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے۔ اس سے ایک سبق یہ ہے کہ تشدد نہ کیا جائے بلکہ آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ پھر کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ قرآن مجید پر شک نہ کریں کیونکہ اس میں حضرت نوح، قوم لوط و حضرت ابراہیم، بنی اسرائیل وغیرہ کے تاریخی حقائق ہیں اور حضور ﷺ کے ذریعے بیان کرنا ان کی صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اللہ کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور تکبر کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور اس انکار کے تکرار سے ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں اور عقل و سمجھ ختم ہوجاتی ہے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر بھی یقین نہیں کرتے اور بالآخر عذاب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جس طرح پرانی قومیں ہوئی تھیں، یہ کفار مکہ کو وارننگ تھی کہ وہ اپنا رویہ بدلیں۔

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴿۹۸﴾

کوئی ایسی بستی نہ ہوئی کہ وہ (عذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئی ہو تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا۔ سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے

انہیں ایک (مقررہ)وقت تک (اس سے) فائدہ(اُٹھانے) دیا۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ(۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کے وہ مومن ہو جائیں۔

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ(۱۰۰)

اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر نجاست (عذاب)ڈال دیتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام:۔

آیات مبارکہ میں حضرت یونس کی قوم کا قصہ ہے اور اسی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ یونس ہے۔ حضرت یونس کا واقعہ مختصراً یوں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں اور شام کے رہنے والے تھے۔ بعلبک کے علاقہ میں 40 سال کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا۔ تبلیغ کے لئے عراق دریا دجلہ کے کنارے اہل نینوا کی طرف گئے۔ جہاں آجکل موصل نامی شہر ہے۔ آپ نے وہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دیا لیکن لوگ سخت دل تھے اور ہمیشہ انکار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ نے تنگ آکر عذاب آنے کی پیشگی اطلاع دی۔ روایات کے مطابق تین دن کا وقت دیا کہ عذاب آجائے گا لیکن لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے آپ وہاں سے نکل گئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا اعلان کردہ وقت جب قریب آیا تو عذاب کے آثار نمودار ہوئے۔ لوگ سخت خوفزدہ ہوگئے، حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا۔ جب وہ نہ ملے تو توبہ شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ بچے بوڑھے عورتیں اور حیوانات کو لے کر سب میدان میں زار وقطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کو ٹال دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اُدھر اس عذاب کے انتظار میں تھے۔ جب عذاب ٹل گیا تو آپ علیہ السلام اس احساس سے کہ لوگ میرے دعوے پر

شک کریں گے۔ واپس جانے کے بجائے کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ آپ نے اس بات کو سمجھ لیا کہ وہاں سے نکلنا اور پھر دوبارہ اس بستی میں نہ جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا۔ اگرچہ وہاں رہنے کا حکم نہیں تھا۔ اس طرح آپ نے کشتی سے چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا تا کہ دوسرے لوگ عذاب سے بچ جائیں مگر کشتی والے نہ مانے۔ جب قرعہ اندازی کی تو آپ علیہ السلام کا نام نکلا اس طرح آپ نے چھلانگ لگائی اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے اس کی مختلف روایات ہیں۔ ایک میں ایک دن سے کم، کسی میں تین دن، کسی میں ہفتہ بھر، یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے آداب نبوت کے اعلیٰ مقام سے بھول کر سفر کرنے کی وجہ سے تھی۔ اگرچہ کوئی صریح احکام کی خلاف ورزی نہ تھی لیکن حسنات الابرار سیئات المقربین والا معاملہ تھا (ابرار کی نیکیاں، مقربین کے ہاں خطا کا درجہ رکھتی ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور مچھلی نے آپ کو اُگل دیا۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے آپ کی جلد نہایت نازک ہو گئی تھی اور دریا کے کنارے آپ جب باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بیل یعنی پودے کے ذریعے آپ کی غذا اور حفاظت کا بندوبست کیا اور آپ دوبارہ سے صحتمند ہو کر تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ آپ کا مرتبہ انبیاء کرام میں بلند ہے، ایک حدیث مبارک کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہیں ہے اور فرمایا مجھے بھی یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ عام اصول یہ ہے کہ عذاب شروع ہونے پر یا اس کے مکمل طور پر یقین ہونے پر توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ انسان کا اختیار ختم ہو چکا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا اس لئے احادیث میں ہے کہ موت کے وقت جب موت کی شدت شروع ہو جائے، جسے سکرات الموت کہتے ہیں تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم یونس کی توبہ قبول کر کے ان کو مہلت دی اور عذاب ٹال دیا۔ کچھ علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ عذاب کو دیکھ کر یعنی عذاب شروع ہونے سے پہلے توبہ کی تھی اسی لئے قبول ہوئی، حقیقت حال اللہ جانتا ہے۔

دین میں جبر نہیں:۔

آیت نمبر 91 ,بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو تمام دنیا کے انسان اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوتے جس طرح فرشتے ہیں ان کو نافرمانی کا اختیار نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہتے تھے لہذا قدرت رکھتے ہوئے بھی اپنی حکمت کے تحت انسان کو اختیار دیا کہ سچ اور جھوٹ، کفر اور اسلام، عدل اور ظلم میں جس کو چاہے اختیار کرے اور اس کے اختیار و ارادہ پر سہولت دی جاتی ہے اور پھر اسی عمل پر سزا و جزا پاتا ہے۔ حضور ﷺ اپنی تبلیغ، اسلام کی توسیع، اہل مکہ کے اسلام قبول کرنے پر بہت کوشش کرتے تھے اور ان کی اس دشمنی اور مخالفت پر کبھی کبھی پریشان اور دل شکستہ ہو جاتے تو آپ کی تسلی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے اور مشیت کا اظہار فرمایا۔ اس طرح کا اظہار کئی آیات میں آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ اپنی اس خواہش پر کہ سارے لوگ اللہ کے مطیع اور مومن ہوں لوگوں پر جبر کریں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا اور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ حکمت الٰہی اور جو انسان کو اختیار دیا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

عقل کا استعمال:۔

یہ تمام مبلغین یا جو دین کی حفاظت و ترویج کا دعوی کرتے ہیں، کے لئے بڑا واضح حکم ہے کہ مذہب کی ترویج میں تشدد نہ کریں۔ محبت و حکمت سے تبلیغ کریں اور اس کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ جو تشدد کرتے ہیں وہ غلو کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ کے اس واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یہ ان کی عقل و سمجھ، ذاتی شہرت، طاقت یا تکبر کا مسئلہ ہوتا ہے اور اخلاص سے معاملہ گر جاتا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ دین اسلام کی عظمت اور سچائی غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ اور جو غور و فکر نہیں کرتے، اسلام کے احکام کی حکمتوں کو نہیں سمجھتے، انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے انکار، عقل کے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ تبلیغ میں حکمت اور عقل کا استعمال بہت ضروری ہے۔ جبر و تشدد اور نفرت سے لوگ دور ہوتے ہیں اور مبلغ اپنے مقصد سے دور جاتا ہے اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (۱۰۱)

آپ کہیئے! تم غور سے دیکھو جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور نشانیاں

اور ڈراوے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتے جو ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴿۱۰۲﴾

پس یہ لوگ اسی طرح کے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ جیسے (عذاب کے) دن ان سے پہلی قوموں پر گزر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾

پس ہم نجات دیتے ہیں (جب عذاب آتا ہے) اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ مومنوں کو نجات دیں۔

تبلیغ اسلام میں لوگوں کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تھا۔ ان آیات میں وجودِ باری تعالیٰ کے علمی و سائنسی شواہد بیان فرمائے۔ کائنات کے وجود، اس کے نظام پر غور کرو تو مخلوق سے خالق کا پتہ چل جائے گا۔ نظام زمین، کشش ثقل، حرارت و رطوبت، گرمی و سردی، پانی کا بہاؤ اور اچھال، مختلف نباتات، پھلدار درخت، حیوانات اور ان کا اپنا نظامِ زندگی، انسان کا نظام جسم، ہوا میں پرندے، پانی کی مخلوق العرض کروڑوں اشیاء ایسی ہیں جو خود ایک نظام ہیں۔ یہ کیسے چل رہا ہے؟ کون چلا رہا ہے؟ کس طرح مربوط ہے؟ قابل غور وفکر ہے اور اپنے خالق کی دلیل ہے اور وہی خدا ہے جو چلا رہا ہے۔ لیکن انسانی ضد و عناد کی وجہ سے اتنی نشانیوں کے باوجود لوگ شیطان کے خیالات پر چلتے ہوئے اللہ کے وجود اور اس کی عبودیت سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح جن قوموں نے کیا ان پر عذاب آیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور انبیاء کو اس سے محفوظ رکھا۔ مثلاً طوفان نوح، عاد اور ثمود کے عذاب۔ اب اگر قریش مکہ اللہ کے احکام پر غور وفکر نہیں کریں گے اور قبول نہیں کریں گے تو عذاب کا انتظار کریں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۴﴾

آپ کہیے اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں میں سے رہوں۔

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۱۰۵﴾

اور آپ یک سو ہو کر اپنا چہرہ دین (اسلام) کی طرف سیدھا قائم رکھیں اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکاریں (عبادت کریں) جو نہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے۔

آیات مبارکہ میں اللہ کے وجود اور پرانی امتوں کے کفر کی وجہ سے عذاب کا ذکر جاری ہے۔ آپ کفار کو بتا دیں کہ وہ بتوں کو خدا بناتے ہیں، ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بت ان کے خود ساختہ ہیں لیکن آپ اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو انسان کو زندگی دیتا ہے، اور اسے موت دیتا ہے، ہر انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے لہذا آپ کا دین ہی حق ہے۔

کفار کی دشمنی ان کے دھوکے اور آپ کو اسلام سے ہٹانے کے سارے جتن جو کر رہے ہیں، بے سود ہیں۔ آپ ان کی مخالفت پر پریشان نہ ہوں اور نہ ہی دوسرے مسلمان پریشان ہوں۔ اپنے دین پر استقامت مضبوطی سے عمل کریں، مشرکوں کی پرواہ نہ کریں اور اللہ کی عبادت کریں جو خالق ہے اور ہر قوت کا مالک ہے۔ یہ بت انسان کے بنائے ہوئے مجسمے کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا ان سے مدد شرک اور اللہ کے حقوق میں بہت بڑا ظلم ہے۔ نبی علیہ السلام کی طرف یہ پیغام دراصل تمام انسانوں کے لئے ہے۔ آپ تو لوگوں کو ہدایت دینے والے اور شرک و ظلم کو ختم کرنے والے تھے۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴿۱۰۷﴾

اور اللہ اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی بھی دور

کرنے والا نہیں اور اگر اللہ آپ کے ساتھ کسی خیر (بھلائی) کا ارادہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کو دور کرنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾

کہہ دیجئے اے لوگو! یقینا تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا، چنانچہ جس شخص نے ہدایت کو اختیار کیا اس نے اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کیا اور جس شخص نے گمراہی کو اختیار کیا اس نے اپنے ضرر کے لئے گمراہی کو اختیار کیا اور میں تمہارا وکیل (ذمہ وار) نہیں ہوں۔

وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے آپ اس کی اتباع کیجئے اور صبر کیجئے حتی کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

توحید کے بارے دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کسی کی کوئی طاقت یا ہستی نہیں جس کو وہ عطا کرنا چاہے یا محروم کرنا چاہے سب کچھ اس کی طاقت میں ہے۔ لیکن آخر میں فرمایا کہ وہ بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ دیا کہ میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے (صحیح بخاری)۔ اس لئے مخلوق کے حق میں خیر کو پسند اور نافرمانی کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ ان تمام امور کی وجہ سے وہی عبادت کے لائق ہے۔ حق قرآن اور اسلام کی صورت میں آچکا ہے۔ اس پر عمل کرنا سب انسانوں کے لئے ضروری ہے کیونکہ نبی آخر الزماں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر کوئی اچھا یا نیکی کا عمل کرتا ہے، اللہ کی عبادت اور اس کے احکام مانتا ہے۔ اس کا فائدہ اسی کو اس دنیا میں ہوگا اور ساتھ ساتھ آخرت میں بھی جزا دی جائے گی۔ بسا اوقات تاخیر ہو جاتی ہے اس میں بھی

حکمت ہے اور اگر کوئی نافرمانی کرتا ہے۔ شرک اور انسانوں کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس کی سزا اس کو دنیا میں یا پھر آخرت میں ضرور ملے گی۔ ایک حدیث مبارک کے مطابق اگر ساری انسانی مخلوق مطیع بن جائے یا نافرمان ہو جائے تو اللہ کی بادشاہی میں مچھر کے پر کے برابر حیثیت نہیں رکھتی۔ تمام انسانوں کے لئے یہ نصیحت ہے کہ خدائے واحد کی پرستش کریں اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں انسان کا ہی فائدہ ہے۔ نبی کا کام پیغام پہنچانا اور راہ دکھانا ہے۔ پھر آپ ﷺ کو فرمایا جو کہ تمام امت کے لئے بھی ہے کہ آپ احکامِ خداوندی (قرآن کریم) پر عمل کیجئے اور عمل تبلیغ اور اچھے اعمال میں جو مشکلات آرہی ہیں ان پر صبر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیں گے اور بہتر فیصلہ فرمائیں گے۔ صبر کا مقام بہت بلند ہے، صبر ایک ایسا قیمتی نسخہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جو اعلیٰ درجہ صبر پر فائز ہوتے ہیں، ان کو بھی تاکید کر رہا ہے۔ صبر سے مشکلات آسان اور کامیابی قریب ہو جاتی ہے۔ آخری کامیابی اچھے اعمال والوں کی ہے اور صبر کرنے والوں کا قرآن و حدیث میں بڑا درجہ بتایا گیا ہے۔

الحمد للہ سورۃ یونس بفضل اللہ تعالیٰ مکمل ہوئی۔ اس پروردگار سے درخواست ہے اس کام کو اپنے حبیب کے طفیل مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مخلوق کے لئے فائدہ مند بنائے۔ آمین

سورة هود

تعارف:۔

سورۃ ھود قرآن مجید میں ترتیب کے لحاظ سے گیارھویں سورت ہے۔ اس میں حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا ذکر ہے۔ دوسرے انبیاء کرام کا بھی ذکر ہے سورت میں دس (10) رکوع ایک سو تئیس (123) آیات اور ایک ہزار چھ سو الفاظ ہیں۔ سورۃ کا نزول ہجرت مدینہ سے پہلے ہوا جب مسلمان انتہائی کرب و شدت کی حالت میں مکہ میں تھے۔ سورۃ ھود اور سورۃ یونس کے مضامین ایک جیسے ہیں اسلئے ان کا زمانہ نزول قریب ہے اس کی ابتداء حروف مقطعات (الٓر) اور سورۃ یونس کی بھی حروف مقطعات سے ہے۔ اختتام بھی توحید الٰہی، صداقت قرآن کریم اور نبوت نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔

سورۃ ھود کے بارے احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ بوڑھے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ھود، الواقعہ، المرسلات، عم یتسالون اور اذا الشمس سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی) ایک اور حدیث شریف بروایت حضرت کعب سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن سورہ ھود پڑھو (سنن دارمی)۔

سورۃ ھود کے مضامین میں مکی سورتوں کی طرح اسلام کے عقائد اور اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ توحید، رسالت، بعثت، جزا و سزا کے دلائل ہیں۔ مومن اور کافر کی خصوصیات کہ مومن سختی اور تنگی میں صبر کرتا ہے آسانی و فراخی پر شکر ادا کرتا ہے اور کافر آرام و عیش میں تکبر کرتا ہے اور تنگی کے وقت مایوس ہو جاتا ہے۔

دین اسلام کے قبول کرنے میں لوگوں کی طبائع ایک جیسی نہیں۔ نبی ﷺ کو جو کفار نے اذیتیں دیں اُن پر تسلی دی اور دوسرے انبیاء کے واقعات بیان فرمائے۔ حضرت نوحؑ کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

ہر نبی ایک مخصوص وقت کے لئے تشریف لائے اور ان کا پیغام خاص قوم کے لئے تھا اس لئے اس قوم کے حالات کی اصلاح کی گئی۔ نبی آخر الزماں محمد ﷺ بقیہ ساری انسانیت کے نبی ہیں۔ اس لئے آپ کے پیغام میں اصلاح اور ہدایت معاشرہ کے ہر قسم

کے طبقہ اور افراد کے لئے ہے۔ تمام حالات کے لئے ھدایت اور رہنمائی کی گئی ہے جو زمانہ بھی ہو گا آپ کے پیغام اور آپ کے کردار سے مستفید ہو کر نجات پائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۙ﴿۱﴾

الف۔ لام۔ را۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط (محکم) کیا گیا ہے پھر (ایک ایسی ذات کی طرف سے ان کو) تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو بڑی حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۙ﴿۲﴾

یہ کہ اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ ﴿۳﴾

اور یہ کہ تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر تم اس کی طرف رجوع (توبہ) کرو وہ تمہیں ایک مقررہ وقت تک (زندگی میں) خوب لطف اُٹھانے کا موقع دے گا اور ہر اس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا ہو گا۔ اپنی طرف سے زیادہ اجر دے گا اور اگر تم نے منہ موڑا تو مجھے تم پر ایک ہولناک (بڑے) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴﴾

اللہ ہی کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَہُمۡ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡہُ ؕ اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَہُمۡ ۙ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۵﴾

دیکھو (آگاہ رہو) یہ (کافر) لوگ اپنے سینوں کو اس (اللہ) سے چھپنے کے لئے دہرا کرتے ہیں۔ یاد رکھو جب وہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے ہیں۔ (تب بھی) اللہ ان کی وہ باتیں جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور وہ بھی جن کو وہ سامنے (ظاہر طور پر) کرتے ہیں۔

آیات کی خصوصیات:۔

سورت کی ابتداء انتہائی اہم حروف سے کی گئی ہے جو حروف مقطعات ہیں ان کی تاویل مختلف مفسرین کے اپنی علمی استعداد کے مطابق کی ہے حقیقت حال کا علم اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ جس سورت کی ابتداء ان سے کی جاتی ہے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، کتاب سے مراد روئے زمین پر انسانیت کے لئے دائمی ہدایت نامہ قرآن پاک ہے اور قرآن کے اعجاز کا ذکر مختصر انداز میں فرمایا کہ اس کی آیات اور اس میں جو معلومات درج ہیں وہ بہت مضبوط ہیں ان کی علمی اور عملی پختگی ہر طرح سے آزمائی جا سکتی ہے اور وہ سارے حقائق و شواہد پر مبنی انسانیت کی راہنمائی کے لئے ہیں۔ قرآن مجید میں جو معاشی، سماجی، اخلاقی، نفسیاتی، سائنسی حقائق اور تعلیمات ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہوتی جسے تاریخ نے گزشتہ چودہ سو سالوں سے ثابت کیا ہے۔ انسانی نظریات جنہیں ہم انسانی یا سائنسی تجربات کا نتیجہ کہیں، وہ علمی ترقی، الات، ذرائع تحقیق و تجربہ کی بناء پر بدلتے رہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فزکس، کیمسٹری، میتھ (ریاضی)، سول اور مکینکل انجنیئرنگ، بیالوجی، میڈیسن، نفسیات، کمپوٹنگ میں مختلف تھیوریاں (نظریے) بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ اس کی وجہ ان معلومات کی بنیاد اور ذرائع میں تبدیلی ہے۔ لیکن قرآن مجید کی معلومات اصولی اور محکم ہیں کہ آج تک وہ سب کے لئے یکساں طور پر صحیح ہیں۔ تفصیل سے مراد جزئیات کی تفصیل نہیں بلکہ موضوعات کی تفصیل ہے کہ تمام انسانی زندگی سے متعلق موضوع یا مسئلہ پیش آسکتا ہے اس کا اصولی طور پر ذکر کر کے راہ اصلاح دکھائی گئی ہے۔ وہ امور انسانی معاشرے اور بعد از حیات زندگی کے لئے مفید ہیں اور یہ سب اس لئے ہے کہ جس ذات نے انسان کو بنایا ہے وہ اس کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس کی ہدایات ہی صحیح ہیں۔ اب اس قدر عظیم و خبیر (علم رکھنے والی) ذات اور اتنی مہربان کہ اس نے انسانوں کی اس دنیا میں فلاح اور آرام کے لئے نہ صرف مادی ذرائع، پیداوار، غذا، نمو و ترقی پیدا کر کے دی، بلکہ انسانی معاشرے اور کردار میں اصلاح کا بھی بندوبست کیا۔ تو اس کو ہی سب سے عظیم، یقین سے ماننا، اس کی عبادت کرنا، اس کے سامنے عبادت کے لئے جھکنا، انسانوں کا فرض ہے۔ اس فرض اور دوسرے امور کے لئے جو احکام اللہ تعالیٰ کے ہیں ان کو پہنچانے کے لئے نبی علیہم السلام تشریف لائے اور پہنچا

کر انسانوں کو جو ان پر عمل کریں کامیابی کی خوشخبری دی اور جو انکار کریں گے ان کو عذاب ہو گا۔

زندگی میں آرام:۔

انسانی کردار پر چونکہ بہت سے خارجی و داخلی عوامل اثر کرتے ہیں اس لئے ھدایات کے باوجود لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں، اس لئے، اللہ سے استغفار، معافی یا توبہ کرنے کی ترغیب اور حکم دیا ہے کہ اگر صدق دل سے غلطی کا اعتراف اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کیا تو وہ ذات جو بڑی قدرت اور علم والی ہے معاف کر دے گی۔ پھر اس زندگی کو جس طرح ہم دیکھ رہے ہیں جب سے انسان دنیا پر رہ رہا ہے کہ معین وقت ہے یہ وقت اگر اس کی اطاعت کی تو وہ اپنے فضل سے نیکی اور اچھے کاموں کا بدلہ بڑھ کر دے گا یعنی جو ایک انسان بظاہر اس سے فائدہ توقع کرتا ہے اس سے بڑھ کر اس کو فائدہ ملے گا اور یہ اللہ کا فضل ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک انسان نے وعدہ کیا پھر اس نے وعدہ کو پورا کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسی طرح ایک انسان سے گواہی مانگی گئی اور اس نے واقع کے مطابق گواہی دی تو ان کے فرائض پورے کرنے کا ایک معاوضہ یا انعام ہے اور اس پر فضل اس طرح کی سارا معاشرہ برکت سے بھر جاتا ہے تمام لوگ جب سچائی اور وعدہ کی پابندی کو اختیار کرتے ہیں تو معاشرہ انتہائی پرسکون، آرام دہ اور زندگی لطف والی بن جاتی ہے لیکن جب لوگ احکام خداوندی بالخصوص حقوق العباد سے انحراف کرتے ہیں، ذاتی لالچ و تعلقات کی بناء پر فرائض پورے نہیں کرتے تو معاشرہ عذاب کا گھر بن جاتا ہے۔ یہ تو عام زندگی میں ہے اور آخرت میں اس کا عذاب اور زیادہ ہوگا اس لئے فرمایا کہ مرنا تو ہر ایک کو معلوم ہے اور حقیقت ہے، اس لئے اس کے بعد اس کا عذاب انسان کو ملے گا اور اللہ کی قدرت کے سامنے انسان اس طرح بے بس ہے جس طرح موت کے سامنے، اسلئے بڑی قدرت رکھنے والے خدا کے احکام پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں اچھے اعمال کا نتیجہ متاع حُسن کہا ہے زندگی میں لطف اندوز ہونا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کو اس زندگی سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے اور فائدہ، لطف، آرام اس وقت ہو گا جب اللہ اور اس کے رسول کے احکام بالخصوص

حقوق العباد (معاشرے میں آپس کے حقوق) پر صحیح انداز میں عمل کیا جائے گا اور اجتماعی طور پر اس کو نافذ کرنے کا نظام ہو گا۔ لہٰذا زندگی کا آرام اللہ کی نعمتوں کا حصہ ہے اسلام میں رہبانیت (زندگی کے آرام سے دوری) کو سختی سے منع کیا گیا ہے یہ صرف عیسائیت میں ہے۔ کئی احادیث اس موضوع پر ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق حضرت ابوالاخوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میں نے معمولی اور گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا ہر قسم کا مال ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور نوکر (غلام) سب کچھ عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کی نعمتوں اور کرامتوں کا اثر دکھائی دینا چاہئے۔ (ابوداود / النسائی)

حضرت جابر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے، غبار آلود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کرے اور ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھولے۔ (النسائی / مشکوٰۃ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ اس بات سے محبت کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دکھائی دے۔ (النسائی / مشکوٰۃ)۔ صوفیاء کرام کے نزدیک متاع حسن سے مراد عشق میں فنا کے بعد بقاء، احوال میں اخلاص، حقائق کی تجلی، لطائف کا نمو اور اذکار میں مٹھاس لیتے ہیں۔ دنیا کے فوائد ان کے لئے کچھ نہیں ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

شانِ نزول:۔

(آیت ۵) کفارِ مکہ اسلام کی مخالفت میں مختلف بہانے اور انداز اپناتے تھے۔

ایک طریقہ یہ تھا کہ چادریں لپیٹ کر سر جھکا کر نکل جاتے تاکہ بات چیت نہ کریں۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے بھی دہرے ہو کر توجہ نہ کرتے۔ کچھ منافقین یہ مذاق اُڑاتے کہ اللہ کیسے ہمیں چادروں میں رات کے اندھیرے میں دیکھتا ہے اور اسے کیسے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر منافق یا کفار مکہ دلوں میں نفرت و دشمنی چھپاتے ہیں تو بظاہر ارادہ چھپا ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔ ایک اور توجیہ یہ ہے کہ مسلمان بھی بعض اوقات شرم و حیا کی وجہ سے ارد گرد چادر اوڑھ لیتے ان کی یہ حالت اللہ تعالیٰ سے شرم کی وجہ سے ہوتی یعنی حاجت کے وقت یا ہمبستری کے وقت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسانی خیالات حقیقت نہیں بلکہ اس کا اپنا ایک وہم ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بھی بات چھپی نہیں سب سے پوشیدہ تو انسان کا خیال ہے۔ جس کا وجود ہی نہیں ہوتا اور ان کو بھی وہ ذات علم و خبیر جانتی ہے۔ لہذا ہمیں اس کا ہر وقت احساس ہونا چاہئے۔

ظاہر اور چھپا ہوا:۔

انسان نفسیاتی طور پر ماحول کی وجہ یا اپنے احساس کی وجہ یا لاشعوری کیفیت کی وجہ سے عام (اچھی نظر آنے والی) حالت میں اگر کوئی غلط کام کرے تو خوف، جھجک، پریشانی محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اگر شہرت کا کام ہو تو کرتے وقت تسلی اور فخر محسوس کرتا ہے یہ انسانی نفسیات کا حصہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ویڈیو کے خوف سے جرائم کی تعداد میں کمی آجاتی ہے کہ ان کو کوئی دیکھ رہا ہے۔

ظاہر کا خوف اور محبت کی کشش:۔

جب انسان کے دماغ اور خیال میں یہ تصور یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ کوئی ذات ہر وقت اس کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے اعمال سے آگاہ ہے اور اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا تو پھر انسان کا کردار بالکل مختلف ہوتا ہے وہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور اگر اس میں غلطی ہو تو وہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے اعمال پر خوف یا انعام مزید محرک یا رکاوٹ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اگر یہ کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا خوف، محبت ہو تو پھر اس کا مقام ہی اور ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی علیم اور خبیر اور رحمٰن اور رحیم، غفور اور رؤف کے اوصاف کا ذکر، کیا اس سے مقصود انسان کو

اس محبت کے تعلق کی کیفیت سے آگاہ کرنا ہے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴿۶﴾

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کے رزق کا اللہ نے انتظام نہ کیا ہو۔ اور اس کے ہمیشہ کے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے اور عارضی ٹھہرنے کی جگہ کو بھی اور سب کچھ واضح کتاب میں درج ہے۔

معلومات کا ذخیرہ:۔

آیات مبارکہ میں زمین پر رہنے والی مخلوقات خواہ چلنے والی ہو یا رینگنے والی لیکن جاندار ہو اس کے رزق کا انتظام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس کا عارضی اور مستقل ٹھکانہ کو بھی جانتا ہے۔ اس سے تمام زمین پر بری اور بحری جاندار شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی غذا، ان کے رہنے اور آخری ٹھکانہ کی جگہ سے ان کے تمام زندگی کے حالات و کیفیات سے باخبر ہے۔ اور ان معلومات کا ایک ذخیرہ ہے جو اللہ کے ہاں موجود ہے اس کا ذکر کتابِ مبین واضح کتاب میں فرمایا ہے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ مثال بالکل صحیح ہے کہ سارا ڈیٹا (معلومات) موجود اور محفوظ ہیں۔ انسان ابھی تک ریکارڈ کرنے کا جو طریقہ معلوم کیا ہے جس میں کمپیوٹنگ کے لئے سپر کمپیوٹر اور آجکل قوانٹم کمپیوٹر (Quantum Computer) تک پہنچ گیا ہے جن میں پروسسنگ الیکٹرک کے بجائے روشنی (Photons) کے ذریعے ہو گی اور اس طرح 6.5 بلین مرتبہ (6.5 billion fold) ذخیرہ کرنے کی جگہ (Store space) اور رابطے (Configure) میں اضافہ ہو گا اور گوگل کے قوانٹم کمپیوٹر ایک اندازے کے مطابق نارمل کمپیوٹر کے مقابل بہت تیز رفتار ہے انکا اندازہ یہ ہے کہ جو حساب و کتاب موجودہ تمام کمپیوٹر ایک ہزار سال میں کرتا ہے یہ صرف بیس سیکند میں کرے گا۔ یہ تحقیق پروفیسر حیان دی پن اور چاؤ یانگ لو، نے یونیورسٹی آف سائنس ٹیکنالوجی چائنا میں کی ہے۔ (بحوالہ سائنس نیوز گوگل نیوز Nov 2019)۔ کچھ سائنسدان کہتے ہیں اس میں مبالغہ ہے لیکن یہ یقین ہے کہ جو چند دنوں میں عام کمپیوٹر کرتا ہے وہ یہ کمپیوٹر سیکنڈ میں کرے گا۔ جو ایک بہت بڑی ترقی ہے اگر انسان کے محدود عقل کا کمال ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کتاب

مبین / لوح محفوظ، جو بھی کہا جائے وہاں تمام کائنات کی معلومات کا ذخیرہ ایسی بات جو بالکل صحیح ہے۔ اگر انسان کے بس میں نہیں تو اس کا انکار صحیح نہیں۔ اور مبین سے مراد ہر قسم کی معلومات ہیں جس طرح ہم پروگرامنگ میں ہر قدم اور ہر موقع و حال کو شامل کرتے ہیں۔ ایک DNA کا ذرہ کس قدر معلومات (Data) رکھتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آج سے سو سال پہلے کسی کو DNA کے بارے پتہ بھی نہیں تھا۔ لہذا انسان کو معلومات نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی چیز کا وجود ہی نہیں۔ کائنات کی وسعت کی معلومات انسان کے لئے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کوشش کرنا بالکل صحیح اور ضروری ہے اور اس قدر معلومات ملیں گی اتنا ہم خالق کے قریب ہوں گے۔

رزق اور ٹھکانہ:۔

رزق اور آخری ٹھکانہ کے بارے ایک حدیث مبارکہ وضاحت کرتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی اجل (موت) کسی زمین ہو تو اس کی کوئی ضرورت اس کو وہاں پہنچا دیتی ہے۔ اور جب وہ اس جگہ کی منتہیٰ (آخری مقام) کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کی روح کو قبض فرمالیتا ہے اور قیامت کے دن وہ زمین کہے گی: اے رب یہ ہے وہ جس کو تو نے میرے پاس ودیعت (امانت) رکھا ہے۔ (ابن ماجہ)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ جہاں پیدا یا بڑے ہوتے ہیں وہاں سے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں اور جہاں رزق میسر آتا ہے وہیں رہ جاتے ہیں اور بالآخر وہیں پر ختم ہو جاتے ہیں یا کسی سبب سے جاتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ دنیا میں آبادی بہت بڑھ رہی ہے اور ہزاروں سال سے انسان پرندے، چرندے، آبی مخلوق اسی محدود زمین پر غذا حاصل کر رہی ہے اور زمین کے وسائل ختم نہیں ہو رہے۔ انسان کی غیر منصفانہ تقسیم یا اللہ کی نعمتوں کے غیر منصفانہ استعمال سے معاشروں میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں جس کا سبب انسان کے اعمال ہیں، رزق پہنچانے کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت مناسب اور آسان اپنی مخلوق کے لئے پیدا کئے ہیں جو اس مخلوق کی ضرورت کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال امام فخر الدین بن عمر رازی (م 606 ھج) نے تفسیر کبیر میں حضرت موسیٰؑ کے حوالہ سے تحریر کی ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ ان کے دل میں خیال آیا (کہ

ان کے گھر والوں نے کھانا کھایا یا نہیں؟) اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک چٹان پر لاٹھی ماریں اس سے ایک پتھر ٹوٹ کر نکلا، پھر انہوں نے دوسرے پتھر پر لاٹھی ماری اس سے ایک اور پتھر ٹوٹ کر نکلا انہوں نے اس پر لاٹھی ماری اس سے پتھر میں ایک چیونٹی کے برابر ایک کیڑا تھا اس کے منہ میں غذا کے قائم مقام کوئی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اس کیڑے کا کلام سنایا وہ کہہ رہا تھا: پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھتا ہے اور میرا کلام سنتا ہے اور میری جگہ کو جانتا ہے اور مجھے یاد رکھتا ہے اور مجھے نہیں بھولتا (تفسیر کبیر جلد 6) اس میں کلام سے مراد اس کیڑے کی حرکت و ارادہ کیونکہ وہ جاندار ہے اور اس کے شکر کا انداز مختلف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم حضرت موسیٰؑ کو اطلاع دی۔ ہم دیکھتے ہیں کئی ایسے کیڑے، سپیاں، سنگل سیل جاندار عجیب و غریب طریقے سے پیدا ہوتے، غذا حاصل کرتے اور ختم ہو جاتے ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کی قدرت میں یہ سب کچھ ہے۔

زمین پر رزق کا سامان پیدا کر دیا جو حرکت کی طاقت نہیں رکھتے انہیں غذا وہیں میسر آ جاتی ہے جو حرکت کر سکتے ہیں وہ حرکت کر کے حاصل کرتے ہیں اور جن کو عقل، ارادہ دیا ہے وہ انتظام و اہتمام کر کے اپنا رزق و غذا حاصل کرتے ہیں۔ رزق کے مواد اس کی طلب اور اس تک حصول اور اس کے لئے تلاش و جستجو ہے۔ اعمال رزق کی دستیابی کا حصہ ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾

اور وہی ہے جس نے تمام زمین کو چھ دن میں پیدا کیا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے اور اگر تم (لوگوں سے) یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جو لوگ انکار کرنے والے ہیں (کافر) یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔

وَ لَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾

اور اگر ہم ان لوگوں سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ آخر کس چیز نے اس (عذاب) کو روک رکھا ہے۔ سنو! جس دن وہ (عذاب) آگیا تو وہ ان سے نہیں ٹلے گا وہ ان کو چاروں طرف سے گھیرے گا۔

آیاتِ مبارکہ پچھلے رکوع میں اللہ کی عظمت، وحدانیت اور لائق عبودیت کے بارے تھیں، ان آیات میں کائنات کا وجود کے بارے اشارے کئے گئے ہیں۔ زمین اور آسمانوں کی تخلیق کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں ان کو تخلیق فرمایا اور اس وقت عرش پانی پر تھا۔ چھ دن سے مراد مدت ہے، دن کا اندازہ سورج کے نکلنے کے بعد ڈوبنا اور پھر نکلنے پر ہے۔ جب نظام شمسی تھا ہی نہیں تو اس دن اور اس سورج و زمین کے وقت سے کوئی نسبت نہیں ہاں اس وقت (چودہ سو سال پہلے) سمجھانے کے لئے دن کا پیمانہ ہی وقت کا پیمانہ تھا۔ عرش سے پانی علیحدہ ہے اس لئے کہ پانی پر ہونا علیحدگی کی دلیل ہے اور علماء نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ پانی کی صورت کیسی تھی ہائیڈروجن و آکسیجن کا مجموعہ تھا جو کہ گیس کی صورت میں یا کسی اور مائع کی صورت میں یا پانی کی صورت میں جو زمین پر میسر ہے۔ قرآن و حدیث کی یہی خوبی ہے کہ کسی چیز کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ ہر زمانہ کی معلومات اور مقصد کے مطابق پیغام پہنچاتا رہے گا۔ ان آیات سے مقصد اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت ہے۔ بعض احادیث میں دن کو ہزار سال کے برابر کہا گیا ہے۔ دن سے مراد عمومی دن ہے، اور نوری دن بھی ہو سکتے ہیں، جس طرح ہم نوری سال کہتے ہیں۔ بالخصوص کائنات کے فاصلے ناپنے کے لئے اب تو نوری سال ہی پیمانہ بن گیا ہے۔ اسی طرح چھ دن چھ مختلف پروسس بھی ہو سکتے ہیں جن کو دن سے مثال دی گئی ہے (سورہ بقرہ)۔ احادیث میں مختلف روایات ہیں وہ بھی عمومی ہیں جو نبی کریم ﷺ نے اس وقت کے ماحول اور علمی استعداد کے مطابق بیان فرمائیں۔ حضرت عمران بنؓ روایت کرتے ہیں اس حدیث میں اہل یمن کا ذکر ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے پاس اس امر (دنیا) کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ذکر میں ہر چیز لکھ دی اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ذکر (لوح محفوظ) میں ہر چیز لکھ

دی۔(البخاری / الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا اس کا عرش پانی پر تھا۔(صحیح مسلم کتاب السماء الصفات)

حضرت ابوزرین العقیلیؓ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا وہ عماء میں تھا، عماء کے معنی ہیں رقیق بادل (پتلے پتلے بادل) اور اوپر نیچے خلاء تھا۔(روح المعانی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت پیدا کیا اور اس کو نظر ہیبت سے دیکھا تو حرارت پیدا ہوئی پانی پیدا ہوا اور پھر ہوا کو پیدا کیا۔ ایک حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اسے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک کی تمام پیدا ہونے والی چیزوں کو لکھ دیا۔ ایک روایت میں ہے عقل کو پیدا کیا ہے۔ شاید قلم کا لکھنا بھی عقل کے ساتھ ہے۔ قلم اور عرش میں کسی کو پہلے پیدا فرمایا علماء نے مختلف تفسیریں کیں ہیں چونکہ حضور ﷺ کی معلومات الہام الٰہی پر مبنی تھیں اسی طرح بعض دوسرے صوفیاء نے بھی کشف کی بناء پر توجیہات کیں لہذا اس میں ہر طرح کی تاویل و تفسیر کی گنجائش ہے۔ موجودہ دور کے سائنس دان جدید الات کی بناء پر نئی نئی معلومات حاصل کر رہے ہیں اور ان معلومات میں بالخصوص کائنات ستاروں کہکشاؤں کے بارے میں مختلف آراء و خیالات ہیں لیکن قرآن مجید کی بنیاد چونکہ کلام الٰہی پر ہے تو یقیناً سراسر درست ہے اور آج تک سائنسی نظریات اس کے خلاف نہیں آئے بدلتی معلومات کی بناء پر ماہرین کے خیالات و اراء بدلتے رہے ہیں اور رہیں گے۔ سائنس کی ترقی ہوتی رہے گی اور اسرار کائنات کھلتے رہیں گے۔ انسان کا عوامل اسباب اور نتائج کے بارے میں ایک تاویل یہ ہے (کان العرشہ علی الماء)، عرش سے قوت اور قیومیت علی الماء زندگی اور تخلیق کا وجود (عرشہ سبحانہ عبارۃ عن قومیت، بناء انہ فی الاصل سریر الملک وھو مظہر سلطانہ والماء اشارتہ الی صفتاالحیاتہ باعتبارانہ من کل شی)۔(روح المعانی)۔ علوم میں اضافہ ہوگا اور اس علمی سائنسی ترقی کا بیان احادیث دجال میں ذکر کیا گیا ہے کہ انسان وہ کارنامے کرے گا جو اس وقت (چودہ سو سال) پہلے ناممکن تھے۔

اس وجود کائنات کے بعد انسان کو پیدا کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ تم (انسانوں) کو آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے۔ اچھا یا نیک عمل سے کیا مراد ہے مختلف تعبیریں وآراء ہیں قرآن وسنت کے مطابق اخلاص سے اعمال کیے جائیں، فرائض وسنن پر عمل اور حرام اور مکروہ سے بچا جائے۔ اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو، زیادہ اطاعت کرنے والا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: تم میں سے کون زیادہ اچھی عقل والا ہے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ بچنے والا ہے اور اللہ کی اطاعت میں زیادہ جلدی کرنے والا ہے (روح المعانی) مقصود یہ ہے کہ انسان دنیا میں اچھے عمل کرے حقوق العباد کا خاص خیال کرے کیونکہ اللہ تعالی حقوق العباد کی خطاء کو معاف نہیں کریں گے جب تک متاثر شخص معاف نہ کرے۔

اللہ تعالی کی قوت اور طاقت جو کائنات کی تخلیق سے ظاہر ہے اس کے بعد انسان کو اچھے اعمال کی ہدایت ہے اسلام اور تمام مذاہب سماوی نے انسان کو آخرت میں جزاء وسزا کا درس دیا ہے پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی ذات سے انکار کرتے ہیں وہ اس کو نہیں مانیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے احکام سے انکار کی صورت میں اہل مکہ کو عذاب کی خبر دی اور مشرکین مکہ بار بار کہتے کہ جس عذاب سے اپ ڈراتے ہیں کب ائے گا، اس کا جواب ہے کہ جب حکم دیا جائے گا، آئے گا اور پھر ٹلے گا نہیں اس سے بچنے میں ہی انسان کا بھلا ہے۔ تاریخ میں جب عذاب آیا تو قومیں ملیا میٹ ہو گئیں۔

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں پھر وہ اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ﴿۱۰﴾

اور اگر ہم اسے تکلیف پہنچنے کے بعد نعمتوں کا مزا چکھا دیں تو کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ اس وقت اترانے والا اور فخر جتانے والا ہو جاتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ

كَبِيْرٌ ﴿١١﴾
مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک عمل کئے انہی کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔

آزمائش اور صبر:۔

اللہ تعالی کی طاقت، لوگوں پر آزمائش اور موت کے بعد زندگی اور عذاب کے ذکر کے بعد زمین پر انسانی زندگی کے دوران معاملات میں انسان کی نفسیات اور کردار کا ذکر فرمایا کہ اسے اگر رحمت سے نوازیں، تو حق سمجھتا ہے کیونکہ جب اس سے نعمت چھن جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ منفی انداز فکر اختیار کرتا ہے۔ لفظ انسان ان تمام انسانوں کے لیے ہے اور تمام انسان اس نفسیاتی کیفیت میں مشترک ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کے نظام کے تحت ہے بعض مفسرین نے آیات کو بعض کفار مکہ کے کردار کی وجہ سے انکی منسوب کیا ہے جن کے نام ولید بن مغیرہ اور عبد اللہ بن ابی امیہ مخزومی بیان کئے گئے ہیں لیکن جب ہم انسان کی نفسیات کو دیکھتے ہیں تو لفظ انسان انتہائی صحیح معلوم ہوتا ہے ہر انسان کو جب آرام سے ملتا ہے تو وہ اسے اپنا حق سمجھ لیتا ہے، اکڑ جاتا ہے خیال نہیں کرتا کہ اس کے علاوہ زندگی میں تکلیف بھی ہے جبکہ وہ کئی لوگوں کو تکلیف کی حالت میں دیکھتا بھی ہے اب جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو پریشان اور بے صبرا ہو جاتا ہے اس کا رویہ مایوسی، ضد کا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوا، اپنے ہی خیال اور مفاد میں گم رہتا ہے پھر اس تکلیف کے بعد دوبارہ اسے سکون و آرام مل جائے تو بھی دوبارہ تکبر اور اکڑ شروع کر دیتا ہے اس تکلیف کا وقت بھول جاتا ہے اور وہی اس کا کردار رہتا ہے۔ تکبر اور اکڑ اور پچھلی تکلیف کی حالت کو خیرباد کہہ دیتا ہے لیکن اس رویہ سے کچھ لوگ مختلف ہوتے ہیں وہ بھیڑ چال کو صحیح نہیں سمجھتے، وہ زندگی کی حقیقت کو سمجھ کر زندگی اور اس کے آرام کو اللہ کا انعام سمجھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب تکلیف آتی ہے تو صبر کرتے ہیں۔ صبر ایک ایسی قوت ہے جو کہ ہر مشکل اور تکلیف کو آسان کر دیتی ہے۔ صبر کے خواص میں تکلیف کے پہلے صدمہ پر، بے صبری اور ناشکری، پریشانی کا اظہار نہ کرنا بلکہ اللہ کی طرف سے امتحان سمجھ کر برداشت کرنا اور اس کے لیے تگ و دو کرنا۔ جب انسان کے اندر صبر آتا ہے تو اس کی پریشانی کم ہو جاتی ہے، قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔ حوصلہ رکھنے

کی قوت بھی بہتر ہوجاتی ہے اور انہیں کو اللہ بغیر حساب کے اجر دے گا ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر ہے۔

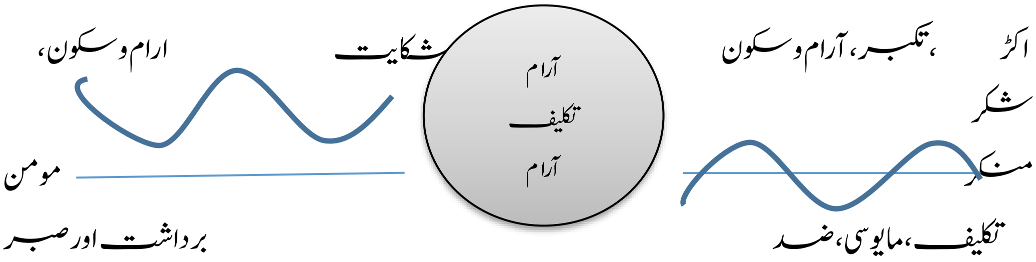

برداشت، صبر

احادیث مبارکہ میں اس کی بڑے خوبصورت انداز میں تعلیم دی ہے۔حضرت صہیب رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے حال پر تعجب ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مومن کے سوا کسی اور کا وصف نہیں اگر اس کو راحت پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لئے خیر ہے (مسلم شریف)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کو جو بھی درد ہو یا تھکاوٹ ہو یا بیماری ہو یا غم ہو یا فکر ہو تو اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹادیتا ہے (شریف ترمذی شریف)۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

کیا آپ وحی کے کسی حصہ کو ترک کرنے والے ہیں اور آپ کا دل صرف اس بات سے تنگ ہونے والا ہے کہ وہ کافر کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی

فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۱۳﴾

کیا وہ (کفار) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے آپ کہیے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۴﴾

پھر اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو (لوگو!) یقین کر لو کہ یہ وحی (قرآن) اللہ کے علم سے ہی اتری ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو کیا تم (کفار مکہ) فرمانبردار (مسلمان) بنو گے؟

اہل مکہ اپنے کفر کی وجہ سے حضور ﷺ کی شدید مخالفت کرتے اور نبوت پر اعتراض کرتے یہ بھی کہتے کہ کیسے نبی ہیں کہ اللہ نے ان کو کوئی خزانہ نہیں دیا۔ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہر وقت کیوں نہیں ہوتا۔ پھر بتوں کی عبادت سے روکنے پر مخالفت کرتے۔ قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہیں کہ اگر قرآن میں نے گھڑا ہے تو اس طرح کی تم دس آیات بنا کر لاؤ۔ بعد میں یہ چیلنج ایک آیت تک آ گیا۔ بڑے بڑے عرب شاعر اور فصیح و بلیغ زبان دان ناکام ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یقین دہانی فرمائی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں تاکہ وہ مشرک اور کافر اور معاشرے میں ظلم چھوڑ دیں۔ اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ کفار کی وحی و قرآن کی مخالفت سے آپ کا دل تنگ نہ ہو۔ آپ پرواہ کرنے والے نہیں کیونکہ آپ کا نگہبان آپ کا خدا ہے۔ دوبارہ کفار کی حقیقت اور ضد بیان فرمائی کہ قرآن کی مثل وہ دس آیات نہیں لا سکے اور جب یہ نہ کر سکے تو ان کو یہ یقین آ جانا چاہئے کہ کسی شخص کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جب ناکام ہو گئے اور یقین بھی ہو گیا تو پھر بھی اسلام نہ لائے۔ یہ صرف ان کی ضد اور اسلام دشمنی ہے۔ جس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے مسلمانوں کو بھی تلقین ہے کہ احکام خداوندی کی تبلیغ اور مخالفت کی وجہ سے دل تنگ نہ کریں اور کسی بھی بنیادی اصول پر سمجھوتہ نہ کریں یہ صورت تمام زمانوں کیلئے ان مسلمانوں کو جو غیر مسلم معاشرے میں رہتے ہیں، پیش آتی ہے اور اس کا حل ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو لوگ (صرف اس) دنیاوی زندگی اور اس کی سج دھج چاہتے ہیں تو ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ (صلہ) اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور یہاں ان کے حق (بدلے) میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت (دوسری زندگی) میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ اس (دنیا) میں کیا وہ ضائع ہو گیا اور جو عمل کر رہے ہیں وہ بے فائدہ (باطل) ہو گئے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے:۔

پچھلی آیات میں لوگوں کا اسلام دشمنی، حق سے انکار، کا ذکر تھا اور مسلمانوں کو پریشان ہونے سے منع فرمایا۔ جب ایک آدمی اپنی طرف سے اچھا عمل کر رہا ہے اور اس کا مخالف (برے عمل والا) زندگی کا بہترین مزے لے رہا ہو تو ایک ذہنی خلجان پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ یہ کیفیت ہم آجکل بھی دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان، معاشی، سماجی پسماندگی کا شکار ہیں جبکہ غیر مسلم لوگ اور معاشی اور سماجی لحاظ سے زندگی کے خوب مزے لے رہے ہیں۔ ان امور کا بہت خوبصورت اور حقیقی تجزیہ فرما کر انسان کو اس نفسیاتی مشکل سے نکالا ہے۔ اور وہ یہ ہے جو لوگ محنت کرتے ہیں۔ اپنے مقصد کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ خدا پر یقین نہیں رکھتے، اس کے عبادت کے احکام نہیں مانتے، تو بھی ان کے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون عدل کے مطابق، ان کو اس دنیا کی زندگی میں دے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عادل ہیں اور عدل کو پسند فرماتے ہیں۔ ظلم کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ جو قومیں اللہ پر یقین نہیں رکھتیں، لیکن اپنے معاشرے میں عدل انصاف اور انسانی حقوق و احترام کو نافذ کرتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی کوشش اور عمل کے مطابق اس کے نتائج

ان کو اس دنیا کی زندگی میں دے دیتے ہیں۔ ان کے عمل کا کوئی حصہ بھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ بہت معنی خیز الفاظ استعمال فرمائے ہیں نوف اور یبخسون (نوف۔ نوصل۔ ملاتے ہیں یبخسون۔ ینقصون۔ کم کرتے ہیں) ان الفاظ سے چند امور واضح ہیں۔

۱۔ یہ کوشش اور جدوجہد انسان خود شروع کرتا ہے۔ اس لئے یرید (ارادہ) کا لفظ استعمال ہوا۔

۲۔ اس میں تسلسل رہتا ہے کہ اس کوشش اور عمل کو نتیجے سے ملا دیا جائے۔

۳۔ اس عمل میں کامیابی یقینی ہے۔ اور اس کا صلہ پورا پورا اللہ تعالیٰ انسان کو عطا فرماتے ہیں۔

اس آیت کے علاوہ بھی کئی دوسری آیات میں واضح طور پر عمل اور جدوجہد کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی نتیجہ کے حصول کی بھی یقین دہانی کی گئی۔ اس آیت کا اطلاق ہمارے ہر دور کے معاشروں پر واضح ہے۔ اس آیت کا اطلاق مسلم اور غیر مسلم معاشروں پر برابر ہے۔ غیر مسلم افراد اگر اپنے معاشرے میں عدل، انصاف، کمزوروں کا خیال، انسانی حقوق کا احترام کو نافذ کریں گے اور اس کے لئے جو بھی کوشش کریں گے اس کا نتیجہ ان کو اس زندگی میں فوراً مل جائے گا۔ معاشی اور سماجی طور پر وہ معاشرے بہتر معیار زندگی کو حاصل کریں گے۔ امن اور سلامتی ان کے ہاں زیادہ بہتر ہوگی اس کی واضح مثالیں۔ یورپی ممالک، ایشیائی ممالک اور امریکہ کے براعظموں کے چند ممالک میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اگر قومیں اپنے معاشرے میں ان اعلیٰ اصولوں کو جن کا اللہ تعالیٰ نے کتابوں بالخصوص قرآن مجید میں حکم دیا ہے کو نافذ نہیں کرتے بلکہ جھوٹ، ظلم، ناانصافی، دھوکہ، انسانی حقوق کی تلفی ان کے معاشرے میں پائی جاتی ہے وہاں بدامنی، معاشی پسماندگی، سماجی استبداد واضح نظر آئے گا۔

مسلمان معاشروں میں جہاں اسلام کے احکام کے مطابق زندگی کو نہیں گزارا جائے گا، اللہ کے احکام بالخصوص حقوق العباد، عام انصاف، سماجی انصاف لوگوں میں نہیں کیا جائے گا وہاں ان کے اعمال کا بدلہ ظلم، بدامنی، طاقت اور نفرت، معاشی پسماندگی، جرائم وفساد کی صورت میں ظاہر ہوگا اور صرف لفظی اسلام کوئی فائدہ نہیں دے گا

اور آخرت میں بھی احکام سے انکار کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ دنیا میں اس کیفیت کو اسلام نے نفاق کہا ہے اور ایسے اعمال والوں کا جو زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ان کو منافقین کہا ہے (اللہ مسلمانوں کو نفاق سے محفوظ فرمائے)۔

اگر کوئی مسلمان یہ اچھے اعمال دنیاوی زندگی میں کرتا ہے اور اس کا مقصد نمود و نمائش ہے کہ لوگ اسے سخی کہیں۔ اس کے گُن گائیں اور شہرت ہو تو یقیناً اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں دے دیں گے اور اس کو عزت و شہرت مل جائے گی چونکہ اس کا مقصد دنیاوی مفاد تھا اور اس کو اس کا بدلہ اسی دنیا میں مل گیا لہذا دوسری زندگی میں قیامت کے بعد اس کو کوئی معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس کو ریاکاری کہتے ہیں اور کئی آیات مبارکہ اور احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثمر ملتا ہے سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف شمار ہوگی۔ اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار کی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (مسلم و بخاری)۔

ایک اور حدیث کے مطابق قیامت کے دن ریاکاروں (دکھلاوا کرنے والوں) کو کہا جائے گا: اے ریاکارو! تم نے روزے رکھے، تم نے نمازیں پڑھیں، صدقے دیے، جہاد کیا اور قرآن مجید کی تلاوت کی محض اس مقصد کے لئے کہ تمہیں نمازی وغیرہ کہا جائے اور وہ تمہیں کہہ دیا گیا۔ آج تمہارے لئے کچھ نہیں۔ پھر انہی لوگوں کو سب سے پہلے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ یہ روایت جب حضرت ابوہریرہ نے بیان کی تو زار و قطار رونے لگے۔ اس آیت کی تفسیر کے بعد جو کچھ اس دنیا کے معاشروں میں سماجی و معاشی اختلاف پایا جاتا ہے وہ بڑا واضح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل صاف نظر آتا ہے۔

مسلمان کا مقصد اللہ کے احکام کی اطاعت ہے۔ دنیاوی فوائد تو اس کے ملتے ہی ہیں اور آخرت میں اس کا انعام بھی ملے گا۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ دنیا کے چاہنے والوں

کو ان کی کوشش کے مطابق بلکہ اس کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا اور محنت سے کامیاب ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کو اس کی سہولت نہیں دی جائے گی۔ دنیا کے کاموں کا بدلہ وہ لے چکے تھے اسلئے آخرت میں وہ سارے باطل ہوں گے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کی سزا ملے گی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

بھلا کیا وہ شخص کیسے (برابر ہو سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ (قرآن) بھی آ گیا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو (لوگوں کے لئے) امام (قابل اتباع) اور رحمت تھی۔ ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں اور ان گروہوں (فرقوں) میں سے جو شخص اس کا انکار کرے تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہے لہذا اس (قرآن) کے بارے شک میں نہ پڑو۔ یقین رکھو یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

آیاتِ مبارکہ میں کفار کے مقابل اہل حق کا بیان ہے کہ وہ اشخاص جو ان دلائل پر غور کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کیلئے پیدا فرمایا۔ بینہ کا لفظ بڑا غور طلب ہے یہ دلائل آدمی اپنی عقل و سمجھ استعمال کر کے سمجھ سکتا ہے۔ یہ قرآن مجید ہے، حضور ﷺ کی ذات اور آپ کی تعلیمات میں کائنات میں موجود شواہد ہیں اور سابقہ انبیاء کی کتب تورات، انجیل ہیں۔ اسلام کی حقانیت مزید اور مضبوط ہوتی ہے کہ اس کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی موجود ہے۔ ان امور کو سمجھنے والا اسلام کو قبول کرتا ہے اور حق کیلئے ڈٹ جاتا ہے لیکن اس کے مقابل جو لوگ محض ضد کی وجہ سے، عقل کا استعمال نہیں کرتے وہ ان اصحاب عقل و فہم اور اہل حق کی طرح کبھی نہیں ہو سکتے، لہذا انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ بدقسمتی ہے کہ اکثر لوگ دلائل و شواہد کے باوجود بھی حق (اسلام) سے منہ موڑتے ہیں اور شیطانی خیالات کو اہمیت دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میری نبوت (کی خبر) سنے خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی ہو پھر وہ شخص اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ شخص دوزخی ہوگا۔ (مسلم)۔ اس حدیث سے آیات مبارکہ کا مفہوم واضح ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دین کی دعوت دیں اور اس طرح دیں کہ لوگ سننے سے نفرت نہ کریں بلکہ غور سے سنیں اور اس کے بعد بھی اگر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ غیر مسلم ہو کر مریں گے تو دوزخی ہوں گے۔ اگر کسی فرد تک اسلام کا پیغام یا توحید کا پیغام نہیں پہنچا تو اس کا معاملہ، اللہ اس کے اعمال کے مطابق فرمائیں گے۔ اگر مسلمان اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے تو وہ بھی جنت کے مستحق نہیں ہیں۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔ سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو اللہ کے راستے سے (دوسروں) کو روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

یہ لوگ روئے زمین پر اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ یہ نہ (حق کی آواز) سنتے تھے نہ (حق کو) دیکھتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا اور جو

باتیں وہ گھڑتے تھے (معبود کے بارے) وہ گم ہو گیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴿۲۲﴾

بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

پچھلی آیت میں فرمایا کہ دلائل شواھد کو دیکھ کر ایمان لانے والا اس کی طرح نہیں، جو انکار کرتا ہے اور ایمان کو ٹھکراتا ہے اسی کی تفصیل ان آیات میں بیان کی کہ ایمان نہ لانے والے اہل مکہ، اللہ کی ذات کے بارے غلط بیان دیتے ہیں جو ان کی ذاتی آراء، اور شیطانی خیالات کا نتیجہ ہیں۔ وہ اسلام سے دشمنی کرتے ہیں، لوگوں کو اسلام کی طرف سے زبردستی، لالچ، دھوکہ اور ہر طریقے سے روکتے ہیں۔ عقائد میں آخرت اور قیامت جو بہت اہم حقیقت اور عقیدہ ہے، کو نہیں مانتے حالانکہ اس دنیا کی زندگی میں وہ بے بس بھی ہیں۔ صحت، مرض، موت، غم یہ سب امور ان کے بس سے باہر ہیں لیکن پھر بھی وہ خدا کو نہیں مانتے قیامت کے دن، ان کے اعمال پر ان کے خلاف گواہی پیش کی جائے گی۔ یہ گواہ فرشتے ہیں جو انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں اسی طرح انسان کے اعضاء بھی اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اتنے حقائق کے باوجود وہ حق سے بالکل انکار کر رہے ہیں۔ ضد اور تکبر، عناد کی وجہ سے انہوں نے اپنے عقل و سمجھ کی صلاحیت استعمال نہ کر کے ختم کر دی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آدمی ضد کی وجہ سے ایک کام بار بار کر کے اس کے خلاف ایک عادت اپنا لیتا ہے اور اس عادت کی وجہ سے اس کی سمجھ بوجھ کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال نشہ کی عادت ہے۔ اور ان برے اعمال کے نتیجہ میں ان کو آخرت میں سخت اور زیادہ (دوگنی) سزا ملے گی اور یہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اور خسارے میں ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۲۳﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اپنے رب کے حضور جھک کر مطمئن ہو گئے وہی جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾

دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا ہو، کیا یہ دونوں (اپنے اوصاف) میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

قرآن مجید انسان کے سمجھنے کے لئے دونوں امور میں مقابلہ کرتا ہے تاکہ قاری یا سامع کو سمجھنے میں آسانی ہو اور حقیقت تک آسانی سے پہنچ جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے صرف ایمان سے کام نہیں مکمل ہوتا کیونکہ ایمان ذہن و عقل کی کیفیت کا نام ہے۔ اس لئے اس کو ذہن یا دل کا عمل قرار دیا گیا ہے اس کے ساتھ نیک اعمال کئے، ایمان کے ساتھ نیک اعمال میں اخلاص مل جاتا ہے اور اخلاص کی مٹھاس اور چاشنی ان کو قبولیت عطا کرتی ہے پھر اس سارے عمل میں اپنے خالق کے ساتھ ان کا تعلق عجز و نیاز، انکساری و محبت کا رہتا ہے اور اس لذت کی وجہ سے وہ اطمینان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کے لئے دراصل یہ دنیا بھی جنت سے کم نہیں ہوتی لیکن اللہ کے انعام و اکرام کا یہ سلسلہ آخرت میں بھی ان کو جنت حقیقی میں سکونت دی جائے گی، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب پھر ان دو گروہوں کا تقابل کیا ہے اور اس کی مثال دنیا میں ہمارے سامنے جو واقعات ہو رہے ہیں ان کو پیش کیا ہے، ایک انسان آنکھوں سے اندھا ہے اور کانوں سے بہرہ ہے اگرچہ وہ چلتا ہے، کھاتا ہے، سوتا ہے لیکن اس کی زندگی دوسروں کی مرہون منت ہے۔ دنیا کی رنگینی، پھولوں کی بہار، رنگوں کے امتزاج اور انسانوں کے چہروں، حیوانوں و پرندوں کی صورتوں کو دیکھ نہیں سکتا اور اسی طرح وہ آواز بھی نہیں سن سکتا کوئی بلاتا ہے تو پتہ نہیں۔ ساز اور سر کی دلنشینی سے بالکل محروم ہے اس کا مقابلہ ایک ایسے انسان سے کیا جا سکتا ہے جو آنکھوں میں بصارت اور کانوں کی سماعت کی نعمت سے فائدہ اُٹھا رہا ہے جس طرح یہ دو انسان ہماری زندگی میں مختلف حالات کا شکار ہیں اسی طرح وہ انسان جو اللہ یا خالق کائنات کو نہیں مانتے، آخرت پر یقین نہیں رکھتے، نیک اعمال انسانی بھلائی جو اللہ کے احکام کا مقصد و حصہ ہے، کہ انسان دنیا میں اور آخرت میں کامیاب ہوں، ان کو نہ مانتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں۔ یہ دو گروہ یا طبقے برابر نہیں ہو سکتے، لہٰذا عقل و سمجھ کا تقاضا ہے، کہ

بہتر اور بصارت و سماعت والے گروہ کے ساتھ ہم رہیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں۔ یہ قرآن مجید کا انداز ہدایت ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ٘ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ﴿۲۵﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا، میں تمہیں علی اعلان ڈرانے والا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ﴿۲۶﴾

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تم پر دکھ دینے والے عذاب کا ڈر ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ﴿۲۷﴾

پھر اسکی قوم کے وہ سردار جو کافر تھے بولے ہم تجھے (اے نوح) بس اپنے ہی جیسا انسان دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بس انہی لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے جو معمولی سمجھ رکھتے ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ حقیر (بے حیثیت) ہیں اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں فضیلت ہو بلکہ ہم تمہیں (سب کو) جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴿۲۸﴾

نوح نے کہا: اے میری قوم یہ بتاو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (نبوت) عطا کی ہے، پھر وہ (اسکی حقیقت) تم سے چھپا دی گئی ہے، تو کیا ہم اس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

وَ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴿۲۹﴾

اور اے میری قوم اس (تبلیغ) پر تم کوئی مال (معاوضہ) نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ ہی پر ہے اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو

دھتکارنے والا نہیں ہوں بیشک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل (حقیقت سے ناواقف) ہو۔

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور اے میری قوم: اگر میں ان لوگوں (ایمان والوں) کو دھتکار دوں، تو کون مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچائے گا، کیا تم غور نہیں کرتے ہو۔

وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور میں تم سے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضہ میں اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں ان کے بارے میں بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی بھلائی کبھی نہیں عطا کرے گا، ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں اس کے بارے میں ایسی بات کہوں تو میں بھی ظالموں میں ہو جاؤں گا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَا لَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

انہوں نے کہا: اے نوح: تم ہم سے بحث کر چکے اور بہت بحث کر چکے، اب اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ عذاب جس کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

نوح نے کہا: کہ اسے (عذاب) کو تو اللہ ہی تمہارے پاس لے آئے گا اگر چاہے گا اور تم سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

وَ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ﴿۳۴﴾

اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ نے (تمہاری ضد کی وجہ سے)

گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ کہتے ہیں اس نے (کلام خدا) کو خود گڑھ لیا ہے اے نبی کہہ دیجئے کہ اگر میں نے خود گھڑا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہی ہے، اور جو جرم تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔

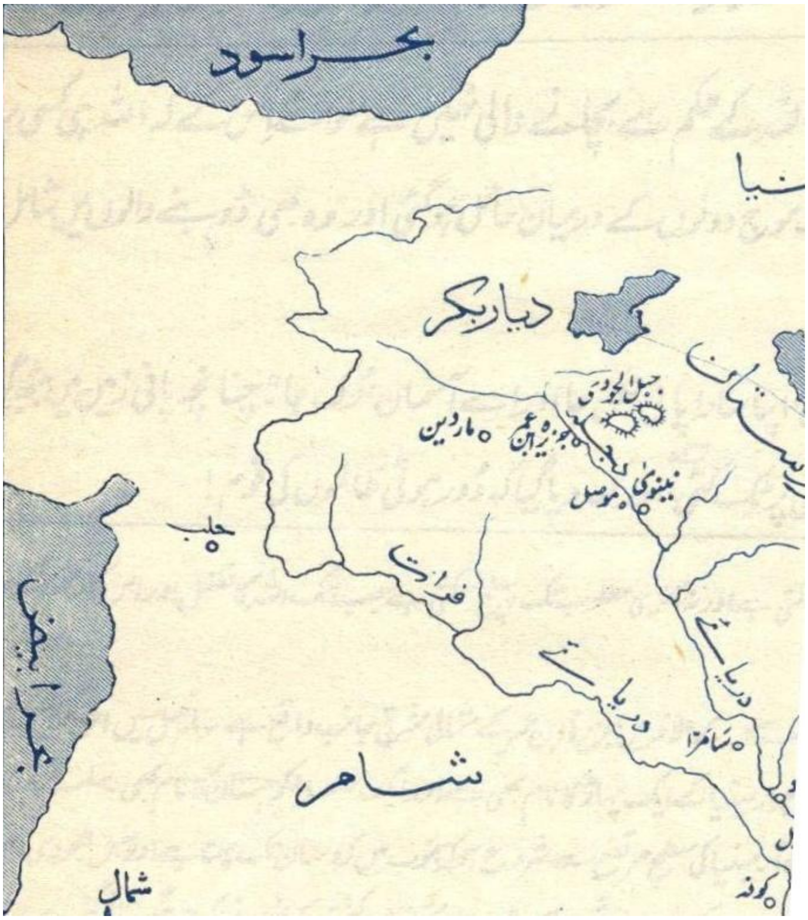

نقشہ قوم نوح کا علاقہ اور جبل جودی۔

آیات مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام نے بہت لمبی مدت تقریباً ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور اس معاشرے کو انسانوں کے رویے کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے توحید، اپنی

رسالت، آخرت، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ کے بارے لوگوں کو بتایا اور گمراہی سے نکالنے کے لئے تبلیغ کی۔ عموما جو لوگ سربراہ ہوتے ہیں وہ اس وقت کے نظام سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں کیونکہ عادلانہ نظام جو اللہ نے انسانوں کے لیے اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجا، اس میں انسانوں سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائیگا۔ ان سرداروں نے سخت مخالفت کی، کیونکہ مراعات یافتہ اور گمراہ طبقہ مخالفت کرتا ہے ان کے درج ذیل اعتراض تھے۔

۱۔ نبوت کے آپ مستحق نہیں ہیں کیونکہ آپ ایک عام آدمی ہیں کسی قبیلہ کے سردار نہیں۔

۲۔ اپ ہماری طرح انسان ہیں کوئی آپ کے ساتھ غیر معمولی قوت موجود نہیں مثلا فرشتہ یا جن۔

۳۔ آپ کی تعلیمات کا اثر صاحب ثروت پر نہیں بلکہ آپ کے ماننے والے غریب کمزور طبقہ ہے جس کی اہمیت ہمارے لئے نہیں۔

یہ ردعمل عام طور پر انسانی نفسیات کے مطابق ہے کہ عموما لوگ ظاہری اشیاء کو دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں مثلا لمبے اونچے، بھاری اور موٹے شخص، سے آدمی زیادہ جلد متاثر ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف چھوٹے قد کا کتنا ہی صاحب علم کیوں نہ ہو اس سے کم متاثر ہوتا ہے اسی لئے لوگ دولت اور طاقت سے زیادہ مرعوب ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں کوئی بھی تحریک جب شروع ہوتی ہے تو اسے قبول کرنے والے عام کمزور افراد ہوتے ہیں جب کہ طاقتور اور مراعات یافتہ طبقہ مخالفت کرتا ہے، یہی حالات حضرت موسی کی امت اور ہمارے نبی علیہ السلام کی امت میں پیش آئے، اس لیے اللہ تعالی نے اسے بیان فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے غلط افکار کا جواب بڑے خوبصورت انداز میں فرمایا:

۱۔ نبوت و رسالت اللہ تعالی کا انعام ہے جسے چاہے دے وہ معاشرے کے لوگوں کے اندازے پر نہیں ہوتی۔

۲۔ تکبر اور ضد بہت بری صفات ہیں اور انسان کو صحیح فیصلہ کرنے سے محروم کر دیتی ہیں۔

۳۔ نبوت میں انسانی حسن کردار بہت اہم ہے اور دنیا کے لیے دبدبہ یا طاقت مقصد

نہیں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں آپنی اس تبلیغ کے مقابل کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے کرتا ہوں مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔

۴۔ نبی کا مقصد لوگوں کی اصلاح، ان کی دنیا و آخرت میں بھلائی ہے، اس لیے وہ ان کو برے کام کرنے پر عذاب سے ڈراتا اور نیک کام کرنے کی تلقین کرتا ہے تا کہ اس کا انعام دنیا میں کامیابی کی صورت اور آخرت میں جنت میں مقام کی صورت میں لے سکیں۔

۵۔ مبلغ کا بہت بڑا سرمایہ اخلاص ہے اور اس کا معیار مالی فوائد سے انکار ہے، جو افراد دین کے معاملہ میں، دنیاوی فوائد حاصل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اخلاص کے مرتبہ سے محروم رہیں گے کیونکہ دنیا میں وہ اس کا فائدہ لے چکے ہیں۔

۶۔ حقوق واحترام میں انسانی مساوات بہت اہم ہے، معاشرے میں کمزور آج بھی عزت واحترام کے مستحق ہیں۔

عمومی طور پر کمزور لوگ تبدیلی کے لئے نکل پڑتے ہیں، تمام انبیاء کی تعلیمات میں کمزور طبقہ کے افراد کی اکثریت ہوتی ہے یہی حال حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کے دوران ہوا۔ ان کمزوروں سے حقارت کی وجہ سے سرداروں نے حضرت نوحؑ سے مطالبہ کیا کہ ان کو علیحدہ کیا جائے، کیوں کہ وہ ان کی شان کے مطابق نہیں، حضرت نوح نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں وہ اہم ہیں، کیونکہ ان کے پاس دولت نہیں لیکن اللہ کی رحمت نے انہیں گھیر رکھا ہے، اس لیے میں انہیں علیحدہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے بھی مساکین کی اللہ کے ہاں فضیلت کا ذکر فرمایا ہے اور خود کے لیے مسکینی کو پسند فرمایا۔ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان کی تبلیغ اور بحث و مباحثہ سے تنگ آچکے ہیں لہٰذا وہ جس عذاب کی دھمکی دیتے ہیں وہ لے آئیں، اپ نے جواب دیا جب اللہ کا حکم ہوگا تو عذاب آئے گا اور پھر ٹلے گا نہیں۔ اتنا طویل عرصہ تبلیغ کے بعد بھی وہ لوگ ضد کی وجہ سے انکار اور کفر پر ڈٹے رہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کی عقل اور سمجھ ختم کردی، ان کے لیے حق سے محرومی مقدر بن گئی۔ حضرت نوح کی دلی خواہش جو ان کی بھلائی کے لئے تھی، وہ بھی ختم ہوگئی۔ آپ نے کہا میری جس وحی کو گھڑی ہوئی بات کہتے ہو سراسر غلط ہے، اگر میں غلطی پر ہوں تو میرا جرم ہوگا اور اگر تم غلطی پر ہو تو تمہارا جرم ہوگا۔ اس آیت کا مصداق ہمارے آقا

نبی علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ مشرکین مکہ قرآن مجید کو بھی اسی طرح کہتے تھے۔

آیت مبارکہ تبلیغ کی جدوجہد اور اس میں جو مشکلات اور کسی معاشرہ میں تبدیلی کی تحریک میں افراد کی نفسیاتی ردعمل کی تفصیل بیان کر رہی ہیں جو آج بھی ہم دیکھتے ہیں۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴿۳۶﴾

اور نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا لہذا آپ ان کے اعمال پر غم نہ کریں۔

وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴿۳۷﴾

اور ہماری نظروں کے سامنے نے ہمارے ہدایت کے مطابق کشتی بناؤ اور لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم (انکار) کیا ہے بے شک یہ غرق ہو کر رہیں گے۔

وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴿۳۸﴾

چنانچہ وہ کشتی بنانے لگے اور جب بھی ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، نوح نے کہا اگر تم آج ہم پر ہنستے ہو تو کل بے شک ہم بھی تم پر ہنسیں گے (ایک دن) جس طرح تم ہنس رہے ہو۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴿۳۹﴾

عنقریب تمہیں پتا چل جائے گا کس پر وہ عذاب آرہا ہے جو اسے رسوا کر کے رکھ دے گا اور وہ قہر نازل ہونے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکے گا۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا اور تنور ابل پڑا تو ہم نے (نوح سے) کہا، اس (کشتی) میں ہر قسم (کے جانوروں) میں سے دو دو کے

جوڑے سوار کرلو اور اپنے گھروالوں کو بھی، سوائے ان کے جن کے بارے پہلے حکم ہو چکا ہے (کہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں ان کو بھی سوال کرلو اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۴۱)

اور نوح نے (ان سب) سے کہا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے، یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَ نَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (۴۲)

اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں پر چلی جاتی تھی اور انھوں نے اپنے بیٹے کو جو سب سے الگ تھا آواز دی کہ اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (۴۳)

وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑی کی طرف پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی طوفان سے بچالے گا، نوح نے کہا آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے سوائے اس کے جس پر وہ رحم فرمائے دے، اس کے بعد ان کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں شامل ہو گیا۔

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۴۴)

اور حکم ہوا زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! برسنے سے تھم جا چنانچہ پانی اتر گیا اور کام تمام کر دیا گیا (کافروں کی تباہی کا فیصلہ پورا ہو گیا) اور کشتی (نوح کی) جودی (پہاڑی) پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالم (انکار کرنے والے) لوگوں کے لئے (رحمت سے) دوری ہے۔

تفاسیر میں حضرت نوح کی طویل تبلیغ کا ذکر ہے آپ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور لوگ کفر اور جاہلیت پر اس قدر مصر تھے کہ بہت تھوڑے لوگ مسلمان ہوئے اور ان کی ضد، تکبر کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کو حق و صداقت سے محروم کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس طویل اور صبر آزما جد وجہد کے بعد ان کے لیے بد دعا کی اور اللہ تعالی نے اس قدر طویل مہلت دینے کے بعد ان پر عذاب کا حکم نازل فرمایا اور حضرت نوح کو خبردار کیا کہ آپ نجات کے لئے ایک کشتی بنائیں۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں اس کشتی نے مسلمان اور اس علاقہ میں رہنے والے جانداروں کو بچانا تھا, اس لئے اس کی بناوٹ، ڈیزائن، میٹریل اور اس کا طریقہ یقینا اس وقت کے لحاظ سے انوکھا تھا۔ انبیاء کرام اپنے علم و فہم اور لیڈرشپ کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے بہت بلند ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کی رہنمائی ان کو میسر ہوتی ہے، وہ سائنس اور حکمت کے لحاظ سے سب کے رہنما ہوتے ہیں۔ حضرت نوح نے لکڑی، لوہے (میخوں کے استعمال سے) اور درختوں کو توڑ کر تختوں سے کشتی بنائی تاکہ وہ مطلوبہ سہولت مہیا کر سکے۔ اس سے واضح ہے کہ آپ نے اس وقت کے جدید ذرائع اور تکنیک کو استعمال کیا اس میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی آپ کو بذریعہ الہام اور وحی میسر رہی، اس لئے لفظ ہماری آنکھوں کے سامنے، جس سے مراد نگرانی اور آپ سے محبت کا اظہار ہے۔ (الہام و وحی کے بارے سورہ بقرہ میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے)۔ اس کشتی کے بنانے میں کافی مدت لگی جس کا اندازہ اس کے حجم اور اس پر سامان سے لگایا جا سکتا ہے، یقینا چند سال ہوں گے ۔ مسلمانوں کو تو معلوم تھا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہے۔ لیکن کفار کے لیے ایک عجیب بات تھی۔ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ کہ نبوت کو چھوڑ کر لکڑی کا کام شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خشکی کے علاقہ میں کشتی کا بنانا ایک عجیب کام ہے کیونکہ کشتی ساحلی علاقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو اسی طرح تمہارا بھی مذاق اڑایا جائے گا۔ جب کشتی مکمل ہوگئی ، ادھر وقت سیلاب بھی آ گیا، اس کی علامت حضرت نوح کے لئے تنور کا ابلنا تھا۔ علمأ نے تنور کے بارے مختلف تشریحات کی ہیں۔ اس سے عام تنور سے پانی کا نکلنا، جس کے اندر آگ جلتی ہے یعنی عجیب و غریب کام کا واقع ہونا یا پانی کا چشمہ زور دار نکل پڑنا ہو سکتا ہے۔ کشتی اور تنور کے

بارے مختلف روایات ہیں جو تورات کی تشریح میں یہودی علماء سے کی گئی ہیں ان کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ طوفان نوح کا ذکر تورات بھی مختلف ابواب میں مختلف انداز سے آیا ہے۔ طوفان شروع ہوگیا اس کی تفصیل میں مختلف روایات ہیں۔ یقینا جس سیلاب نے اس سارے علاقے کو ڈبو دیا وہ کس قدر شدید ہوگا، اسکا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کتنے علاقہ پر آیا۔ اس کے بارے بھی مختلف روایات ہیں۔ کیا صرف وہی سارا ملک تھا یا ساری زمین۔ چونکہ حضرت نوحؑ کا زمانہ، حضرت موسیٰؑ کی نسبت، حضرت آدم کے قریب کا تھا، تو یہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مشرق وسطی کا علاقہ تھا (بحوالہ نقشہ) جو زیر آب آیا۔ تمام حیوانات اور انسان جو اس علاقہ میں بستے تھے، وہ ختم ہو گئے، یہی زیادہ قابل یقین لگتا ہے (روح المعانی)۔ قرآن مجید و احادیث نے اس کی واضح حد بندی بیان نہیں کی۔ زمین نے پانی جذب نہیں کیا اور آسمان سے لگاتار بارشوں نے سیلاب پیدا کر دیا، تیز اندھی کی وجہ سے موجیں پہاڑ کی طرح بلند تھیں اور درخت ،مکانات ،ٹیلے اور پہاڑیاں سب غائب ہوگیں اور تمام کفار جو یقین نہیں کرتے تھے ختم ہوگئے اس میں وہ افراد جو حضرت نوحؑ کے خاندان سے تھے مگر درپردہ کفار کے ساتھ تھے کے وہ بھی چونکہ کشتی میں سوار نہیں ہوئے اس لیے غرق ہوگئے۔ یہ کشتی یا بیڑا، اس قدر مضبوط اور وسیع تھا کہ اس سونامی یا طوفان کی سیلابی موجوں میں ہچکولے کھاتا انسانوں اور حیوانوں کو اٹھا کر محفوظ رہا۔

کتنی مدت یہ طوفان رہا، اس میں بھی مختلف روایات ہیں، جس قدر تباہی بتائی گئی ہے اس سے واضح ہے اسکی کہ مدت کئی دنوں پر محیط ہوگی۔ کشتی میں اسقدر جانور تھے اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں جو قبل از اسلام سے منقول ہیں، لہذا ان کی صحت کا یقین نہیں، لیکن جس قدر بھی اس علاقہ کے جانور تھے۔ اللہ تعالی نے ان کی نسل کو بچانا مقصود تھا اس لیے حکم ہوا کہ ہر ایک کا جوڑا جوڑا (نر و مادہ) سوار کیے جائیں تاکہ آگے نسل چل سکے۔ انسان اور جانوروں کی تعداد کتنی تھی اس کے بارے میں روایات قبل از اسلام ہیں ،لہذا انکی تفصیل، تصدیق یا تردید پر بحث کرنا فائدہ مند نہیں۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا، اگرچہ درپردہ کفار کے ساتھ تھا اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملا۔ دوسری طرف وہ کفار کے ساتھ نہیں تھا کیوں کہ اسکا ذکر علیحدہ ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی کہ وہ شامل

ہو جائے لیکن اس نے آپؑ پر بھروسہ کرنے کے بجائے کسی اونچی پہاڑی پر پناہ لینے کا ارادہ کیا ہوا تھا اسی دوران ایک موج آئی، اسے بہا کر لے گئی اور وہ اپنے انجام کو پہنچا۔ سوار ہوتے وقت جو دعا اللہ تعالی نے بذریعہ وحی حضرت نوحؑ اور مومنین کو بتائی بہت اہم ہے۔

۱۔ اس میں سوار ہوتے وقت اپنے اللہ پر یقین رکھو۔

۲۔ اس کے نام کے ساتھ کسی بھی عمل کی ابتدا کرو تاکہ اس کا ذکر، خوف، محبت، احکام، تمہارے سارے عمل میں تمہارے ساتھ رہیں۔

۳۔ ہر کام کی ابتداء و انتہاء اس کے نام سے کرو تاکہ اس کی رحمت تمہارے ساتھ رہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

۴۔ اگر یہ اعمال کیے گئے تو وہ ذات بہت غفور اور رحیم (بخشنے والی اور مہربان) ہے۔

جب اس یقین کے ساتھ تمام مومنین کشتی میں سوار ہوئے تو اس طوفان جس سے ہر ذی روح خوفزدہ تھا وہ اس میں مطمئن رہے، جو اس میں سوار تھے اس کے دوران خوفناک مراحل میں محفوظ رہے۔ جب تمام کفار غرق ہو گئے تو اللہ تعالی نے بارش اور ہوا کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ زمین کی وادیوں سے پانی نکل گیا۔ آسمان سے بادل چھٹ گئے اور یہ بیڑا یا کشتی جودی پہاڑی کے ساتھ ٹھہر گئی اور اللہ کا عذاب کا وعدہ پورا ہوا۔ تمام انکار کرنے والے (کافر) و ظالم انسانی نسل اس علاقہ سے ختم ہو گئی تھی سوائے جو کشتی میں سوار تھے۔

وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴿۴۵﴾

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے: بے شک میرا بیٹا، میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴿۴۶﴾

اللہ نے فرمایا: اے نوح، بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں (کیونکہ) اس کے اعمال بے شک اچھے نہیں، لہذا تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کی تجھ کو خبر نہیں، بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو بے خبر لوگوں میں شامل نہ ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝۴۷

نوح نے کہا میرے رب: میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز جمع مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝۴۸

فرمایا گیا کہ: اے نوح اب (کشتی، جہاز سے) اتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر جو تمہارے لیے بھی ہیں اور تمہارے ساتھ جتنی قومیں ہیں ان کے لئے بھی اور (آئندہ) کچھ قومیں ایسی ہیں جن کو ہم (دنیا میں) لطف اندوز کریں گے اور پھر ان کو دردناک عذاب ہماری طرف سے سے آپکڑے گا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ۠۝۴۹

اے نبی: یہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں، یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے نہ تمہاری قوم پس اپ صبر کریں بے شک (نیک) انجام پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

اللہ تعالی نے تمام مسلمان اور حضرت نوحؑ کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا تھا تاکہ عذاب الہی سے بچ جائیں، آپ کا فرزند آپ کے بلانے کے باوجود چونکہ دل سے مسلمان نہیں تھا سوار نہ ہوا اور غرق ہو گیا، آپ نے اللہ تعالی سے شفقت پدری کی بنا پر اس کے غرق ہونے سے بچنے کی تمنا کی۔ اللہ تعالی کا جواب تمام انسانوں کے لئے لیے مشعل راہ ہے جو انسانیت اور حق کے لیے زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس سے چند اصول واضح ہوتے ہیں

۱۔ اللہ کے نزدیک نجاعت حق پر چلنے اور اچھے کردار میں ہے.

۲۔ کسی کی اولاد ہونا باعث شرف نہیں اگر اس شخص کے اعمال صحیح نہیں اور نیک شخص کی اولاد ہے تو اس صورت میں برے اعمال باعث شرم ہیں. ایک حدیث مبارکہ

اس اصول کی وضاحت کرتی ہے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا، اے لوگو: اللہ تعالی نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی ہے اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے، لوگوں کی دو قسمیں ہیں. ایک مومن، متقی، کریم اور فاجر، درشت خو اور ذلیل، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالی نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (شعب الایمان)

۳۔ اللہ تعالی سے ہمیشہ عاجزی اور انکاری میں ہی کامیابی اور فضل ہے۔ اس کی حکمتوں پر یقین ضروری ہے

۴۔ نبوت اور علم کی وراثت عمل سے ہے نسل سے نہیں، اسی لیے حدیث مبارک ہے کہ علمائے حق انبیاء کے وارث ہیں.

حضرت نوح علیہ السلام کے استغفار پر اللہ تعالی نے اپنا انعام فرماتے ہوئے زمین پر قیام کا حکم دیا، جہاں جہاز یا کشتی رکی وہ جودی کی پہاڑی تھی اس کے بارے کہاں واقع ہے ؟ اختلاف ہیں لیکن اکثر کا قول ہے کہ یہ عراق کی حدود ترکی کے ساتھ ہے جودی کردستان کے علاقہ میں جزائر ابن عمر کے شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔ بائبل میں اس کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ ،اراراط، بتائی گئی ہے جو ارمینیہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور ایک سلسلہ کوہستان کا نام بھی ہے، سلسلہ کوہستان کے معنی میں جس کو اراراط کہتے ہیں وہ آرمینیہ کی سطح مرتفع سے شروع کر جنوب میں کردستان تک چلتا ہے اور جبل جودی اسی سلسلے کا پہاڑ ہے جو آج بھی جودی کے نام سے مشہور ہے (تفہیم القرآن)۔

دنیا کی زندگی اور اس کے انعام:۔

اللہ تعالی نے اس طوفان سے جو مسلمان بچ گئے تھے ان پر اپنا فضل فرمایا، سلامتی اور برکتیں عطا کیں، دنیا میں ان کی نسل پھیلی ساتھ ہی ایک اور اہم اعلان فرمایا، کہ ہم ان لوگوں کو جو دنیا میں رہیں گے اور نسلِ انسانی بڑھائیں گے ان کو عزت اور انعام عطا فرمائیں گے اور یہ انعام اور عزت، زندگی میں ترقی و آرام، ان کے لئے اللہ کے احکام پر عمل، معاشرے میں عدل، انسانیت پرستی، ظلم و زیادتی کو روکنے پر ہو گا اور اسی طرح جو لوگ اللہ کے احکام سے انکار کریں گے عدل اور انسانیت کا خیال نہیں رکھیں گے ظلم کو روا رکھیں گے اللہ تعالی انہیں اس دنیا میں عذاب اور زوال سے دوچار کر

دیں گے۔ دنیا میں ترقی وہی اقوام کرتی ہیں جو ان اصولوں پر کام کرتی ہیں اور جب یہ اصول ان سے چھوٹ جاتے ہیں توزوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

حضرت نوحؑ کا واقعہ نبی علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ وہ خبر ہے جس کی آپ کو اور قریش مکہ کو علم نہیں تھا اور اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تبلیغ میں کس قدر مشکل پیش آتی ہیں اور انکار کرنے والوں کا آخری انجام کتنا خوفناک ہوتا ہے۔ چونکہ مسلمان اس وقت بڑے تکلیف دہ اور صبر آزما حالات سے گزر رہے تھے ،اس لیے صبر کی تلقین کی اور یہ خوشخبری بھی دی کہ انجام کار میں کامیابی اللہ سے ڈرنے اور برائیوں سے بچنے والوں کی ہے۔ اور یہ اصول رہتی دنیا تک رہے گا۔ حضرت نوح کے بعد حضرت ھود کا واقعہ ہے، جس کے نام پر یہ سورت ہے۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (۵۰)

اور قوم عاد کے پاس ہم نے ان کے بھائی ھود کو بھیجا انھوں نے کہا، اے میری قوم: اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تم محض جھوٹ گھڑنے والے ہو۔

یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۵۱)

اے میری قوم: میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے پیدا کیا، کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ (۵۲)

اے میری قوم :اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو ، اس کی طرف توبہ کرو تم پر خوب برسنے والا بادل بھیجے گا، تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور مجرم بن کر (حق سے) نہ منہ موڑو۔

حضرت ھود کا قصہ بیان فرمایا۔ آپ کی قوم کا نام عاد تھا جو اپنے کسی دادا یا اجداد کے نام پر موسوم تھی ان کا وطن حضر موت اور یمن کے درمیان کا علاقہ تھا، سورہ

اعراف میں آپ کا ذکر آچکا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی کیونکہ وہ بت پرستی، مختلف توہمات اور سماجی برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے رسم و رواج محض توہمات پر تھے جن کو جھوٹ گھڑے ہوئے کہا گیا ہے، پھر آپ نے جو اخلاص کا معیار بتایا، کہ اس خدمت، دعوت حق پر میرا کوئی معاوضہ نہیں کیونکہ میرا اجر تو میرا پیدا کرنے والے پر ہے۔ یہ میری خدمت محض تمہاری بھلائی اور میرے خالق کی تابعداری بنا پر ہے۔ انسان کا پیدا ہونا، اس کی موت، اس کے بس میں نہیں، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کوئی اور طاقت اسے کنٹرول کر رہی ہے اور وہ خالق مالک ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا جو غلطی ہو چکی اس پر صدق دل سے توبہ کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ اللہ تعالی اس کا بدلہ، دنیا میں معاشی و سماجی ترقی میں دیتا ہے۔ جس کی مثال آپ نے بادلوں کا برسنا فرمایا ۔کیونکہ اس وقت زراعت ہی ذریعہ معاش تھا جو بارشوں پر مکمل انحصار کرتا تھا۔ ساتھ قوت میں اضافہ کی بھی خوشخبری دی، کہ معاشی قوت ، سماجی قوت بڑھے گی اور اقوام میں تم بلند ہوگے۔ یہ اللہ تعالی کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے کہ جو قومیں اللہ کے پسندیدہ اصول (عدل۔ احترام انسانیت، انسانی ہمدردی اور حقوق) پر عمل کرتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں اور دنیا میں بلند مقام ان مل جاتا ہے، اگر اللہ کی ذات سے انکاری ہوں تو دنیا کی ترقی رہتی ہے لیکن انسانی اعمال و خیالات جو شیطان سے آتے ہیں ان کی وجہ سے آہستہ آہستہ فساد شروع ہوجاتا ہے اور پھر یہ اصول معاشرے میں کمزور پڑجاتے ہیں اور بالآخر معاشرہ یا قوم کمزور اور ختم ہوجاتی ہے۔ یہی کیفیت ہے جس کا ذکر فرمایا کہ وہ مجرم بن کر حق سے منہ نہ موڑو۔

دعوت حق اور معاوضہ:۔

تمام انبیاء نے ہر قسم کے حالات میں دین کی خدمت بلا معاوضہ کی اور اس کا اعلان بھی کیا گیا، جو علمائے دین ہیں اور وارث انبیاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر وہ معاوضہ لے رہے ہیں، تو وہ اس اصول سے انحراف کر گئے ہیں جس کا ذکر ہر نبی نے کیا ہے۔ ان کو معاوضہ اس دنیا میں مل جاتا ہے اور اخلاص کم ہوجاتا ہے، لیکن آخرت میں تہی داماں رہیں گے۔ ہمارے نبی کریم کا یہ کردار تھا کہ جو مالی حق انہیں ریاست یا

شریعت نے دیا تھا وہ بھی صدقہ ہو جاتا اور گھر میں کئی دن فاقے رہتے۔

سلام اس پر کی جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا سلام اس پر جس کا بوریا، بستر بچھونا تھا

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۵۳﴾

انہوں نے کہا اے ہود: تو ہمارے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں لایا، اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبود چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان لانے والے بھی نہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴿۵۴﴾

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے خرابی میں مبتلا کر دیا، اس (ہود) نے کہا ہاں بے شک اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو، بیشک میں ان سے جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو بری ہوں۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴿۵۵﴾

اللہ کے سوا، تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴿۵۶﴾

بے شک میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہیں جس کی پیشانی سے اس نے پکڑا ہوا نہ ہو، یقینا میرا رب سیدھے راستے پر (ملتا) ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ﴿۵۷﴾

پھر بھی اگر تم منہ موڑتے ہو تو جو پیغام مجھے دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا ہے میں نے پہنچا دیا ہے، اور (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو یہاں آباد کر دے گا اور تم

اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ کے مقابل انہوں نے انکار کیا اور علی اعلان کہا کہ ہم اپنے معبودوں (جو انہوں نے مختلف صورتوں میں بت بنا رکھے تھے اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رحمت کا ذریعہ سمجھتے تھے) کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم کوئی معجزہ (دلیل) نہیں لائے، بلکہ انہوں نے حضرت ھودؑ کو کہا کہ لگتا ہے ہمارے معبودوں نے آپ پر کوئی جن یا دماغی خلل پیدا کر دیا کہ آپ ان کے مخالف ہیں۔ جب انہوں نے اپنی ضد اور تکبر کو نہ چھوڑا تو آپ نے فرمایا کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، تم سارے جو چاہتے ہو میرے خلاف کر لو، دنیا میں رہنے والا ہر جانور جو زمین پر چلتا یا رینگتا ہے اسے میرا اللہ اسکی پیشانی سے پکڑتا ہے، یعنی اس کا مکمل کنٹرول اس کے پاس ہے اور میرے رب کا راستہ سیدھا اور اسکے فیصلے حق ہیں۔ پیشانی سے پکڑ کر مجرموں کو دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ میڈیکل سائنس میں انسانی سر پیشانی والا حصہ دماغ کا وہ حصہ ہے جہاں غصے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، غصہ انسان کو جرم کی طرف لے جاتا ہے اس لیے اسی جگہ سے پکڑ کر مجرموں کو کھینچا جائے گا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہاں اللہ سزا دینے والا ہے وہی حفاظت بھی کرنے والا ہے۔ (یہ ایت ۵۶ ناگہانی خطرہ کے لئے مفید ہے) آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ میں نے پیغام پہنچا کر اپنا فرض پورا کر دیا ہے، تمہاری نافرمانی کے نتیجے میں تم پر عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں کوئی اور قوم آباد کر دیں گے اور تم تباہ ہو جاؤ گے عذاب کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا عذاب آگیا، ہم نے ھود اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم ان کو سخت عذاب سے بچا لیا۔

وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

اور اس قوم عاد نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کا

حکم نہ مانا اور ہر جابر اور حق کا جو دشمن تھا کا حکم مانا۔

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۠ (۶۰)

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی اور قیامت کے دن بھی، یاد رکھو کہ قوم عاد نے اپنے اللہ (رب) کا کفر کیا، سنو ھود کی قوم عاد کی بربادی ہوئی۔

پچھلی آیت کا تسلسل ہے کہ جب نافرمانی کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ عاد قوم طاقت ور تھی وہ طاقتور سرداروں کے سامنے کمزور پڑ جاتے اور ان کے حکم ماننے اور اس کے مقابل، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا انکار کرتے۔ انسان بظاہر جو بھی طاقتور چیز ہو اس سے خوف کھاتا ہے، ان اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر اندھی یا ہوا کا طوفان بھیجا، اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے، کئی روز تک شدید آندھی چلتی رہی اور وہ اس کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت ھودؑ کے ساتھ ان کے مسلمان ساتھی، جن کی تعداد مختلف تفاسیر میں مختلف ہے، کیونکہ یہ واقعہ قبل از اسلام ہے۔ قرآن مجید نے واضح ذکر نہیں فرمایا، اس لئے مفسرین نے تورات وانجیل سے ماخوذ تفصیلات کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں اور ان کے رہنما حضرت ھود کو محفوظ رکھا۔ ہوا نے انسانوں کے نظام تنفس کو ختم کر دیا یا چونکہ وہ طویل القامت اور عظیم الجثہ تھے تیز ہوا سے گر کر ختم ہو گئے۔ ان کے گھر تباہ ہو گئے۔ مسلمان اس طوفان سے پہلے پہلے نکل گئے تھے یا ایسی جگہ حاصل کر لی کہ وہ اس کی تباہی سے بچ گئے۔ اس عذاب کے بعد ان پر لعنت یوں مسلط ہوئی کہ ان کا ذکر بطور نافرمان قوم تاریخ میں رقم ہو گیا اور قیامت میں بھی عذاب ہو گا، یہ واقعات قریش مکہ کے لیے بطور عبرت بیان فرمائے گئے۔ حضرت ھود کے بعد حضرت صالح کا ذکر فرمایا۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (۶۱)

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی کو صالح کو بطور پیغمبر بھیجا، اس نے کہا کی میری قوم: اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا

تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کیا لہٰذا اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو، بیشک میرا رب قریب بھی ہے اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴿۶۲﴾

انہوں نے کہا: اے صالح، یقیناً اس (دعوت توحید) سے پہلے تم سے بڑی امیدیں تھیں۔ کیا تم ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو جن (بتوں) کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں، جس کی طرف تم بلاتے ہو اس کے بارے ہم ایسے شک میں ہیں، جو اضطراب ڈالنے والا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ﴿۶۳﴾

صالح نے کہا: اے میری قوم ذرا مجھے یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی روشن ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے، اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہے، پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں کروں تو اللہ (کی پکڑ) سے کون ہے جو مجھے بچا لے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو (فرائض سے روک کر)۔

حضرت صالح جو قوم ثمود میں سے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق کو کردار کے لیئے قوم میں محترم مقام رکھتے تھے. یہ قوم مدینہ اور تبوک کے درمیان مدائن صالح ہجر میں رہائش پذیر تھی۔ انبیائے کرام کو ان کی ہدایت و رہنمائی کے فریضہ کے سبب کبھی بھائی اور کبھی ان میں سے (منھم) کے القاب دیے ہیں جو قوم کے حق میں، ان کی خیر خواہی کو ظاہر کرتے ہیں یہ قوم بھی شرک میں مبتلا تھی، حضرت صالح نے ان کو اللہ کی قدرت و طاقت کی نشانیاں سمجھائیں کہ اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ ہر آدمی اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا۔ زمین میں انسان کو آباد کیا یا زندگی گزارنے کی تمام ضرورتیں مہیا کیں تاکہ زندگی گزار سکے۔ عقل و سمجھ، مواد غذا، زراعت، مکانات، اولاد سب دیئے، اس لئے ان

انعامات کے بدلے اسکی عبادت کی جائے اور اس سے پچھلی مدت میں اس کی معبودیت سے انکار یا عبادت میں شرک کیا گیا ہے اس کی معافی مانگی جائے۔ وہ اتنی قوت کے باوجود انسانوں کے بہت قریب ہے، یعنی ان سے محبت کرتا اور ان کی توبہ اور دعائیں قبول کرتا ہے۔

قوم ثمود کو بار بار تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ کہا کہ ہم آپ کا احترام کرتے ہیں اور آپ ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کے خلاف کرنے کو کہہ رہے ہیں، جو ہمارے لئے لیے انتہائی پریشان کن ہے۔ عمومی انسانی نفسیات کا ذکر ہے۔ عام انسان تبدیلی سے ہچکچاتے ہیں البتہ اصحاب عقل و سمجھ تبدیلی کے فوائد کی بنا پر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت صالح نے ان کو بتلایا کہ میں اللہ کی طرف سے اس کی خاص رحمت کے سبب اس کا بھیجا ہوا نبی ہوں، اور مجھے اپنی قدرت دکھائی ہے تاکہ تمہیں ہدایت کا راستہ بتاؤں۔ اگر تم مجھے اس تبلیغ سے روکتے ہو، تو اس کی نافرمانی کی صورت میں، مجھے اس سے کوئی بچانے والا نہیں اور اس طرح تم میرا بڑا نقصان کرو گے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ بھی نافرمانی کر کے اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

وَ یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ﴿۶۴﴾

اور میری قوم: یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے لہذا اس کو ازاد چھوڑ دو، یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عنقریب آنے والا عذاب آ پکڑے۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ﴿۶۵﴾

پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (مار دیا) تو صالح نے کہا: تم اپنے گھروں میں تین دن مزے کر لو (اس کے بعد عذاب آئے گا) یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں بولا گیا (بالکل سچا ہے)۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْیِ یَوْمِىٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ﴿۶۶﴾

پھر جب ہمارا حکم عذاب کا آگیا تو ہم نے صالح اور ان کے

ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی خاص رحمت کے ذریعے نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا، بے شک آپ کا رب بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔

وَ اَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا (انکار احکام کا) ان کو ایک زبردست چنگھاڑ نے آ پکڑا، جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (مر گئے)۔

كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

جیسے وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے، یاد رکھو کہ ثمود نے اپنے رب کے احکام کا انکار کیا، یاد رکھو کہ بربادی ثمود کی ہی ہوئی۔

قوم ثمود اور حضرت صالح کا ذکر دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے انکی قوم نے ایک معجزہ کا مطالبہ کیا، کہ اونٹنی چٹان سے باہر نکل آئے اور حاملہ بھی ہو۔ آپ نے وہ کر دکھایا اور پھر اسکی اہمیت بھی بتادی۔ یہ اونٹنی، اللہ کی ایک نشانی ہے۔ اس کو چرنے اور گھومنے سے کہیں بھی روکا نہ جائے۔ اس کے بارے مختلف روایات کتب میں تحریر ہیں۔ جن کی تصدیق قرآن وحدیث سے صحیح طور پر نہیں، اس لیے اس کا ذکر اہم نہیں۔ مقصد نافرمانی کا انجام بتانا ہے۔ قوم ثمود کے لوگ سرکش اور اپنی معاشی ترقی کی وجہ سے متکبر تھے۔ مختلف بہانوں سے حضرت صالح کو تنگ کرتے تھے اور بالآخر اس اونٹنی کی پنچوں کو کاٹ ڈالا تا کہ چل نہ سکے۔ یہ اللہ کی نشانی کی انتہائی بے حرمتی اور نبی علیہ السلام کے احکام کی انتہائی خلاف ورزی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اس ظلم کی خلاف ورزی کا علم ہوا تو اپنے عذاب کے بارے ان کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تین دن کی مہلت ہے اسکے بعد عذاب نازل ہوگا۔ عذاب امر الٰہیٰ تھا اس لئے حضرت صالحؑ اور دوسرے مسلمان وہاں سے نکل گئے تا کہ بچ جائیں اور قوم صالح عذاب کا شکار ہو گئی۔ عذاب ایک سخت چنگھاڑ (چیخ یا دھماکا) کی صورت میں نازل ہوا۔ اسکی ایک صورت یہ ہے کہ جب اواز تیز ہو جاتی ہے جنہیں ہم سپر سانک یا الٹرا سانک کہتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ حرارت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فوری تبدیلی سے شدید

دھماکا اور ساتھ شدید حرارت بھی پیدا ہوتی ہے۔ ایک طریقہ کار سونولیسیس sonolysis ہے جس میں شاک ویو پیدا کر کے کوئیو ٹیشن (covitation) کے ذریعے بانڈ (رابطہ) کو توڑا جاتا ہے اور اس طرح درجہ حرارت دس ہزار ڈگری فارن ہائیٹ سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ تباہی کے لئے کافی ہے۔ یہ تحقیق (The distructive power of sound waves) آواز کی لہروں کی تباہی کی قوت، کے عنوان سے ارزونا یونیورسٹی کے college of material science and Eng میں کی گئی ہے۔ یہ مصنوعی اسباب اب انسان کے پیدا کردہ ہیں لیکن نظام قدرت میں اللہ تعالیٰ، مطلوبہ اسباب پیدا کر دیتے ہیں اور مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ انسانی تحقیقات ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔ اس کے بعد قوم ثمود کی تباہی اسطرح ہوئی کہ ان کے نشان بھی مٹ اور درس عبرت بن گئے۔ اللہ کی رحمت سے اپنی نافرمانی کی وجہ سے محروم اور عذاب کے مستحق ہوئے۔

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾

اور تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے، انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو، ابراہیم نے کہا (تم پر بھی) سلام ہو پھر دیر کیے بغیر وہ (ابراہیم مہمانی کے لئے) ایک بھُنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾

پھر جب اس (ابراہیم) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (بھنے ہوئے بچھڑے) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں کھٹکا لگا اور ان کی طرف دل میں خوف محسوس کیا، فرشتوں نے کہا (ہم سے) ڈریے نہیں ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں ہنس پڑیں پھر ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب (پوتے) کی خوشخبری دی۔

قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾

وہ کہنے لگی: ہائے ہائے؛ کیا میں اب (اس حالت) میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴿۷۳﴾

انہوں (فرشتوں) نے کہا، تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تمہارے گھر آنہ (اہل بیت) پر ہیں، بے شک وہ بڑا قابل تعریف اور نہایت شان والا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍؕ﴿۷۴﴾

اور جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوئی اور ان کو خوشخبری مل گئی تو انہوں نے ہم سے لوط کے بارے میں بحث مباحثہ شروع کر دیا۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ﴿۷۵﴾

بے شک ابراہیم بہت بردبار بہت آہ و زاری کرنے والے اور (ہماری طرف) رجوع کرنے والا تھا۔

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ﴿۷۶﴾

(ہم نے کہا) اے ابراہیم: اس بات کو جانے دو، یقین کر لو تمہارے رب کا حکم آچکا ہے اور بے شک لوگوں پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو کوئی پیچھے نہیں لوٹا سکتا۔

حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے رشتہ دار تھے (عم زاد) حضرت ابراہیمؑ فلسطین کے علاقہ میں اور حضرت لوط علیہ السلام شام کے علاقہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ کی قوم انتہائی فحش گناہ میں مبتلا تھی۔ بلکہ فخر یہ طریقہ سے کرتی تھی اور وہ مرد کا مرد سے جنسی شہوت کی تسکین تھی، جو ایک غیر فطری طریقہ ہے۔ اس کے بارے سورہ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ قوم تبلیغ کے باوجود، اپنے گناہوں پر مصر تھی اور اللہ تعالی نے انکی تباہی کا حکم فرمایا۔ یہ فرشتے احکام کی تعمیل کے لئے حضرت لوط کے علاقہ کی طرف جا رہے تھے۔

راستے میں حضرت ابراہیم کو خوشخبری دینے کی غرض سے رکے۔ حضرت ابراہیم بہت مہمان نواز تھے ۔ آپ کی مہمان نوازی کافی واقعات ہیں۔ یہ فرشتے انسانی شکل و صورت میں تھے، اس لیے حضرت ابراہیم کھانے کے لیے بچھڑا لے آئے تا کہ مہمان کی تواضع اچھی طرح سے کی جائے۔ فرشتوں نے آتے وقت سلام کیا۔ فرشتوں کی تعداد اور ان کے ناموں کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ کھانے کی طرف مہمان نہیں بڑھ رہے، کیونکہ یہ مہمان داری اور میزبانی کے احترام کے خلاف تھا، اس لئے آپ کو پریشانی ہوئی۔ پریشانی کے آثار آپ کے چہرے پر ظاہر ہوئے ، تو فرشتوں نے عرض کی، کہ وہ تو اللہ کا حکم لے کر قوم لوط کو انکے برے اعمال کے سبب تباہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں ۔ حضرت ابراہیم ایک طرف اللہ کے عذاب کی خبر سن کر کہ اللہ تعالی اس قوم سے، اس کے اعمال بد کی وجہ سے ناراض ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ مخلوق اپنے خالق کے پیغام کو ماننے اور لوگ توبہ کریں اور توبہ کرنے کے لیے عذاب کو مؤخر کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ اللہ کا حکم یہ ٹلنے والا نہیں اور حضرت لوط اور مومنین محفوظ ہوں گے۔ آپ سمجھ گئے کہ قوم کی اصلاح ممکن نہیں تھی اس لئے عذاب کا حکم ہوا ہے۔ آپ (ابراہیمؑ) اللہ کی رضا و خوشنودی کی طلب اور اللہ کے خوف رکھتے تھے۔ انسانوں کے عذاب کا دکھ اور اس سے بچنے اور بچانے کی خواہش کی وجہ سے آپ کو بردبار اور رحمدل کے لقب سے نوازا گیا ہے۔

ساتھ ہی فرشتوں نے آپ کو اولاد نرینہ کی خبر دی اور یہ بھی عرض کی اس کے بعد بھی اولاد (پوتا) ہوگا۔ حضرت سارہ جو قریب سے سن رہی تھیں اس خبر پر انکو حیرانگی ہوئی اور خوشی بھی۔ حیرانگی کی وجہ اتنی بڑی عمر (بڑھاپے) میں اولاد کا پیدا ہونا معمول کے خلاف تھا۔ دوسری طرف ہمیشہ دل میں یہ خواہش مچلتی تھی اور آج اللہ کے فضل سے پوری ہو رہی تھی۔ اسی کیفیت میں آپ نے اسے ایک عجیب بات سمجھا، اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا، ہاں یہ اللہ کی قدرت میں بہت معمولی ہے اور اس کی آپ کے گھرانہ پر رحمت کی نظر ہے ۔اس سے پہلے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تھے جن کو آپ مکہ چھوڑ آئے تھے۔

چند امور اس واقعہ میں قابل اہم ہیں:۔

ا۔ اللہ تعالی، آگاہی و اطلاع کے لئے انسانی شکل کے طریقہ کو پسند کرتے ہیں، اس لئے فرشتوں کو انسانی شکل میں بھیجا اور انبیاء کو بھی انسانوں کے اندر سے منتخب فرمایا،

۲۔ مہمان داری اور ضیافت ایک انسانی اخلاق کا اچھا طریقہ ہے اس لئے اسلام میں اس کی بہت اہمیت اور درجہ ہے. متعدد احادیث اس بارے میں آئی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس کے لیے ضروری ہے کہ آنپے مہمان کی عزت کرے۔ مہمانداری تین دن تک ہے، پہلے دن خصوصی اہتمام اور باقی دو دن عام طریقے پر۔ تین دن کے بعد مہمان کو رخصت ہوجانا چاہیے، اس کا مہمان داری کا حق ختم ہوجاتا ہے۔

۳۔ بردباری اور رحمدلی، لوگوں کا غم اور دکھ محسوس کرنا، اپنی خطاؤں پر مغفرت بہت اہم امور ہیں، جن سے درجات بہت بلند ہوتے ہیں۔

ملاقات پر سلامتی اور نیک خواہشات کا اظہار انبیاء کی سنت ، اسلام میں سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے اور سلام علیکم کے الفاظ، تم پر سلامتی ہو، کے الفاظ بہت خوبصورت ہیں، کسی بھی شخص سے خصوصا، اجنبی کیلئے ایک اچھا پیغام بہت خوش آئند ہوتا ہے۔ نفسیاتی طور پر پر ان دو انسانوں کو ایک دوسرے کو نہ جاننے کی وجہ سے ایک ہچکاہٹ اور غیر یقینی کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دور ہوجاتی ہے اور ایک تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ سلام کے آداب میں بھی یہ مقصد شامل ہے کہ جو شخص کس ایک قوی حالت میں ہے کمزور حالت والے کو سلام میں پہل کرے مثلا سوار سوار پیدل کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، باہر سے آنے والا جو پہلے بیٹھے ہیں ان کو سلام کرے، چھوٹا بڑے کو۔ حضور علیہ السلام خواتین کو، ہاتھ کے اشاروں سے سلام فرماتے تھے،

لیکن نوجوان اور غیر محرم خواتین سے جنسی فتنہ کے خوف سے مصافحہ یا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرنہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص کسی اہم کام میں مصروف ہے تو اسے سلام نہ کیا جائے تاکہ اس کے کام میں حرج نہ ہو مثلا درس و تدریس، نصیحت، تقریر، عبادت، تلاوت قرآن پاک یا جب کوئی کھانا کھا رہا ہو۔ اسی طرح جو شخص برہنہ حالت میں یا نشہ کی حالت میں یا مجنون ہو یا اونگھ رہا ہو، ان حالتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اور جواب دینا واجب نہیں ہے۔ غیر مسلم کو بھی سلام یا مکرا

کر بات کرنا بہتر ہے اور ان کے سلام کا جواب بھی دینا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کو بسا اوقات یہودی السلام و علیکم کے بجائے سام علیکم کہتے۔ اس کا مقصد نقصان ہے۔ لیکن پھر بھی آپ جواب میں صرف وعلیکم فرمادیتے تھے۔ یعنی جس طرح انہوں نے چاہا ،ان کے لیے بھی وہی چاہا گیا۔ انسان کے درمیان مانوسیت یا تعلقات کے لئے السلام علیکم یا نیک خواہشات کا اظہار، بڑا اہم عمل ہے اس لئے اسلام نے اس پر زور دیا ہے اور مثبت انداز کو اپنانے کیلئے، پہلے سلام کرنے والے کے لئے زیادہ ثواب کی خوشخبری ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپس میں محبت بڑھانے کے لئے، سلام کرنے کو پھیلاؤ۔ اسی طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ جبکہ سلام کرنا سنت ہے۔ غور فرمائے! اسلام کے یہ احکام و ہدایات صرف اور صرف انسانی معاشرے میں محبت وامن بڑھانے کے لئے کیے گئے ہیں۔ دنیا میں امن وسلامتی کے علاوہ مزید انعام آخرت میں بھی اجر کا وعدہ فرمادیا گیا ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ﴿۷۷﴾

اور جب ہمارے قاصد فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ پریشان ہوئے، دل میں تنگی آئی اور بولے مجھے آج کا یہ دن بہت سخت ہے۔

وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴿۷۸﴾

اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اس سے پہلے وہ برے کام کیا کرتے تھے، اس (لوط) نے کہا، اے میری قوم کے لوگو: چھوڑو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لیے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، اس لئے اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے مجھے رسوانہ کرو کیا تم میں کوئی بھی نیک شخص نہیں۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ﴿۷۹﴾

وہ کہنے لگے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے ہمیں کوئی دلچسپی (حق) نہیں اور تم یقیناجانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴿۸۰﴾

اس (لوط) نے کہا، کاش میرے پاس تمہارے مقابلے میں

کوئی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْۤا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

انہوں (فرشتوں) نے کہا: اے لوط ہم تیرے رب کے قاصد (فرشتے) ہیں یہ لوگ (کافر) تمہاری طرف (گھر پر) ہرگز نہیں پہنچیں گے، لہذا تم رات کے کسی حصے میں گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، مگر تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی اس پر بھی وہ عذاب آنے والا ہے جو اور لوگوں پر آرہا ہے۔ بے شک ان (پر عذاب) کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے، کیا صبح قریب نہیں (یعنی قریب ہے)۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۸۲﴾

پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا) آگیا تو ہم نے زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے حصہ کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر تہہ در تہہ برسائے۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور یہ (بستی) ظالموں (مکہ کے کفار) سے کچھ دور نہیں۔

اب حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے علاقہ سدوم کی تباہی کے واقعات کا ذکر ہے۔ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت لوطؑ کی طرف شام کے علاقہ سدوم کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت لوطؑ تبلیغ کے لئے موجود تھے۔ سدوم کے لوگ بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور بالخصوص بہت بڑا گناہ لواطت یعنی مرد کا مرد سے جنسی خواہش کی تسکین (غلام بازی یا لونڈے بازی) کے برے فعل کے مرتکب تھے۔ اس کی پرچار اور اس کی محفلیں ہوتی تھیں۔ جس کا ذکر اور چرچا کیا جاتا۔ یہ قوم اتنی بدنام تھی کہ اس فحاشی کا نام بھی لواطت پڑ گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام

اس کے خلاف اور دوسری برائیوں کے خلاف ان کو تبلیغ کر رہے تھے۔ لیکن آپ کی باتیں ان پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام عراق کے رہنے والے تھے اور علاقہ سدوم میں آپ کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ عراق سے ساتھی بھی نہیں تھا ،اس لئے وہاں قبائلی یا سماجی لحاظ سے تنہا تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔ وہاں کی آبادی، اپ پر کافی دباؤ رکھتی تھی۔ ایک یہ بھی تھا کہ آپ کے پاس مہمان نہ آئے۔ اگر آیا تو ہم اس کے ساتھ یہ فعل (لواطت) کریں گے۔ وہ لوگ عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات کم رکھتے تھے اور مردوں کی طرف رغبت زیادہ تھی۔ فرشتے بھی خوبرو نوجوان، جن کے منہ پر بال نہیں اگے تھے، کی شکل میں پہنچے تھے۔ ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر آپ کی بیوی بھی حیران ہو گئی، انہوں نے رات کے قیام کے لیے درخواست کی۔ آپ کی بیوی نے ان کی حسن و جمال کی خبر ساتھ والے لوگوں کو دی۔ آپ کو ان (مہمانوں) کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ ان کو دیکھ کر اپ پریشان ہو گئے۔ ایک طرف حسین و جمیل نوخیز لڑکے، دوسری طرف قوم کی بد اخلاقی کی اور لونڈے بازی کی اس شدید عادت، انکا آپ سے برا رویہ کیونکہ آپ عراق کے رہنے والے تھے اور تنہا تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔ پھر مہمان نوازی کی اصول و احترام، ان سب امور نے آپ کو پریشان کر دیا۔

دفاعی یا مقامی قوت:۔

ابھی آپ مہمانوں سے اپنے مکان میں بات چیت کر رہے تھے کہ وہاں کے لوگ اکٹھے ہو کر آپ کے گھر پر چڑھ دوڑے اور مہمانوں تک رسائی کا مطالبہ کر دیا یا زبردستی گھر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے، اس وقت آپ نے ان سے کہا کہ اگر آج اپ کے پاس دفاعی قوت (انفرادی محافظ یا رشتہ دار وغیرہ) ہوتے، تو وہ اس طرح چڑھ دوڑنے کی جرات نہ کرتے ،اور یہ قوتیں آپ کی مدد کرتیں۔ در اصل معاشرے میں قانون کے نفاذ، کمزور اور طاقتور میں توازن رکھنے کے لیے قوت بہت ضروری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کی قوت کا نظام اپنایا گیا۔ کیونکہ پرانے زمانے میں قبائل میں انفرادی قوت کی بنیاد پر سردار اپنی مرضی نافذ کرتا۔ جس میں انسانی پسند اور ناپسند کو بڑا دخل ہوتا تھا۔ حضرت عثمان کا قول مبارک ہے کہ سلطان کا حکم، قرآن سے زیادہ نافذ ہوتا ہے (ما یزع السلطان اکثر مما یزع القران) اور علامہ اقبال کا قول ہے۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حضرت لوط علیہ السلام نے انسان کا نفسیاتی عمل اور رد عمل، کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالی نے انسانوں کے اندر رکھا ہے اندرونی یا مقامی قوت بہت اہم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کے عطا کردہ وسائل کا صحیح استعمال ہے، یہی وجہ ہے، ہمارے نبی علیہ السلام نے ہجرت کے بعد، مدینہ شریف میں سب مقامی لوگوں (یہود، قبائل، کفار اور مسلمانوں) نے مل کر میثاق مدینہ کا معاہدہ کیا کہ مل کر مدینہ شہر کا دفاع کریں گے۔

فرشتوں نے حضرت لوطؑ کی پریشانی دیکھی تو کہا، پریشان نہ ہوں، یہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ نہ آپ کو نقصان دیں گے، ہمیں ان پر عذاب کا حکم ہے، آپ بمعہ اہل وعیال چلے جائیں۔ لیکن آپ کی بیوی جو آپ کے خلاف کفار اور گنہگاروں کے ساتھ ہے بچ نہیں سکے گی اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ (یعنی جلدی سے نکل جائیں یا خوفناک منظر ہوگا)۔ روایات میں ہے کہ جب لوگ گھر پر پہنچے اور دھکیل کر دروازہ کھولا، تو فرشتوں کی سخت چمک سے انکی آنکھیں چندھیا گئیں اور خوف سے واپس دوڑے اور کہنے لگے، لوط کے گھر بہت بڑے جادوگر ہیں۔ روایت ہے کہ فرشتوں نے پر مارا وہ اندھے ہو گئے یا بینائی متاثر ہوئی۔ اس وقت کے مطابق یہ بہترین وضاحت ہے کیونکہ فرشتوں کو نور (روشنی) سے پیدا کیا گیا ہے۔ نور، بجلی اور مقناطیسیت کی جدید تحقیق اس وقت نہیں تھی، اس لیے پر کا لفظ بہت مناسب اور صحیح تھا۔ اسی طرح ایک حدیث میں جہاں جبریل علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کے پروں کی طوالت آسمان تک پہنچی ہوئی تھی یہ ان کے نور (روشنی) کی قوت تھی جس کی وضاحت نبی پاک نے پروں سے فرمائی۔ سائنس کی تشریحات کا دارومدار آلات و معلومات پر ہے جو بدلتے رہتے ہیں۔ صحیح حقائق اللہ کی ذات جانتی ہے یا جن کو اس نے خبر دی ہے۔ نبی علیہ السلام کی احادیث میں تشبیہات اس وقت کے حالات اور علمی سطح کے مناسب تھے اور آج بھی ان کی توضیح، موجودہ معلومات کے مطابق ہو سکتی ہے۔

عذاب کا سبب:۔

اللہ تعالی ہمیشہ ظالم قوموں کو عذاب دیتے ہیں اور ہمیشہ عذاب کے ساتھ ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قوم لوط کو بھی ان کے گناہ اور اس کے ثبوت کے بعد تباہ کیا گیا۔

موقع کا ثبوت فرشتوں کا نوخیز نوجوان کی صورت میں مہمان بننا پھر بستی کے لوگوں کا انکی طرف دوڑ پڑنا، حضرت لوط کا ان کے برے اعمال کی گواہی دینا، سب ظلم کے ثبوت موجود تھے۔ قران مجید نے عذاب کی جس صورت کا ذکر کیا ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی عملی صورت زلزلہ ہو سکتا ہے، جس میں گرم پتھر زمین سے لاوہ کی صورت میں نکل کر بارش کی طرح گر سکتے ہیں۔ جس طرح آتش فشاں پہاڑ سے گرم راکھ اڑ کر گرتی ہے، یہ زمین کی اندرونی ساخت کی حالت پر ہو سکتا ہے۔ زور سے زمین کے پھٹنے پر اس کے اوپر بنے مکانات اچھل کر بلند ہو کر گرے ہونگے اور گرم یا کھنگرے پتھر گر کر لوگوں کو ختم کر دیا ہوگا، جسے بستی کو الٹنا کہا گیا ہے،، جس میں پتھر کا ذکر ہے، وہ اسی طرح گرم ہوگا۔ اس واقعہ کا ذکر بائبل میں بھی ہے، قرآن مجید کا بیان سب سے زیادہ صحیح ہے، یہ علاقہ چند گاؤں پر مشتمل تھا جن میں بڑا گاؤں سدوم تھا یہ علاقہ موجودہ بحر میت کا علاقہ ہے۔(Dead Sea) جو کہ موجودہ اردن اور اسرائیل کے درمیان واقع ہے۔ اس کا ذکر تورات میں بحر ملح (نمکین جھیل) اور انجیل میں بحر لوط Lot Sea ہے۔ اس کے اردگرد پتھریلی زمین کا علاقہ ہے، ایک چٹان کا نام نمکین چٹان ہے، جس کا واقعہ بائبل میں حضرت لوط کی بیوی سے منسلک کیا جاتا ہے کہ مڑ کر دیکھنے سے پتھر بن گئی یا مر گئی۔ پانی کے اندر نمک اور معدنیات کی مقدار 30 سے 40 فیصد ہے جبکہ نارمل سمندر میں چھ فیصد ہوتی ہے۔ نمکیات کی شدت کی وجہ سے جاندار زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس کی گہرائی تین سو چار میٹر ہے، یہ زمین پر سطح سمندر کا سب سے نیچے مقام ہے۔ اسکی گہرائی 430 میٹر یا ایک ہزار چار سو بارہ فٹ ہے اس کا رقبہ چھ سو پانچ مربع کلو میٹر ہے۔ جیالوجی (زمین کے اندر) کی معلومات میں یہ خیال ہے کہ افریقن اور عربین زمین کی پلیٹوں (اندرونی تہیں) کی یہ حدود اور ان کے فرق سے بنی ہے۔ دریائے اردن کا پانی اس میں ختم ہوتا ہے۔ اس کا پانی اور اسکے ساتھ کا علاقہ فاسفیٹ پتھر کا بڑا ذریعہ ہے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾

اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا،

شعیب نے کہا، اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول کم نہ کرو بے شک میں تمہیں خوش حال دیکھتا ہوں اور بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر ایسا دن آئے گا جس میں عذاب سب کو گھیرے گا۔

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴿۸۵﴾

اے (میری) قوم تم ناپ اور تول، انصاف سے پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور تم زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴿۸۶﴾

جو کچھ اللہ کا دیا بچ رہے (مناسب منافع) وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تم پر محافظ (پہرے دار) نہیں ہوں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴿۸۷﴾

انہوں نے کہا اے شعیب: کیا تمہاری نماز (عبادت) تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں چھوڑ دیں اور اپنے ہی مال و دولت میں جو کچھ ہم چاہیں وہ بھی نہ کریں؟ واقعی تم تو نرم مزاج اور عقلمند ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ رَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ﴿۸۸﴾

اس (شعیب) نے کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ کہ اگر اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو (تو کیسے اس کی نافرمانی کروں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں، میرا مقصد جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح کے سوا کچھ نہیں اور مجھے، (اس کی)

توفیق اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر بھروسہ (توکل) کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَ یٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ﴿۸۹﴾

اے میری قوم: میری مخالفت تمہیں (ایسے کام پر) نہ اکسائے کہ تم پر ویسا عذاب آئے جیسا قوم نوح یا قوم ھود یا قوم صالح پر آیا تھا اور لوط کی قوم (کا علاقہ) تم سے کچھ دور نہیں۔

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ﴿۹۰﴾

اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بیشک میرا رب بڑا رحم کرنے والا نہایت محبت کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم جو مدین کے قریب فلسطین کے علاقہ میں رہتی تھی تبلیغ کرتے تھے یہ علاقہ سدوم کے علاقے کے ساتھ تھا آپ کی قوم تجارت میں آگے تھی زراعت بھی خوب تھی، آپ کا قبیلہ بھی اسی علاقے کا تھا۔ تجارت ترقی کی وجہ سے لوگوں میں لالچ زیادہ تھا اور ناپ تول میں کمی اور دھوکا کرتے تھے مثلا جب مال لینا ہوتا، تو بڑا پیمانہ استعمال کرتے تھے اور جب دینا ہوتا تو قدرے چھوٹا استعمال کرتے تھے، آپ نے تبلیغ میں توحید (اللہ کی وحدانیت) اس کی عبادت کی تلقین کی۔ معاملات میں آپ نے جس چیز پر زور دیا وہ ناپ تول کو صحیح طور پر کرنا یعنی جس چیز کا اعلان کیا جائے، اسی کے مطابق اس کو دیا جائے۔ اور معاملات میں انصاف کیا جائے، کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ یہ حکم بالخصوص ناپ تول کو تین مختلف طریقوں سے تاکید کی خاطر بیان کیا گیا۔ نہ کم دینا، نہ زیادہ لینا اور نہ بے انصافی کرنا، یہ امور ظلم کے برابر ہیں۔ گویا ایک معاشی دھوکا بھی انسانی ظلم کی طرح ہے۔ دوسری طرف آپ نے ان کے جائز نفع کی تصدیق کی اور اس کے علاوہ ناپ تول میں کمی و بیشی سے منع فرمایا۔ جائز منافع کی برکت اور فائدے سے آگاہ کیا کہ اس میں خیر، بھلائی، معاشی اور معاشرتی انصاف و برکت ہے۔ ساتھ یہ اعلان کیا کہ اگر معاشرے میں ظلم برقرار رہا، جو کہ ناپ و تول کی کمی کی صورت میں ہو یا دوسری

صورت میں ، تو عذاب کا آنا یقینی ہے۔ جب آپ نے اس بگڑے معاشرے میں اس اصلاح کا اعلان کیا، تو لوگوں نے آپ کی صداقت و شرافت کے قائل تھے، آپ کی عبادت کو بھی جانتے تھے لیکن آپ کی تبلیغ کو رد کر دیا اور آپ کی شرافت و عبادت کا احترام کے بجائے مذاق اڑایا، جس طرح عام معاشروں میں جہاں بدی پوری طرح گھر کر جاتی ہے، وہاں نیکی کی آواز بلند کرنا یا صاحب کردار ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف حقوق اللہ یعنی اللہ کی عبادت کے مقابل جو ان کے پرانے عبادت کے مشرکانہ رواج تھے ان کی پیروی اور دفاع کیا کہ ہم کیسے ان کو چھوڑیں۔ مال پر اپنی ملکیت کے لئے ہر طرح کی ناپ تول میں کمی کو اپنا حق سمجھا۔ ظلم کا احساس ان میں ختم ہو گیا تھا۔ یہ نظریہ سرمایہ داری ہے ،جس میں مالک ، سرمایہ کو ہر طرح سے استعمال کرنے کو، اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہ پرانا نظریہ ہے لیکن یہ انسانیت کے عمومی نظریہ فلاح کے خلاف ہے۔ اس لیے ملکیت کے حقوق کو اسلام نے تسلیم کیا اور ساتھ ہی فلاح و بہبود کیلئے اس مال سے فلاحی حصہ بطور زکوۃ و صدقات ،عشر و خیرات کو لازم قرار دیا، یہی طریقہ اب موجودہ فلاحی ریاستیں اپنے نظام میں استعمال کر رہی ہیں۔

<u>طریقہ دعوت:۔</u>

حضرت شعیبؑ نے اپنی تبلیغ میں جو طریقہ فرمایا اور تمام انبیاء علیہ السلام نے اسے اپنایا، وہ کردار کی بلندی کا تھا، کہ میرا کردار آپ دیکھ لیں اور قول اور فعل ایک ہے، دوسری اہم چیز لوگوں کی بھلائی کہ تم میری ضد یا دشمنی کی خاطر ہر اچھی چیزوں سے اپنے آپ کو محروم نہ کرو، بلکہ غور و فکر کر کے اچھی چیز کو استعمال کرو۔ تیسری اللہ کے فضل سے جو آپ کو ہدایت، صحت اور نبوت عطا کی گئی تھی اس کا ذکر فرمایا اور کہا کہ میں یہ سارا عمل کسی ذاتی مفاد ،عزت ،دولت ، طاقت کے لئے نہیں ، بلکہ سارے معاشرے کی بھلائی کی خاطر کر رہا ہوں۔ اس کو سمجھا جائے اور ساتھ گزشتہ اقوام جو اس علاقہ میں اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں ان کا ذکر کر کے یاد دلائی۔ تا کہ اپنے آپ کو عذاب سے بچائیں، توبہ کریں اور اللہ سے معافی مانگیں۔ اللہ تعالی کی رحمت اور محبت کا ذکر فرمایا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ

لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

انہوں (قوم شعیب) نے کہا: اے شعیب تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور بیشک ہم تجھے ہمارے درمیان کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے، ہم پر تمہارا کچھ زور نہیں چلتا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

شعیب نے کہا، اے میری قوم: کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ طاقت والا ہے اور تم نے اس اللہ کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے، بے شک جو تم عمل کرتے ہو میرا رب اس سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

اے میری قوم: تم اپنی جگہ (جو چاہو) عمل کرو، بے شک میں بھی اپنا عمل کر رہا ہوں، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب نازل ہوگا اور کون جھوٹا ہے؟ اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

جب ہمارا حکم (عذاب کا) آگیا، ہم نے شعیب اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی خاص رحمت سے بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ایک انہیں ایک چیخ (چنگھاڑ) نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے رہ گئے (تباہ ہوگئے)۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے، سنو: مدین کی بھی ویسی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔

حضرت شعیب نے اپنی قوم کو ان کی اصلاح کے لیے تبلیغ کی، لیکن وہ ضد اور

مخالفت پر اڑے رہے بلکہ دھمکی دی کہ تمہارے قبیلہ کی وجہ سے تمہیں ہم سزا نہیں دے رہے ،ورنہ تمہیں سنگسار کر دیتے تمہاری یہ تبلیغ یعنی توحید اور ناپ تول یا کاروبار میں انصاف و ایمانداری سمجھ نہیں آتی۔ حضرت شعیب جب مایوس ہوئے تو فرمایا افسوس تمہیں میرے قبیلے کی افراد کا ڈر ہے لیکن خدائے پاک کا نہیں اس لئے تم اگر اپنی غلط راہ پر ہو تو یہ تمہارا اپنا کام ہے اور اس کے انجام کو پہنچوں گے میں اپنی راہ پر ہوں جب ظلم بڑھ جاتا ہے اور معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح نبی کی کوشش کے باوجود نہیں ہوتی تو اللہ تعالی ان امتوں پر انکے نبی کی بددعا کی وجہ سے عذاب نازل کرتا ہے اور یہ عذاب ایک شدید،خوفناک آواز کی صورت میں اہل مدین کے لوگوں پر آیا، جس سے وہ خوف اور شاک ویو کی وجہ سے گھروں میں ہی مر گئے۔ آواز کی لہروں اور دھماکا کی تباہی کے بارے سورہ بقرہ اور سورۃ ھود میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ تباہی جدید سائنسی ترقی میں نہ صرف دریافت بلکہ آزمائی جا چکی ہے۔اہم نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں معاشی و سماجی عدل و انصاف ،ایمانداری بہت ضروری ہے اور جہاں یہ نہیں ہوتی وہ ظلم کا معاشرہ ہے ، جس پر کسی وقت بھی عذاب الہی نازل ہو کر اسے ختم کر دیتا ہے۔ اجکل عذاب کی صورتیں زلزلے، سونامی،خشک سالی، داخلی بد امنی، مہنگائی،طبقاطیت اور جرائم ہیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ﴿۹۶﴾

البتہ تحقیق ہم نے موسی کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں (لوگوں) نے فرعون کا ہی حکم مانا،

حالانکہ فرعون کا حکم (بات) بھلائی والی نہیں تھی۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴿۹۸﴾

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں داخل کرے گا، وہ بدترین گھاٹ (اترنے کی جگہ) جس پر کوئی اترے۔

وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴿۹۹﴾

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی یہ بدترین صلہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔

حضرت شعیب کے بعد حضرت موسیٰ کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے معجزے عطا فرمائے۔ جن میں عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا سب سے مشہور اور واضح تھا۔ اس کے ساتھ آپ کو توریت بھی عطا ہوئی۔ آپ فرعون اور اس کی قبطی قوم، بنی اسرائیل کے لیے مصر میں پیغمبر بنائے گئے۔ آپ نے فرعون کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہوا تھا، اسے خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی لیکن بنی اسرائیل کے علاوہ سارے مصری (قبطی) قوم فرعون کے ساتھ رہے۔ بنی اسرائیل بھی بہت خوفزدہ تھے۔ فرعون اپنے دبدبے اور خدائی دعویٰ کے لئے ظلم روا رکھتا تھا، اس کا انجام ڈوب کر عبرتناک ہوا، اور قیامت میں بھی وہ دوزخ میں بھی اپنی تمام قوم کے ساتھ عذاب پائے گا، تاکہ اس وقت ماننے والے اپنے گناہ اور ظلم کی سزا پائیں گے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ(۱۰۰)

جن کا قصہ ہم بیان کر رہے ہیں ہے یہ ان بستیوں کی کچھ خبریں ہیں، جن میں بعض تو موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہو گیئں۔

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ(۱۰۱)

اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے وہ ان کے ذرا بھی کام نہ آئے اور انہوں نے ان کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں دیا۔

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ(۱۰۲)

اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لے لیتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے واقعی اس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔

<u>انسانی معاشروں کی تباہی:۔</u>

اللہ تعالی مخلوق پر ظلم نہیں فرماتا کیونکہ اس کا پیار انسانوں سے اسکے والدین سے ستر گنا زیادہ ہے، اس لئے بار بار فرمایا کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعے اپنے پر ظلم کرتے ہیں اور تباہ ہوجاتے ہیں، دراصل برائیاں، معاشرے کو تباہ کردیتی ہے اگرچہ ایک معمولی سا حصہ یا طبقہ اس کا فائدہ اٹھاتا ہے لیکن بقیہ انسانیت سسکیاں لیتی رہتی ہے اور معاشرہ تباہ ہوجاتا ہے اب اس طرح کی مکمل تباہی ہمارے نبی علیہ السلام کی نبوت کے بعد نہیں، لیکن اللہ کے عذاب کی مختلف صورتیں معاشرے کو گھیر لیتی ہیں، مثلا زندگی میں بد امنی، معاشی بد حالی، مہنگائی، (حضرت ابن عباس نے مہنگائی (غلائی) کو عذاب اور سستا پن (رخائی) کو انعام کہا ہے) زلزلے ،سونامی وغیرہ۔ اگر معاشرے اللہ کے منکر بھی ہوں تو ان کو ان کے اچھے کردار ،نیک اعمال، جو اللہ کو پسند ہیں مثلا سچ ،عدل انسانی بھلائی ،کمزوروں اور محتاجوں کی مدد ، وعدے کی پابندی ,انسانی احترام۔ان کی وجہ سے دنیاوی زندگی آسان ہوجاتی ہے جس طرح حضرت علی کرم اللہ کا قول مبارک ہے کہ کفر رہ سکتا ہے لیکن ظلم نہیں رہ سکتا ایک دن ختم ہوجاتا ہے، اس وجہ سے وہ معاشرے تباہی کی طرف آہستہ آہستہ جاتے ہیں لیکن بالاخر تباہ ہوجاتے ہیں یہ اصول موجودہ حالات میں بڑا واضح ہے۔

تقدیر اور عمل:۔

احادیث مبارکہ میں بار بار فرمایا ہے کہ اچھے اعمال انسان کو خوش بخت اور برے اعمال انسان کو بد بخت بنا دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: طاقتور مسلمان اللہ تعالی کو کمزور مسلمان کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے، اور ہر مسلمان میں، قوت یا ضعف (طاقت یا کمزوری) خیر ہے، جو چیز تمہارے لیے فائدہ مند ہے اس کی حرص کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ ہو، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچی ہو تو یہ نہ کہو کہ میں فلاں فلاں کام کرتا تو مجھے کو مصیبت نہ پہنچتی، لیکن یہ کہو، یہ اللہ کی تقدیر ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ، کیونکہ اگر کا لفظ، شیطان کے عمل کو کھولتا ہے۔(مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد)۔

یہ حدیث مبارکہ زندگی میں کامیابی کی کنجی ہے، اس میں درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔ ا۔انسان کو ذہنی ، جسمانی طور پر طاقتور اور صحت مند ہونے کی کوشش کرنی

چاہیے۔ صحت مند جسم صحت مند ذہن لازم ہیں۔ ۲۔ کمزوری کو عیب نہ سمجھیں بلکہ اس کو خیر جانیں۔ طاقت اور کمزوری زندگی کا حصہ ہیں، کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں خیر جاننے کا مطلب ہے کہ منفی طرز فکر اور ذہنی پریشانی کا شکار نہ ہیں بلکہ اس میں خیر اور اچھائی کا پہلو سامنے رکھیں۔ ۳۔ فائدہ جو قانونی اور اسلامی طریقہ سے ہو اور دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اس کو حاصل کرنے میں کوشش کرے۔ اور کوشش کی، اللہ سے توفیق اور مدد طلب کرے، یقینا کامیابی ہوگی۔ ۴۔ اگر کوئی ناکامی یا مصیبت پہنچے تو اگر مگر یعنی ایسے ہوتا تو یہ نہ ہوتا، اف اور بٹ (if and but) میں نہ پڑے، توہمات سے بچے اور اس پر صبر کرے۔ اور محض ظن اور تخمینہ پر، یا فلاں کام کرتا تو یہ نہ ہوتا، اس طرح کا رویہ یا ماضی پر افسوس، نقصان دہ ہے، بلکہ مستقبل کو دیکھے، حقائق اور واقعات کا جائزہ لے اور کوشش کرے، اگر دوبارہ موقع نہیں ملتا تو اس کا علاج بھی بتادیا۔ ۵۔ جو ہو چکا اس پر افسوس اور ہاتھ ملنے کی بجائے تسلی رکھے، ناکامی یا مصیبت کو قبول کرے، ذہنی پریشانی اور الجھن کا شکار ہونے کی بجائے اسے اللہ کا فیصلہ (تقدیر) سمجھ کر قبول کرلے اور آگے زندگی کی جدوجہد میں لگ جائے۔ آپ نے فرمایا، اگر، کا لفظ شیطان کے عمل کو کھولتا ہے، یہ توہمات اور ماضی پر افسوس کرنا دوسری طرف حال کو صحیح اور مستقبل کی فکر نہ کرنا، شیطان کا عمل ہے، جسے ہم منفی انداز فکر کہتے ہیں، یہ ناکامیوں کا دروازہ کھول اور زندگی کو پریشان کردیتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارک، حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ یہ بتلائیے کہ جو ہم عمل کرتے ہیں، کیا یہ اعمال ابتداً ہیں یا ان اعمال سے فراغت ہو چکی ہے (یعنی تقدیر کا فیصلے)، آپ نے فرمایا، ان سے فراغت ہوگئی ہے یا ابن الخطاب! اور ہر عمل آسان کیا جاچکا ہے، جو اہل سعادت ہیں وہ سعادت کے لیے عمل کرتے ہیں اور جو اہل شقاوت ہیں وہ شقاوت کے لئے عمل کرتے ہیں، (یعنی ایسے اعمال کرتے ہیں جنکا نتیجہ سعادت یا شقاوت ہوتا ہے)۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورت سورۃ النحل کی آیت نمبر ۵ تا ۱۰، بہت اہم ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ سو جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈرا ۵۔ اور نیک بات کی تصدیق کی ۶۔ تو ہم عنقریب اس کے لیے نیک اعمال آسان کردیں گے۔ ۷ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا۔ ۸ اور اس نے نیک بات کی تکذیب کی۔ ۹۔ تو

عنقریب اس کے لئے برے اعمال کو آسان کر دیں گے۔۱۰۔ (روح المعانی)

اچھے اعمال:۔

ان کا ارادہ کرنے والے اور پھر عمل پر کوشش کرنے والے، کو اللہ تعالی اچھے اعمال کی طرف لے جاتے ہیں یعنی آسان کر دیتے ہیں اور اسی طرح برے اعمال کے ارادہ اور کوشش کرنے والے کے لئے برے اعمال اسان کر دیتے ہیں، اس طرح وہ جنت یا دوزخ میں اپنے اعمال کی وجہ سے جا پہنچتے ہیں۔

بسا اوقات تقدیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم میں منفی سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمیں کیوں اچھے یا برے عمل کی پروا کرنی چاہیے اور عمل کا کیا فائدہ؟ یہ انداز فکر بہت غلط ہے۔ اعمال سے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالی کو اپنے ازلی اور قدیمی علم سے معلوم تھا کہ ہر انسان اپنے اختیار سے دنیا میں کیا عمل کرے گا، یعنی اہل جنت (خوش بختی) اور اہل دوزخ (بد بختی) کے عمل کریں گے اور اللہ تعالی نے وہی لکھا ہے جو بندے نے اپنے اختیار سے کرنا تھا۔ اللہ تعالی کا علم اور اس کی تقدیر انسان کے اعمال کے مطابق ہے جبکہ انسان کو اپنے اعمال، ان کے ذریعہ اور نتیجہ، یا اس کی تقدیر، کا علم نہیں ہے۔ اب سائنس (بیالوجی) کے ذریعہ انسانی وجود کی معلومات کے بارے، مثلاً ڈی این اے (DNA) کے سیل میں کس قدر ڈیٹا (معلومات) موجود ہیں، اس سے معلومات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ہمیں نیک اعمال کا ارادہ اور کوشش کرنی ضروری ہے، جب کوشش ہوگی تو سہولت اور کامیابی بھی ہوگی، یہ مومن کا راستہ ہے وہ تقدیر کا شاکی نہیں ہوتا۔ تقدیر اور مستقبل کے معاملات چونکہ انسانی ارادے، اللہ تعالی کے احکام اور آنے والے حالات پر منحصر کرتے ہیں جن کی معلومات انسان کے پاس نہیں اس لیے صرف ظنی گفتگو اور بحث کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان کا سبب بن جانے کے زیادہ امکانات ہیں، اس بحث سے پرہیز کرنی چاہیے۔ تفصیل کیلئے علم کلام کی کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴿۱۰۳﴾

جو شخص عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اس کے لئے ان باتوں میں بڑی عبرت ہے، ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع

ہو گیں، جسے سب کے سب دیکھیں گے۔

وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴿۱۰۴﴾

ہم اس دن کو ایک معین مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں۔

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ﴿۱۰۵﴾

جب وہ دن آجائے گا، تو کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ پھر ان میں کچھ بد بخت (بد نصیب) اور کچھ نیک بخت (خوش نصیب) ہوں گے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ﴿۱۰۶﴾

چنانچہ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کے لیے چیخنا اور چلانا ہو گا (عذاب کی وجہ سے)۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴿۱۰۷﴾

یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین وہ آسمان رہیں گے، سوائے یہ کہ تمہارا رب ہی کو کچھ اور منظور ہو، یقیناً تمہارا رب جو بھی ارادہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرنے والا ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴿۱۰۸﴾

اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے جنت میں ہوں گے جب تک زمین و آسمان رہیں گے سوائے یہ کہ تمہارے رب ہی کو کچھ اور منظور ہو یہ ایسی عطا ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گی۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ﴿۱۰۹﴾

پس تم (اے پیغمبر) یہ (مشرکین) جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑنا، یہ تو اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح ان کے باپ، دادا عبادت کرتے تھے، یقین رکھو کہ ہم ان سب کو ان کا حصہ (سزا) پورا پورا دیں گے، جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

پچھلی آیات مبارکہ میں فرعون کے دعوی خدائی، معاشروں میں ان

کے ظلم اور اللہ کے احکام سے نافرمانی کی وجہ سے عذاب کا ذکر تھا۔ دنیا میں عذاب ملا اور وہ عبرت بن گئے۔ قیامت کے دن کی کیفیت اور بعد از قیامت جزا و سزا کا موازنہ (مقابلہ) کیا گیا ہے۔

جو لوگ یوم حساب و کتاب پر پورا ایمان رکھتے ہیں وہ احکام الٰہی کو سچا جانتے ہوئے اپنے اعمال اللہ کے احکام کے مطابق کرتے ہیں اور تباہی کے واقعات سے درس عبرت حاصل کرتے ہیں۔ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہو گا کوئی اس دن دنیا کی زندگی کی طرح اپنی مرضی اور اختیار نہیں کر سکے گا، صرف اللہ تعالیٰ کے احکام ہوں گے تمام لوگ دنیا کے اکٹھے ہوں گے اور اپنا حساب و کتاب کے لئے کھڑے انتظار کر رہے ہوں گے۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے موخر کر رکھا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس کی ہولناکی کے خوف سے لوگ پہلے ہی نہ مر جائیں یا پھر آخری وقت کی آمد سے پہلے توبہ نہ کر لیں اور ساری عمر اپنی نافرمانی کی جزا پائیں۔ جس دن حکم ہو گا اسی وقت یہ واقع ہو گی اور یہ حساب و کتاب کا دن اس لیے ہے کہ جو افراد دنیا میں حساب نہیں دیتے اور ان کو مہلت ملتی ہے لیکن اس کا فائدہ نہیں اٹھاتے اور گمراہی پر اڑے رہتے ہیں، اپنا حساب دیں گے اور جو دنیا میں اگر نیک اعمال کی جزا نہیں پا سکے تو ان کو اچھی جزا ملے گی۔

مخلوق خدا میں جو دنیا میں نیک کام کرتے تھے اور اللہ کے احکام پر عمل کرتے تھے خوش نصیب ہوں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں دائمی عیش ہو گی۔ جنہوں نے دنیا میں اللہ کے احکام کی نافرمانی کی اور اپنے اختیار کو نافرمانی اور ظلم کے لیے استعمال کر کے برے اعمال کیے، وہ دوزخ میں جائیں گے۔ جہاں انتہائی شدید عذاب ہو گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس عذاب میں رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نظام عدل کے مطابق ہو گا۔ اس کی قوت بہت بڑی ہے، وہ جس طرح چاہے کرے لیکن اپنے ارادہ اور اصولوں کے مطابق فیصلے فرماتا ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔

بعض لوگ بلکہ اکثر خوش نصیبی یا بد نصیبی کو صرف ایسا معاملہ سمجھتے ہو جو ان کے عمل و طاقت سے باہر ہے یہ قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اصول کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مطلع فرمایا کہ جو لوگ خدا پر یقین نہیں رکھتے ہیں یا توحید کے بجائے کئی خداوں کے قائل ہیں یا اللہ کی ذات کے بجائے دوسری طاقتوں کو اصل

قوت کا ذریعہ سمجھتے اور عبادت کرتے ہیں ،انکی کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جہالت ، گمراہی اور اندھی تقلید میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ پڑے رہیں گے لہذا اس وجہ سے تبلیغ میں کوئی کمی یا انکار کی وجہ سے پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (۱۱۰)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اس میں اختلاف کیا گیا تھا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوتی (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا) تو ان کا فیصلہ (اسی دنیا میں) ہوچکا ہوتا اور یہ لوگ اس کے بارے میں (ابھی تک) سخت قسم کے شک میں پڑے ہوئے ہیں.

وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۱۱۱)

اور بے شک آپ کا رب ہر ایک (سب لوگوں) کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، بے شک وہ ان کے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے۔

توریت اور حضرت موسیٰ کا ذکر ہے کہ یہ کتاب نازل کی گئی لیکن یہود نے تحریف کی، اور دوسرے لوگوں نے انکار کیا۔ چونکہ یہودی عرب میں زیادہ تھے اس لئے ان کے واقعات کا ذکر زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ہی آیات کہ قیامت یعنی روز سزا و جزا کی حکمت بیان کر رہی ہیں اکثر لوگ اس دنیا میں نافرمانی کرتے ہیں اور ساری عمر داد عیش دیتے رہتے ہوئے جہاں سے چلے جاتے ہیں کئی اس جہان میں تکلیف اٹھا کر چلے جاتے ہیں اور اکثر تکلیفیں اور راحتیں اپنی زندگی میں دیکھ لیتے ہیں جب کہ اللہ تعالی کی ذات کی قوت و طاقت سے ساری کائنات قائم ہے اور وہ کنٹرول کرتا ہے ، تو یہ لوگ بغیر جزا و سزا کے کیوں چلے جاتے ہیں ؟ اس ذہنی خلش کا جواب ہے. کہ اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ انسان کو اختیار دیا جائے گا،پھر اس کو اس اختیار کو مکمل طور پر استعمال کرنے کی مہلت اور اجازت ہوگی اس کے لیے دو راستے اچھائی اور برائی واضح کر دیے جائیں گے. انبیاءؑ، فرشتے اور نیک لوگ ، نیکی، انسانی بھلائی کی طرف اور شیطان، نفس امارہ (انسانی خواہشات) اسے برائی کی طرف لے جانے کی

کوشش کریں گے، اور جدوجہد کا نتیجہ اس کو یوم آخرت میں دیا جائے گا تاکہ لوگ بے خوفی کے ساتھ اپنا فیصلے پر عمل کریں۔ اگر سب کو جزا و سزا یہاں مل جاتی تو پھر آزادی ختم کی اور خوف سے ہر کوئی غلطی سے بچنے کی کوشش کرتا، لیکن چونکہ اب ہر ایک کو سزا اسطرح نہیں ملتی اس لیے لوگ اس حقیقت کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں اور شک میں پڑے ہوئے ہیں جس طرح ان کا خیال یا جی چاہتا ہے کرتے ہیں چونکہ جزا و سزا ہر فرد کو پوری پوری ملے گی اس لئے اللہ تعالی ہر انسان کے ہر طرح کے عمل سے پوری طرح باخبر ہیں۔ کسی طرح کی معلومات میں کمی نہیں، جو لوگ اس دنیا میں یقین نہیں کر رہے، وہ یہ حقیقت قیامت کے دن دیکھ لیں گے لیکن اس وقت کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

پس آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق (سیدھی راہ پر) ثابت قدم رہیں اور وہ لوگ بھی جو تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو، اور بے شک جو کچھ کر رہے ہو، وہ اسے خوب دیکھتا ہے۔

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تم ان لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ آ پکڑے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی.

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور (اے نبی) دن کے دونوں طرفوں (صبح و شام) اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرنا، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔

وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور آپ صبر کریں، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

آیت مبارکہ میں جزا و سزا کے بعد مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی، یہ تلقین، نبی علیہ السلام، علماء، صلحاء اور عام مسلمان سب کے لئے ہے۔ ثابت قدم رہنے کے ساتھ مستقیم سیدھے راستے کا بھی حکم ہے اور وہ اعتدال یعنی غلو کے بغیر ہے۔ ظالموں کے ساتھ سخت رویہ کی تلقین کی اس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں برے افراد کو روکا جائے یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان سے دوری اختیار کی جائے۔ ان سے قربت کا مطلب ہے ان کے ظلم کو قبول کرنا، جس سے معاشرہ میں فساد پھیل جائے گا۔ احادیث کے مطابق پچھلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے ظالموں کو ظلم سے نہیں روکا اور ان سے میل جول جاری رکھا، لہٰذا ظالم کو ظالم کہنا اور اسے احساس ظلم دلانا بہت ضروری ہے۔ یہی اس حدیث کا مقصد ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ان احکام کے ساتھ نماز کی اوقات اور ادائیگی کا حکم ہوا، وہ دن اور رات کے کناروں (کناروں) یعنی صبح یا شام اور عصر کے وقت نماز کا حکم ہے اور ساتھ ہی ہیں رات کی نماز کا بھی حکم ہے جو کہ تہجد کی نماز ہے۔ نفل نماز گناہ صغیرہ (معمولی) کو ختم کر دیتی ہے ہے، حرام کام کرنا اور فرائض کو ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح واجبات کو چھوڑنا یا مکروہ تحریمی کا کرنا گناہ صغیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کی معافی توبہ کے بغیر ممکن نہیں اور گناہ صغیرہ نوافل نمازوں کے ذریعے ہو سکتی ہے مختلف احادیث کی بنا پر اکثر علماء کا یہی خیال ہے۔ قرآن مجید نے بہت خوبصورت رہنمائی کی ہے اچھائی یعنی نیکی کا عمل، برے اعمال یا بدی کو مٹا دیتا ہے۔ اچھے اعمال میں سب سے اعلیٰ اچھا اخلاق ہے۔ حدیث پاک کے مطابق، اب تم میں سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔ ایک دفعہ نبی علیہ السلام سے جنتی افراد کی خصوصیات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اچھے اخلاق والے لوگوں ہوں گے۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، جھوٹی گواہی کو نبی صلی اللہ وسلم نے شرک کے برابر قرار دیا اور آیت مبارکہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ (الحج آیت نمبر 30) تلاوت فرمائی۔ (بحوالہ عبداللہ بن مسعود) وعدہ خلافی، دھوکا دینا، ناپ تول میں بے ایمانی کرنا، یہ سارے معاملات گناہ کبائر میں سے ہیں اور ان کی تلافی متاثرہ شخص کو کفارہ، یعنی نقصان کی تلافی سے ہی ممکن ہے۔ ایسے معاملات جن میں کسی خاص فرد کا قانونی طور پر کا حق متاثر نہیں ہوتا یا اس کا عمومی

نقصان نہیں ہوتا یا جو عمل عمومی نوعیت کا ہے، کسی خاص شخص سے متعلق نہیں مثلا راستے کی مشکل، بیمار پرسی، جنازہ کی شرکت میں کمی، یہ ایسی خطائیں ہیں جن کو نوافل نماز اور اللہ سے معافی مانگنے سے معاف ہو جائیں گی۔ جب اللہ تعالی سے معافی مانگی جائے تو احساس ندامت بھی شامل ہو اور اس طرح انسان کے اندر ان برائیوں سے نفرت پیدا ہو گی۔ اللہ تعالی کی توفیق اور مدد شامل ہونے سے انسان پھر اچھائیوں اور نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس طرح اچھائی یا نیک اعمال سے برے اعمال کا خاتمہ کر دے گا۔ گناہ کبائر سے توبہ بھی انسان کو گناہوں سے صاف کر دیتی ہے۔

فاستقم آیت ۱۱۲۔ جس میں سیدھی راہ جو کہ اعتدال کی راہ ہے اس پر استقامت کرنے کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے یہ عبادات اور معاملات کو شامل ہیں. حضرت جنید بغدادی کا قول ہے۔ مقربین کی استقامت، ہیبت اور رجا (امید رحمت) ہے اور عارفین کی استقامت، حضوری اور غیاب میں ہے، حضرت واسطی کا قول ہے کہ اطاعت الہی کا نور، گناہوں کے اندھیروں کو ختم کر دیتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۃ ھود کی آیات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے (شیبتنی ھود)۔ یعنی احکام اور واقعات کی واہمیت بہت زیادہ عمل اور احتیاط کا تقاضہ کرتی ہے، نماز کی تلقین فرمائی اور اس کے فوائد و ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے، ساتھ مشکلات پر صبر کی تلقین کی گئی اور ایک خوشخبری دی گئی کہ نیکی کا عمل جتنا بھی کم ہو ضروری اور اہم ہے کیونکہ اللہ تعالی اس کو ضائع نہیں ہونے دیتے اور کرنے والے کو اس کا اجر و انعام عطا فرماتے ہیں۔ اسلام کا نیکی کا تصور تمام انسان کے ساتھ تو ہے ہی بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک ضروری ہے اس سلسلہ میں کئی حدیث موجود ہیں۔ صبر، جس کا بار بار قرآن مجید میں ذکر اور فضیلت آئی ہے، یہ ایک ایسی انسان کے اندر قوت ہے کہ اس کے استعمال سے بڑے سے بڑے مصائب اور پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿۱۱۶﴾

تم سے پہلے جو امتی گزری ہیں بھلا ان میں سے ایسے لوگ کیوں نہیں ہوئے جن کے پاس اتنی بچی کچھی سمجھ (عقل) تو ہوتی وہ لوگوں کو زمین

میں فساد پھیلانے سے روکتے؟ ہاں تھوڑے سے لوگ تھے جن کو ہم نے
عذاب سے نجات دی اور جو ظالم لوگ تھے وہ جس عیش و
عشرت میں تھے اسی میں لگے رہے اور جرائم کرتے رہے۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴿۱۱۷﴾

اور آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ بستیوں پر ظلم کرکے
انہیں تباہ کردے جبکہ ان میں رہنے والے نیکوکار ہوں (بھلائی اور
اصلاح کرنے والے ہوں)۔

انسانی معاشرہ میں انحطاط (ظلم) اور تباہی:۔

ان آیات میں انسانی معاشروں میں تباہی کیوں اور کیسے ہوتی ہے اس کو بیان کیا گیا ہے اور یہ حقائق تاریخ سے ثابت ہیں سورہ ھود میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے احوال ہیں۔ حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، کی امتوں پر تباہی کیا کا ذکر ہے اور سب میں مشترک چیز توحید کے علاوہ حقوق العباد تھے، ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے ظلم معاشرے میں پھیل چکا تھا اور نیکی کی دعوت دینے والے انتہائی کمزور اور ناکام ہوچکے تھے، اصلاح کی امید ختم ہوگئی تھی، اس لیے اس معاشرے پر تباہی آگئی۔ یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب ان کی توبہ کی وجہ سے ٹل گیا تھا۔ ان امتوں کے علاوہ جو بھی تہذیبیں تباہ ہوئیں جو ان امتوں کے بعد کی ہیں، ان کے معاشروں میں ظلم اور ناانصافی تھی۔ آیات مبارکہ میں معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری، انبیاء کے علاوہ جو صاحب عقل وبصیرت اس معاشرے میں موجود ہوتے ہیں، ان میں لیڈرشپ کی اہلیت بھی ہوتی ہے، ان لوگوں کی ہے کہ لوگوں کو انصاف دلائیں، ظلم سے بچائیں تاکہ معاشرہ پر امن اور محفوظ رہے۔ جب یہ طبقہ کام نہیں کرتا تو معاشرہ ظلم کا معاشرہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالی اپنے خاص انبیاء اور رسل مقرر فرماتا ہے، کہ وہ اصلاح کریں اور اگر وہ ناکام ہوجائیں تو تباہی آتی ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، لہذا یہ ذمہ داری ہر مسلمان صاحب بصیرت لیڈر اور علماء کی ہے کہ وہ اس کو پورا کریں۔ ایک حدیث مبارکہ جو حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ

پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائے (متعدد کتب الاحادیث)۔

جب معاشرے میں ایک طرف اصحاب بصیرت اپنی لیڈر شپ وعلم کی وجہ سے تبدیلی پیدا نہیں کرتے، بھلائی اور انسانیت، عدل و انصاف کو نافذ نہیں کرتے، دوسری طرف طبقاتیت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک خاص طبقہ فائدہ اٹھاتا ہے وہ طبقہ تعداد میں کم لیکن طاقت اور رسوخ کی وجہ سے اکثریت کو دبائے رکھتا ہے، ان کی عیش و عشرت اسی نظام (ظلم و استبداد) میں ہوتی ہے، تبدیلی کی مخالفت کرتا ہے اور اگر صاحب بصیرت و عقل یا لیڈر اصلاح معاشرہ کی کوشش کرتا ہے تو اسے وہ ختم کر دیتا ہے یا ناکام بنا دیتا ہے، تو معاشرہ عذاب بن جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کیفیت آجکل ایشیا، افریقہ، یورپ اور جنوبی امریکہ میں واضح نظر آتی۔ نبی علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی تبلیغ (اسلام) کی بنیادی معلومات تقریباً ہر جگہ تک پہنچ چکی ہیں، اگرچہ موجودہ مسلمان اسلام کی تبلیغ میں ناکام ہیں اور جو کر رہے ہیں وہ صرف زبانی ہے۔ اخلاق و اعمال سے خالی ہے اس لئے اس کا اثر و رسوخ بہت تھوڑا ہے۔ ان مذکورہ معاشروں میں جہاں بھی ظلم و ناانصافی، طبقاتیت (بالخصوص ایک طبقہ بہت مراعات یافتہ اور دوسرا طبقہ انتہائی محروم) کی حالت ہے وہ معاشرے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہیں۔ یہ عذاب، بدامنی، ظلم، انصاف کا نظام نہ ہونا، احترام انسانیت کا فقدان، معاشی پسماندگی، مہنگائی، پست اور کمزور معیار زندگی ہے، بداخلاقی اور دھوکا بازی سے معاشرہ بھرا ہوا ہوتا ہے یہی دوسری آیات کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی معاشرے کو جب تک اس میں نیکوکار متحرک ہیں۔ ان کا اثر رسوخ معاشرے میں موجود نظر آتا ہے اور ان کی اکثریت ہے، اللہ تعالیٰ اس معاشرے پر عذاب (معاشی اور معاشرتی) نازل نہیں کرتے۔ جب یہ معاشرہ ظلم سے بھر جاتا ہے اس پر عذاب (معاشی اور معاشرتی) نازل ہو جاتا ہے۔ کچھ حد تک معاشرے میں اختلاف و تفریق فطری ہے لیکن انتہائی درجہ کی تفریق اور طبقاتیت، اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے اور یہ ظلم ہے۔

ظلم اور کفر:۔

آیت مبارکہ (۱۱۷) بڑے واضح احکامات دے رہی ہے، اللہ تعالی صرف اس وجہ سے سے کسی بستی کو تباہ (ہمہ گیر عذاب) نہیں کرتے کہ اس کے رہنے والے صرف شرک کرتے ہوں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے ہوں۔ ظلم سے مراد ہر قسم کے فساد جس میں تمام برائیاں اور گناہ شامل ہیں اور اصلاح سے مراد ان سب کی اصلاح ہے (حمل الظلم علی مطلق الفساد الشامل للسائر القبائح و الا ثام و حمل الاصلاح علی اصلاحہ، روح المعانی)۔ اسی وجہ سے مسلم فقہا نے کہا ہے کہ حقوق اللہ (عبادات) میں وسعت اور درگزر کی گنجائش ہے اور حقوق العباد میں پابندی اور تنگی ہے یعنی ان میں درگزر نہیں۔ اللہ تعالی اپنے حقوق اپنی رحمت کے سبب معاف فرما دیتا ہے لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں فرماتا جب تک متاثرہ بندہ معاف نہ کرے، اس لیے کہا گیا ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت باقی رہ سکتی ہے اور ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ (الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم والجور)۔ اگر ہم موجودہ دور کے معاشرے دیکھیں جو کہ ایشیا، افریقہ، شمالی و جنوبی امریکہ، یورپ ،آسٹریلیا یا نیوزی لینڈ میں ہیں، ان کے سماجی حالات (معاشرے کی حالت) کا جائزہ لیں تو اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر سامنے آجاتی ہے بلکہ اسلامی ممالک کے معاشروں کی کیفیت بھی ہمارے سامنے ہے جو اس کی بھی تفسیر ہے۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقہ پر عمل کرنے والا بنا دیتا (لیکن اختیار دیا ہے) اب وہ ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہیں گے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا (حق پر عمل) اور اسی لیے اس نے انہیں پیدا کیا۔ اور آپ کے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

اختلاف کیوں اور اس کا نتیجہ:۔

پچھلی آیت میں معاشرہ میں ظلم اور اسکے نتیجہ کے بارے ذکر فرمایا،

دنیا میں اللہ کے احکام نہ ماننے اور انسانوں کو تنگ کرنے والے انسان ہی تو ہوتے ہیں۔ زمین پر رہنے والے انسانوں میں اختلاف نظر آتا ہے جب اس اختلاف کی بنیاد ذاتی مفادات ،خواہشات ہوں تو نفرت اور ظلم پر بھی پہنچ جاتا ہے۔ اختلاف کیوں ہوتا ہے اس کا جواب آیات مبارکہ میں ہے کہ اگر اللہ تعالی چاہتے تو انسانوں کو بھی مشین سے بنے ہوئے ایک ہی ڈیزائن، سائز اور صفات کا حامل بنا دیتے اور سب انسان ایک ہی طرح پر کام کرتے جس طرح مصنوعی عقل کے ذریعے کام کرنے والے الات ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا کہ وہ فیصلہ خود کریں ، ان کو کسی دوسری طاقت کے ذریعے نہ منوایا جائے۔ اس اختیار کے باعث انسان کو اپنے سوچنے اور سمجھنے پھر ارادہ کرنے اور عمل کرنے کا اختیار ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالی نے انسان کے اندر مختلف قسم کے جذبات اس کی سرشت (نیچر) میں ڈال دیئے ،مثلا محبت، نفرت ،سخاوت، کنجوسی، خوف و بہادری کینہ ، حسد وبغض ، پھر مختلف انسانوں میں یہ صفات مختلف مقدار میں ڈالیں جس کی وجہ سے انسانوں میں اچھے اور برے اعمال کرنے کی صلاحیت اور قوت موجود ہے ، جسے ایک طرف شیطان اور نفس امارہ (انسان کے اندر بری خواہشات) اور دوسری طرف فرشتے انبیاء اور نفس مطمئنہ (انسان کے اندر اچھائی اور بھلائی کی خواہشات) کھینچتے ہیں اور اس کی وجہ سے اعمال سرانجام دیتا ہے۔ ان کے نتیجہ میں اگر اچھے اعمال زیادہ ہوں گے تو وہ جنت میں جائے گا اور برے اعمال زیادہ تو جہنم (دوزخ) میں جائے گا۔

انسانوں میں کچھ برا عمل کریں گے اور کچھ لوگ اچھے اعمال کریں گے انہی اسباب کی بناء پر اختلاف چلتا رہے گا حتی کہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ جہنم برے اعمال کرنے والوں جنوں اور انسانوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے بھر جائے گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اختلافات دنیا کے تمام معاملات میں ہوتے ہیں، یہ گھر، ایک گروہ، جماعت ،پارٹی یا ملک ہو، ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اختلاف ہر قسم کی آراء مذہبی، سیاسی، سماجی، اور معاشی یا قانون کی تشریح یا جدید تحقیقات ،سب میں انسان کی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر ہیں۔ چونکہ اختلاف اکثر شدت اختیار کر جاتے ہیں بلخصوص جب ذاتی مفادات اور خواہشات شامل ہوں، اس صورت میں فساد اور ظلم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ مذموم ہے

۔ لیکن اگر اس کو مثبت انداز میں کیا جائے تو اس کے کئی فوائد ہیں۔ مختلف آراء، نتائج اور سہولتیں میسر آتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل علم اپنی اپنی ارا میں مختلف نکات کی بنا پر پر اختلاف کرتے ہیں اور لوگ اس سے فائدے اٹھاتے ہیں، اس لئے قرآن مجید میں کئی بار نصیحت کی گئی گی کہ تبلیغ کی جائے اور پھر لوگ اگر نہ مانیں تو ان کی مرضی۔

مذہبی اختلاف میں صحیح کون اور غلط کون ہے؟ اس کا قیامت کے دن اللہ تعالی فیصلہ کریں گے ہر ایک کو اپنی طاقت کے مطابق تشدد کے بغیر عمل کرنا چاہیے۔ اس اختلاف کے بارے کئی احادیث آئی ہیں، حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا، یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اسی طرح نصاری بھی اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ خدا پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کی تعریف و توصیف مختلف ہے کچھ خدا کو نہیں مانتے ،صرف کائنات کو تدریجی یا حادثاتی قرار دیتے ہیں کچھ خدا کے ساتھ کتابوں اور انبیاء کو بھی مانتے ہیں لیکن اختلاف کرتے ہیں۔ بہترین طریقہ یہی ہے کہ اختلاف والے مسائل میں خود تحقیق کی جائے اور اگر خود نہیں کر سکتا، تو چند اہل علم جن پر اسکو اعتماد ہے، ان کی رائے لے کر اس پر عمل کیا جائے۔ مختلف آرا کا موازنہ اہم ہے۔ دوسروں کو برا بھلا نہ کہا جائے ،البتہ خوبصورت انداز میں اپنی رائے اور اس کی ترجیح کی وجہ بیان کی جائے۔ اگر کوئی مان جائے تو اچھا ہے اور اگر کوئی نہیں مانتا تو تشدد نہ کیا جائے، بلکہ حق اور سچ کے فیصلہ کو اللہ تعالی کی ذات پر قیامت کے دن چھوڑ دیا جائے، یہی ہدایت قرآن مجید میں دی گئی ہے۔

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾

اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان کرتے ہیں، جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان واقعات میں آپ کے پاس حق آگیا اور مومنوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔

وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴿۱۲۱﴾

اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہے ان سے کہو: کہ تم اپنی جگہ (موجودہ حالت) پر عمل کی جاؤ اور ہم بھی اپنے طریقہ پر عمل کر رہے

ہیں۔

وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴿۱۲۲﴾

اور تم بھی (اللہ کے فیصلے کا) انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۳﴾

اور آسمانوں اور زمین کے سب پوشیدہ راز اللہ کے علم میں ہیں اور اسی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جائیں گے، لہذا اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس سے تمہارا رب بے خبر نہیں۔

سورہ ھود مکہ میں نازل ہوئی کفار مکہ اپنے ظلم و ستم میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے، اللہ تعالی نے مختلف مشہور انبیاء جو کہ مشرق وسطیٰ کی علاقہ میں گزرے ہیں اور ان کے بارے میں وہاں کے لوگوں کو علم تھا، کے واقعات بیان فرمایئے تاکہ حق کی تبلیغ اور رسالت کی ذمہ واری پر جو مشکلات ہوتی ہیں وہ مومنیں کو معلوم ہوں اور دوسری طرف کفار کو پیغام دیا کہ وہ اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں گے، کہ ایک دن شرمساری و ناکامی ان کا مقدر ہوگی۔ اس لئے کہا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی کرتے ہیں۔ وقت نے ثابت کیا کہ کفار مکہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ مسلمانوں کا بول بالا ہوا ساتھ ہی فرمایا یا کہ اللہ تعالی انسانوں کے سارے اعمال کو خوب جانتا ہے اور سارے فیصلے آخر میں روز قیامت، اس کے ہونگے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ یہ کلام الہی نیک اعمال کرنے کی یاددہانی ہے، تاکہ عذاب سے آدمی بچ سکے۔ سورۃ ھود کا خاتمہ انتہائی اہم اعلان پر ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اس پر توکل کرو اور اپنے اعمال کے مطابق ہی جزا و سزا پاوگے اور وہ ذات علیم و خبیر ہے۔

الحمد للہ سورۃ ھود کی تفسیر مکمل ہوئی اللہ تعالی اس کام کو منظور فرمائے، اپنے کرم سے مکمل کرنے کی توفیق اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے آمین۔

سورۃ یوسف

تعارف:۔

اس سورت کا نام یوسف ہے کیونکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بڑے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورت بارہ (12) رکوع اور ایک سو گیارہ (111) آیات اور سولہ سو (1600) کلمات پر مشتمل ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ موقع نزول ہجرت سے پہلے کے چند سال ہیں۔ جب مسلمانوں پر انتہائی مصائب کا زمانہ تھا۔ زیادہ خیال یہی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کے ایام ہیں۔ سورۃ یونس، ھود اور یوسف، یکے بعد دیگرے یا ساتھ ساتھ نازل ہوئیں اور یہی قبل از ہجرت کا زمانہ تھا۔ وقت نزول کے واقعات میں تحریر ہے کہ قریش نے محض حضور ﷺ کو تنگ کرنے کے لئے، یہود کے کہنے پر سوال کیا، کہ قوم بنی اسرائیل کے مصر میں سکونت کے اسباب بتائیں۔ جواب میں سورت نازل ہوئی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ساری زندگی کو بیان فرما دیا گیا۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ یہودی علماء نے جب آپ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے پوچھا۔ تو آپ نے ان کو سورۃ یوسف کی آیات سنائیں۔ جس کی وجہ سے وہ حیران رہ گئے۔ جب انہوں نے ان معلومات کے بارے سوال کیا کہ آپ کو کیسے علم ہوا تو آپ ﷺ نے وحی کا ذکر کیا، چونکہ واقعات صحیح اور تورات کے مطابق تھے تو وہ یہودی ایمان لے آئے۔

سورت یوسف انسانی زندگی اور جدوجہد کی زندہ داستان ہے۔ اس وقت مکہ کے حالات سے بڑی مطابقت رکھتی تھی۔ اہل مکہ کا رویہ برادران یوسف کے رویہ سے زیادہ شدید تھا۔ سورت میں انسان جس نے دنیا کی لیڈرشپ اور اللہ کے احکام کو نافذ کرنا ہوتا ہے، اس کی زندگی کے مراحل، مصائب، امتحانات اور پھر ان سے نکل کر کامیابی اور لیڈر شپ پر فائز ہونے کا تفصیلی ذکر ہے۔ انسانی نفسیات، اس کا عمل، بین الافراد تعلقات، انفرادی عیوب اور محاسن کا ذکر فرما کر سارے واقعے کو احسن القصص بنا دیا۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں سورۃ یوسف کے واقعات کو ہر وقت دیکھتے اور گذرتے ہیں۔ صرف سورۃ کی ہدایت پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ آیات مبارکہ میں حضور ﷺ اور

مسلمانوں کو ان حقائق سے آگاہ فرمایا گیا جو کہ راہ حق پر چلنے سے مشکلات آسکتی ہیں۔ اہل مکہ نے جس طرح مظالم کئے، اسی طرح حضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر وہی الفاظ دہرائے: کہ آج تم آزاد ہو تم سے کوئی پوچھ گوچھ نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے احادیث میں بہت احترام ظاہر فرمایا بلکہ یہ الفاظ ہیں: لوگوں میں سب سے کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں جو نبی ہیں اور نبی کی بیٹے ہیں۔ حضرت یعقوب کا کردار، اولاد کا رویہ، واقعات کے علم کے باوجود صبر اور اللہ سے رجوع، کہ میرا غم اور ہر تکلیف کا سہارا ذات خداوندی ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر مصائب کا طوفان، بھائیوں کی نفرت، کنویں میں پھینکنا، غلام بن جانا، بازار میں فروخت ہو کر ایک دولتمند کے گھر جا پہنچنا، اُبھرتی جوانی میں عورتوں کے جنسی شکار سے بچ نکلنا، اپنے نفس پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل کنٹرول کرنا، بد اخلاقی اور گناہ کی زندگی سے جیل کو ترجیح دینا، آج ان انسانوں کے لئے نور کا مینار ہے جو نفس کی بری خواہشات میں مست ہو کر اخلاق حسنہ کا خون کر دیتے ہیں۔ پھر جیل میں اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ، اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا، اپنی بے گناہی کو الزام لگانے والوں سے اپنے اخلاق و کردار کی بناء پر، تسلیم کروانے کی جو انسانی کردار کی عظمت آپ نے ثابت کی ہے وہ سب کے لئے اعلیٰ نمونہ ہے۔ جب حکومت ملی تو انسانیت کی فلاح کے لئے اپنے سارے علم و تجربہ کو استعمال کر کے سارے علاقے میں قحط سالی سے لوگوں کو محفوظ کیا۔ اپنے بھائیوں کو نہ صرف معاف کیا، ان کے عمل کو شیطان کا عمل قرار دے دیا۔ انسانی نفسیات کا مکمل تجزیہ اور تمام نفسیاتی بیماریوں کا علاج سورہ یوسف میں تفصیلاً موجود ہے۔ صرف ضرورت یہ ہے کہ ہم اس کا علمی جائزہ لیں، اس کی اخلاقی اہمیت کو سمجھیں اور اپنی زندگیاں اور معاشرے کو خوبصورت بنائیں۔ تاریخ قدیم میں حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کے وقت مصر میں ”چرواہے بادشاہوں“ (Shepherd King) کے نام سے جو مشہور ہیں، کی حکومت تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ کا نام اَپوفس (Apophis) بتایا جاتا ہے کہ جس عہد میں طویل اور بد ترین قحط کا ذکر ہے۔ جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی عمدہ مینجمنٹ اور نظام حکومت سے لوگوں کو تباہی سے بچایا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بائبل / تورات میں کتاب پیدائش کے ابواب سینتیس 37 سے لے کر اکتالیس 41 تک مختلف آیات میں آیا ہے، لیکن اگر ان کو پڑھا جائے اور قرآن مجید میں جو آیات آئی ہیں، ان کا موازنہ کیا جائے تو فرق واضح نظر آتا ہے کہ سچا اور اعلیٰ کلام کونسا ہے۔ مختلف انبیاء کے واقعات میں سورہ یوسف کا انداز بہت خوبصورت اور تفصیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے نور سے ہمارے ذہنوں کو منور فرما کر ہمارے کرداروں کو اعلیٰ اخلاق کے مطابق بنانے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾

الف، لام، را، یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾

بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا تاکہ تم سمجھ سکو۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾

(اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کرکے ہم آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ اس (قصہ) سے بے خبر تھے۔

سورت کی ابتداء اس کی عظمت کے لئے حروف مقطعات الف، لام، را، سے کی گئی ہے۔ یہ حروف خود ایک لفظ یا جملہ ہیں۔ ان کے اسرار گہرے ہیں۔ چند علماء نے توجیہات کی ہیں۔ جن کا ذکر سورہ البقرہ کی ابتداء میں کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا یہ کتاب اور اس کی آیات، حق کو واضح کرنے کے لئے نازل کی گئی ہیں تاکہ انسانیت کو حق اور باطل، برا اور اچھا واضح کیا جائے۔ دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی اور بھلائی ہو۔

طریقہ تبلیغ یا پیغام رسانی:۔

دوسری آیت مبارکہ بڑی اہم ہے۔ تمام انسانوں کے لئے کس طرح پیغام رسانی ہو، ابلاغ عامہ اور معلومات کیسے بہم پہنچائی جائیں؟ اس کا طریقہ بیان فرمایا کہ کلام سامع یا مخاطب کی سمجھ میں آنے کے لئے اس کی زبان میں ہی ہوتا ہے کہ سمجھنے میں اسے آسانی رہے اور یہی حکمت ہے کہ قرآن مجید کو نبی ﷺ اور اہل عرب کی زبان میں نازل فرمایا۔ جس طرح تورات اور انجیل کو اس وقت کی مقامی زبانوں میں نازل کیا تھا۔ پھر قصص یا واقعات جو بیان فرمائے، تاکہ معلومات حاصل ہوں اور زندگی کے زیر و بم سے انسان کو آگاہی ملے اور ساتھ ہی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ یہ واقعات اپنی افادیت، معلومات بالخصوص انسانی رویے اور کردار کے لحاظ سے بہترین ہیں۔ سورت میں انسانی زندگی کے تمام ادوار اور کیفیات، مثلاً بچپن، جوانی، بڑھاپا، غم و مسرت، مجبوری اور

طاقت، انسانی خواہشات اور ان کا کنٹرول، حاکمیت اور محکومیت وغیرہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۝۴

جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا! اے اباجان بے شک میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کررہے ہیں۔

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًاؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۵

کہا اس (باپ) نے اے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہارے لئے کوئی سازش تیار کریں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

وَ كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝۶

اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں ممتاز (مقام عطا) کرے گا اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا۔ اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جیسے اس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحٰق پر پوری کی تھی۔ بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر گیارہ یا بارہ سال کی تھی تو آپ نے خواب دیکھا جس میں گیارہ ستارے، سورج اور چاند آپ کے سامنے سجدہ کررہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب والد مکرم حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا۔ جنہوں نے خواب سننے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کی کہ اس خواب کو دوسرے افراد، ان کے سوتیلے بھائی جو گھر میں رہتے ہیں ان کو نہ بتائیں کہ کہیں شیطان ان کے دل میں کوئی سازش یا ان کی مخالفت نہ ڈال دے اور اس وجہ سے حالات تکلیف دہ ہوجائیں۔ ساتھ ہی ان کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل سے علم سے نوازے گا تاکہ

تم خواب کی تعبیر اور مشکل حالات میں صحیح فیصلے کر سکو۔ اللہ تم پر اور آل یعقوب پر اسی طرح کرم فرمائے گا جس طرح اس نے حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (جو حضرت یعقوب کے والد اور دادا تھے) پر انعام و اکرام عطا فرمائے۔ آیات مبارکہ انسان استعداد، انسانی کردار اور شیطان کے انسانوں پر اثرات کے بارے آگاہی دیتی ہیں۔

خواب:۔

نیند کے دوران خواب ہر انسان کو آتے ہیں۔ خواب آنا ایک انسانی عادت ہے۔ اس کے اسباب اور اس کی تعریف مختلف ہے۔ نیند کی تعریف یہ ہے کہ جب بدن تھک جاتا ہے، آنکھوں کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور کبھی ہوتی رہتی ہے، دماغ اور جسم سست ہو جاتا ہے، خارجی اثرات کا ادراک کم ہو جاتا ہے، ظاہری حواس بھی کمزور ہو جاتے ہیں بلکہ احساس ختم ہو جاتا ہے، نیند ہے۔ انسان کے ذہن کے اندر خیالات اور تصورات جن میں احساس و جذبات بھی ساتھ ہوتے ہیں اور یہ نیند کے دوران بغیر انسان کے ارادہ یا دخل کے پیدا ہوتے ہیں یہ **خواب** ہیں۔ نیند کے کچھ حصہ میں خواب آتے ہیں اور کچھ حصہ میں نہیں آتے۔ خواب کس طرح کے آتے ہیں اور ان کا کیا اثر ہوتا ہے، نفسیات یا سائنس میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں کیونکہ سائنس کے پاس ان کی تشریح کے لئے کوئی آلات نہیں۔ البتہ فلسفہ اور مذاہب میں ان پر بحث ہوتی رہتی ہے اور ان کے بارے اسباب و معلومات ہیں۔ خواب علم نفسیات میں بھی زیر بحث رہتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق ذہن، جذبات، عقل اور خواہشات سے بھی ملتا ہے۔

تمام مذاہب خواب کو اہمیت دیتے ہیں۔ اسلام میں خواب کے ذریعے بھی معلومات دی جاتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر خواب کے ذریعے معلومات ملیں۔ کیونکہ خواب کے ساتھ، خواب دیکھنے والے کا گہرا تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کی بنیاد اس کا ذہن یعنی اصلی کردار ہے، جس کی بنیاد اس کا یقین ہے۔ حدیث مبارک کے مطابق جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نیک شخص کا اچھا خواب نبوت کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے (بخاری شریف)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء

کی گئی تو سب سے پہلے آپ ﷺ کو سچے خواب دکھائے گئے۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر سحر کی سفیدی کی طرح آجاتی (بخاری شریف)۔ اس لئے اسلام میں اور دیگر مذاہب سماوی میں خواب کو سچا بھی سمجھا جاتا ہے۔

خواب کے اسباب:۔

خواب کیوں آتے ہیں؟ اس کی کوئی مکمل سائنسی تجرباتی توجیہہ تو نہیں مل سکی البتہ نفسیاتی اور طبی تجزیے سے کچھ نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ خواب کے داخلی اور خارجی محرکات ہیں۔ داخلی سے مراد انسان کے جسم سے پیدا ہونے والے محرکات اور خارجی سے مراد وہ جو انسانی جسم سے پیدا نہیں ہوتے۔

داخلی محرکات میں (1) انسانی خواہشات بڑی اہم ہیں۔ انسان اپنی خواہشوں کی تکمیل نہیں کر سکتا تو اس کے بارے خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خواب ان خواہشات کے بارے ہوتے ہیں۔ (2) انسان بسا اوقات سوتے وقت کسی ایسی حالت میں ہوتا ہے جو اس کے ذہن و بدن کو متاثر کرتی ہے۔ جیسے سر پر سردی کا اثر، معدے پر گیس کا اثر، سانس گھٹنے کا اثر تو اس حالت میں ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ (3) دن کے دوران واقعات و حالات کا دماغ پر اثر ہو جاتا ہے جس کے مطابق رات کو خواب آتا ہے۔

خارجی امور:۔

یہ وہ امور ہیں جن کو میڈیکل سائنس یعنی طب نہیں مانتی اور بعض اوقات ماہر نفسیات بھی نہیں مانتے۔ جو ماہر نفسیات مذہب پر یقین رکھتے ہیں وہ تو مانتے ہیں اور جو یقین نہیں رکھتے وہ نہیں مانتے۔ یہ خارجی اثرات اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے نیکی کی طرف یا مثبت اندازِ فکر پیدا کرتا ہے اور ایک شیطان یا جن جو اس کے دماغ میں منفی اثرات پیدا کرتا ہے اور اسے فساد کے خیالات کی طرف راہنمائی کرتا ہے، کا اثر ہے۔ اس طرح اچھے اور برے خواب آتے ہیں۔ وہ خواب جو سچے ہوتے ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے فرشتے، انسانی ذہن میں تصویر سامنے کر دیتے ہیں۔ جس کو انسان تخیل کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔

حضور علیہ السلام سے صحابہ نے اسباب خواب کے بارے ایک دفعہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے جو فرمایا وہ آج بھی حرف بہ حرف صحیح ہے۔

آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق تیسرا حصہ خواب کا محرک یا سبب، انسان کے شب و روز میں ہونے والے واقعات اور حالات ہیں، یہ خواب ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ دوسرا تیسرا حصہ وہ خواب انسان کے خواہشات اور تحت الشعور کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور آخری تیسرا حصہ اس کے خواب شیطان یا اللہ کے فرشتے کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ انسان کے اعمال اور اس کے تعلق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا مؤکل یعنی معین کردہ جن اور اسی طرح کا ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ اگر انسان کے اعمال نیک ہیں، سارا وقت اطاعت و احکام خداوندی میں گزرتا ہے تو اس کا نفس مطمئنہ کامیاب ہے۔ اس طرح اس کے خواب بھی سچے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے کے ذریعے اس کے ذہن میں خواب کی صورت میں ڈالے جائیں گے۔ دوسری طرف اگر انسان نے شیطانی اعمال کو زندگی کا وطیرہ بنا رکھا ہے، بری عادات اور خصلتیں اس کی فطرت بن گئی ہیں، تو وہ شیطان کے خیالات، اعمال کا مرکز بن گیا ہے۔ اس کے خواب بھی اسی طرح کے اور خوفناک و جھوٹے ہوں گے۔ یہ دونوں قوتیں (شیطان / فرشتہ) انسان کے اندر قوت تخیل و ارادہ کو استعمال کرتی ہیں۔ ماہرین نفسیات کے تجزیے بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

خوابوں کا بیان:۔

جب بھی کوئی خواب آتا ہے۔ کبھی وہ بالکل بے معنی اور بے ڈھنگا ہوتا ہے یا کوئی اس کی عملی صورت یا کسی توجیہہ کے قابل ہوتا ہے، خوفناک بھی ہو سکتا ہے اور خوبصورت اور دل نشین بھی۔ حضور ﷺ نے اس سلسلے میں انسانی رہنمائی کے لئے بہترین اصول اپنی حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔ ان سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ کی جانب سے ہے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اس خواب کو بیان کرے اور جب وہ کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور خواب کسی کے سامنے نہ بیان کرے، پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا (بخاری شریف)۔ حدیث سے حکمت بڑی واضح ہے کہ خواب کا خواب دیکھنے والے پر اثر ہوتا ہے اگر

اچھا خواب ہے تو بیان کرنے کے اثر کو مزید بڑھائے گا اور تسکین کا سبب بنے گا اور اگر برا خواب ہے تو اس کا اثر بیان کرنے سے اور مزید برا پڑے گا اور نفسیاتی طور پر پریشانی کا سبب بنے گا۔

ایک اور حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا نیک خواب اللہ کی جانب سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں، پس جب کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے پناہ طلب کرے تو پھر وہ خواب اس کو ضرر (نقصان) نہیں دے گا۔ اور شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا (ترمذی شریف)۔ تھوکنے کا مقصد یہ ہے کہ خواب کے اثر کو دماغ سے نکال دے۔ خواب سچا ہونا ایمان کے ساتھ مشروط نہیں، غیر مسلم افراد کو بھی خواب آسکتے ہیں جو بعد میں سچے ہو جاتے ہیں، اسی طرح کاہن لوگ بھی پیشن گوئیاں کرتے ہیں جو سچی ہو جاتی ہیں لیکن یہ الہام نہیں ہوتا۔

خوابوں کی تعبیر:۔

خواب نفسیاتی و میڈیکل سائنس میں ایک تخیلاتی عمل ہے جس کا تعبیر سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی اس سلسلے کافی معلومات اور اعداد و شمار میسر ہیں اس لئے یہ اہم نہیں۔ لیکن مذہبی یا روحانی طور پر خواب کی تعبیر ایک حقیقت ہے، لیکن کتنے خواب سچے خوابوں میں آتے ہیں اس کے بارے حدیث کی رہنمائی ایک بہت بڑی صداقت و حقیقت ہے۔ خواب جو داخلی امور سے آتے ہیں ان کی اکثریت ہوتی ہے وہ بے فہم اور بے مقصد ہوتے ہیں۔ جو معلومات فرشتے کے ذریعے انسانی ذہن میں نیند میں خواب کی صورت میں آتی ہیں یہی قابل تعبیر ہوتی ہیں اور ان کی صداقت کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اس طرح جو خواب قابل تعبیر یا ان کے صحیح ہونے کے امکانات ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ خواب اور انکی تعبیر بیان فرماتے تھے اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام بھی خواب کی تعبیر بھی فرماتے تھے۔

خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اہلیت میں، سمجھ و دانائی، اللہ کی کتاب اور احادیث کا وافر علم ہونا ضروری ہے، اس کے ساتھ کنایات اور مجازات و تشبیہات کا علم ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ تعبیر کرنے والے کا تقویٰ، پرہیزگاری، کردار بڑا

اہم ہے۔ پھر خواب دیکھنے والے کے بارے بھی، تعبیر بیان کرنے والے کو پوری معلومات ہونی چاہیں کہ دیکھنے والے کا کردار اور احوال کیسے تھے اور ہیں۔ اس موضوع پر اسلامی لٹریچر میں علماء نے کتابیں لکھی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت حضرت امام ابن سیرین کی کتاب تعبیر الرؤیا اور عبد الغنی نابلسی کی تعبیر المنام کو ملی ہے۔

قرآن مجید نے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت، حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بیان کی ہے وہ انسانی نفسیات اور اعمال سمجھنے کے لئے بہت اہم ہے اور اسی مقصد کے لئے بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حسد، بغض، کینہ، تکبر، خود غرضی کے جذبات انسان کی فطرت کا حصہ ہے اور صرف نیک اور اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ لوگ ہی ایسے جذبات کو کنٹرول کر سکتے ہیں اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں سماجی و معاشی برائیاں اور جرائم میں ان جذبات کا بہت اہم کردار ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تو سارے بیٹے تھے لیکن آپؑ کو حضرت یوسف علیہ السلام پر جو انعام الٰہی ہونے تھے، ان کا علم ہو گیا تھا، اس لئے آپؑ ان کی حفاظت کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور دوسرے حضرت یوسف اور یامین سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے اس رویہ کی وجہ سے دوسرے بھائی حسد کرتے تھے۔ بڑے بھائی چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیویوں سے تھے، اس لئے مزید آپس میں وہ محبت نہیں تھی جو سگے بھائیوں میں ہوتی ہے۔ فتنہ اور پریشانی، حسد کو کم رکھنے اور جذبہ انتقام کو ختم کرنے کے لئے اپؑ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاکید کی کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کریں، کیونکہ خواب میں گیارہ ستارے تھے جو ان کے بھائیوں کی تعداد کے برابر تھے۔ اس طرح وہ اسے ان کی کامیابی یا عظمت سمجھ کر ان کی مخالفت و دشمنی شروع نہ کر دیں، یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے خواہ وہ انسان کس قدر ہی اہم خاندان یا معاشرہ کا حصہ کیوں نہ ہو۔ اس ہدایت سے مندرجہ ذیل حقائق واضح ہوتے ہیں:۔

۱۔ جہاں حسد یا دشمنی کے امکانات ہوں ,وہاں اس کو کم کرنے کے لئے تمام معلومات کو فراہم کرنا ضروری نہیں۔ صرف بقدر ضرورت معلومات فراہم کی جائیں تاکہ فساد اور نقصان کو کم کیا جا سکے۔

۲۔ نقصان اور فساد کو کم کرنے کے لئے کسی کمزوری یا برے ارادے کی اطلاع دینی بہتر ہے کہ فساد کم کیا جائے، اس سے مراد غیبت نہیں بلکہ واقعہ کی خبر ہے، کسی کو رسوا کرنا مقصد نہیں بلکہ فساد اور نقصان کو کم کرنا ہے۔

۳۔ جہاں حسد کے امکانات ہوں وہاں نعمتوں کو ظاہر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، تاکہ دوسروں کی دل آزاری بھی نہ ہو اور حسد یا کینہ پرورش نہ پا سکے۔ ان حالات میں نعمت کو مخفی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ ایک حدیث اس سلسلہ میں بہت اہم ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی ضروریات کی تکمیل پر مخفی رکھنے سے مدد طلب کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے حسد کے بارے آگاہ کیا ساتھ ہی یہ فرما دیا، کہ سارے برے اعمال شیطان کی وجہ سے ہیں۔ یہ شیطان، حدیث کے مطابق انسان کے اندر خون کی طرح رواں رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان کے دماغ میں غلط اور فاسد خیالات پیدا کرتا ہے۔ بار بار پیدا کر کے اس کو انسانی ارادے کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر انسان اس ارادہ کو عمل کی صورت دے کر جرم یا گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ اور یہی بات حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے بھائیوں کو معاف کیا تو دہرائی۔ یہ معاف کرنے کا کتنا خوبصورت انداز ہے۔ اگر اس نقطہ نظر، بلکہ حقیقت کی طرف غور کیا جائے تو کسی بھی انسان کو معاف کرنا کس قدر آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے عروج کی خوشخبری بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے دی، کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام حضرت اسحٰق علیہ السلام اولاد پر کیے ہیں، جن میں نبوت اور لوگوں کی راہنمائی وہدایت ہے وہ برکت و انعام حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ جو بعد میں سچ ثابت ہوا۔ حضرت یوسف نے اپنے حسن تدبیر سے مصر کو سخت قحط میں محفوظ رکھا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦

البتہ بے شک جو لوگ پوچھ رہے ہیں (واقعہ کے بارے) ان کے لئے

یوسف اور ان کے بھائیوں کے حالات میں بڑی نشانیاں ہیں۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ﴿۸﴾

جب انہوں نے (سوتیلے بھائیوں نے) آپس میں کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم (ان کے لئے) ایک مضبوط جماعت ہیں، بے شک ہمارے والد کسی غلط فہمی میں مبتلا (پڑے ہوئے) ہیں۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾

(اس لئے) یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی اور زمین میں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کا چہرہ (ساری توجہ) تمہاری طرف ہو جائے اور (یہ سب) کرنے کے بعد تم نیک بن جانا (توبہ کرکے)۔

قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: یوسف کو قتل تو نہ کرو اور تم اسے کسی گہرے کنویں میں ڈال دو تاکہ اسے کوئی مسافر (قافلہ) اٹھا کر لے جائے، اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

انہوں (برادران یوسف) نے کہا اے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کی بابت ہم پر اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ یقیناً ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

آپ کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیں کہ خوب (پھل) کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس (یعقوب) نے کہا، یہ بات (کہ تم اسے لے جاؤ گے) مجھے غمگین کرے گی اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اس سے غافل ہو تو کوئی بھیڑیا اسے کھا جائے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۱۴﴾

انہوں نے کہا! اگر اسے بھیڑیا کھا جائے جب کہ ہم ایک (طاقتور) جتھہ ہیں تو بلاشبہ ہم بہت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

سورۃ یوسف میں واقعات کے بارے فرمایا گیا اس میں پوچھنے والوں کے لئے معلومات ہیں۔ اس سے دو اہم نکتے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو کفار مکہ جو یہود کے ذریعے حضور علیہ السلام کا امتحان لے رہے تھے اور ساتھ ہی یہود بھی سوال کر رہے تھے، دونوں کو جواب ملے ہیں کہ یہ ساری کتاب وحی پر مبنی ہے، دوسری طرف کفار مکہ اور مسلمانوں پر جو کفار کا رویہ اور ظلم ہو رہا تھا اس کی تشریح بھی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے رویہ سے واضح کر دی کہ اپنے بھائی، ایک خون، ایک خاندان، ایک مذہب کے ہوتے ہوئے بھی شیطان کے ورغلانے سے کتنا ظلم اور زیادتی کر سکتے ہیں۔ جس طرح کفار مکہ کر رہے ہیں۔ اور پھر ان کا انجام بھی شرمندگی اور معافی پر ہوا، کفار مکہ کا انجام بھی اسی طرح ہوگا۔ دوسری طرف یہ قصہ تمام انسانوں کے لئے لئے سبق ہے کہ عملی زندگی میں کیسے کیسے واقعات ہوتے ہیں۔ تکالیف اور کامیابی زندگی کا حصہ اور صحیح راستہ پر چلنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تعداد میں گیارہ تھے، یہ بھائی بڑے تھے۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائی یامین کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ مامتا کی محبت سے محروم تھے، اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان کا خیال کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ چھوٹے تھے، جس کی وجہ سے توجہ کے مستحق اور حسین بھی بہت تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نگاہ نبوت، ان کے اندر آثار بھی دیکھ رہی تھی۔ یہ سارے حقائق حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ وہ حضرت یعقوب کی محبت کو ایک تفریق سمجھتے تھے حالانکہ وہ سب نوجوان اور بڑے تھے۔

شیطانی حملہ:۔

بے شک شیطان کا انسان پر حملہ کرنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ وہ ایک گناہ (برے عمل) کو ملمع چڑھا کر جس کے پیچھے خود غرضی، لالچ ہوتا ہے، اسے ایک حقوق یا واقعہ کی شکل دے کر پھسلاتا اور ورغلاتا ہے۔ یہی عمل وہ برادران یوسف سے کروا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کے عمل پر مطمئن رہنے کے بجائے اس پر اعتراض اور اسے تفریق سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ چونکہ بڑے ہیں، معاشی اور سماجی طور پر اپنے والد اور گھر کے لئے زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں، کثیر

تعداد کی وجہ سے ایک جتھہ ہیں، لہذا ان سے زیادہ الفت ہونی چاہیے۔ حالانکہ ان کا یہ خیال خود غرضی پر مبنی تھا۔ وہ چھوٹوں سے پیار کرنے اور انکی حفاظت کرنے کو نظر انداز کر رہے تھے۔ اس منفی سوچ نے ان کے اندر حسد کی آگ جلا دی اور وہ بغض میں بھی پڑ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش شروع کر دی اور اس کے لئے کئی بہانے سوچنے لگے۔ کہ کس طرح گھر سے نکال کر لے جائیں۔ حسد و بغض اس قدر بڑھا کہ نفرت میں تبدیل ہو گیا اور وہ حضرت یوسف کی زندگی کے درپے ہو گئے اور ارادہ کر لیا کہ حضرت یوسف کو گھر سے غائب کر دیا جائے، تاکہ والد کا ان سے تعلق ختم ہو گا تو پھر ان پر زیادہ توجہ ہو گی۔ اس لئے حضرت یوسف کو یا تو قتل کر دیں یا کسی دور دراز علاقے میں چھوڑ آئیں تاکہ وہ واپس نہ آ سکیں۔ ایک نے رائے دی کہ اسے کسی کنویں میں پھینک دیتے ہیں اور قتل نہ کرو اس طرح سے کوئی اٹھا کر لے جائے گا۔ حضرت یعقوب سے کہا کہ یوسف گھر میں ہر وقت پابند رہتا ہے اور اسے باہر نکلنا اور کھیلنے کو دل کرتا ہے۔ اس لئے اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ خوب کھیلے اور خوب باہر قدرتی درختوں کے ساتھ پھل کھائے، ہم اس کا خیال رکھیں گے۔ آپ شاید ہمیں اس کا خیر خواہ نہیں سمجھتے اور ہم پر بھروسہ نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے بھائی ہیں اور خیال کرنے والے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا اس کا تمہارے ساتھ جانا میرے دل میں غم اور خوف پیدا کر رہا ہے۔ کہیں تم کھیل کود میں مشغول رہ کر اس کو بھول جاؤ گے اور یہ کسی جنگلی درندے یا بھیڑیے کا شکار نہ ہو جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس خیال یا اندازہ کے بارے کئی آراء ہیں۔ (1) آپ نے نگاہ نبوت (الہام) کے ذریعے جان لیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں، اس لئے قابل بھروسہ نہیں۔

(2) آپ نے بھی ایک خواب دیکھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر بھیڑیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ (3) اس علاقہ میں شاید جنگلی بھیڑیئے رہتے ہوں گے۔ چونکہ بھیڑیئے بکریوں کو کھا جاتے تھے۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ وہ تعداد میں دس ہیں، ایک جتھہ ہیں، اتنے ہونے کے باوجود اگر ایک کی حفاظت نہ کر سکے تو اس سے بڑھ کر نالائقی اور افسوس کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ اگر ہم اس ساری گفتگو پر غور کریں تو ہم

سمجھ سکتے ہیں کہ انسان پر شیطان کس انداز اور طریقہ سے حملہ کرتا ہے۔(1) پہلے ایک منفی خیال پیدا کرتا ہے، جیسے آپس کی تفریق۔(2) پھر اس کو بڑھاتا اور حسد اور پھر بغض اور دشمنی تک لے جاتا ہے۔(3) مکر و فریب مختلف طریقے سے دماغ میں ایک عمل کو کرنے کے لئے ڈالتا ہے جیسے اس کو گھر سے غائب کرنا یا قتل کرنا۔ پھر برادران یوسف کی گفتگو کا انداز (i) حضرت یوسف کی خوشی اور کھیل کود کا بہانہ۔(ii) ان کے بھائی ہونے کے باوجود ان پر والد کے بھروسہ نہ کرنے کا شکوہ۔(iii) پھر ان کی حفاظت کی یقین دہانی۔

روایات میں ہے کہ جب وہ لے جانے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے کندھوں پر اٹھا لیا اور جب آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو انہیں زمین پر پھینک کر تشدد شروع کر دیا۔ ایک اور دھوکا کہ یہ جرم کرنے کے بعد ہم اللہ سے معافی مانگ لیں گے اور نیک بن جائیں گے۔ یہ بھی شیطان کے ذریعے ایک دھوکا اور غلط خیال تھا۔ عام طور پر تمام مجرم اس طرح کی ذہنی کیفیت میں جرم سرزد کرتے ہیں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا پھر ٹھیک ہو جائیں گے۔

علاج:۔

جرم سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ابتدائی مرحلہ پر ہی منفی خیالات کو دور کر دیا جائے اور مثبت سوچ یا خیال کو اپنایا جائے تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔ اس لئے اللہ سے مدد مانگی جائے اور ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' کا پڑھنا اور سمجھنا بہت مفید ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۱۵﴾

پھر جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے یہ طے کر لیا کہ اسے اندھے (گہرے) کنویں میں ڈال دیں گے (اور ڈال دیا) تو یوسف پر ہم نے وحی بھیجی کہ تم انہیں یہ کام ضرور جتلاؤ گے (کہ انہوں نے کیا تھا) اور اس وقت وہ نہیں سمجھیں گے (کہ تم کون ہو)۔

وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴿۱۶﴾

اور رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ﴿۱۷﴾

انہوں نے کہا اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے تھے
اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔
اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں، اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔

وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

وہ اس (یوسف) کی قمیض پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے۔ اس (یعقوب) نے کہا (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں (ذہنوں) نے تمہارے لئے ایک بری بات آراستہ کر دی ہے (گھڑ لی ہے) پس میرے لئے صبر ہی بہتر ہے اور جو تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ کی ہی مدد درکار ہے (ضرورت ہے)۔

برادران یوسف نے یہ بہانہ کیا کہ وہ دوڑ کا آپس میں مقابلہ کر رہے تھے اور حضرت یوسف ان کے سامان کے پاس تھے کہ اس دوران بھیڑیا آیا اور اس نے ان کو مار دیا۔ دوڑ یا کھیلوں کا مقابلہ ایک اچھا عمل ہے۔ حضور ﷺ نے ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔ پہلی دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری دفعہ حضور ﷺ آگے نکل گئے، حضور ﷺ نے تیر اندازی، نیزا بازی، گھوڑ سواری، تیراکی، بھاگنا اور انسانی دفاع کے لئے کشتی کو پسند فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھوڑ دوڑ میں مقابلہ ہوا، حضور علیہ السلام کا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تیسرے نمبر پر آیا۔ ریس یا مقابلہ میں انعام دینے کی اجازت ہے لیکن شرط لگانے سے منع کیا ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

صبر جمیل:۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اس بیان کی تحقیق کر سکتے تھے اور انہیں اپنے لڑکوں کی باتوں اور عمل پر بھی شک تھا، لیکن آپ علیہ السلام نے چونکہ دونوں طرف اولاد تھی

اس لئے تحقیق نہیں کی اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ صبر جمیل کی تعریف میں علماء نے لکھا ہے جس میں گھبراہٹ، بے قراری اور بے چینی نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ وہ صبر ہے جس میں کسی سے شکایت نہ کی جائے۔ امام رازی نے اس کے بارے یہ تحریر کیا ہے "ایک صبر جمیل اور دوسرا صبر غیر جمیل ہے۔ صبر جمیل وہ ہے جس میں بندہ کو یہ علم ہو کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا اللہ ہے، پھر اس کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور جب اس کے دل میں یہ یقین رہے گا وہ اپنے مصیبت کی شکایت کرنے سے باز رہے گا۔

شکایت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو یہ علم ہو گا کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا حکیم ہے، عالم ہے، رحیم ہے اور جب وہ ان صفات کا موصوف ہے تو اس سے جو حکم یا فعل صادر ہو گا وہ حکمت کے مطابق اور صحیح ہو گا۔ پس وہ اس وقت مصیبت یا پریشانی پر صبر و سکون سے رہے گا اور اس مصیبت پر اعتراض نہیں کرے گا۔ (سبحان اللہ کس قدر خوبصورت انداز فکر و عمل ہے)

صبر غیر جمیل:۔

یہ صورت ہے جب مصیبت پر صبر اللہ کی تقدیر اور قضا پر راضی رہنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض سے ہو۔

جس طرح مصیبت اور تکلیف میں صبر جمیل یہ ہے کہ وہ اپنی مصیبت یا پریشانی کی مخلوق میں سے کسی سے شکایت نہ کرے، اسی طرح، غیظ و غضب یعنی غصہ اور انتقام لینے پر طاقت رکھنے کے باوجود صبر کرنا اور اپنے مجرم یا دشمن کو معاف کر دینا بھی صبر جمیل ہے، اسی طرح اپنی شہوت یا خواہش کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طاقت ہو اور محض خدا کے خوف اور اس کی اطاعت کی وجہ سے ان خواہشوں کو ترک کرنا بھی صبر جمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے آمین۔

حسد:۔

برادران یوسف کے اندر فساد کا سبب حسد تھا۔ اس حسد کی وجہ سے جھوٹ بولا، بھائی کو ضائع کیا، کنویں میں اور غلامی میں ڈالا، والد کو پریشانی اور غم میں مبتلا کیا۔

حسد ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ یہ ذہنی کیفیت ہے جس میں کسی انسان کو اچھے حال یا نعمت میں دیکھ کر دوسرے انسان کے دل و دماغ کو تکلیف پہنچتی ہے اور انسان شدید خواہش کرتا ہے کہ وہ اس سے نعمت زائل ہو جائے خواہ وہ نعمت یا خصوصیت اس کو نہ ملے۔ اور اس شخص سے بغض (نفرت) رکھنا شروع کر دے اور اس سے وہ نعمت ضائع ہونے کی صورت میں اسے تسکین پہنچے۔ یہ حالت یا کیفیت اسلامی نقطہ نظر سے حرام اور انتہائی مذموم (بری) ہے۔ اس کے بارے بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے (ابوداؤد)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ سکے۔ (بخاری و مسلم)

رشک:۔

رشک ایک ایسی ذہنی کیفیت ہوتی ہے کہ آدمی کسی صاحب فضیلت کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ بھی ایسا ہو اور اس کے لئے محنت کرتا ہے۔ اس کے لئے اس کے دل میں کوئی نفرت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ تمنا کرتا ہے اس سے یہ نعمت یا فضیلت چھن جائے۔ اس کو رشک کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اس کو بھی حسد فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا حسد کرنا (رشک) دو صورتوں میں جائز ہے، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی اور اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ اس کو حق کے راستہ (لوگوں کی بھلائی) میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا (بخاری)۔ دوسری روایت میں ہے جس شخص کو اللہ نے قرآن کا علم عطا کیا ہو وہ دن رات اس کے ساتھ قیام کرے یعنی اس کو پھیلائے اور دوسرا مال والا۔

حسد کا علاج:۔

حسد ایک انتہائی مذموم عادت یا ذہنی کیفیت ہے۔ اس کے نقصان ہم سب

جانتے ہیں۔ اس کا علاج بھی نفسیاتی طریقہ سے ممکن ہے۔ اس کے بارے حدیث مبارکہ میں صحیح رہنمائی یا تھراپی بتائی گئی ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزوں میں کوئی شخص نہیں بچ سکے گا، حسد، بدگمانی اور بدفالی۔ اور میں تم سے عنقریب بیان کروں گا کہ ان سے نکلنے کی کیا صورت ہے۔ جب تم کسی سے حسد کرو تو اس سے بغض نہ رکھو اور جب تم بدگمانی کرو تو اس کے پیچھے نہ پڑو اور تم جب بدشگونی نکالو تو اپنے کام پر روانہ ہو جاؤں۔ (کنز الاعمال)۔ حدیث مبارکہ نے حسد بدگمانی اور توہم پرستی کا صحیح علاج بتایا ہے جیسے تمام ماہرین نفسیات بتاتے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی حل نہیں کہ اگر دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے تو اس منفی سوچ کو ختم کر دیا جائے۔ اگر یہ ختم نہیں ہو سکتی تو اس کو ایک مثبت انداز میں بدل دیا جائے یعنی اس شخص سے نفرت یا بغض یا یہ تمنا کے اس سے یہ نعمت ضائع ہو جائے، کی خواہش کو سختی سے روکا جائے۔ اس کے بجائے اس کو رشک میں تبدیل کر دیا جائے۔ کہ میں بھی کوشش کر کے اس نعمت یا فضیلت کو حاصل کروں گا۔ دوسری بری عادت بدگمانی ہے۔ اس کو بھی ختم کرنے کا طریقہ بتایا۔ اس کی کھوج نہ لگاؤ اور اس برے خیال یا بدگمانی کو ذہن سے نکال دو۔ تیسری اہم چیز بدفالی یا توہم پرستی ہے۔ جو ارادہ کیا ہے اس کو پورا کرو، اس پر عمل کرو۔ خواہ مخواہ وہم کی بناء پر ارادوں کو تبدیل اور انرجی کو ضائع نہ کرو۔ یہ وہ زریں اصول ہیں جن پر چل کر ہم ان تین امراض سے نجات پا کر اپنی دنیا کو ہی جنت بنا سکتے ہیں۔

وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۱۹)

اور ایک قافلہ آیا اور پھر انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول (کنوئیں میں)

لٹکایا وہ (یوسف کو) دیکھتے ہی پکار اٹھا۔ واہ خوشخبری ہے! یہ تو لڑکا ہے اور انہوں نے اسے پونجی (تجارتی مال) سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ (۲۰)

اور انہوں نے اسے (یوسف) معمولی سی قیمت یعنی گنتی کے چند درہموں میں ہی

بیچ دیا اور اس (یوسف) میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
آیات میں کنوئیں میں گرنے کے بعد کا ذکر ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کو کنویئں میں گرانے کے بعد انکے بھائی کنویئں کے اس پاس چکر لگاتے تھے تاکہ معلوم کریں کیا ہوا؟ یہودا بھائی جس نے قتل کرنے کے بجائے کنوئیں میں پھینکنے کی رائے دی تھی وہ کھانا لاتا اور تین دن تک یہ رہا، پھر ایک قافلہ جا رہا تھا اس کا پانی لانے والا آدمی، پانی لانے کے لئے کنوئیں پر ایا اور ڈول ڈالا۔ ڈول میں پانی کے ساتھ حضرت یوسف باہر آ گئے۔ بھائی باہر تھے انہوں نے کہا یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس ادمی نے خریدے کی خواہش کی اور انہوں نے چند سکوں کے عوض حضرت یوسف کو بیچ دیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ واپس جائیں، اسی طرح حضرت یوسف بھی قتل کے خوف سے ان کے ساتھ نہیں جانا یا رہنا چاہتے تھے اسلئے خاموش رہے۔ پانی والے نے سستی قیمت میں خرید کر چھپا لیا، تاکہ مصر جا کر فروخت کر دے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ پانی لانے والے نے قافلہ والوں سے کہا کہ یہ غلام اس نے خریدا ہے اور سارا واقعہ نہیں بتایا اور حضرت یوسف کو بھی چھپا دیا کہ کہیں پاس والے لوگ ان کی تلاش میں نہ آ نکلیں۔ چونکہ مفت میں غلام بنا لیا تھا، اس لئے مصر پہنچ کر معمولی قیمت میں فروخت کر دیا۔
یہ سارے واقعات، کنویں میں پھینکنا، پانی والے کا نکالنا اور غلام بنانا، اللہ تعالی کے علم میں تھے، چونکہ انسان کو اختیار دیا ہے، اسلئے ان اعمال کا حساب ہوگا اور بدلہ دینا پڑے گا۔

گمشدہ، راستہ میں پڑی اشیاء:۔

راستے میں پڑی اشیاء اور جنگل میں گم شدہ جانوروں یا اشیاء کے بارے میں اسلامی شریعت میں احکام آج سے چودہ سو سال پہلے اس قدر خوبصورت بنائے کہ جدید قوانین کے مقابلہ میں بہتر نہیں تو کمتر بھی نہیں۔ تفصیل تمام مذاہب فقہ کی کتب میں موجود ہیں صرف اصولی معلومات تحریر ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز ضائع ہونے والی یا جس کا مرنے کا خوف ہو مثلاً مرغی، کبوتر، چھوٹا جانور، بکری، بھیڑ اور اس کا علم ہو کہ بغیر مالک کے گمی ہوئی ہے تو اس کو لے لینا چاہیے اور مالک تک پہنچانا چاہیے۔ مالک تک پہنچانے میں تین سال تک انتظار کرنا چاہیے اور اس

دوران اجتماعی مواقع مثلاً جمعہ، عیدین، جلسہ، میلہ، نماز جنازہ، شادی یا آج کل سوشل میڈیا یا پرنٹ میڈیا وغیرہ پر اس کا بار بار اعلان کرنا چاہیے۔ اس دوران اگر حفاظت پر خرچ آرہا ہو تو اس سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے، مثلاً بکری کا دودھ، مرغی کا انڈا وغیرہ۔ تین سال تک اگر مالک نہ ملے تو اسے بیت المال میں جمع کرادے یا صدقہ کردے۔ اور اگر وہ خود غریب ہے تو استعمال کرلے، یعنی اس کا صدقہ اس پر ہے۔ اگر اس کا مالک بعد میں آگیا تو وہ اُس کا حق ہے اور صدقہ کی صورت میں وصول کرنے والے سے لے سکتا ہے۔ بڑے جانور جن کی ہلاکت کا ڈر نہ ہو مثلاً اونٹ، بیل وغیرہ وہ خود بھی راستہ پہچان لیتے ہیں ان کو پکڑنا ضروری نہیں۔ کچھ حالات میں راستے پر پڑی ہوئی اشیاء کی حفاظت فرض ہے مثلاً نومولود بچہ، اندھا آدمی کے کسی جگہ گرنے کا خطرہ، کسی معذور کی شدید تکلیف، دوسرے امور میں یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر حفاظت نہ ہوسکے تو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ نومولود بچہ، اس کی پرورش حاکم یا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ متاخرین علماء کا کہنا ہے کہ اگر کسی ماحول یا معاشرہ میں چور ہوں تو اس صورت میں جانور یا اس مال / چیز کو پکڑ کر بیت المال میں جمع کرادے یا اعلان کردے۔ قیمتی اشیاء کا اعلان لمبی مدت تک کیا جائے اور غیر قیمتی اشیاء کا تھوڑی مدت تک، پھر ان کو صدقہ یا بیت المال (حکومت کی نگرانی) میں دے دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت قوانین میں ترمیم یا تبدیلی، اجماع، اجتہاد جو کہ قانون سازی کے ادارہ کے ذریعے حالات کے مطابق کرسکتی ہے، اسلام نے جو فلاحی ریاست کا نظام اور عملی ثبوت آج سے چودہ سو سال قبل دیا، ایسا اب بھی دینا بڑا مشکل ہے۔

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۲۱)

اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو عزت سے رکھنا، مجھے ایسا لگتا ہے یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا یا پھر ہم اسے بیٹا بنالیں گے، اس طرح ہم نے اس زمین (مصر) میں یوسف کے قدم جمائے تاکہ انہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں اور اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں

جانتے۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴿۲۲﴾

اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے انہیں حکمت و علم عطا کیا اور اسی طرح نیک کام کرنے والوں کو ہم جزا دیتے ہیں

جب قافلہ مصر پہنچا تو قافلے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے بازار میں جہاں دوسری تجارت کی اشیاء بیچ رہے تھے، آپ کو بھی بیچنے کے لئے پیش کر دیا۔ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے وہی خرید سکتا تھا جو صاحب حیثیت ہو۔ اس وقت مصر کے حکمران الولید بن ریان کے وزیر قطفیر جس کا لقب عزیز تھا، نے خریدا اور اپنی بیوی کو تاکید کی کہ یوسف کو تعظیم و تقریب سے ٹھہراؤ۔ رہائش اور کھانا عمدہ دو، اچھا لباس دو۔ پھر کہا کہ شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں، کیونکہ اُس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت ڈال دی۔ اس نے آپ کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ لئے تھے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے اعلیٰ مقام والے گھر میں احترام کے ساتھ سکونت مل گئی۔ مشیت ایزدی نے ہر مکر و فریب کو ناکام بنا کر نہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل، ظلم سے محفوظ کیا بلکہ اچھا ٹھکانہ بھی مہیا کیا۔ یہ سب اللہ کے فضل سے ہوا جس کو لوگ نہیں سمجھتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا گیا، آپؑ حسن و جمال کی مثال بن گئے۔ فطرتی طور پر بھی جوانی کے وقت جسم کی کیفیت و حالت بہترین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حکمت و عقل میں بھی اضافہ فرما دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی عمر تیس 30 یا تینتیس 33 برس تھی، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب انسان کی جوانی انتہا کو چھو رہی ہوتی ہے۔ ظاہری حسن کے ساتھ باطنی حسن بھی یعنی عمومی دانشمندی اور ساتھ ہی خوابوں کی تعبیر کا علم عطا ہوا۔ آیت مبارکہ کا اہم نکتہ یہ ہے کہ بھلائی اور نیکی کرنے والوں کو ہم بہترین جزا دیتے ہیں۔ جہاں آپ نے مصائب دیکھے اور صبر کیا، وہاں آپ کو آرام اور اقتدار بھی پہنچایا گیا، یہ مسلمانوں اور پڑھنے والوں کے لئے سبق ہے کہ بھلائی کریں گے تو فلاح پالیں گے۔

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۳﴾

اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف دعوت دی (ورغلایا) اور دروازے بند کر دیے اور کہنے لگی: آ بھی جاؤ۔ یوسف نے کہا! اللہ کی پناہ، وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ﴿۲۴﴾

اور البتہ اس (عورت) نے (یوسف کے ساتھ) برائی (گناہ) کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی اس کا ارادہ کر لیتا اگر اپنے رب کی دلیل (نشانی) کو نہ دیکھ لیتا۔ ہم نے یہ اس لئے کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۲۵﴾

اور وہ دونوں دروازے کی طرف لپکے (دوڑے) اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیض پیچھے سے پھاڑ دی اور ان دونوں نے اس (عورت) کے خاوند کو دروازے کے پاس کھڑا پایا۔ تو وہ عورت فوراً بولی: اس کی سزا کیا ہے جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔

قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴿۲۶﴾

یوسف نے کہا: اس نے مجھے خود اپنی طرف دعوت دی (ورغلایا) اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹے ہیں۔

وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴿۲۷﴾

اور اگر اس (یوسف) کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ (عورت) جھوٹی ہے اور وہ

(یوسف) سچا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴿۲۸﴾

پھر جب اس (خاوند) نے یوسف کی قمیض پیچھے سے پھٹی دیکھی تو اس نے کہا! ہاں بے شک تم عورتوں کی مکاری (فریب) ہے اور بیشک تمہاری مکاری (فریب) بہت بڑی (خطرناک) ہے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ﴿۲۹﴾

یوسف! تم اس بات سے درگذر کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی خطا کار تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے ہاں بڑے آرام سے رہ رہے تھے۔ عزیز مصر نے اپنی عورت کو ان کے خیال کا حکم دیا تھا۔ لیکن آپؑ کے حسن و جمال، اخلاق دیکھ کر، وہ آپ پر فریفتہ ہوگئی۔ ایک دن اس نے موقع پاکر، بن سنور کے، کئی کمروں کے دروازے بند کر کے ان کو اندر لے گئی اور دعوت گناہ دینے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام پہلے بیرونی ظلم، سازشوں، اور امتحانوں کے شکار تھے۔ جونہی انہیں بھائیوں کے ظلم، غلامی سے نجات ملی اور اچھا ٹھکانہ ملا تو اندرونی امتحان شروع ہوگیا۔ اُٹھتی جوانی، گھر کے اندر جہاں قیام وہاں ایک خوبرو عورت کی خود بخود اُن کی طرف نہ صرف جنسی رغبت بلکہ اس کی شدید خواہش اور اس کے ساتھ مواقع بھی میسر آچکے تھے۔ یہ سارے عوامل ایک بہت بڑا امتحان تھے اور ان حالات میں جہاں ہر طرف دعوت گناہ بڑے پر اثر انداز میں نہ صرف مل رہی تھی بلکہ چھا رہی تھی۔ ان حالات میں اپنے نفس پر کنٹرول کرنا، اپنی خواہش کو ختم کرنا اور اللہ کا خوف، اعلیٰ اخلاق کا خیال، یہ سب اللہ کی رحمت کے بغیر نا ممکن ہے اور یہی وہ رحمت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس امتحان میں کامیاب کیا۔ یہ عورت، عزیز مصر کی جوان و حسین بیوی تھی جس کا نام زلیخا بتایا گیا ہے۔ جب اس نے دعوت گناہ و ہمبستری دی تو آپ اپنی جان بچانے کے لئے اس کے چنگل سے نکل کر بھاگے۔ چونکہ کمروں کے اندر لے گئی تھی اس لئے اس کشمکش میں وہ آپؑ کی قمیض پیچھے سے کھینچتی رہی کہ وہ آپؑ کو زبردستی پکڑ کر روک سکے لیکن آپ دوڑ کر نکلتے گئے اور آپ کی قمیض اس کے زور سے پیچھے کھینچنے سے پھٹ گئی۔ جونہی آپؑ

دروازہ سے باہر نکلے، تو اُس عورت (زلیخا) کا خاوند کسی رشتہ دار کے ساتھ گھر آیا ہوا تھا اور وہ دونوں وہاں موجود تھے۔ اس حالت میں اُس عورت نے فوراً چالاکی کی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر بہتان لگایا کہ یہ مجھ سے برا ارادہ کر رہا تھا اور اس طرح برا ارادہ کرنے والے کو قید یا دردناک سزا دینی چاہیے۔

اس صورتحال اور غلط الزام تراشی پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کہ وہ عورت خود انہیں گناہ کرنے کی دعوت دے رہی تھی اور وہ بچنا چاہتے تھے اور نکل رہے تھے۔ روایات میں ہے کہ اس کے ساتھ شخص نے گواہی دی، جو عقل اور موقع کی مناسب تھی۔ اس کے مطابق اگر یوسف کی قمیض آگے سے پھٹی ہے تو عورت اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں تھی اور قمیض آگے سے پھٹ گئی اور اگر یوسف کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ یوسف کو پیچھے سے کھینچ رہی تھی اور وہ اپنے آپ کو بچا رہے تھے۔ جب دیکھا گیا تو حضرت یوسف کی قمیض پیچھے سے پھٹی تھی۔ ایک روایت ہے کہ یہ گواہی کسی نومولود بچے نے دی جو پاس ہی تھا اور عزیز مصر کے خاندان سے تھا، لیکن پہلی روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔

فریب گناہ:۔

عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو جانتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنے گھر والوں کو آپ کے آرام کی تلقین اور ہدایت کی تھی۔ جب یہ دلیل دیکھی تو سمجھ گیا کہ اس کی بیوی زلیخا کی غلطی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے معاملہ کو درگذر کرنے کو کہا کہ زیادہ تحقیق و بحث سے بدنامی ہوگی۔ ایک طرف ان کے بارے اور دوسری طرف اس کی بیوی کے بارے باتیں ہوں گی۔ چونکہ اس کی بیوی کا گناہ یا غلطی واضح ہوگئی تھی اس لئے اس نے کہا کہ وہ معافی مانگے۔ ان کے ہاں بھی کوئی خدا کا تصور تھا جس کی وجہ سے معافی مانگنے کا کہا یا ویسے کہا کہ اپنی غلطی کو تسلیم کرکے آئندہ کے لئے ایسے گناہ سے بچے۔

عزیز مصر نے کہا کہ عورتوں کا فریب سخت ہوتا ہے۔ یہ جملہ اس موقع کے مطابق تھا اور مقصد یہ ہے کہ عورت کی طرف مرد کی کشش زیادہ ہوتی ہے اور عورت اس کشش سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں عورت اور مرد کو، جنسی اور جسمانی طور پر مختلف بنایا ہے۔ اس لئے دونوں کی عادات و خصائل میں اختلاف

ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان فطری طور پر کشش کا رشتہ پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے جنسی رغبت پیدا اور جنسی تسکین ہوتی ہے اور انسانی نسل آگے چلتی ہے۔ لیکن اس زندگی میں مرد (مذکر) عورت (مونث) کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہے اور اظہار کرتا ہے، دوسری طرف عورت اپنے بناؤ سنگھار، جسمانی رغبت دلانے اور کشش پیدا کرنے کی مرد کے مقابلہ میں زیادہ کوشش کرتی ہے۔ قدرت نے انسانی جسمانی ڈیزائن میں مونث کے جسم میں مرد کے مقابل زیادہ کشش کے پوائنٹ رکھے ہیں، مثلاً چہرہ، بال، سینہ، گردن، اگلا حصہ، پچھلا حصہ۔ یہی وجہ ہے کہ اشتہارات میں عورت کی تصویر زیادہ استعمال ہوتی ہے

ع وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ،

اس لئے اسلام نے خواتین کو ڈھیلے کپڑے سے اپنے جسم کو ڈھانپنے کا حکم دیا ہے، تاکہ جنسی اشتغال انگیزی سے بچا جا سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زینت و آرائش، بناؤ سنگھار کی صنعت میں زیادہ مصنوعات عورتوں کی خوبصورتی اور میک اپ سے متعلق ہیں اور وہی بڑی خریدار ہیں۔ یہ ایک فطری خواہش کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس میں توازن ضروری ہے ساتھ ہی یہ جنسی حرکات، بے راہ روی اور غیر اخلاقی تعلقات میں پھیلاؤ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ زیب وزینت، کشش کا سامان ایک دلربا فریب ہے جس میں اکثر عورتیں گرفتار ہوتی ہیں اور پھر مرد بھی اس کی کشش میں پھنس جاتے ہیں۔ یہ شیطان نے انسانی جنسی ضرورت کو ایک غلط انداز میں پیش کر کے جنسی گناہوں کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے۔ ساتھ ہی جنسی آزادی کا نعرہ دے کر انسانی خاندانی نظام اور اس کے تقدس کو درجہ حیوانی تک لے جا رہا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک خاندان کے ذریعے زندگی گزار کر محفوظ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ مرد اور عورت دونوں حقوق اور انسانیت میں برابر ہیں اور اپنے اعمال کی بناء پر دوزخ یا جنت میں جائیں گے۔ قرآن مجید میں بڑا واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا وہ مرد ہو یا عورت (سورہ آل عمران:196)۔ ایک حدیث میں یہ درج ہے کہ دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی اور دوسری حدیث میں عورتوں کو شیطان کے خیالات میں پھنسنے کا ذریعہ کہا گیا ہے (حبال الشیطن)۔ یہ حدیث مبارکہ تفریق یا عدم مساوات کا ذکر قطعاً

نہیں کر رہیں، بلکہ ایک نفسیاتی اور فطری حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، وہ یہ ہے کہ عورت کی طبیعت میں نزاکت، خوبصورت اور دلنشیں نظر آنا اور مرد کیلئے پر کشش ہونا ہے۔ اس طرح مرد کا میلان طبعی بھی عورت کی طرف ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں مؤدت کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ مرد اپنی طبعی کمزوری اور عورتوں کی طرف رغبت زیادہ رکھنے کی وجہ سے اکثر شرعی حدود کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے ان اعمال کی وجہ سے سزا پائیں گے۔ چونکہ ایک سبب نسوانی جمال ہے اس لئے شیطانی خیالات میں پھنسنے کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ دوسری طرف موجود آبادی کے تناسب کے لحاظ سے خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے، ان کی عمر لمبی ہوتی ہے اور آبادی کے اس تناسب میں ان کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے، اس طرح آبادی میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد جہنم میں زیادہ ہوگی۔ یہ کسی تفریق یا نفرت کے سبب نہیں بلکہ انفرادی اعمال کی وجہ سے ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت نیک بیوی ہے اس لئے ضروری ہے کہ احادیث کی تشریح تمام احادیث کی روشنی میں کی جائے، ورنہ غلط تشریح ہو جائے گی۔ جہاں جمال اور رغبت جیسی برانگیختہ کرنے والے مواقع ہوں، وہاں کسی مرد کا اپنے آپ کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے۔ عموماً مرد اس جنسی عمل کی طرف پہل کرتا ہے اور عورت زیب وزینت، آرائش میں پہل کرتی ہے۔ اس لئے صرف اللہ کے فضل سے نفس اور جنسی خواہشات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ایسے کردار کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جس دن کسی کا سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے، (1) امام عادل (2) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا (3) وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے (4) وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں آپس میں ملیں (5) وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب / صاحب جمال عورت نے گناہ کی دعوت دی اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (6) وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (7) اور وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں (بخاری و مسلم)۔

حدیث مبارکہ میں جن افراد کو قیامت کے دن اہم اعزاز ملا ہے ان کے کردار پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام کیسا معاشرہ چاہتا ہے اور اللہ کے پیاروں کے اخلاق وکردار کیسے ہوتے ہیں۔ مسجد سے دل کا معلق ہونے کا مطلب ہے کہ دل میں اللہ کی یاد رہتی ہے کیونکہ مسجد میں فرض جماعت کے لئے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق سے بھی تعلق ومحبت کا راستہ ہے۔ وہ مسجد سے باہر ہو یا اندر ہو، اس کا دل اللہ کی یاد میں لگا رہتا ہے۔ دنیا اس کے ہاں آخرت کو بہتر بنانے کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ کی یاد کو بھی وہ تنہائی میں پسند کرتا ہے کیونکہ اس کی فضیلت ہے اس سے آدمی ریا اور تکبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ صدقہ، عدل، پاک دامنی جیسی عادات ایک خوبصورت معاشرے کی بنیاد رکھتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے آپ کو گناہ کے گرداب میں گھرا دیکھا، جو کلمات ادا فرمائے وہ ایک مثبت انداز سوچ اور ایسی برائی سے بچنے کے لئے ایک بہترین ہتھیار ہیں۔ آپ نے اپنے مالک کے رویہ کو یاد کیا۔ جس نے آپ کو احترام وعزت سے رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس کیا جس نے اس مقام تک پہنچایا تھا اور معلوم تھا کہ ظلم کا انجام خوفناک ہوتا ہے اور یہ عمل سراسر ظلم تھا۔ ان حالات میں اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو بچنا اور بھاگنا ناممکن تھا۔ اس لئے جب کبھی دل میں برائی کا خیال آئے یا ایسا موقعہ آ جائے کہ انسان برائی آسانی سے کر سکے اور چھپا بھی سکے، تو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس برائی کے انجام کو پیش نظر رکھ کر، اللہ سے نجات کے لئے مدد مانگنی چاہیے۔ شیطانی خیالات کو رد اور خواہشات کو کنٹرول کرنا چاہئے۔ ان واقعات کا مقصد انسانوں کی راہنمائی ہے جو ان عظیم رہنماؤں (انبیاء کرام) کی زندگی اور طرز عمل سے ظاہر ہیں۔

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۳۰)

اور شہر کی کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے جوان غلام کو اپنی طرف راغب کر رہی اور اس کی محبت نے اسے فریفتہ کر لیا ہے۔ بے شک ہم اسے کھلی بے راہ روی میں دیکھتی ہیں۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لئے تکیے سجا کر محفل منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے باہر آؤ۔ پھر ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت عظیم جانا (خوبصورتی میں) اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں یہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس نے کہا ہاں یہی ہے وہ جس کی وجہ سے مجھ کو ملامت کرتی تھیں۔ میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا لیکن اس نے خود کو بچالیا۔ اب اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور قید کیا جائے گا اور وہ یقیناً بے عزت ہونے والوں میں سے ہوگا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

یوسف نے کہا: اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ (عورتیں) مجھے بُلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کا مکر (فریب) مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہوں گا۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی پھر اس (اللہ) نے اس (یوسف) سے ان (عورتوں) کا مکر دور کر دیا بے شک وہی (اللہ) خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

پھر ان لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) نشانیاں دیکھ لینے کے بعد یہی

مناسب سمجھا کہ اس (یوسف) کو کچھ عرصہ تک بہر حال قید رکھیں۔

عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے، اپنے نوجوان غلام سے محبت و عشق کے بارے شاید اپنے ساتھ ملازم عورتوں کو رازدار بنایا تھا۔ روایات میں ہے کہ وہ تین یا چار تھیں جو زلیخا کے ہاں خانہ داری اور دیکھ بھال کی ذمہ دار تھیں۔ مثلاً باورچی، ساقی، داروغہ، نقیب کی بیویاں۔ جب یہ بات باہر نکلی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض بھی پھٹی تھی تو انہوں نے اس کے خلاف نکتہ چینی شروع کر دی اور راز فاش کر دیا۔ جب زلیخا کو پتہ چلا تو اس نے ان سے بدلہ لینا چاہا۔ ان کی دعوت کی، مسندیں لگادیں اور پھل اور چھریاں رکھ دیں تاکہ کاٹ کر کھائیں۔ جب وہ پھل کاٹنے میں مصروف تھیں تو زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو کہا کہ وہ آئیں اور گزریں۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب آئے، آپ کی نگاہیں نیچی تھیں لیکن حسن و جمال تھا کہ در و دیوار چمک اٹھے، دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ وہ خواتین جو پھل کاٹ رہی تھیں، حسن و جمال دیکھ کر بے خود اور نیم مدہوش گئیں، کہ وہ پھل کاٹ رہی ہیں پھلوں کے ساتھ اپنے ہاتھ اور انگلیوں کو کاٹ دیا۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے چلے گئے تو انہیں اس کا احساس ہوا۔ جب آدمی کسی نظارہ یا کیفیت میں محو ہو جاتا ہے تو اپنے سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ان کی ہوگئی تھی اور وہ بھی آپ کے حسن و جمال دیکھ کر فریفتہ ہوگئیں۔ پہلے صرف زلیخا تھی اور اب اس محل میں رہنے والی اور خواتین آپ کے در پے ہوگئیں۔ ابھی ان کی اس بے خودی اور مدہوشی کے بارے زلیخا نے بتایا تو انہیں احساس ہوا کہ جس کے حسن میں وہ گرفتار ہے وہ واقعی حسینوں کا سردار ہے۔ اس طرح زلیخا نے اپنی کیفیت عشق کے لئے راہ ہموار کی اور ان کی چرب زبانی کو خاموش کیا۔ اب زلیخا کا رویہ، جو پہلے چھپا ہوا تھا زیادہ جارحانہ ہوگیا اس نے واضح طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر اس کی خواہش انہوں نے پوری نہ کی تو ان کو ذلیل اور رسوا اور قید و بند کی مشقت میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت انسان، انسانی ضروریات اور عوارض رکھتے تھے۔ جوانی، صحت، اچھی غذا اور ماحول ایک خوبصورت عورت جو صاحب مال، جمال اور طاقتور ہے ان کے عشق میں گرفتار، ان کو پالینے کیلئے بے تاب اور سب کچھ کرنے کو تیار

ہے۔ شیطان نے اس نبی کو پھسلانے کے لئے ہر قسم کی مکمل طور پر سازش اور جال تیار کیا ہوا تھا۔ جوانی کا تقاضہ، رنگین ماحول، مخالفت کا خوف، آرام و سکون کی زندگی، لذت و عیش ہر طرف سے گناہ کے اسباب وعوامل تیار تھے۔ ان حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام کو پتہ تھا کہ صرف اللہ کی ذات کی عنایت انہیں نفس امارہ اور شیطان کے جال سے بچا سکتی ہے اور آپؑ نے اللہ سے دعا کی کہ آپ کو جیل اور سزا منظور ہے لیکن آپ کو اس گناہ سے بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور عزیز مصر نے آپ کو جیل بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس کی بیوی راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو گناہوں سے معصوم (پاک) رکھتا ہے۔ عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو جب دیکھا، آپ کا انداز (نظریں نیچی) حیا کے تقاضے تو بے ساختہ کہا کہ یہ تو خوبصورتی اور اعمال کی معصومی کی وجہ سے انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہیں۔

دنیا اور آخرت:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راستے تھے۔ جوانی میں داد عیش دیں، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کریں لیکن عیش کی زندگی گزاریں۔ دوسری طرف اللہ کے احکام پر عمل کریں لیکن ظلم اور سزا کے لئے تیار ہو جائیں۔ آپؑ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کو ترجیح دی اور قید میں جانے کو پسند کیا۔ یہ آپ کی انسانی عزیمت تھی۔ دوسری طرف دنیا کی زندگی کی چند سالوں کی راحت و عیش کے مقابلہ میں آخرت اور اللہ کی رضا کو آپ نے ترجیح دی اور قید کی درخواست کی، یہ اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے قربانی تھی۔ آپ کو چند سالوں کے لئے جیل بھیج دیا گیا، جیل کے دوران کے واقعات اگلی آیت میں ہیں۔

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور اس کے ساتھ قید خانے (جیل) میں دو جوان بھی داخل ہوئے۔ ان میں ایک نے کہا بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرا بولا بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر

روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں، ان میں سے پرندے کھا رہے ہیں تو ہمیں تعبیر بتائیے بے شک ہم تجھے نیک سمجھتے ہیں۔

قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ(۳۷)

یوسف نے کہا: ہاں جو کھانا تمہیں یہاں ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان کی تعبیر بتلا دوں گا، یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائیں۔ بے شک میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ(۳۸)

میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی۔ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُؕ(۳۹)

میرے قید خانے (جیل) کے دوساتھیو! بھلا کئی متفرق خدا بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ؟

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ(۴۰)

اس کے سوا جس کی تم عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِىَ الْاَمْرُ الَّذِىْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾

میرے قید خانے (جیل) کے دوساتھیو! تم دونوں میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر سے پرندے (گوشت) کھائیں گے۔ تم جس کے متعلق سوال کرتے ہو اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے۔

وَ قَالَ لِلَّذِىْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِىْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾

اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں سمجھا تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا، پھر یہ ہوا کہ شیطان نے اس کو یہ بات بُھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جب فیصلہ ہو گیا کہ قید کر دیا جائے۔ آپؑ کے ساتھ دو آدمی اور بھی جیل میں گئے۔ روایت کے مطابق یہ دونوں بادشاہ کے خادم تھے۔ ایک بٹلر (ساقی) اور دوسرا نانبائی (باورچی) تھا۔ دونوں پر الزام تھے اور اس کی پاداش میں جیل بھیج دیئے گئے۔ بادشاہت میں انسان کو بادشاہ یا کسی نواب کے غصہ کی بناء پر قید کر دینے کا رواج بڑا پرانا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب جیل میں داخل ہوئے تو آپؑ نے اعلیٰ اخلاق، فراست سے سب کو گرویدہ بنا لیا۔ جمال ظاہری تو تھا ہی ،لیکن جمال باطنی بھی تمام قیدیوں اور ان کے ان انچارج افراد پر ظاہر ہو گیا۔ سب آپؑ کو بہت محترم خیال کرتے تھے۔ آپ بیماروں کی عیادت کرتے، قیدیوں کے احوال پوچھتے اور سنتے، پھر مشورہ بھی عطا کرتے۔ اگر کسی کی غذا کم ہوتی تو اس کی سفارش کرتے۔ سب کا خیال رکھتے اور آپؑ کے حسن و کردار اور اخلاق سے جیل کے منتظم نے آپ علیہ السلام سے جیل کے انتظام میں مدد لینی شروع کر دی۔ ان دونوں نوجوانوں نے بھی آپ علیہ السلام کے اخلاق و تدبر کو دیکھتے ہوئے اپنے خواب بیان کیے اور اس کی تعبیر میں رہنمائی لی۔ ایک کا خواب یہ تھا کہ وہ مشروب نکال رہا ہے اور دوسرا روٹیاں سر پر اٹھائے ہوئے ہے جہاں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ بچپن میں تکالیف، جوانی میں پریشانی پھر قید کی صعوبت، ہر مرحلے اور ہر موڑ پر آپ نے صبر اور اللہ کی نصرت کا سہارا

لیا۔ جیل کے دوران نبوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ علیہ السلام وہاں قیدیوں کو ان کے کھانے کے احوال یا رات کو خواب میں کھانے کے حال کو صبح کھانا کھانے سے پہلے بتا دیتے تھے جس کی وجہ سے سب کا اعتماد اور آپؑ کی فراست کی دھاک سب پر بیٹھ چکی تھی۔ اس موقع پر آپ نے سب پر اپنے دین اور اللہ کی عبادت کا اعلان کیا کہ اپ کو یہ معلومات (کھانے کے بارے یا خواب کی تعبیر) اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے۔ اپ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو یہ قوم مذہب رکھتی ہے اس سے لاتعلق ہیں۔ چونکہ آپ علیہ السلام مصر میں بطور غلام خریدے یا بیچے گئے۔ پھر اپنے مالک کے پاس بھی بحیثیت غلام رہے اور اسی حالت میں جیل میں گئے۔ ان حالات کے تناظر میں سب یہی سمجھتے تھے کہ آپؑ بھی انہی کے دین پر ہیں۔ آپؑ نے اس کی تردید کر دی اور توحید الٰہی کا اعلان بلکہ اس کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کے دین اور ان کے نام اور مقام کا بھی اعلان کیا۔ دورانِ قید جب قیدی اپنے مسائل کے بارے میں آپ سے سوالات کر رہے تھے اس موقع پر آپؑ نے تبلیغ کی، اللہ کی توحید کے دلائل دیئے کہ مصر میں موجود متعدد خداؤں کی تصور اور عبادت کی تردید کی، اس کے خلاف عقلی دلائل بھی دیئے۔ اللہ کے حکم کو ماننے اور اس کی حفاظت و طاقت (القہار) کا اعلان کیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انسانوں کے نام دینے کی سوا، ان معبودوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ شاید اُس وقت وہاں کے لوگوں نے افراد یا بادشاہ وغیرہ یا اجرامِ فلکی کے ناموں پر اپنے بت، معبود بنا رکھے تھے جن سے وہ مانگتے اور عبادت کرتے تھے۔ آپ کے مطابق یہ متعدد خدا کیسے مختلف نوعیت اور مختلف اوقات پر امور کو ایک یکسانیت سے کائنات میں چلا سکتے ہیں، یہ صرف خدائے واحد ہی کر سکتا ہے۔ ہم اس کو ماننے والے ہیں اور دوسروں کی بھی دعوت دی کہ مجموعہ کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کریں۔ بد قسمتی یہ ہے کہ لوگ اس سیدھی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے اس لئے نہیں جان سکتے اور اس کے علاوہ اس کی نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرتے جو اس نے دے رکھی ہیں۔

جیل کے اندر سب نے آپؑ کے کردار اور اعلیٰ لیڈر شپ کو تسلیم کیا۔ انبیاء اپنے وقت کے عظیم انسانی لیڈر ہوتے ہیں جو انسانی معاشروں میں تبدیلی لاتے ہیں۔ یہ تبدیلی خالق کائنات کے احکام کے مطابق انسانیت کی فلاح کے لئے ہوتی ہے۔ یہ

ان خرابیوں سے محفوظ بھی ہوتی ہے جو انسانی تخیل میں شیطانی خیالات کی ملاوٹ سے طویل مدت میں معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

ایک اہم نکتہ جو آپ علیہ السلام کے اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ اس وقت مؤثر ہوتی ہے (1) جب سامع کی رغبت بات سننے کی ہو۔ (2) مبلّغ کی طرف توجہ ہو۔ (3) مخاطب کو معلومات کی ضرورت ہو۔ یہی وجہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے جب وہ تعبیر جاننا چاہتے تھے تو تعبیر سے پہلے اپنے عمل تبلیغ کو پورا کیا۔ پھر فرمایا کہ مشروب بنانے والا مشروب لائیگا اور روٹیاں اُٹھانے والا اپنے جسم سے پرندوں کو کھلائے گا۔ چونکہ ایک کے لئے خوشخبری اور دوسرے کیلئے بری خبر تھی جس کا رد عمل ضروری تھا۔ اس کے بارے بھی وضاحت فرما دی کہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ واقعی خواب تھا یا خیال، جو بھی تھا انہوں نے سنایا اور آپ علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتا دی اور یہی واقعہ ہوگا، کسی کی پسند یا ناپسند پر منحصر نہیں (یہ اپکی نبوت کی دلیل تھی)۔ جس کے لئے اب یہ خوشخبری تھی جس کا اس کو یقین نہیں تھا۔ لیکن آپ نے اس کے واقع ہونے کا اعلان کیا، اس لئے آپ علیہ السلام نے اسے کہا کہ اس واقعہ کے بارے وہ بادشاہ سے ذکر کرے۔ جس کے کئی مقاصد تھے۔ (1) آپ علیہ السلام پر جھوٹا الزام تھا۔ آپ کو بے گناہی کے شواہد کے باوجود سزا دی گئی، تاکہ دوبارہ آپ کی پاکدامنی واضح ہو۔ (2) آپ علیہ السلام کے علم والہام کی فضیلت کا اعلان ہو سکے۔ (3) آپ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت توحید کا بھی ذکر ہو۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کو جیل سے نکالا جائے بلکہ آپ نے اپنی نبوت یعنی تعبیر خواب کی اہلیت کو ثابت کرنا مقصد تھا، تاکہ اس کے بہانے تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ کا عمل بھی شروع کیا جائے۔ چونکہ اس خبر کے بتانے کے بعد آپ کا کردار اور اہلیت بادشاہ کے سامنے حقیقت کے ساتھ ثابت ہو جاتی اور آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا عمل جیل سے نکل کر بادشاہ کے دربار تک تک پھیل جاتا۔ تو یہ کامیابی شیطان کے لئے بڑی مایوسی تھی۔ اس لئے شیطان نے اس شخص کو جیل سے رہا ہونے کے بعد دوسرے امور میں اس قدر مصروف کر دیا کہ وہ اپنے کیے ہوئے وعدے کو بھول گیا۔ کچھ مفسرین نے آپ کی اس بات کو انسانی کمزوری اور توکل کے اعلیٰ معیار کے مخالف عمل قرار دیا، کہ آپ کو اس وجہ سے مزید جیل میں رہنا پڑا۔ لیکن

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ انسانی اسباب کا استعمال توکل کے خلاف نہیں۔ مشیت خداوندی ابھی نبوت اور راہنمائی کی عظیم ذمہ داری کے لئے، آپ کے کردار اور اعصاب کو مزید مضبوط کر رہی تھی۔ جہاں آپ نے مختلف مراحل عمر میں لاڈ پیار، ظلم و ناانصافی دیکھی، ساتھ ہی بدوی (دیہاتی) تہذیب و تمدن میں پلے اور پھر نوجوانی میں متمدن (شہری) تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز لوگوں کے ماحول اور کردار کو دیکھا۔ پھر جیل کی حالت مزید چند سال دیکھی (یہ مدت دس سال سے کم ہے، مختلف روایات ہیں)، جس سے صبر کی قوت میں اضافہ مقصود تھا تاکہ جس مقصد عظیم اور قیادت کی ذمہ داری آپ کو ملنی تھی، اس کے لئے آپ اعلیٰ معیار پر تیار ہوں۔ یہ سلسلہ تقریباً تمام انبیائے کرام کے ساتھ رہا ہے۔ پھر مشیت ایزدی نے آپ کے مقام کو مزید بلند کرنا تھا۔ کہ ساقی کی خبر کے بجائے، جب بادشاہ وقت جب خود مشکل میں ہوگا تو آپ کی عظمت کی اسے زیادہ قدر ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔

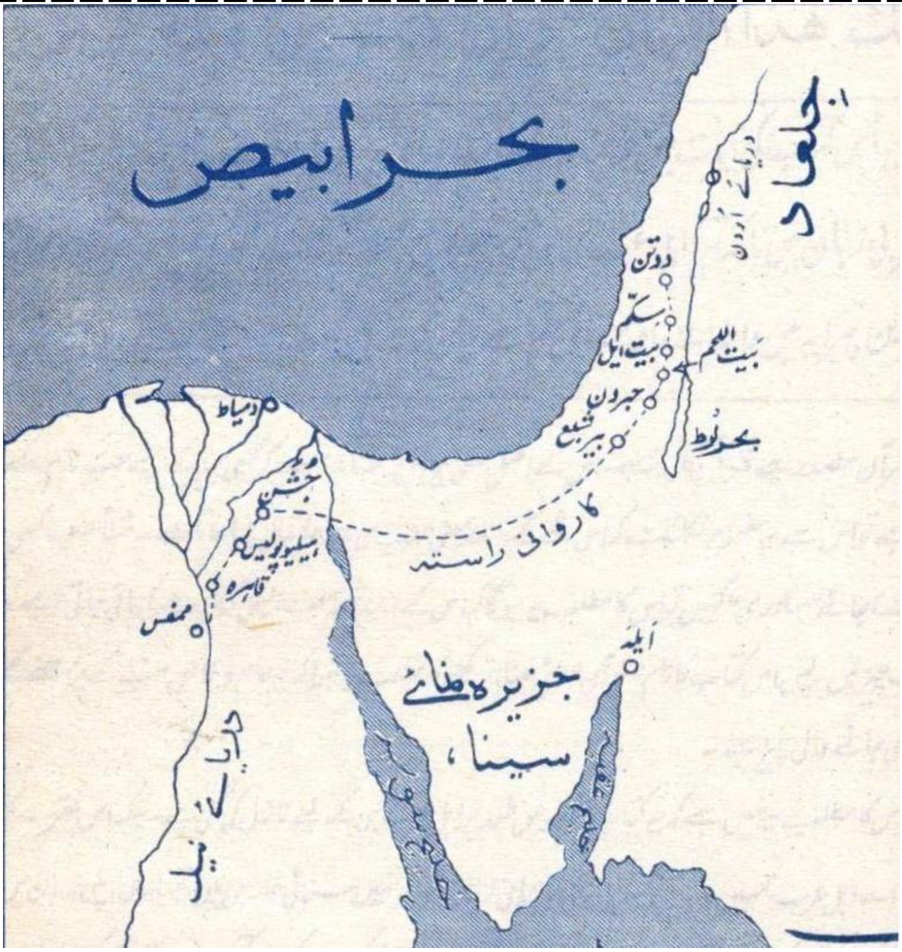

نقشہ علاقہ بوقت حضرت یوسف علیہ السلام۔ فلسطین، مصر۔ دوتن، سکم (موجودہ نابلس)، حبرون (موجودہ الخلیل) ممفس (اس وقت مصر کا دارالحکومت) جوشن (جہاں بنی اسرائیل اباد ہوے) (تفہیم القرآن)۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ﴿۴۳﴾

اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں خواب میں سات موٹی تازہ گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز بالیاں (خوشے) اور دوسری سات سوکھی ہوئی بالیاں ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر کرسکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ﴿۴۴﴾

انہوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ﴿۴۵﴾

اور وہ شخص جو دو قیدیوں میں سے رہا ہو گیا تھا اور اسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی اور بولا کہ میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتاؤں گا۔ لہٰذا مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیجا جائے۔

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴿۴۶﴾

(اس نے قید خانے جا کر کہا) یوسف! اے وہ جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے، تم ہمیں اس (خواب) کی تعبیر بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہوئی ہیں تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (خواب کی تعبیر بتانے) تاکہ وہ بھی جان لیں۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ﴿۴۷﴾

(یوسف نے) کہا تم سات سال لگاتار غلہ اُگاؤ گے اس دوران جو فصل کاٹو، اس کو اس کی بالیوں میں ہی رہنے دینا البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے (وہ نکال لیا کرو)۔

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ﴿۴۸﴾

پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے اور جو کچھ تم نے ان کے لئے ذخیرہ کیا ہوگا اس کو کھا جائیں گے سوائے تھوڑے سے غلے کے جو تم (بطور بیج) محفوظ رکھو گے۔

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ﴿۴۹﴾

پھر اس (قحط سالی) کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش خوب ہوگی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے (خوب زراعت

پیدا ہوگی)۔

اب وہ وقت قریب آچکا تھا جب بادشاہ جس کا نام ریان بن الولید تھا اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا، خود اپنے آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کا محتاج تصور کرنے والا تھا اور جیل کے دن نہ صرف ختم ہونے والے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور علم بادشاہ کے دربار اور شہر میں مشہور عام ہونے والا تھا۔ بادشاہ نے اپنا خواب اپنے درباریوں اور اہل علم کو سنایا کہ وہ دیکھتا ہے سات موٹی تازہ گائے ہیں اور ان کو سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے یا بالیاں ہیں جن کے ساتھ سات سوکھے ہوئے خوشے ہیں۔ یہ خواب بادشاہ کے لئے پریشان کن تھا۔ لیکن درباری اور ماہرین اس کا خواب یا تعبیر بتانے سے عاجزی ظاہر کی، بلکہ کہا کہ ایسے ہی پریشان کرنے والا خواب ہے اس کی پرواہ نہ کریں۔ بادشاہ کا ساقی چونکہ اپنے خواب کے واقعہ، اس کی تعبیر اور اسکی عملی تنفیذ کو دیکھ چکا تھا۔ جس کا شاید اس نے بادشاہ سے ذکر کیا اور کہا کہ مجھے اجازت دیں کہ جیل میں ایک شخص ہے جو خواب کی تعبیر اپنے علم اور کردار کی بناء پر کرتا ہے۔ اور وہ صحیح ہوتی ہے اس سے جا کر پوچھتا ہوں۔ بادشاہ نے اسے اجازت دی اور وہ جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا۔ آپ علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتادی کہ سات سال بڑی پیداوار ہوگی، زراعت اور اناج وافر مقدار میں ہوگا اور اس کے بعد سات سال سخت قحط لگاتار ہوگا اور صرف جو کچھ پہلے والے سالوں میں سے بچا ہوگا وہی استعمال ہوگا۔ لوگ سخت تکلیف اُٹھائیں گے اس کے بعد پھر بارش ہوگی اور خوب فصل ہوگی پھل اور اجناس وافر ہوں گے۔ یہ تعبیر لے کر ساقی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور ان کو سنائی۔ بظاہر خواب اور تعبیر میں ایک منظم ربط اور تعلق نظر آرہا تھا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کو اس پر اعتماد نظر آیا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دانشمندی اور علم سے متاثر ہوا۔

بادشاہ نے ان کو دربار میں آنے کی دعوت دی۔ اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی (1) عامۃ الناس کی خیر خواہی (2) ذاتی مفاد سے بے پرواہی (3) علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے عمل سے آپ کے کردار کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہوتا تو اس کو اس وقت تک نہ بتاتا جب تک وہ

جیل سے نہ نکالتے۔ آپ ﷺ نے اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی (بحوالہ طویل حدیث مسند احمد)۔ دوسری طرف اس بات کی بھی اجازت دی کہ آدمی کو اپنے حق کے لئے مہیا، وسائل وذرائع کا استعمال کرنا چاہیے۔ یہ عمل خلاف عزیمت نہیں۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ﴿۵۰﴾

اس بادشاہ نے کہا اس (یوسف) کو میرے پاس لے کر آؤ چنانچہ جب اُن کے پاس قاصد پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ میرا رب ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٚ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴿۵۱﴾

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ عورتوں نے کہا: حاش اللہ (اللہ کی پناہ) ہم نے ان میں ذرا بھی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ عزیز کی بیوی نے کہا: اب تو حق بات سب پر کھل گئی ہے، میں نے انہیں ورغلانے کی کوشش کی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچوں میں سے ہے۔

ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ﴿۵۲﴾

(جب یوسف کو قید خانے میں اس بات کا علم ہوا تو کہا کہ) یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ وہ (عزیز مصر) یہ بات یقین کرلیں کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی اور یہ کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں (دھوکہ دیتے ہیں) اللہ ان کے مکر کو چلنے نہیں دیتا۔

وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۵۳﴾

اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ بے شک نفس تو برائی پر اکساتا رہتا ہے۔ ہاں میرا رب رحم فرمادے تو اس صورت میں نفس کا حکم نہیں چلتا بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مصائب اور آزمائش کے ایام کے بعد آپؑ کے عروج کی ابتداء کا ذکر ہے۔ بادشاہ نے جب آپؑ کی تعبیر سنی تو آپ کو اپنے دربار میں بلاوایا۔ قاصد (پیغام لے جانے والا) آپؑ کے پاس جیل میں پہنچا، جب آپؑ کو اطلاع ملی کہ بادشاہ مصر آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ تو آپؑ فوراً ملاقات پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ یہ شرط لگادی کہ جو فتنہ اور الزام آپ پر لگایا گیا اور جس واقعہ میں عورتوں نے اپنی انگلیاں زخمی کر دی تھیں اور آپؑ جھوٹے الزام پر جیل بھیجے گئے۔ اس کی تحقیق کی جائے۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا اور واقعہ کے بارے پوچھا تو سب عورتوں نے بمعہ عزیز مصر کی بیوی، آپؑ کے کردار کی عظمت اور سچائی کی گواہی دی۔ عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا کہ وہ آپؑ کو ورغلانا چاہتی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔ آپؑ پاکدامن تھے اور یہ الزام اور جیل بھیجنا غلط تھا۔ یہ سارے واقعات بادشاہ مصر پر آپؑ کی علمی قوت، کردار کی عظمت کو ثابت کر رہے تھے۔ وہ آپ سے انتہائی متاثر ہوچکا تھا۔ اس ساری تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ حق اور سچ لوگوں کے سامنے واضح ہو۔ اقتدار کی وجہ سے جو لوگ جھوٹ کو سچ کر دکھاتے ہیں، لوگوں پر ان کی کمزوری کی وجہ سے ظلم کرتے ہیں اور اچھے کردار والوں کو ان کی کمزوری کی وجہ سے سزا دیتے ہیں، ان کے اس کردار اور ظلم کا اعلان ہو، تاکہ لوگ نفرت کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے کردار والے لوگوں کو، مرد ہوں یا عورتیں ان کے عمل کو مکر یا فریب اور ان کے کردار کو خائن فرمایا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ مکر اور فریب زیادہ دیر نہیں چلتا۔ مکر والے سارے اسباب استعمال کرکے پھر آخر کار ناکام ہوتے ہیں اور فتح حق کی ہوتی ہے۔ جو لوگ انصاف، بھلائی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ان کے لئے

خوشخبری ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کردار، ایمانداری اور جو ذمہ داری انہیں گھر میں بطور گھر کے فرد دی گئی تھی، اس پر اعلیٰ طریقے سے پورے اُترے اور اس کو سب پر ثابت کیا۔ غلط کاروں نے اپنے گناہ کا خود اعتراف کیا، اس کے باوجود آپ نے کسر نفسی کی اور وہ بات کی جو ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت سورۃ یوسف میں نازل فرما کر انسانی نفسیات کے بڑے اہم پہلو پر سے پردہ اٹھایا ہے اور انسانوں کے کردار میں جرائم، اختیار کا ناجائز استعمال کی وجہ ظاہر فرمائی ہے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ پچھلی آیت میں زنان مصر کا اپنی غلطیوں کا اقرار تھا۔ لیکن یہ آیت مبارکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کے لحاظ سے آپ ہی کا کلام ہے اور آپ نے اس سارے عرصہ میں اپنی پاکدامنی، صداقت، کردار اور ساری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

برائی /گناہ کے اسباب:۔

علماء نے انسانی نفس یعنی انسان کے جسم میں وہ قوت جو اسے سمجھ، خیالات، معلومات کا تجزیہ کرنے کی اہلیت دیتی ہے جسے ہم عام طور پر دماغ کہتے ہیں، بسا اوقات عقل اور دل بھی اس کے مترادف استعمال ہوتا ہے، میڈیکل سائنس میں یہ دماغ ہے اور دماغ کے مختلف حصے مختلف کام انجام دیتے ہیں مثلاً غصہ، محبت، جذبات اور یہ ساری کیفیات حسد، تکبر، کینہ، بخل، سخاوت، دشمنی، معلومات کو جمع کرنا، ان کا تجزیہ کرنا، جسم کے اندر اعصاب کے امور سارے دماغ سے منسلک ہیں۔ مذہبی علماء نے اس کو اعمال کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (1) **نفس امارہ** وہ قوت ہے جو انسان کو اس کی خواہشات کی تکمیل جو جسم کے عوارض (وجود) سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً جنسی خواہش بھوک وغیرہ یا ویسے جذبہ یا کیفیت پیدا ہوتی ہے مثلاً محبت، نفرت، حسد وغیرہ ان سے متعلق ہے۔ برے اعمال سے متعلق تمام امور کو نفس کی اس قسم کے ذمہ کیا جاتا ہے کہ یہ محرک ہے۔ (2) دوسری قسم **لوامہ** ہے یعنی ملامت کرنے والا، اگر برا عمل ہو جائے تو اس پر ملامت کرتا ہے۔ اگر برے ارادے بار بار آرہے ہیں تو ان کو روکتا ہے اور احساس جرم دلاتا ہے۔ (3) تیسری قسم **نفس مطمئنہ** ہے جو نیک امور بالخصوص

اطاعت الٰہی پر مطمئن رہتا ہے اور برے اعمال سے دور رہتا ہے۔ جدید نفسیات ان تین اقسام کے بجائے انسانی دماغ کو ایک ہی قوت تصور کرتی ہے اور سارے امور کا ذکر اس کے اندر ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے انسان کے اندر وہ خواہشات جو دوسرے انسان کے حقوق کو نقصان پہنچاتی ہیں جسمانی ہوں یا ذہنی یا احکام الٰہی کی خلاف ورزی کے محرک کو نفس امارہ فرمایا۔ سارے احکام انسان کے دنیاوی ہیں اور اللہ کی رحمت کے بغیر آدمی ان بری خواہشات سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

آدمی بری خواہشات کی طرف کیوں جلدی کرتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ذرائع معلومات، خواس خمسہ اور دماغ میں تجزیہ کی قوت، نظر کے سامنے ہونے والے واقعات کو فوراً جان لیتی ہے اور اس سے فوری طور پر متاثر ہوتی ہے لیکن مستقبل میں آنے والے اچھے نتائج یا کیفیت چونکہ واضح سامنے نہیں ہوتی اس لئے اس کا یقین نہیں آتا اور اس پر عمل اور اس کی خواہش کمزور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے دنیاوی امور کی طرف توجہ زیادہ اور آخرت کے ثواب و عذاب پر کم ہوتی ہے۔ لوگوں کی آخرت کے ثواب و عذاب سے انکار کی وجہ یہی ہے کہ بظاہر نظر نہیں آتا اور عمومی طور پر انسان ان سارے امور پر غور و فکر اور نتائج حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر خدا کے وجود اور قوت کا یقین ہو جائے جسے ہم ایمان کہتے ہیں تو پھر اعمال کا محرک نفس امارہ سے منتقل ہو کر نفس لوامہ یا نفس مطمئنہ کی طرف چلا جاتا ہے۔

نفس کا ماڈل اسلامی نقطہ نظر سے:۔

جدید نفسیات میں بھی انسان کے دماغ کے اندر کی قوتوں کے داخلی اور خارجی محرکات ہوتے ہیں مثلاً علم، محبت، کوئی عمل وغیرہ۔ ان محرکات کے ذریعے اچھی یا بری قوت کو بڑھایا یا گھٹایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے مختلف احکام بھی محرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اسی لئے فرمایا کہ وہ انسانوں کو جزا و سزا کے ذریعے اچھے عمل کی قوت کو بڑھانے اور برے اعمال یا عادات پیدا کرنے والی قوت کو گھٹانے کے طریقے اور نصیحت کرتے ہیں۔

انسانی نفس کا ماڈل۔

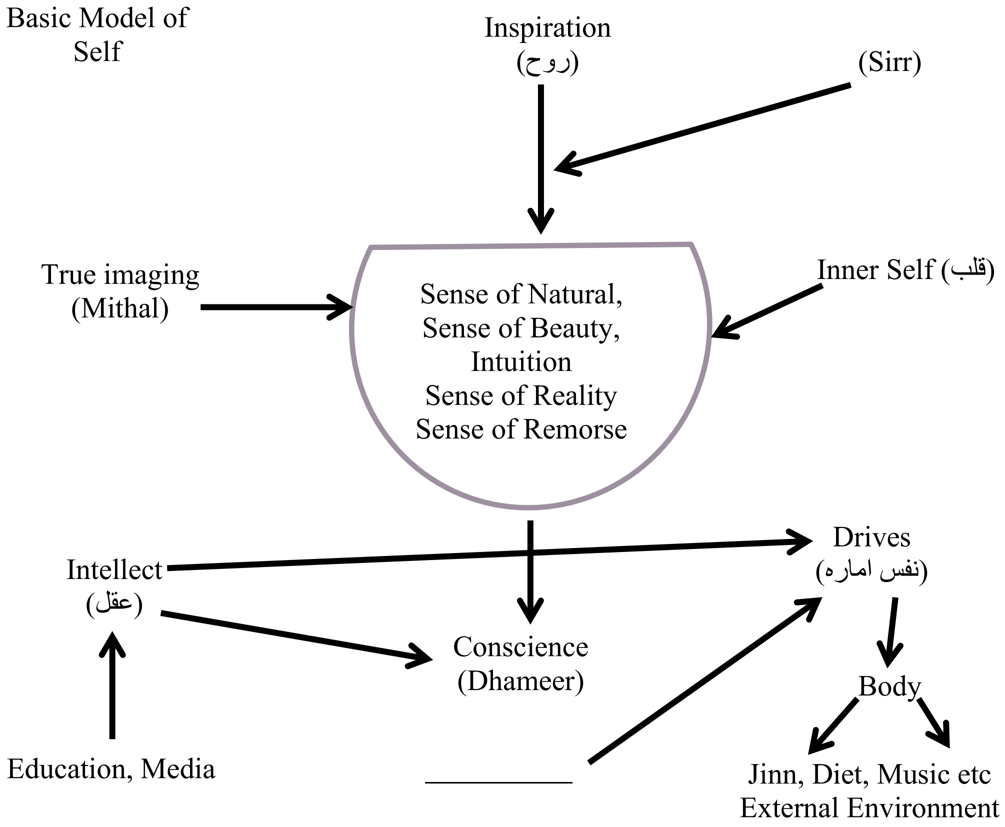

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ (۵۴)

اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے لئے خاص (معتمد خاص) بناؤں گا۔ چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آئے) بادشاہ نے گفتگو کی تو اس نے کہا: آج سے ہمارے پاس آپ مقتدر (بڑے قوت والے) اور امین (بھروسے والے) ہیں۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (۵۵)

یوسف نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر منتظم مقرر کر دیں، بیشک میں خوب نگہبانی کرنے والا خوب علم والا ہوں۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۵۶)

اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اس میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنائیں۔ ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں نوازتے ہیں اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ (۵۷)

اور آخرت کا جو اجر ہے وہ ان لوگوں کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔

جب بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار اور علمی قابلیت (خوابوں کی تعبیر) کا علم ہوا تو ان کو بلایا۔ آپ علیہ السلام دربار میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے آپ سے بات چیت کی، اس گفتگو کی تفصیل جو مفسرین نے لکھی ہے، اس کے مطابق بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنا چاہی۔ یوسف علیہ السلام نے سارا خواب پوری تفصیل کے ساتھ بادشاہ کو سنا دیا۔ بادشاہ نے اپنے خواب کی پوری تفصیل کسی کو نہیں بتائی تھی۔ اس لئے بہت بہت حیران ہوا کہ یہ معلومات آپ کو کیسے پہنچیں اور آپ علیہ السلام کے علم سے بہت متاثر ہوا۔ خواب کی تعبیر کے مطابق پہلے سات سال تک پیداوار بہت عمدہ ہونی تھی جس کو سنبھالنا تھا اور ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بہت سارے انتظامات ضروری تھے، کیونکہ مدت طویل تھی۔ پھر بعد میں سات سال سخت قحط سالی کے تھے جن کے لئے بھی تدبر بہت مشکل اور اہم تھا۔ دوسری

طرف یہ خواب سچا ثابت ہوگا یا نہیں؟ کوئی یقین نہیں تھا۔ اگر نہیں تو سارے انتظامات ضائع جائیں گے اور اگر سچا ہوگا تو انتظامات کون کرے گا؟ کس کی اہلیت ہے؟ ان سب امور کو دیکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی شخصیت اس وقت موجود نہیں تھی۔ دوسری طرف اس اہم ذمہ داری کو بادشاہ کے خوف سے اور واقعہ کے بارے یقین نہ ہونے کی وجہ سے کوئی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کا نورِ نبوت کی بناء پر یقین تھا۔ لیکن دربار میں کسی اور شخص کو نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے اس موقع پر خلق خدا کی بہتری اور سلامتی کے لئے، چونکہ تعبیر آپؑ نے بتائی تھی، اس لئے آپؑ تیار ہوگئے اور فرمایا کہ میں اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہوں اور اس کی بنیاد آپ علیہ السلام کی ایمانداری، کردار اور علم کی قوت، نبوت کی بصیرت تھی۔ یہ بھی کہا کہ میں اس اختیار کو نہایت احتیاط سے، یعنی کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی اور اعلیٰ طریقہ یعنی علم و فہم کے مطابق بہترین طریقہ پر استعمال کروں گا تاکہ مشکل حالات میں سب کے لئے آسانی ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ کسی اہم عہدہ یا ذمہ داری کے لئے امیدوار کا کردار اور اس کی علمی اہلیت بہت اہم ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپؑ کے قیام مصر اور جیل کے دوران ثابت ہوچکی تھیں۔ بادشاہ نے آپؑ کو خزانے کا انچارج یا وزیر بنادیا بلکہ اس سے بڑھ کر نائب السلطنت بنادیا۔ مختلف روایات ہیں، یہ بھی روایت ہے کہ عزیز مصر کی ذمہ داری آپؑ کو دی گئی۔ عزیز مصر فوت ہوگیا تو اس کی بیوی زلیخا کا نکاح بھی آپ علیہ السلام سے ہوگیا اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ بعض مفسرین نے شادی سے انکار کیا ہے۔ بادشاہ نے آپؑ کو مصر کی سلطنت کا مکمل اختیار دے دیا۔ ساری قوت آپؑ کے پاس تھی اور آپ ہی سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ ایک روایت کے مطابق بادشاہ نے آپ کی دعوت پر مذہب دین اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔ پرانی توریت کے مطابق پہلے سات سالوں میں بہت زیادہ پیداوار ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو بڑے منظم انداز میں ذخیرہ کیا۔ یہ آپ کی لیڈرشپ اور مینجمنٹ کی عمدہ مثال تھی جس کی نظیر آج بھی ملنی مشکل ہے۔ ہماری حکومتیں جدید وسائل کے باوجود غذا محفوظ اور فراہم نہیں کرسکتیں۔ مصر کی فراوانی کے چرچے قریبی علاقوں اور ملکوں میں پھیل گئے تھے۔ اس کے بعد قحط کا دور شروع ہوا،

پہلا سال تو لوگوں نے اپنے بچے کچھے غذائی مواد سے گزرا کیا۔ دوسرا سال اور بھی سخت تھا لہٰذا مصر کے لوگوں نے اپنا سارا نقد مال دے کر حکومت (حضرت یوسف علیہ السلام) سے غلہ خریدا۔ تیسرے سال انہوں نے اپنے مویشی اور جانور فروخت کر دیئے، چوتھے سال اپنے غلام اور اثاثے دے دیئے۔ پانچویں سال اپنی زمینیں دے دیں اور چھٹے سال میں اولاد اور ساتویں سال میں خود غلامی قبول کر لی۔ بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی رہنمائی اور لیڈرشپ سے متاثر تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے ایام میں خود بھی بھوکے رہتے اور بادشاہ کو بھی دیر سے کھانا بھجواتے، تاکہ غریبوں اور قحط زدہ لوگوں کا احساس ہو۔ آپ علیہ السلام فرماتے تھے کہ میں اگر سیر ہو کر کھاؤں گا تو بھوکوں کا حق بھول جاؤں گا۔ یہ انبیاء کا کردار ہوتا ہے جو اعلیٰ لیڈرشپ کی مثال قائم کرتا ہے۔ ان حالات کے بارے آپؑ نے بادشاہ اور اہل دربار کو بارہ سال پہلے بتا دیا تھا۔ تمام لوگ کہنے لگے یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ سارا مصر آپ کی ملکیت میں آ چکا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا عطا کیا ہے؟ اور تمہاری کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا میری رائے وہی ہے جو آپ کی رائے ہے۔ تمام معاملات آپ کے سپرد ہیں میں تو محض آپؑ کا تابع ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں، کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کر دیا ان کی تمام املاک واپس کر دیں (روح المعانی)۔ یہ بھی روایت ہے کہ حساب و کتاب کو کاغذ پر لکھنے کی ابتداء آپ علیہ السلام نے کی۔ یہ ہے انبیاء کا کردار جن کے آگے دنیا کی شوکت و عظمت اور حکومت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، وہ اپنے رب کے حضور ہر حال میں خوش اور شکر گزار ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی علیہ السلام جو نبیوں کے سردار ہیں ان کے گھر کئی دن تک تو آگ نہ جلتی تھی۔ ٹوٹا ہوا بوریا ان کا بستر تھا جبکہ ساری حکمرانی کے ساتھ قانون سازی، قانون کی تنفیذ اور مذہبی رہنمائی ان کی تھی۔ اسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں جب قحط آیا تو آپ مخلوق میں تنگی کی وجہ سے بھی بیمار پڑ گئے۔

عہدہ اور معاہدات کا ٹکراؤ:۔

حدیث مبارک بروایت عبدالرحمن بن سمرہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اے عبد الرحمن بن سمرہ امارت (حکمرانی) کا سوال نہ کرنا، اگر تم کو سوال کی وجہ سے امارت، حکومت کا عہدہ دیا گیا، تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائیگا اور اگر تم کو بغیر سوال کے امارت دی گئی، تمہاری اس میں مدد کی جائے گی۔ اگر تم کسی چیز کی قسم کھاؤ اور پھر تم یہ دیکھو کہ اس کے خلاف بہتر ہے تو تم اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو، بہتر کام کر لو۔ (بخاری و مسلم)۔ عہدہ ایک عوامی ذمہ واری اور مستحق لوگوں کو ان کا حق پہنچانا ہے۔ اس منصب یا ذمہ واری کی وجہ سے بہت سی مشکلیں پیدا ہو سکتی ہیں، جن کی وجہ سے عہدہ پر شخص اس عہدہ کا حق ادا نہیں کر سکتا اور انسانی خواہشوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی عہدہ لینے پر حریص ہے، تو ایسا شخص عہدہ کے حقوق کی ادائیگی میں اپنی خواہشات کی وجہ سے پھنس کر کوتاہیاں کرے گا اور صحیح کارکردگی نہیں کر سکے گا، اس لیے اس کو عہدہ نہ دیا جائے۔ اس کے برعکس جو عہدہ کی ذمہ واری اور مفادات کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے لئے عہدہ کی طلب نہیں رکھتا لیکن اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے، اس کو دینا چاہیے کہ وہ مفادات کے ٹکراؤ سے بچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی کارکردگی بہتر ہوگی۔ اگر موجودہ دور کے طریقہ کار جس میں کسی اہم عہدہ کے لیے مناسب اور اہل افراد کے لئے معلومات طلب کی جاتی ہیں، بہت ضروری ہے، تاکہ اہل افراد کے بارے علم ہو سکے۔ البتہ تعیین کے وقت اہلیت اور کردار دار، کارکردگی سب کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اسلام نے مفادات کے ٹکراؤ میں مخلوق کے حقوق کو بہت اہمیت دی ہے۔

دنیا میں نیک اعمال بہت اہم ہیں:۔

اگلی آیت میں فرمایا: کہ یہ وہ اجر ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو، ان کے نیک اعمال کے بدلے دیتا ہے۔ جس کے لئے لفظ محسنین کا استعمال فرمایا۔ مزید انعام کہ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے لئے اعمال کرتے ہیں، ان کا اجر اس سے بھی بڑھ کر ہے یعنی دنیا میں بھی عطا ہو گا اور آخرت میں بھی۔ لیکن آخرت کا اجر اس لحاظ سے سے اہم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا جبکہ دنیا کا اجر زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے علماء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بغیر کسی مذہب پر ہونے کے، جو لوگ دنیا میں اچھے اور انسانیت کی بھلائی کے کام کرتے ہیں مثلاً انصاف، انسانی حقوق اور جان کا احترام، کمزوروں کی مدد، غریبوں اور محتاجوں کی مدد،

بیماروں کی خدمت، کسی کا حق نہ مارنا اور ظلم نہ کرنا، ان کے ان اعمال حسنہ کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں اجر عطا کرتا ہے۔ ان کی زندگی آرام و سکون سے اور معاشرہ امن و سلامتی، خوشحالی سے بھر جاتا ہے لیکن یہ آرام اور راحت ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ہم وہ ممالک دیکھ رہے ہیں جہاں ان امور کا حکومت، اہتمام کرتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لئے اس کا خیال ضروری ہے۔ جو لوگ اللہ کی ذات اور آخرت پر یقین رکھتے اور اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں ان کو دنیا میں خوب اجر ملتا ہے اور پھر اس دنیا کی زندگی کے بعد بھی ملے گا اور یہ دائمی ہوگا۔ اگر کچھ افراد کو ان آزمائش کی بناء پر دنیا میں اجر نہیں ملتا تو اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو دوسری زندگی میں بلند کر دیتا ہے۔ کس قدر خوبصورت انداز میں قرآن مجید نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال حسنہ بہت اہم ہیں اور ان کا بدلہ بھی بہت زیادہ ہے اور ان میں اہم حقوق العباد (مخلوق کے حقوق) ہیں۔

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴿۵۸﴾

اور یوسف کے بھائی (غلہ لینے) آئے اور اس کے پاس پہنچے تو اُس نے اِنہیں پہچان لیا اور وہ اِسے نہیں پہچانتے تھے۔

وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴿۵۹﴾

اور جب اس (یوسف) نے ان کا سامان تیار کروایا تو ان سے کہا کہ (آئندہ) اپنے پدری بھائی کو میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے میں ناپ (پیمانہ) بھر بھر کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ﴿۶۰﴾

پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس کوئی ناپ (غلہ) نہیں اور تم میرے قریب (پاس) نہ آنا۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ﴿۶۱﴾

انہوں نے کہا: ہم عنقریب اس کے والد کو اس کے بارے میں آگاہ کریں گے (کہ وہ اسے ہمارے ساتھ بھیج دے) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔

وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۶۲﴾

اور یوسف نے اپنے نوکروں سے کہا: ان کی پونجی (مال جس سے غلہ خریدا ہے) ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو اسے (اپنے مال کو) پہچان لیں۔ شاید (اس بھلائی کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴿۶۳﴾

پھر جب وہ اپنے والد کے پاس پہنچے تو بولے: اباجان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے لہٰذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لا سکیں اور بے شک ہم اس کے محافظ ہیں۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴿۶۴﴾

اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟ اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴿۶۵﴾

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی (مال) ان کو لوٹا دیا گیا ہے، وہ کہنے لگے اباجان ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی (مال) ہمیں لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ غلہ ملنا بہت آسان ہے۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴿۶۶﴾

اس (یعقوب) نے کہا: میں اسے تمہارے ساتھ ہر گز نہیں بھیجوں گا حتٰی کہ تم مجھے اللہ کے نام کا پختہ عہد (وعدہ) دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس (واپس) لاؤ گے سوائے اس کے کہ تم بے بس (گھیرے جاؤ) ہو

جاؤ۔ پھر جب انہوں نے اپنا پکا عہد دیا تو وہ (والد) بولا: جو کچھ ہم وعدہ کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے۔

وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اس (والد) نے کہا: اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تمہیں اللہ کی مشیت (حکم) سے نہیں بچا سکتا۔ حکم تو اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا، اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے۔

وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

جب وہ بھائی اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے والد نے کہا تھا تو یہ عمل اللہ کی مشیت (حکم) سے ان کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دل میں خواہش تھی جو انہوں نے پوری کرلی۔ بے شک وہ ہمارے سکھائے ہوئے ہوئے علم کی وجہ سے صاحب علم تھا تھا لیکن اکثر لوگ حقیقت نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے مصر کی فراوانی کے چرچے سارے علاقوں (ساتھ کے ملکوں) میں بھی مشہور ہوگئے۔ جب قحط پڑا تو سارے علاقے اس کی لپیٹ میں آگئے۔ مصر فلسطین، اردن، شام، اردگرد کے ممالک میں بھی پڑ گیا۔ ان علاقوں کے لوگ اپنی غذائی ضروریات کے لئے مصر آتے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام لوگوں کو انکی معلومات کے بعد غلہ دیتے تاکہ صحیح استعمال ہو ضائع نہ ہو۔ آپ کو آنے والے حالات (سات سال) تک علم تھا۔ جب قحط کنعان علاقہ، جہاں حضرت یعقوب رہتے تھے، شدید ہوا آپ نے بیٹوں کو کہا کہ وہ اپنی پونجی وغیرہ مصر دے کر وہاں سے غلہ لے ائیں۔ آپ کے لڑکے اونٹ لیکر مصر گئے تاکہ وہاں سے غلہ خرید لائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو پتہ چلا۔ آپ نے ان کو پہچان

لیا اور وہ اپکو نہ پہچان سکے کیونکہ حضرت یوسف کو کنعان (آبائی گھر) سے نکلے چالیس سال کا کم و بیش عرصہ گزر چکا تھا۔ آپ کی شان و شوکت اور جمال کا اپ کے بھائی تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے خیال میں آپ کوئیں میں ختم ہوچکے تھے یا گمنامی میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ نے حال پوچھا انہوں نے اپنے والد اور بھائی کے مرنے گم ہونے اور دوسرے بھائی کے اپنے والد کے پاس ہونے کا ذکر کیا۔ غلہ کی مقدار کے لئے افراد کی معلومات ضروری تھیں۔ آپ نے انہیں کہا کہ اگر وہ اپنے بھائی کے لئے غلہ لینا چاہتے ہیں تو اسے لانا پڑے گا، تاکہ اس کے مطابق حصہ دیا جائے۔ اس دوران آپ نے ان کی مہمان داری اچھے طریقہ سے کی کہ وہ آپ کے بھائی تھے، اگرچہ انہوں نے انتہائی ظلم کیا تھا۔ مگر آپؑ کا اخلاق عالی، کہ قدرت کے باوجود مہربانی کی اور کہا کہ اگر اگلی دفعہ اگر بھائی ساتھ لائے تو ان کو وافر مقدار میں دیا جائے گا۔ اور اگر نہ لائے تو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس طرح آپ بھی اپنے بھائی سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ ساتھ ہی آپ نے اس مہمانداری سے بڑھ کر اعلیٰ ظرفی اور سخاوت کا ثبوت دیا کہ وہ آپ کے رشتہ دار تھے۔ آپ کے والد محترم زندہ تھے اور ضعیف تھے آپ کا سگا بھائی بھی وہاں تھا اور سارے لوگ قحط کی وجہ سے پریشان تھے، ان کا مال اگر آپ رکھ لیتے، تو پھر کس طرح وہ دوبارہ مال لاکر خریداری کرتے۔ آپ نے اپنے کارندوں (ورکرز) کو کہا کہ ان کا مال و متاع جس کے بدلے ان کو غلہ دیا ہے ان کی غلہ کی بوریوں میں چھپا کر واپس کر دیا جائے، تاکہ وہ اپنی غریبی یا کمزوری کا احساس نہ ہو۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی فیاضی کی وجہ سے کسی شک میں بھی نہ پڑیں۔ جب واپس پہنچیں گے تو ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ یہ ایک بین القبائل اچھے تعلقات کے لئے رہنمائی بھی ہے کہ فراخدلی اور تعاون کیا جائے۔

واپس پہنچ کر جب سامان کھولا تو اپنا متاع واپس پا کر وہ انتہائی مشکور ہوئے۔ اپنے بھائی اور والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بادشاہ کی مہمان نوازی سخاوت اور مصر میں اجناس کی موجودگی کا ذکر کیا۔ یہ بھی کہا کہ انہوں نے بھائی کے حصے کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ وہ خود آئے گا تو حصہ ملے گا ورنہ ان کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا اب اگر قحط کے جاری رہنے کی صورت میں دوبارہ جانا پڑا، تو بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے جائیں

گے تاکہ اس کا حصہ وصول کریں۔ وہ اس کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کریں گے کہ ان قحط کے حالات میں بھائی کا جانا بہت ضروری ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے والے واقعہ کو یاد دلایا، کہ وہ کیونکر ان پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے قسموں کے ذریعے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین دہانی کرائی۔ بنیامین بھی بہت بڑے تھے، نوجوان بچے کی حیثیت نہیں تھی۔ قحط کی وجہ سے غذائی اجناس کی ضرورت تھی۔ بادشاہ کا اخلاق اور معاملہ بہت اچھا تھا۔ زیادہ غذائی مواد کی ضرورت کے لئے سارے افراد کا پیش ہونا مناسب اور ضروری تھا۔ پھر تمام بھائیوں نے اللہ کو گواہ بنا کر حفاظت کی یقین دہانی کرائی۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ پر توکل کرکے بنیامین کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ یہ سارا عمل و فیصلہ اللہ کی نگہبانی اور بھروسہ پر ہے۔ جب فیصلہ ہوگیا کہ سارے بھائی غلہ کی خریداری کے لئے جائیں گے آپ نے اپنی فراست سے ہدایت کی کہ سب بھائی ایک جتھہ کی صورت میں کسی ایک دروازہ سے داخل نہ ہوں بلکہ مختلف دروازوں سے جائیں اور یہ ہدایت انسانی عقل و فراست کی بناء پر تھی جس کی ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:۔

(1) سارے اکٹھے جانے سے حملہ یا کسی منظم گروہ کا خفیہ مقصد ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ ان کے خلاف بادشاہ کو غلط کہانی بنا کر پیش کریں اور یہ کسی مشکل کا سبب بن جائے اور بادشاہ کی رائے بدل جائے۔

(2) اتنے نوجوانوں کو (ایک ہی خاندان کا فرد) دیکھ کر لوگ حسد یا کینہ کی وجہ سے ان کو کسی فتنہ یا مصیبت میں نہ پھنسا دیں اور جس مقصد کے لئے گئے ہیں وہ حاصل نہ ہو سکے۔

نقصان سے بچاؤ:۔

یہ امور حضرت یعقوب کی عقلمندی کی دلیل ہیں کہ انسان کو اپنے معاملے میں امکانی پریشانیوں یا مسائل کے بارے پہلے تدبیر کرنی چاہیے۔ پھر آخری بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے۔ یہ تدبیر یا اہتمام اللہ پر توکل کے خلاف نہیں اس لئے آیت مبارکہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعریف میں ذو علم علمناہُ

(صاحب علم جو ہم نے اسے سکھایا) فرمایا۔ ہمارے نبی ﷺ نے بھی اس کی تاکید فرمائی۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: یہ اونٹنی کو کس کے حوالے کر کے نماز پڑھ رہے ہو (کیونکہ یہ حیوان ہے اور کہیں بھی جا سکتا ہے) اس نے جواب دیا اللہ کے بھروسہ پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اس کو باندھو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ وہ تعلیم ہے کہ ہر انسان کو اپنے آنے والے حالات کو پیش نظر رکھ کر انتظام کرنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے رشتہ داروں بھائیوں سے بھی حسن سلوک کی اسلام نے بہت تاکید کی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سب سے افضل عمل بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے عقبہ وہ جو شخص تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو (ترمذی / مسند احمد)۔ امام ابن البخار نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم سے تعلق توڑے تو اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو اور حق کی بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو (کنز العمال)۔ اس سلسلے میں ہمارے نبی علیہ السلام کی زندگی اعلیٰ نمونہ ہے۔

نظر لگنا:۔

ایک اور توجیہ نظر بد سے بچنا ہے۔ تمام مذاہب میں نظرِ بد کے بارے ذکر ہے چونکہ اس کی بظاہر فوری وجہ نظر نہیں آتی، لہٰذا طبی سائنس میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کے لئے وہ دوسرے بدنی اسباب کو ذکر کرتے ہیں۔ اسلام میں نظرِ بد کا تصور ہے اور یہ واقعہ میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع بہت کم ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے نظام کی تنفیذ کی ایک صورت ہے جس کے واضح اسباب کسی عمومی بیماری کی طرح ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس کا اثر جلدی شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نظر برحق ہے یعنی نظر لگنا اور آپ ﷺ نے گھورنے سے منع فرمایا (بخاری / مسلم)۔ ایک اور حدیث بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں

کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا (اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ تھا یا زرد، بہر حال اس کے چہرے کا رنگ اصل رنگ کے خلاف تھا) آپ ﷺ نے فرمایا اس پر دم کراؤ کیونکہ اس پر نظر لگی ہوئی ہے (بخاری / مسلم)۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز اچھی لگے تو یہ کہے «فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ اَللّٰهُمَ بَارِكْ فِيهِ »۔ اللہ برکت والا ہے جو سب حسین پیدا کرنے والا ہے۔ اے اللہ! اس چیز میں برکت دے۔ اس کا دم آپ ﷺ نے یہ فرمایا: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَآمَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَآمَّةٍ۔ میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ طلب کرتا ہوں (بخاری)۔ ایک اور علاج یہ ہے کہ جس آدمی کی نظر لگی ہے اس کو سادہ پانی سے غسل کروا کے اس کا پانی اس جانور یا آدمی پر پھینکنا چاہیے جس سے نظر بد کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے اس کا نفسیاتی اثر مریض اور نظر لگانے والے کی حسرت و تعجب سے ہو (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اس پر تحقیق کی ضرورت ہے کیونکہ احادیث کی تعلیمات حکمت سے خالی نہیں)۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ دیکھنے والا آدمی جب حسرت اور تعجب سے دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ کی تاثیر پیدا ہوتی ہے اور یہ حسرت کی وجہ سے اس کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ نے کائنات میں امور کے وقوع کا ذریعہ اور طریقہ بنائے ہیں۔ تعجب اور حسرت کے الفاظ کے بعد انسانی یا حیوانی جسم میں ایک تبدیلی شروع ہو جاتی ہے جو موت یا انتہائی نقصان پر ختم ہوتی ہے اس لئے دعا میں اللہ تعالیٰ سے حفاظت اور برکت کی التجا کی گئی ہے۔ نظر بد کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔

وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور وہ لوگ جب یوسف (بادشاہ) کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا میں بے شک تیرا بھائی ہوں لہٰذا تو اس کا غم نہ کر جو کچھ وہ (دوسرے بھائی) کرتے رہے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرایا تو اپنے بھائی کے سامان

میں ایک پیالہ رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: اے قافلے والو تم چور ہو۔

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّا ذَا تَفْقِدُوْنَ﴿۷۱﴾

وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے: کیا چیز ہے جو تم سے گم ہو گئی ہے۔

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ﴿۷۲﴾

انہوں نے کہا: ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں مل رہا اور جو شخص لا کر دے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہو۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ﴿۷۳﴾

وہ (بھائی) بولے: اللہ کی قسم آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے اور نہ ہم چور ہیں۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ﴿۷۴﴾

انہوں نے کہا: اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہو گی؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ﴿۷۵﴾

انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ (پیالہ) مل جائے۔ وہی شخص اس کا بدلہ ہے (پکڑ لیا جائے) ہم ظلم کرنے والوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴿۷۶﴾

چنانچہ یوسف اپنے بھائی کے بورے سے پہلے، ان (دوسرے بھائیوں) کے بوروں کی تلاشی شروع کی پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے سے وہ پیالہ برآمد کر لیا، اسی طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی، اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتا۔ اور ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور جتنے علم والے ہیں ان سب سے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔

قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ﴿۷۷﴾

انہوں نے کہا: اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے

اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ چنانچہ یوسف نے یہ بات دل میں چھپائی اور ان پر ظاہر نہیں کی اور (دل میں چپکے سے) کہا تم اس معاملہ میں زیادہ برے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۷۸)

وہ کہنے لگے: اے عزیز اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اس لئے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے، ہم آپ کو ان لوگوں میں سمجھتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ (۷۹)

(یوسف نے) کہا اس (ناانصافی) سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں اور اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لڑکوں کا قافلہ شام (کنعان) سے مصر پہنچا تو شہر میں آپؑ کی ہدایت کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہوئے اور عزیز مصر یوسف علیہ السلام کے دربار میں پہنچا۔ مواد غذائیہ کی خریداری کی درخواست کی، آپ نے ان کو بڑے اہتمام کے ساتھ ٹھہرایا۔ چونکہ گیارہ بھائی تھے اور دو دو کو ایک کمرے میں ٹھہرانے کے بعد بنیامین بچ گئے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ ان سے ان کے بارے معلومات حاصل کیں، چونکہ بہت مدت گزر چکی تھی اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے چھوٹے تھے، اس لئے وہ نہ پہچان سکے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو بتا دیا کہ ان کے بڑے بھائی ہیں۔ بنیامین نے بھائیوں کے سوتیلے پن اور ظلم کی باتیں بتائیں، تو آپ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی۔ روایات میں ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے کی آرزو ظاہر کی اور واپس جانے سے انکار کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہ کسی بہانہ سے یہاں رہنے کا پابند کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے بھائیوں نے بنیامین کو واپس لانے کا عہد کیا تھا۔ یہ بہانہ چوری کا ہو سکتا تھا جس کے لئے بنیامین تیار ہو گئے اور ان کے سامان میں

بادشاہ کا پیالہ رکھ دیا۔ یہ ایک حیلہ تھا جس کے ذریعے بنیامین کو روکنا مقصود تھا۔ بنیامین کو بھی اس پر خاموش رہنا ضروری تھا تاکہ کسی کو معلوم نہ ہوسکے۔ اس بات سے حیلہ کرنے کا جواز ملتا ہے جس سے کسی اور کی حق تلفی نہ ہو۔

قافلہ سامان لاد کر جب واپس روانہ ہوا جس میں تمام بھائی اور بنیامین بھی تھے، ابھی شہر سے کچھ باہر ہی گئے تھے کہ بادشاہ کے محافظوں نے ان کو روکا اور کہا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے کہیں نہیں مل رہا۔ چونکہ یہ لوگ رات کو بادشاہ کے مہمان تھے اس لئے ان سے پوچھا گیا کہ اگر انہیں علم ہے تو اس کا انعام ایک اونٹ پر بوجھ کے برابر غلہ ہو گا اور محافظوں کا جو لیڈر تھا اس نے کہا میں انعام کے ملنے کی ضمانت دیتا ہوں۔ اسی بناء پر فقہ میں کسی کام کی مزدوری یا انعام کو "جعالہ" طریقہ مالیات اپنایا گیا ہے۔ (یہ طریقہ ایران میں استعمال ہوتا ہے۔) بھائیوں نے کہا کہ وہ خریداری کے لئے آئے تھے، وہ چور نہیں ہیں، اس لئے انہیں کوئی علم نہیں۔ محافظوں نے کہا کہ وہ تلاشی لیں گے اور اگر نکل آیا تو کیا سزا ہے کیونکہ وہ خود نہیں بتلا رہے تھے۔ ان کا جواب تھا کہ جس کے پاس نکلا اس کو پکڑ کر رکھ لیا جائے۔ شاید چوری کی سزا اس وقت یہی تھی۔ تلاشی شروع ہوگئی پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی ہوئی تو کوئی چیز نہیں نکلی۔ پھر آخر میں بنیامین کے سامان کو کھولا گیا تو اس سے وہ پیالہ نکلا جس پر بنیامین کو وعدے کے مطابق روک لیا گیا کہ وہ واپس نہیں جا سکتا۔ اس موقع پر بھائیوں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بادشاہ (عزیز مصر) سے معذرت کی کہ یہ اس کا اپنا جرم ہے۔ اس میں ہمارا کوئی مشورہ شامل نہیں اس طرح کا جرم پہلے اس کا بھائی بھی کر چکا ہے۔ اس لئے اس نے بھی کیا ہے۔ یہ ایک پرانے واقعہ کی طرف اشارہ تھا، جب حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے اور اپنی پھوپھی کے ہاں والدہ کی وفات کی وجہ سے پرورش پا رہے تھے۔ ان کی پھوپھی کو ان کے ساتھ سخت محبت ہوگئی تھی اور وہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں اس لئے انہوں نے ان کے جاتے وقت اپنی قیمتی اور یادگار چیز ان کے سامان میں رکھ دی اور پھر جب تلاش کرنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کے سامان سے ملی (یہ واقعات اسرائیلیات کا حصہ ہیں جن کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس حدیث کی روایت نہیں)۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے ان بیانات پر

خاموش رہے لیکن جانتے تھے کہ سارے واقعات جھوٹے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام ساری صورتحال کے زیادہ جاننے والے تھے جو ان کے ساتھ ہوا، جو پیالہ کی تلاش میں واقع ہوا تھا اور ان کے سوتیلے بھائی محض اندازے اور الزام لگا رہے تھے۔ اللہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے اور وہی طاقتور بھائی جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا، ان پر اور بنیامین پر ظلم و ستم کئے، آج ان کے سامنے ملزموں کی طرح کھڑے تھے۔ بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) سے درخواست کی کہ بنیامین کے والد بہت بوڑھے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں، بڑی مشکل سے وہ ان کو غلہ لینے کے لئے ساتھ لائے تھے اور عہد کرکے آئے تھے ان کو واپس صحیح سلامت لائیں گے۔ اس لئے ان کے بدلے میں دوسرے بھائیوں میں سے کسی کو بھی رکھ لیا جائے، تاکہ وہ اپنا وعدہ والد سے پورا کرسکیں، پھر وہ ان کو لے آئیں گے تاکہ سزا ہوسکے۔ ساتھ ہی خوشامد کی کہ آپ بہت احسان کرنے والے ہیں لہٰذا ہم توقع کرتے ہیں کہ آپ ہماری درخواست قبول کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ بہت خوبصورت ہے اور اللہ ﷻ کے پسندیدہ قوانین کی بنیاد ہے کہ کسی اور کو دوسرے کے عمل کے بدلے سزا دینا ظلم اور ہم یہ ظلم نہیں کریں گے۔ لہٰذا صرف مجرم ہی اپنے جرم کی سزا پائے گا۔ اس لئے بنیامین کو رکھ لیں گے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ظلم کریں۔ کیونکہ انسان اکثر اوقات بدلہ یا جوش میں آکر ظلم کر دیتا ہے۔ اسلام میں ظلم کرنا اور عدل نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لئے قول مبارک ہے کہ کفر رہ سکتا ہے لیکن ظلم نہیں رہ سکتا اور ظلم والے معاشرے تباہ ہوجاتے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (۸۰)

پھر جب وہ اس (عزیز مصر یوسف) سے ناامید ہوگئے تو الگ ہوکر مشورہ کیا۔ ان میں جو بڑا تھا اس نے کہا: کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے والد نے بے شک تم سے اللہ کے نام کا پکا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں قصور کر چکے ہو۔ (وہ تمہیں معلوم ہے) لہٰذا میں اس زمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ

میرا باپ مجھے حکم دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ﴿۸۱﴾

واپس جاؤ! اپنے والد کے پاس اور ان سے کہو: اے اباجان! آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی بات کہی جو ہمارے علم میں آئی اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس کی بات نہیں۔

وَ سْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴿۸۲﴾

اور آپ بستی والوں سے پوچھ لیں جس میں ہم رہے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

جب عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی گذارش کہ وہ بنیامین کے بدلے کسی اور کو رکھ لیں، نہ مانے اور جس کی ذمہ جرم لگا تھا اس کو ہی رکھ لیا۔ وہ مزید غلہ کی خواہش میں والد سے بنیامین کے بارے حلف اٹھا کر لائے تھے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بے پرواہی اور وعدہ خلافی نے حضرت یعقوب علیہ السلام میں بد اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ انہیں اپنے جرم کا پتہ بھی تھا، اس لئے وہ سخت پریشان تھے کہ کس طرح اور کس منہ سے واپس جائیں گے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اسے شدید احساس تھا، اِس لئے اُس نے سب سے کہا کہ ہم پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں قصوروار تھے۔ اس دفعہ، بنیامین کو ساتھ نہ لے جا کر والد کو کیا منہ دکھائیں گے۔ لہٰذا میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے والد کا حکم نہ آجائے یا اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی اور فیصلہ فرما دے۔ اس نے بھائیوں کو کہا کہ وہ جائیں اور والد محترم کو سارے واقعے کے بارے میں آگاہ کریں اور اگر وہ تصدیق کرنا چاہیں، تو اس بستی کے لوگوں سے جہاں تلاشی لی گئی ہے اور ان قافلے والوں سے جو وہاں سے گزر رہے تھے تصدیق کر سکتے ہیں۔ ہمیں بنیامین کے پیالہ رکھنے کے بارے کوئی علم نہیں تھا۔ ہم اپنی اس بات میں بالکل سچے ہیں کیونکہ پیالہ اس کے سامان سے نکلا ہے۔ ہم نے عزیز مصر سے گذارش کی کہ ہم میں سے جس کو چاہے رکھ لیں اور بنیامین کو واپس بھیج دیں مگر وہ ہماری درخواست نہیں مانا اور اسے اس کے جرم کی وجہ سے پابند کر

لیا گیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

اس (یعقوب) نے کہا: (یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات (بہانہ) بنا لیا ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہی بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

اور (یہ کہہ کر) ان سب سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے: ہائے افسوس یوسف! اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں وہ غم سے بھرے ہوئے تھے (نڈھال تھے)۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

(ان کے بیٹے) کہنے لگے: اللہ کی قسم آپ یوسف کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَ حُزْنِىْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اس (یعقوب) نے کہا: میں اپنے رنج و غم کی فریاد (شکوہ) صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

يٰبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا بے شک اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے (حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی) واپس گھر پہنچے تو ان کے ساتھ بنیامین اور ان کا بڑا بھائی نہیں تھا۔ انہوں نے واقعہ پوری تاکید کے ساتھ والد کو بیان کیا اور قسموں کے ذریعے وضاحت کی اور یہ بھی

کہا کہ کسی اور کے ذریعہ بھی وہ تصدیق کر سکتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے یہ بہت بری خبر تھی لیکن شاید بالکل نئی نہیں تھی کیونکہ انہوں نے جانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ بنیامین کو واپس لانا جب تک تم مجبور نہ ہو جاؤ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق اور جدائی کی وجہ سے نڈھال اور کمزور ہو گئے تھے، آنکھوں کی بینائی رونے کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی لیکن امید اور صبر دونوں میں ان کو پورا کمال تھا۔ بیٹوں نے دلاسہ دینے کے لئے کہا کہ آپ یوسف کی یاد میں اپنی جان کو ہلاک نہ کریں اور ہمیں معاف کر دیں۔ یوسف اور بنیامین کے واقعات کو بھول جائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے، نور نبوت کی وجہ سے ان کا علم بہت تھا۔ ان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام نے نبوت کے فرائض ادا کرنے ہیں۔ اس لئے بیٹوں سے کہا ''شاید اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے اور میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔ آپ نے فرمایا کہ میرا سارا بھروسہ اللہ پر ہے اور میری ساری فریاد اُسی سے ہے اور سب سے بڑا سہارا ہے۔

امید کی برکت:۔

یہ عرصہ تقریباً چالیس سال تھا جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام پدری محبت اور جدائی میں گھلتے رہے لیکن صبر اور امید کا دامن، اللہ پر یقین کی وجہ سے مضبوط رہا اور آج ہم سب کے لئے آپ کا یہ کردار مشعل راہ ہے۔ آپ نے ان تمام نا امیدی کے حالات کے باوجود اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف اور بنیامین کو تلاش کرو یعنی مصر جا کر ان کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ صرف کافر یعنی اللہ سے انکار کرنے والے ناامید ہوتے ہیں۔

امید اور اللہ پر بھروسہ ایک ایسی عظیم قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے جس سے انسان کے اندر تکالیف سہنے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کی بہت بڑی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قوت اسے بالآخر کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔ جب انسان ایک عظیم ہستی (جسے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں) کا تصور کرے کہ اس ساری کائنات جس

میں ہماری زمین بہت ہی معمولی حصہ ہے وہ ذات سب پر حاوی ہے اور ان کو کنٹرول کرتی ہے۔ پھر اس پر ہم پورا بھروسہ کریں اس کا سہارا لیں اور اپنی کوشش جاری رکھیں تو یہ ناممکن ہے کہ کامیابی نہ ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ناامیدی سے منع فرمایا گیا ہے اسی طرح کئی احادیث مبارکہ میں ناامیدی کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔

صبر:۔

اسی طرح صبر بھی ایک عظیم طاقت ہے جس سے انسان کی تکلیف کی شدت کم ہوجاتی ہے اور اس کی مقابلہ کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ یہ قوت یا استعداد انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے صرف ہمیں اس کا احساس کرنا اور اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ امام غزالی نے صبر کے بارے لکھا ہے کہ مومن کو جو نعمت نہیں ملی اس کے حصول کا اللہ پر بھروسہ رکھے اور جو نعمت مل گئی ہو اس پر اللہ سے راضی رہے اور جو نعمت اس سے لے لی جاتی ہے اس پر اچھی طرح صبر کرے۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی تعظیم اور اس کی معرفت کی نشانی یہ ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو (احیاء العلوم الدین)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جب مومن بندہ کو کسی مصیبت (مرض) میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے، تو میں اس کو قید سے آزاد کر دیتا ہوں اور اس کا گوشت پہلے سے بہتر بنا دیتا ہوں اور اس کا خون پہلے خون سے بہتر بنا دیتا ہوں اور از سر نو اس کے عمل کو شروع کر دیتا ہوں (سنن الکبریٰ البیھقی)۔ اس عمل کو ہم میڈیکل سائنس میں فیتھ ہیلنگ (Faith Healing) یعنی مذہبی بنیاد پر علاج کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں م آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اجر والا گھونٹ وہ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے لئے غصہ ضبط کرکے صبر کا گھونٹ پی لے (ابن ماجہ)۔ ایک فرق اہم ہے کہ شکایت مختلف چیز ہے جبکہ تکلیف یا مصیبت کی کیفیت بیان کرنا شکایت نہیں یہ بات کے انداز پر منحصر ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی زندگی اور تعلیمات ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

چنانچہ وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے اور اللہ کے لئے ہم پر احسان (صدقہ) کیجیے یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے والوں کو بڑا اجر عطا کرتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴿۸۹﴾

اس (یوسف) نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۹۰﴾

وہ بولے: کیا تو واقعی یوسف ہے؟ اس نے کہا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکو کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ﴿۹۱﴾

انہوں نے کہا: اللہ کی قسم یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴿۹۲﴾

کہا (یوسف) نے: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہاری بخشش (مغفرت) کرے۔ وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۹۳﴾

تم میری یہ قمیض لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، ان کی بینائی واپس آجائے گی اور سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق سوتیلے بھائی، بنیامین اور اپنے بڑے بھائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش کے لئے گھر سے نکل کر مصر

گئے۔ جب مصر پہنچے تو بنیامین کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ پھر قحط کے حالات، والد کی کمزوری اور بڑھاپے، اپنی مالی مشکلات جو کہ قحط کی وجہ سے سارے علاقے میں تھی کا ذکر کیا اور غلہ کے لئے درخواست کی۔ ساتھ یہ امید بھی کی کہ آپ کے پاس طاقت اور قوت ہے اور آپ اپنے انصاف، غرباء پروری، انسانیت دوستی کی وجہ سے مشہور ہیں، ہمارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے اور ہماری امیدوں کو پورا کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بات سنی، یہ ان کا مصر کا تیسرا چکر تھا اور تیسری دفعہ وہ حضرت یوسف سے احسان، درگزر کی درخواست کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے پہلی دفعہ ان کا مال واپس کیا دوسری دفعہ پیالہ کے بدلہ میں اس شخص کو رکھا جس کے مال میں پیالہ نکلا تھا۔ اور تیسری دفعہ پھر وہ غلہ اور مدد کے لئے آئے۔ جب انہوں نے باپ کے بڑھاپے اور غم کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا۔ اس بات نے ان کو چونکا دیا، کہ یہ ہمارے بھائی یوسف کو کیسے جانتے ہیں اور بنیامین کے ساتھ ہمارے رویے کی ان کو کس طرح خبر ہے۔ پھر فوراً ان کے دماغ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی فیاضی یاد آئی کہ کس طرح پہلی دفعہ آپ علیہ السلام نے ان کا سارا مال واپس کر دیا تھا اور دوسرے بھائی کے لانے کو کہا۔ پھر پیالہ اور بنیامین کو رکھنا، ان سب امور نے انہیں اس بات پر قائل کیا کہ آپ ہی یوسف ہو سکتے ہیں یا آپ کو سب خبر ہے۔ ان کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ آپ کے بھائیوں نے آپ کی عظمت کا اقرار کر لیا جو علم، اخلاق اور طاقت، یعنی بادشاہی کی صورت میں ملی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ سوال و جواب جب وہ پہلی بار آئے تھے، تو کر سکتے تھے پھر جب ایک سال بعد جب دوبارہ آئے تو بھی کر سکتے تھے۔ ان کے پاس قوت اور ان کے ساتھ گزرے واقعات کا علم تھا لیکن انہوں نے صبر کیا اور زیادہ مناسب وقت کا انتظار کیا۔ ان پر مزید احسانات کرتے رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کا اخلاقی درجہ تمام انسانوں سے بہت بلند ہوتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور زیادہ علم عطا کرتا ہے تاکہ وہ زمانہ میں اعلیٰ قیادت کا نمونہ بن کر لوگوں کو ہدایت دکھائیں۔ وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، اس لئے

جب تک حکم خداوندی نہیں ہوا اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا راز بھائیوں پر ظاہر نہیں کیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائیوں پر ان کی عظمت، شوکت اور احسان کو بار بار واضح فرمایا تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ ان کے والد حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کیوں کرتے تھے اور ان کا حضرت یوسف علیہ السلام سے کینہ اور حسد ان کی ندامت اور اطاعت میں بدل جائے۔

ان حالات میں جبکہ طاقت، شوکت، بادشاہی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تھی اور دوسری طرف ان کے بھائی کمزور اور مانگنے والے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ان کے ساتھ رویہ انبیاء کے اخلاق کا نمونہ ہے، آپؑ نے فرمایا کہ آپؑ نے سب کو معاف کیا، کسی طرح کی پریشانی کی ضرورت نہیں اگرچہ انہوں نے آپ کو حق زندگی سے محروم کیا اور آپ پر ظلم بھی کئے تھے، آج آپ کو حق تھا کہ آپ بدلہ لیتے اور جو چاہتے سزا دیتے لیکن آپ نے اپنے بدلے، اپنی تکلیف اور دکھ کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کا مشورہ دیا، اُس کے کرم اور مہربانی کا ذکر کیا کہ وہ سب سے بڑا بخشنے والا ہے، وہی تم کو معاف کر دے۔ ساتھ ہی ان کو اپنی قمیض دے دی حالانکہ آپ کسی کارندے کے ذریعے بھی بھیج سکتے تھے، مقصد یہ تھا جہاں انہوں نے باپ کو میرے معاملے میں رنج دیئے ہیں وہی جا کر خوشخبری دیں۔ روایات میں ہے کہ جس بھائی نے اپنے والد کو خبر دی تھی کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھا لیا ہے، اسی نے کہا کہ میں ہی قمیض کی خوشخبری دوں گا۔ آپ علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ تم سب میرے پاس آجاؤ تاکہ سب مل کر رہیں۔ ہمارے نبی ﷺ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر ان تمام قریش کو جنہوں نے ان کو انتہائی دکھ دیئے اور مسلمانوں پر انتہائی ظلم کئے، سب کو معاف کر دیا۔ درحقیقت انبیائے کرام دنیا میں سب سے عظیم لیڈر ہوتے ہیں جو انسانیت کو معراج پر پہنچاتے ہیں اور ہمارے نبی ﷺ تمام نبیوں کے سردار اور اس لیڈرشپ کے آخری لیڈر اور نبی ہیں۔ اے اللہ! ہمیں آپ ﷺ کی محبت اور تابعداری عطا کر تاکہ ہم آپ کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ انسانی زندگی میں صبر اور معاف کرنا بہت ضروری ہے۔

وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

اور جب قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) چلا تو ان کے والد نے کہا بیشک مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے بہکا ہوا (محبت میں

وارفتہ) نہ کہو۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ﴿۹۵﴾

انہوں نے کہا (جو لوگ ان کے پاس موجود تھے) اللہ کی قسم آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۹۶﴾

پھر جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے وہ (یوسف کی قمیض) ان کے چہرے پر ڈال دی تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔ اس (یعقوب) نے (اپنے بیٹوں سے) کہا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ﴿۹۷﴾

انہوں نے کہا اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیں بے شک ہم ہی خطاکار تھے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴿۹۸﴾

اس (یعقوب) نے کہا: عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت (معافی) مانگوں گا بے شک وہی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

حضرت یوسف نے اپنی کمال مہربانی سے اپنے بھائیوں کی خطاء اور زیادتیوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنی قمیض دے کر ان سب کو مصر میں آنے کا کہا۔ جب آپ کی قمیض لے کر قافلہ واپس حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف فلسطین (کنعان) کی طرف چلا تو حضرت یعقوب علیہ السلام جو کہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو بذریعہ الہام اور وحی وہ معلومات عطا فرماتا ہے دوسرے انسانوں کو نہیں ملتی۔ اسی طرح اپنے اولیائے کرام و مقربین (پیار کرنے والے، قریب رہنے والوں) کو بھی عنایات عطا فرماتا ہے۔ یہ علم کی صورت میں مختلف واقعات کے احوال ہو سکتے ہیں، ان کی ذات کے ساتھ برکات یا ان کی کرامات ہو سکتی ہیں لیکن اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر

کرتا ہے اور وہ اس کے بندے اس کی محبت اور تابعداری میں سارے امتحانات، مشکلات، مصیبتیں بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں یہ منزل عشق کا سفر ہے، آسان نہیں بڑی محنت اور جدوجہد مانگتا ہے۔

ع مکتب عشق کے دستور نرالے دیکھے اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اگلا قدم یوں ہے،

اگر رضائے تو در ہلاک من باشد بیا بکش مرا بجز رضائے تو نیست

اگر تمہاری رضا مجھے ختم کرنے میں ہے تو آیئے ہمیں صرف آپ کی رضا چاہیے۔

خوش نصیب ہیں جو کامیاب ہوتے ہیں اور بدنصیب ہیں جن کے پاس ہوتا تو کچھ نہیں لیکن لوگوں کی نقل کر کے دھوکا دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر چمکنے والا سونا نہیں ہوتا۔ پرکھنا اور جانچنا بہت ضروری ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس موجود اولاد اور دوسرے افراد کو بتایا کہ انہیں یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ کہاں چالیس سال پرانا واقعہ جس کو ہر کوئی حضرت یعقوب علیہ السلام کے سوا بھول گیا تھا۔ ان کے دوسرے لڑکے بنیامین اور بڑے بھائی کو لینے کے لئے دوسرے ملک گئے ہوئے تھے، لیکن کسی کو یوسف کی کوئی خبر بھی نہیں تھی، حضرت یعقوب علیہ السلام جو ہر وقت حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو یاد کر رہے ہوتے تھے، آج ان کے چہرے پر چمک کے آثار تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعنی ان کے وجود کی سب کو خبر دے رہے تھے۔ سب نے اسے ایک موہوم آرزو سمجھا اور کہا کہ آپ ان کی محبت میں مدہوش ہو چکے ہیں اور ان حالات میں جہاں کوئی امکان نظر نہیں آتا، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی خبر دے رہے ہیں۔ چند دنوں یا ہفتوں کے بعد جب لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اور مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہ کی حیثیت سے خبر لائے تو سب کو یقین ہو گیا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کہتے تھے اور بتاتے تھے کہ صحیح تھا۔ وہ قمیض جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی گئی تو آپ کی بینائی جو غم اور رونے کی وجہ سے مکمل یا تقریباً ختم ہو چکی تھی واپس آ گئی۔ بینائی یکدم بھی آ سکتی ہے اور

آہستہ آہستہ بھی، لیکن اہم یہ ہے کہ قمیض نے ان کی بینائی کو ٹھیک کر دیا، یہ سارے امور اسباب ہوتے ہیں لیکن فاعل حقیقی ذات الٰہی ہیں۔

معجزہ/کرامات:۔

ایسا واقعہ جو سائنسی اصولوں یا عمومی اسباب کے مطابق واقع نہ ہوا ہو اور عام انسانی بس میں نہ ہو تو یہ کسی مذہبی یا روحانی انسان کے واسطہ سے واقع ہوتا ہے، اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ تمام مذاہب کسی نہ کسی صورت میں معجزہ یا کرامات کو مانتے ہیں۔ سائنس جو کہ مادہ، وجود اور محسوس ہونے والی اشیاء پر بحث اور تجربات کرتی ہے اس کا معلوم اسباب اور نتائج پر سارا دارومدار ہوتا ہے اس لئے معجزہ کو نہیں مانتی۔ معجزہ کے واقعات ،عمومی طور پر ظاہری اسباب کے خلاف ،واقع ہوتے ہیں۔ دراصل نظام قدرت میں یہ اسباب نتائج کے طریقہ پر ہوتے ہیں لیکن ان کے عوامل اتنی تیزی سے یا دوسری کیفیت (غیر وجودی) میں واقع ہوتے ہیں کہ عام زندگی میں نگاہیں یا سمجھ ان کو صحیح طور پر دیکھنے یا سمجھ نہیں سکتیں اور آدمی کے لئے وہ حیران کن ہوتے ہیں۔ اس لئے سائنس پر یقین رکھنے والے ظاہری (تدریجی) دلیل نہ ہونے کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ مذہبی طور پر تمام اسباب کا پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے اور جب چاہے، کسی طرح کے اسباب پیدا کر کے نتیجہ حاصل کر لیا جاتا ہے۔

بیماری سے تندرستی کے بارے طبی سائنس انسانی وجود کے اندر تبدیلی کو تسلیم کرتی ہے، خواہ وہ مختلف کیمیکل اجزاء یعنی ادویات سے ہو یا نفسیاتی اثر سے اندرونی اعضاء کے اندر تبدیلی پیدا ہو، مثلاً انسان کے اندر ایسے بیکٹیریا پیدا ہو جاتے ہیں جو بیمار کرنے والے بیکٹیریا کو ختم کر دیتے ہیں اور انسان تندرست ہونے لگتا ہے۔ جیسے پیچھے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کا نیا خون اور نیا گوشت پیدا کر دیتا ہے (بحوالہ عنوان صبر)۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَؕ﴿۹۹﴾

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا آپ مصر میں داخل ہو جائیں انشاءاللہ سب امن کے ساتھ رہیں گے۔

وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ

السِّجۡنِ وَ جَآءَ بِکُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾

اور انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر گئے اور یوسف نے کہا اے ابا جان یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچ کر دکھایا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور آپ کو دیہات سے یہاں لایا حالانکہ (اس سے پہلے) شیطان نے (ورغلا کر) میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان عناد (پھوٹ) پیدا کر دیا تھا۔ بیشک میرا رب جو چاہتا ہے حسن تدبیر سے کرتا ہے بے شک وہ بے حد علم والا بے حد حکمت والا ہے۔

رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت دی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔ اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے اس حالت سے موت دینا کہ میں تیرا فرمانبردار ہوں اور مجھے صالحین (نیک بندوں) کے ساتھ ملانا۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا قافلہ تمام بیٹوں اور اہل خانہ کے ساتھ مصر پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا۔ والدین کو تخت پر اپنے پاس بٹھایا جو ان کی عزت و اکرام کا عمل اور اعلان تھا۔ یہ سبق ہے کہ والدین کا احترام ضروری ہے اور دعا کی کہ ان کی یہ نقل مکانی امن و سلامتی والی ہو گی۔ تمام بھائی والدین کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا جس کی اس وقت اجازت تھی لیکن اسلام نے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام قرار دیا ہے اس سے مساوات انسانی کا بھی اقرار اور عظمت خداوندی کا اعلان ہے۔

تکبر، خود پسندی اور نخوت رکھنے والے افراد کی مخالفت، تواضع کی اہمیت اور انسانی

احترام و مساوات کی خاطر نبی ﷺ اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرتے اور سادگی کے ساتھ بے تکلف ماحول میں رہتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا۔ وہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ ان کو معلوم تھا آپ ﷺ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ کبھی کبھی حضور ﷺ اظہار محبت کے طور پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ کس قدر بد قسمتی ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما اس قدر تعظیم کے طلبگار اور عادی ہو چکے ہیں کہ اگر عام طریقہ سے مصافحہ کیا جائے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے جبکہ دوسری طرف اہل علم (اساتذہ، پروفیسر) لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جو میرا بچپن کا خواب تھا کہ گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں آج اس کی یہ تعبیر ہے، پھر آپ نے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ شان نبوت کے مطابق انسانی اخلاق و ہدایت کے لئے مینار نور ہیں۔ آپ نے اپنی تکلیفوں کا ذکر کیا لیکن کنویں میں پھینکے جانے کا ذکر تک نہیں کیا تاکہ بھائیوں کو مزید شرمندگی نہ ہو، جیل کا ذکر کیا، والدین سے طویل جدائی کے بعد ملاقات، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کو کنعان کے خشک علاقے سے نکال کر مصر کی زرخیز زمین میں بسنے کا باعزت موقع فراہم کیا اور سارا خاندان متحدہ ہو گیا، جدائیاں ختم ہو گئیں۔

شیطان کے اعمال:۔

بھائیوں کے حسد و کینہ اور فساد کو شیطان کے ورغلانے کا سبب بتایا۔ درحقیقت شیطان کو اللہ نے قوت دی ہے کہ وہ انسانی دماغ میں خیالات کو متاثر کرتا ہے اور بار بار دہرا کر اس کو ارادہ پر اکساتا ہے۔ ارادہ کرنے کے بعد انسان اپنے ارادہ کے مطابق عمل کر دیتا ہے۔ یہ بات حدیث مبارکہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے بیان کی گئی ہے اور جدید نفسیات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے کہ انسانی دماغ، خیالات، عمل اور نتیجہ کے بارے سمجھ (ریزن) کے رابطے پیدا کرتا ہے۔ یہ سمجھ (Reason) کی چیز (خیال) منفی، اور غلط طرف لے جانے والی ہوتی ہے۔ جسے ماہرین خیالات (نفسیات کا شعبہ gnitive CoBehavioral Tharapist) اصطلاح میں، خیالات کا فساد کہتے ہیں۔ جسے حدیث میں شیطانی موکل کا تخیل کہا گیا ہے۔ یہ خیالات انسان کو حقیقت کی بجائے ایک

دوسرے سراب یا تصویر کی جھلک دکھاتے ہیں جو کہ مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے اس ذہنی کیفیت سے بچنا ضروری ہے۔ (ان خیالات کو ہٹانا ضروری ہوتا ہے) تاکہ صحیح صورتحال کی طرف قدم اٹھائے۔ یہ موضوع ایک کتاب The More or Less Definitive Guide to Self Care By Anne Borge) میں ذکر کیا ہے۔ یہ منفی خیالات جنہیں اسلام کی اصطلاح میں شیطانی خیالات کہا جاتا ہے۔ انسانی صحت، خوشی، سکون اور اس کی استعداد برائے کامیابی یا مقاصد کو بہت نقصان دیتے اور رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس لئے چند اصول وضع کیے گئے ہیں، کہ جذباتی دلائل، الزام تراشی، تباہی کا تصور، اور خود سے ناانصافی، سب اچھا ہے کا تخیل، ذاتی عمل، یا ذاتی سبب ناکامی پر ملامت کرنا، سے بچنا ضروری ہے

یہ اخلاق نبی ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر یا حکمت وعلم کا اقرار کیا۔ آپ علیہ السلام کو جو علم (تعبیرات خواب) یا تدبیر حالات کے بارے آگاہی اللہ نے عطا فرمائی تھی اس کا اقرار اور شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور توحید، تخلیق کائنات کا اعلان کیا۔ نبوت کے باوجود یہ تمنا کی کہ اے اللہ! تیری فرمانبرداری میرا سرمایہ حیات رہے اور اسی حالت میں دنیا کو الوداع کہوں، تیرا شکر گزار بندہ بنوں اور مجھے صالحین یعنی اپنے والدین (حضرت ابراھیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام) کے ساتھ شامل فرما۔ یہ عجز و انکساری اور شکر گزاری انبیاء کا کرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے مثالی دعا ہے۔

شکر اور انداز شکر:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام، شکر کے اظہار کی ہمیں اعلیٰ مثال فراہم کرتا ہے۔ شکر ایک ایسا قول و انداز ہے کہ کسی مشکل کے حل پر انسان جب مطمئن ہو جاتا ہے، تو اظہار کرتا ہے۔ اس کا صحیح انداز یہ ہے کہ جس ذات نے اس کے مسائل یا تکلیف کو حل کیا یا پریشانی دور کی، اس کی صفت اور اس کی مدد کے اقرار کو، اس طرح بیان کرے کہ اس کی مشکل کا ہر مرحلہ اور اس کا حل اس کے سامنے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کی یہ کیفیت ہے کہ انسان ہر طرف سے اپنے اعمال اور بے بسی کی وجہ سے مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ اس لئے اس کا شکر اس طرح ہو جس طرح مچھلی پانی میں گھری ہوئی ہوتی ہے یعنی ہر طرف اس کے شکر، ہر حالت، ہر لحظہ اقرار رہے، اللہ کی

نعمتوں کا شکر بہت ضروری ہے۔ شکر کے بارے متعدد احادیث آئی ہیں۔ شکر کرنے سے مدد کرنے والے اور جس کی مدد ہوتی ہے میں بہتر تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ علم نفسیات میں شکر ایک ایسا جذبہ یا احساس ہے جو ہمارے کسی کے عمل پر شکر ادا کرنے اور اس کی قدر کرنے کا اظہار ہے۔ جدید نفسیات کی تحقیق میں شکر سے انسانی زندگی میں خوشی، مثبت انداز فکر، پرسکون زندگی، اچھی صحت، مشکل حالات میں ہمت اور باہمی انسانی تعلقات میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کا قول کس قدر خوبصورت ہے کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور بھلائی کرنے والے کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ چونکہ یہ جذبہ یا احساس اہم ہے، اس لئے حدیث مبارکہ میں شکر گزار بننے کا بہترین طریقہ بتایا گیا ہے۔ اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھا جائے اور جو سہولت یا نعمت ملی ہوئی ہے اس کا احساس ہوگا اور اس احساس سے انسانی فکر میں اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے جو صحت کے لئے بہت اہم ہے۔

اعتراف گناہ اور معافی:۔

جب حقیقت حال واضح ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور اپنے والد سے معافی کے طلبگار ہوئے کیونکہ ان کے اعمال کی وجہ سے وہ اتنا طویل عرصہ غم اور دکھ میں مبتلا رہے اور اللہ سے بھی معافی کی درخواست کی جس کا آپ نے وعدہ فرمایا۔ حقوق العباد میں صرف یہی سزا سے بچنے کا طریقہ ہے کہ دنیا کے اندر ہی متاثرہ شخص سے معافی مانگی جائے اور نقصان کی تلافی کی جائے ورنہ یوم قیامت بہت مشکل ہوگی اور ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کی عزت یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کی اس دن کے آنے سے پہلے تلافی کرے جس دن اس کے پاس نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ درہم ہوگا، اگر اس کے پاس نیک عمل ہوا تو اس کے ظلم کے برابر وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے (صحیح البخاری)۔ اللہ ہمیں حقوق العباد ادا کرنے کی پوری توفیق دے آمین۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾

یہ غیب کی کچھ خبریں ہم آپ (پیغمبر) کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس نہیں تھے جب انہوں نے (سازش کرکے) اپنا فیصلہ پکا کرلیا تھا (کہ یوسف کو کنویں میں ڈالیں گے)۔

وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾

اور اکثر لوگ آپ کتنا ہی چاہیں ایمان لانے والے نہیں۔

وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۴﴾

اور آپ اس (تبلیغ) پر ان (مشرکین مکہ) سے کوئی اجر (معاوضہ) نہیں مانگتے، یہ (قرآن) تو سارے عالم کے لئے نصیحت کا پیغام ہے۔

حضرت یوسف کا واقعہ بہت پہلے ہوا تھا اور مشرکین مکہ نے یہود کے اکسانے پر مشکل سوال آپ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے سارا واقعہ وحی الٰہی کے مطابق بیان فرما دیا۔ جس سے کئی یہود متاثر ہوئے۔ اس سے واقعہ کی تفصیل سے آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت ثابت ہوگئی تھی، لیکن کفار مکہ محض ضد اور دشمنی کی خاطر اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس لئے وہ مسلمان نہیں ہوئے جس کا اظہار آیت میں فرمایا کہ آپ کی کوششوں کے باوجود وہ ضد پر اڑے رہیں گے، اس طرح آپ کی تسلی فرمائی گئی۔ دوسری طرف آپ اپنی تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگ رہے تھے یہ ہدایت خالصتاً انسانی فلاح کے لئے تھی لیکن کفار انکار کر رہے تھے۔ قرآن پاک تمام انسان کے لئے ہدایت ہے تاکہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے اس زندگی اور اس کے بعد والی زندگی میں کامیاب ہوں، لیکن جو بدنصیب ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴿۱۰۵﴾

اور زمین و آسمان میں کتنی نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر سے گزرتے اور ان سے بے پرواہی کرتے ہیں۔

وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴿۱۰۶﴾

اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو

اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿١٠٧﴾

کیا ان (لوگوں) کو ذرا بھی ڈر نہیں کہ ان پر اچانک عذاب آجائے یا ان پر قیامت ٹوٹ پڑے اور انہیں (اس کی) خبر بھی نہ ہو۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿١٠٨﴾

(اے نبی) کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے میں تمہیں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے (بصیرت پر ہیں) اور اللہ پاک ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کفار مکہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کے کردار کا ذکر کیا ہے۔ اس کائنات میں زمین، آسمان، ستارے، نظام شمسی اور اس کی وسعت، چاند، بارش، ہوا، پانی و نباتات، حشرات، پرندے، انسانی نظام زندگی، ساری تخلیقات ایک خالق کی وجود کی دلیل ہیں۔ لیکن انسان ہے کہ محض اپنے خیالات و ضروریات میں گرفتار ہے۔ خالق کی قدرت، اس کی ذات، اس کی طاقت و عظمت کا صحیح احساس نہیں کرتا اور ان کو نظر انداز کر کے دوسرے خداؤں کی تابعداری میں مصروف ہے اور خالق حقیقی کو بھولا ہے۔ فزکس میں اس نظام جسے قدرت کا نام دیا جاتا ہے، جو خود ایک تخلیق ہے، اس کا ہر حصہ علیحدہ مخلوق ہے اور ایک نظام کے تحت کام کر رہا ہے، وہ خالق کے محتاج ہونے کے باوجود سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن جو اس کا خالق ہے اس سے اکثر سائنسدان منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لادینی ماحول میں بچپن گزارنے اور لادینی نظام تعلیم میں بنیادی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اس ماحول کی رائے ان کے تحت الشعور میں جم جاتی ہے اور دوسری جانب خالق حقیقی کی طرف وہ غور نہیں کرتے اور اسی کی توجیہات پر وقت صرف کرتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا ۔۔۔ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

بد قسمتی سے مسلمان سائنسدان بالخصوص فزکس کے میدان میں نہیں کہ وہ ان کو اس کے حق میں دلائل دے سکیں۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو اللہ کی ذات پر یقین ہی نہیں رکھتے۔

اس کے ساتھ ایسے بھی ہیں جو اس کی ذات پر تو یقین یا ایمان رکھتے ہیں لیکن دوسری کو بھی اسکے برابر درجہ دیتے ہیں (شرک کرتے ہیں)۔ اوروں کو بھی خدا ہی جانتے ہیں۔ اس کی مختلف تفسیریں ہیں۔ مثلاً بہت سارے انسان بالخصوص مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے اسی دنیا کے اور ممالک میں بھی ہے۔ ایک توجیہہ، وہ اہل کتاب جو اپنے کسی نبی کو اللہ کی ذات کے ساتھ جوڑ لیتے ہیں، جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس سے مراد منافقین بھی ہو سکتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے لیکن دل سے نبی ﷺ سے بغض رکھتے تھے۔ اس کی ایک توجیہہ وہ مسلمان ہیں جو اللہ پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن اپنی زندگی میں مختلف مقاصد اور ضروریات کے حصول کا حقیقی ذریعہ 'اسباب' کو سمجھتے ہیں اور اللہ کو نہیں جانتے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصائب اور شواہد میں بھی اللہ سے رجوع نہیں کرتے وہ مشائخ اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر جا کر ان کو پکارتے ہیں اور ان کی نذر اور منت مانگتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مالک حقیقی سمجھتے ہوئے کسی نیک وسیلہ سے حاجت براری کی دعا کی جا سکتی ہے، افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے جس طرح نبی ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، "جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے کرو" ﴿ إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله﴾ ترمذی/مسند احمد۔ اور نذر سے عبادت مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی نذر اور منت ماننا جائز نہیں (تبیان القرآن جلد پنجم)۔

حضور علیہ السلام نے جھوٹ بولنے کو بھی شرک قرار دیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا اللہ تعالیٰ کے شرک کے برابر ہے اور جھوٹے قول سے بچو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اور یہی آیت تلاوت فرمائی " فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ

الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ ترجمہ: پس بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹے قول سے بچو" سورۃ الحج: 30 (مسند احمد / ابو داؤد / ابن ماجہ۔ روح المعانی)۔ بحیثیت صحیح مسلمان ہمیں ان تمام امور کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ ان نافرمان افراد کا کیا انجام ہوگا، جب قیامت اپنی ہولناکی سے ائے گی اور وہ اپنی زندگی کی رنگریلیوں میں مصروف ہوں گے۔ ان کا کسقدر برا انجام ہوگا اگر انہوں نے توبہ اور سیدھی راہ اختیار نہ کی؟ سیدھا اور محفوظ راستہ وہ جس کی طرف نبی ﷺ بلا رہے ہیں۔ اپ ﷺ اپنی بصیرت اور وحی کی ہدایت سے انسانوں کو کامیابی کی راہ جو شرک سے پاک اور اللہ کی ذات سب سے عظیم اور جو مشرکین اس سے منسوب کرتے ہیں پاک ہے، دکھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی راہ پر چلنے والے آپ کے جان نثار بھی اسی بصیرت و یقین کے ساتھ حق کی راہ پر ہیں۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور آپ سے پہلے ہم نے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے، ہم ان کی طرف وحی کو بھیجتے تھے اور وہ بستیوں (شہروں) میں رہنے والوں میں سے تھے۔ کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہوگئے اور وہ (لوگ) گمان کرنے لگے کہ انہیں خلاف واقع (جھوٹی) خبر دی گئی ہے۔ تو ان (انبیاء و رسل) کے پاس ہماری مدد آپہنچی پھر جسے ہم نے چاہا بچالیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاتا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بے شک ان قصوں (واقعات) میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ قرآن من گھڑت بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلے جو کتابوں

آ چکی ہیں ان کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی وضاحت ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

کفار نبی ﷺ کے وجود پر اعتراض کرتے کہ کوئی فرشتہ کیوں رسول بن کر نہیں آیا انسان کیوں آیا ہے۔ جس کا جواب قرآن مجید نے دیا ہے کہ انسانوں کی مانوسیت کی خاطر انسان کو بنایا۔ فرشتہ یا جن کو بنا کر بھیجتے تو غیر انسان ہونے کی وجہ سے احکام کو غیر ممکن قرار دیتے اور مانوسیت نہ ہونے کی وجہ سے احکام کا پہنچانا اور سمجھانا، عملی طور پر کر کے دکھانا مشکل ہو جاتا۔ اس سے ایک یہ بھی عقیدہ واضح ہوا کہ رسول صرف مرد حضرات میں پیدا ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کام (تبلیغ) کی ذمہ داری ان کو دی جاتی ہے اس کے لئے مرد بطور جنس زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ یہ کام انتہائی مسلسل جدوجہد اور مشقت طلب ہے جس کے لئے خواتین اپنی فطرتی ضروریات کے لئے موزوں نہیں۔ مثلاً دورانِ حمل، ایام ماہواری، ولادت کے بعد، دودھ پلانا، پالنا، بدنی مشکلات ان کو اپنے فرائض کے ادا کرنے میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ اس لئے ان کو اس عظیم ذمہ داری سے بچایا گیا ہے۔

عیسائیوں کے ہاں حضرت مریم اور یہودیوں کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی انبیاء مانا گیا ہے۔ لیکن اسلام میں یہ ذمہ داری صرف مردوں کو، ان کی جسمانی ساخت و حالت کی وجہ سے عطا کی گئی ہے۔ بحیثیت انسان دونوں مرد اور عورت برابر ہیں اور ہر فرد اپنے اعمال پر سزا و جزا پائے گا اور یہی عدل کا تقاضہ ہے ورنہ ماں کا مرتبہ ہر شخص بشمول نبی کے لئے بہت اہم اور محترم ہے۔ اسی طرح انبیاء کا چناؤ شہروں کی آبادی سے کیا گیا جہاں اجتماعی زندگی کی وجہ سے تعاون، نرمی، انسان فہمی کا شعور، دیہاتی یا بدوی زندگی سے بہتر ہوتا ہے۔ اس طرح تبلیغ کا فریضہ زیادہ بہتر طور پر ادا ہوتا ہے۔ یہ امور اس بات پر ہمیں ہدایت دیتے ہیں کہ ہر کام کے لئے موزوں طریقہ اختیار کیا جائے۔

پچھلی قوموں کے لوگ جب انبیاء کی تبلیغ سے طویل عرصہ تک ہدایت سے انکار کرتے رہے اور جس عذاب الٰہی کی وعید (ڈرانا) بتایا جاتا رہا تھا اس میں ان کو زیادہ مہلت ملتی رہی۔ اس کیفیت سے جو مسلمان ہوئے تھے پریشان ہوئے کہ جس عذاب کا بتایا

جارہا تھا وہ نہیں آرہا اور ان کی بات سچی ثابت نہیں ہو رہی۔ کافر یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ صرف انبیاء کی دھمکی ہے حقیقت نہیں اور وہ اپنی ضد اور انکار پر اڑے رہے۔ پھر اللہ کا عذاب آگیا اور صرف مومنین کو اللہ تعالیٰ نے بچایا اور کفر و انکار کرنے والے تباہ ہوگئے جس طرح پرانے واقعات کا ذکر ہے۔ جسے اللہ چاہتا ہے بچا لیتا ہے۔ یہ کیفیت اکثر انبیاء کے ساتھ رہی، حضور ﷺ کو تسلی دی گئی، بالآخر حق کامیاب ہوگا۔

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کی تصدیق اور تفصیل ہے جو کہ پچھلی کتب میں صحیح طور پر درج نہیں۔ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید کے واقعات اور بائبل یا عہد نامہ قدیم کے واقعات کا فرق واضح ہو جاتا ہے اور قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور احکام اہل عقل و دانش کے لئے بہت بڑی راہنمائی ہیں اور قرآن مجید پر یقین کیا جائے تو انسانوں کے لئے رحمت اور ہدایت ہے۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں وہی مومن ہیں۔

سورۃ یوسف میں واقعات انسانیت کے لئے مینار نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو جمال انسان کو عطا کیا ہے اس کا ذکر ہے۔ والدین سے محبت، انسان سے انسانوں کی محبت، وقت کے ساتھ حسد کینہ اور نفرت کی تصویر بھی ہے، عشق و محبت کا درجہ کمال، ذات خداوندی سے عشق ہے۔ ان امور سے ہم روزمرہ کی زندگی میں گزرتے ہیں۔ جن کو لیڈر بنانا ہوتا ہے، انکی ضبط نفس اور تابعداری کی ٹریننگ، کردار کی بلندی، ہمت و عظمت انسانی، کو بیان کرکے انسانیت کے لئے حضرت یوسف کی صورت میں عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ احسان کرنے والوں کی قدر، پھر تکلیف دینے والوں کو معاف کرنے کا اعلیٰ درس، حاکم کے فرائض، امانت و دیانت، مخلوق خدا کا احساس و خیال اس میں موجود ہے، شیطانی اور برے خیالات کا انسان پر دباؤ اور نفس امارہ، برائی کا ماحول، اور اس کے خلاف اخلاق و اقدار کی جدوجہد، انسانیت کی عظمت اور اخلاق فتح کا اعلان کرتی ہے۔ خدائے واحد لاشریک کی عبودیت کا یقین اور اسی پر بھروسہ کا درس موجود ہے۔ جو ذات سب سے عظیم قابل اطاعت و بندگی ہے، وہی خالق کائنات ہے۔ یہ تمام امور، ان کے لئے نور ہدایت ہیں جو عقل و شعور سے ان پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں

قرآن مجید کی ہدائیت سے اپنے کو منور کرنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
الحمد للہ سورۃ یوسف اختتام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ بقیہ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے لوگوں کے لئے فائدے اور میری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

مصنف کا تعارف

مصنفِ تفسیر، ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد ضلع چکوال کی اعوان فیملی میں اُنیس سو اڑتالیس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علاقہ میں علمی اور روحانی لحاظ سے مشہور تھا۔ آپ کے بزرگوں (جد امجد) میں حضرت شیخ الحدیث قاضی قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ میں دین کی خدمت کے لیے مشہور تھے۔ آپ نے تکمیل علوم اور تدریس حدیث کی اجازت، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲۹۶ ھجری میں حاصل کی اور اپنے علاقہ میں دین کی خدمت میں تادم حیات مصروف رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مقامی طلباء کے علاوہ اٹک ،میانوالی اور گجرات کے جید علماء شامل تھے۔ آپکی تصانیف میں تعلیل صرفیہ، بدریہ، شرح فواید صمدیہ، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ مشکوات المصابیح ہیں۔ مولوی عبد اللہ جکڑالوی کے فتنہ انکار حدیث کا بڑی شدت سے دفاع کیا۔ جس کے نتیجہ میں مولوی عبد اللہ کو اپنا گاؤں چھوڑنا پڑا۔ آپ حضرت خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا ذکر "ملفوظات سراجیہ" میں ہے۔

مصنف کے دادا مولانا قاضی کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قران کے بعد دینی تعلیم شیخ الحدیث مولانا قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ آپ شیخ الحدیث کے نہ صرف عزیز تھے، بلکہ داماد اور آپکی وفات کے بعد خلف الرشید بھی بنے۔ ساری عمر اپنے دار العلوم میں تدریس و تبلیغ میں صرف کر دی۔ علاقہ کے اکثر علماء نے آپ سے تعلیم حاصل کی اور آپ بھی خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا بھی ذکر ملفوظات سراجیہ میں تحریر ہے۔ مصنف کے والد محمد نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے، حفظ قران اور ابتدای تعلیم، اپنے دار العلوم سے حاصل کی، میٹرک کا امتحان مقامی ہائی سکول سے پاس کیا، پھر تکمیل علوم دینیہ کے لئے پاک و ہند کی سب سے بڑے دار العلوم دیو بند (یو۔پی) تشریف لے گئے اور امتیاز کے ساتھ سند فراغت شعبان المعظم ۱۳۶۵ ھجری میں حاصل کی۔ فاضل علوم شرقیہ (اردو، فارسی، عربی) کے امتحان پاس کیے۔ پاکستان بننے کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے منسلک ہو گئے۔ پنجاب یونورسٹی میں جب شعبہ اسلامیات شروع

ہوا تو بطور معلم شعبہ فقہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۶۱ ھجری میں والدہ کی وفات کے بعد ،والد کی خدمت کے کیے لئے ملازمت کو خیر آباد کہہ کر گھر آ گئے اور ۱۹۶۴ ھجری میں اس دار فانی کو الوداع کہا۔ انیتس عدد، مختلف اسلامی موضوعات پر تصانیف چھوڑیں۔

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد، نے میٹرک پاس کرنے کے بعد خاندانی روایات کے مطابق اسلامی تعلیم کے لیے دارالعلوم جامعہ محمدیہ ، محمدی شریف ضلع جھنگ میں داخلہ لیا۔ یہ دارالعلوم، مولانا محمد ذاکر مرحوم کے زیر اہتمام تھا۔ مولانا محمد ذاکر مرحوم اور انکے چھوٹے بھائی مولانا محمد نافع مرحوم (مصنف، رحماء بین ھم)،دونوں آپکے والد مرحوم کے ساتھ دالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے تھے۔ مولانا محمد ذاکر مرحوم نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی عملی سیاست میں سرگرم اور قانون ساز اسمبلیوں کے ممبر رہے۔ آپ حضرت خواجہ ضیاءالدین سیالوی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ اپنے ادارہ (اس دارالعلوم) کو اسلامی یونیورسٹی بنانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن وہ پورا نہ ہو سکا۔ مصنف نے درس نظامی جامعہ محمدیہ شریف سے مکمل کیا۔ اس وقت فاضل عربی کا امتحان سرکاری طور پر ہوتا تھا، جس میں لاہور بورڈ سے ۱۹۶۶ میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دینی تعلیم کے بعد، بی اے معاشیات، ایم اے اسلامیات ، پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ روزگار کے لیے خطابت و امامت کے بجائے اکاؤنٹنگ کی تعلیم حاصل کی۔ کاسٹ اکاؤنٹ میں امتحانات پاس کرنے کے بعد شعبہ اکاؤنٹ میں ملازمت شروع کر دی۔ طویل عرصہ تک ایک بین الاقوامی پٹرولیم سروس کمپنی (بیکر ھیوج) میں لیبیا (شمالی افریقہ) اور مغربی یورپ میں کام کیا۔ شمالی امریکہ (U.S.A) سے ایم۔بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران شمالی امریکہ، افریقہ، ایشیا، یورپ میں سفر کا وسیع موقع ملا۔ جس کی وجہ سے مختلف افراد، تمدن اور مذاہب سے آگاہی حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۵ میں کمپنی سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ پاکستان آکر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ اسلامک بینکنگ پر تحقیق کی، جس کے نتیجہ میں ایک کتاب فنانسنگ ان اسلام اوپریشنل اپروچ، انگلش زبان میں تحریر کی۔ پھر

اس کا ترجمہ اردو میں اسلامی مالیاتی طریقہ کار، کے نام سے کیا۔ جسے انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی دعوت اکیڈمی نے شائع کیا۔ رضاکارانہ طور پر اسلامی تبلیغ اور تدریس پاکستان اور یو۔کے (برطانیہ) میں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک فلاحی ادارے کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ تفسیر بھی جذبہ خدمت دین وفلاح خلق کا نتیجہ ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ افادہ کی صورت میں اپنی دعاؤں سے نوازیں۔ کسی بھی تعبیر و توضیح میں کمی و بیشی سے آگاہ فرمایئں تاکہ اصلاح ہو سکے۔ اللہ تعالی کے حضور التجا ہے کہ ہماری بشری کمزوریوں کو معاف فرمائے، اسے قبول فرما کر مخلوق کے لئے فائدہ مند اور مصنف کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔